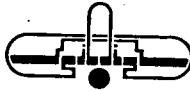


سب رنگ ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ

پارہ

دوسرا حصہ





ہماری آمد کی کسی کو خبر نہیں تھی۔ ہم وہاں اپنا کیمپ بننے لڑا کرتے
میں کھلی میچ گئی شولی نے مجھے کندھوں پر اٹھا لیا نصیب میاں نے
میری بلانیں لیں۔ اے واہ میاں! ایمان اللہ ایسی بھی کیا تم گری، نامہ
دہیا، زکلام، قسہ جتنی سنگیم کی استاد نواب کو کسی پہلو میں نہیں
تھا۔ آہیں بھرتے تھے نصیب میاں نے میرے ہاتھوں کو لہر دیتے
ہوئے کہا۔

اڈا اجڑا اجڑا معلوم ہوا لیکن تھوڑی ہی دیر میں آدمیوں سے بھر
گیا۔ شخص بھر سے گلے لہا تھا اور میری عدم موجودی میں بھل کی کیفیت
بیان کر رہا تھا۔ کانٹے نے بیٹی میں مجھے سچ بتایا تھا۔ جلد ہی مجھے خود بھی
اندازہ ہو گیا کہ اڈے کا وہ حال نہیں ہے جو پہلے تھا۔ کئی آدمی پیہر دینا
بند کر چکے تھے۔ سونا گاچی کے علاقے پر استاد توخاں نے پوری طرح
قبضہ کر لیا تھا۔ اُدھر گھوڑی پہلے ہی موجود اس کے اڈے پر قابض تھا۔ دودھ دار
کے چھوٹے موٹے اڈے بھی پیہر دیتے ہوئے آنا کافی کرنے لگے تھے اور
کہتے تھے کہ جب استاد بھل اس طرف کی خبری نہیں لیتا تو وہ کہیں اُسے
ملا کر آدنی میں شرمک کر بھل کے سارے شکایتیں کا دفتر کھل گیا۔
مے بنایا گیا کہ علاقوں میں گشت کرنے والے آدمی بھی حساب میں مامون
نہیں رہے۔ پیہر دیر میں ہی میں اڈا جاتے ہیں۔ بھل کے بیٹی جانے کے
بعد حالات اور خراب ہو گئے تھے۔ گھوڑی کی ننداری کا ذکر سب کے ہونٹوں
پر تھا۔ بھل کے اڈے کے کئی بڑے آدمی گھوڑی سے مل گئے تھے۔

دوسرے دن شرم میں دودھ دار تک پر غر چل گئی کہ بھل لاڈلے کے
ساتھ واپس آچکا ہے۔ شام کو استاد توخاں تمام رقم لے کے خود حاضر ہو گیا۔
اُس نے بھل سے معذرت طلب کی اور رقم کی ادائیگی میں تاخیر کے مختلف
عذر تراشے۔ بھل نے کچھ نہیں کہا۔ رقم نصیب میاں کو دے دی گئی۔ رات
تک لوگوں کا تانا بندا رہا۔ دوسری دنوں میں رکی ہوئی اچھی خاصی بڑی
رقم جمع ہو گئی۔ ادا اڈے کی پرانی رونق رفتہ رفتہ بحال ہونے لگی۔ کانٹے
بھٹی سے آنے کے بعد اب تک الگ تھلک رہا تھا۔ وہ بھی کچھ سرگرم ہو گیا۔
اُس نے بھل سے ایک ہزار روپے کے جولین کے نام پر بیٹی وائر کر دیے اور
مٹی آڑو میں سختی کے ساتھ یہ تاکید کر دی کہ یہ روپے صرف جولین خرچ کرے
گی۔ وہ جولین کے سولے روپے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ کپڑے میلے ہو گئے
تھے لیکن کانٹے انہیں اناڑا نہیں تھا۔ مامون فیض آباد جانے پر بھر تھا۔ بھل
نے اُسے نہیں جانے دیا۔ اڈے کے دوسرے لوگ اُس کی خاطر تو اضع میں مصروف
تھے۔ توخاں اُسے اپنے ساتھ سنا گاچی لے گیا تھا۔ شولی سارے لایا
لالہ وغیرہ سب میرے گرد جمع رہتے تھے نصیب میاں ادھر سے ادھر
تھکر رہے تھے جب بھی کوئی شخص پیہر لے کے آتا وہ چلاتے استاد
برکت ہی برکت ہے۔ ساری برکت چشم بدھ لاڈلے میاں کی ہے۔ استاد
نواب! ذرا ایک بڑا تو سنگو لوٹ

دو دن تک یہی ہنگامہ رہا۔ بھل زیادہ تر لوگوں کی باتیں سنتا اور
اُن سے ملتا رہا۔ وہ خود ماما غاموش ہی رہتا۔ تیسرے دن صبح ہی میں بھل

جس کا ساتھ اس مدرسے میں گیا جہاں مولوی غفر شفیق تھے اور کرا کر لے گئے تھے۔ مدرسہ جیل سے خندہ بستانی کے ساتھ بیٹن آئے اور مولوی غفر شفیق کی سامان رکھانے پر آمادہ ہو گئے۔ وہ سالانہ ایک الماری میں بھی ایک بندہ تھا۔ وہاں کوئی نئی بات معلوم نہیں ہوئی مولوی غفر شفیق کے سامان سے ایک کا پیٹل کاپی بنی تو غفر شفیق لکھے ہوئے تھے اور کھلتے ہی مختلف دکانوں کے پتے بھی درج تھے۔ جیل سے مدرسہ سے وہ کاپی عارضہ طلب کی۔ انھوں نے بڑی جیل و جنت کے بعد اسے کاپی لے دی۔ میں اس کے سامنے پر لے جانا چاہتا تھا مگر مدرسہ نے کاپی ہی بڑی مشکل سے دی تھی۔ وہ پر لے آئے اس میں فیروز کے تھے مگر کوئی بھی انھیں پناہ نہ تھا۔ ان میں کوئی کراچی خوش بو نہیں ہوئی تھی۔ میں نے سوچ لیا کہ کسی دن رات کہیں آکے انھیں چوری کر لوں گا۔ تاہم اس عمل میں ایک جھگڑا میں پھل سکتا تھا اور مدرسے میں کوئی خاص پر لہجہ نہیں رہتا تھا۔ وہ پر تک جیل مولوی صاحب کی کاپی کے چلنے پر جاہا کے آگے بالے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر کسی کو بھی مولوی صاحب کا پتہ معلوم نہیں تھا۔ صاحب یہی کہتے تھے کہ انھوں نے ایک عرصہ سے ان کی شکل نہیں دیکھی ہے، ذائقہ کے متعلق کچھ معلومات لکھتے ہیں۔

اُس دن رات کو جیل سے خلافت ترقی نامی تمام آؤں کا انھوں استاد جاکو کو بایا جیل کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ اُس کی عدم موجودگی میں جاکو اور جاکو کی عدم موجودگی میں کانٹے ادا لاؤ گے گا کامیاب نہیں گئے۔ کانٹے کی طرح لاؤ گا۔ جیل میں جاکو میں بہت سے وہاں تھا۔ صاحب نے یہ اعلان بہت سے سنا کیونکہ مدرسے سے لوگوں کو انتہائی کچھ جیل جاکو کے سامنے لاؤ گے کو متعلق کر کے لگا۔ کانٹے نے مجھے تباہ کیا جاکو بے حد مارنے کے بعد کھلتے میں نکلنے پر تیار ہوا۔ اس نے کھنڈ کے لیکن غلام کو اطلاع دی۔ دی ہے کہ وہ فیض آباد میں اس کے چھوٹے بھائی چمڑی دیکھ بھال کرتا ہے۔ فیض آباد کا اڈا یوں بھی محفوظ تھا وہاں کھلتے اور بھٹی کی طرح آپس میں اختلافات پیدا ہونے کا زیادہ امکان نہیں تھا۔ شہر بھی چھوٹا تھا اور جاکو گرفت سخت تھی۔

صرف چار دن میں اُسے کے معلومات مکمل طور پر اپنی دیگر آگے گئے نصیب میان کو روزانہ میں اپنے انداز کرنے کے کام سے تڑپتا تھا۔ کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ تقریباً اُسے سے تڑپنے والے بھی لوگ ادا میں آچکے تھے۔ غفر شفیق میں آتا تھا اور آنے والے لوگ غفر شفیق کے سامنے میں عجیب عجیب باتیں بیان کرتے تھے۔ میرا خیال تھا کہ جیل جاکو اسے غور طلب میں گئے اور کہیں گے کہ تاوودہ افغان چور ہے۔ وہ نہ تاج بھگتے کیلے تیار ہو جائے۔ مگر جاکو افغانی تو جیل کے آؤں میں شامل نہ ہوا اور شامل ہو گیا تھا تو اسے واپس نہیں جانا چاہیے تھا۔ اور جیل تیزی سے اپنے

کا نشانہ بنا تھا اور اپنے معتبر آدمیوں کو ٹما کے مختلف پلاٹیں بنے با تھا۔ جیل نے خاص خاص لوگوں کے ساتھ ایسی کسی کو نہیں بتایا تھا کہ وہ سر ساتھ دایں جا رہا ہے۔ میں شولی یا مارا نے کو ساتھ لے کے روز سیر کو یہ اُسے نکل جاتا تھا اور دو ہر کو دایں آتا تھا۔ شولی رات کو کچھ مار پڑا۔ گانا سنانا اس کی آواز سے ملے کہیں زیادہ بھڑکی تھی۔ ہاں میں بل کر کوئی اور کا کہیں خاندن بھر گئی تھی۔ اور ادا شاکر اُسے دایں آکے اور ادا شاکر کا ہاں سنا رہا تھا۔ لیکن مجھے جیل صاحب نظر آگئے۔ وہی جیل صاحب جو مجھ پر بہت مہربان تھے ادا شاکر کی روکی تو کیا کہیں نے جیل میں پڑھا تھا۔ اتفاق سے جیل صاحب کی نظر مجھ پر نہیں پڑی۔ میں نے راستہ بدل لیا۔ اُس دن رات کوئی آدمیوں نے قیل و قیل سے جیل کو آمادہ کرنا چاہا کہ وہ گھوڑی کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھائے، اس سے اُسے کی بدنامی ہو رہی ہے۔ جیل نے جس ہاں کر کے ٹال دیا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ جیل کے لیت و لعل کی وجہ کیا ہے۔ اگر وہ خود گھوڑی کا سامنا کرے تو مجھے کراہتا تھا کہ گھوڑی پر جاؤ اٹھانا اس کے لیے سب کی بات ہے تو وہ کسی کو بھی سبج نہ سکتا تھا۔

پانچویں دن صبح صبح سب جاگ گئے تھے۔ جیل نشانہ بنا تھا اور نصیب میان روزانہ پچھلے پچھلے سے دیکھ کر بھینچ رہا تھا۔ ہاں لوگ بھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میں پچھلے سے دو دروازے سے نکل گیا۔ نگلی میں آئے۔ یہی جیل ایک تیسری نگلی۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر میں نوکری کے محلے میں تھا۔ میں نے نگلی اُسے کی عمارت کے دروازے پر کھڑی دروازے پر جو لوگ موجود تھے، انھوں نے مجھے دیکھا تو کچھ ادا کی طرف دوڑے اور دوڑے میری جانب لپکے۔ وہ مجھے جانتے تھے۔ گھوڑی کہاں ہے؟ میں نے ان میں سے ایک سے دریافت کیا۔

”اندھے بندے نے آگے کے سینہ چھو دے ہوئے کہا۔“

”اُس سے کہو کہ لاؤ لائے آیا ہے۔“

مندانے اپنے شانے کو کھول لیا اور میری آنکھوں میں جھانکے گا۔ چھوٹے اپنے قریب کھڑے ہوئے۔ آؤں کو اشارہ کیا۔ وہ فوراً اند کی طرف بھاگا۔ کچھ وہ اچھی ڈھول میں تھا کہ گھوڑی کو آہرا دیکھ کے پلٹ پڑا۔ گھوڑی کے پیچھے کوئی آدمی تھے۔ میں اپنی نگاہ کو ادا لاؤں گا۔ گھوڑی نے خود ہی سے مجھے پکارا اور اندھے سے راتے کہ کھڑا ہو گیا۔ کیلے لاؤں گا؟“

وہ غور سے بولا۔

”گھوڑی! میں تجھ سے ملنے آیا ہوں۔ شاید تو نے سنا نہیں کہ ہم لوگ دایں آگے ہیں؟“ میں نے بلند آواز میں کہا۔

”میں نے سن لیا تھا۔ وہ منہ بنا کے بولا۔“

اس وقت میں مجھ سے یہ کہنے آیا ہوں کہ سب سے بھلا اور دایں

کر ہے۔ میں زیادہ بات نہیں کر دوں گا۔ تو نے آقا زور سے نہیں لیا ہے، تو نے جیل بھائی کے ساتھ بیچ بچا لیا ہے۔ تو نے استاد جیل کی ناموشی غلط سمجھی اور یہی غلط سمجھا کہ میں مر گیا ہوں۔ میں تیرے سامنے زندہ موجود ہوں۔ اچھی طرح اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔“

”استاد جیل! اس شخص نے کے کام کا نہیں لیا۔ یہ لڑکا ہو گیا ہے۔“

گھوڑی نے تھلا کے کہا۔ ”اور یہ آقا موبد سے استاد جیل نے نہیں لیا تھا، تو نے لیا تھا۔ لڑکا کیا تو اُسے پوچھ لیں کہ کوئی حق نہیں غلط موبد کے ٹیم بھی یہ آقا میں چلا نا تھا۔ میں اپنے گرد کا اڈا اس طرح مبرا ہو رہے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اُدھر تھا۔ بیٹھا تھا۔ مگر نہ لپکے ادا اور اُدھر آؤں ہاتھ سے نکلتا ہے۔ اُدھر جیل منہ چھلانے کو دن والے میٹھا ہے اور اُدھر سالانہ کی جالا بنا ہے۔ اُسے کو زنگ لگ گیا تھا لاؤں گا! میں نے استاد سے بار بار بولا۔ پراسا دے دھیان نہیں دیا۔ میں نے اڈا لے لیا۔ اب بھی استاد منہ بہ تالا لپکے ہا۔“

”زبان بھال کے بات کہو گھوڑی! اب استاد جیل کے لیے تو نے ایک لفظ بھی نہیں منہ سے نکالا تو تیری زبان کاٹ لیں۔ لپکے لپکے کا کھیلنے مت کر۔ یہ آقا میں نے استاد جیل کو دیا تھا تو اُس سے جانو کہ بل پڑا ہی دایں لے سکتا تھا۔ تو نے شہر میں لپکا تو اچھا ہے۔ گھوڑی! جیل نے تیرے ساتھ کیا یاد کی تھی؟ وہ مجھے انساپ سے قریب کا آؤں سمجھتا تھا۔ تیری آنکھ میں مگر کال ہے۔ تو ہمارے بچائے یا لڑکا ہو جائے تو کیا تیرے ساتھ تیری زندہ لاش تو ہے نہیں۔ تو استاد جیل کو بڑھا کتا ہے۔ پتلی سے ساتھ مل۔ میں تجھے اس کا بڑھا پکا کتا لگا۔ جیل کے اوتھا اڈے بھی تیرے ہر جا میں گئے لیکن تجھے تیری ماں کی قسم ہے، تو جانا کتا مت۔ جیل پر جاؤ اٹھانا ہم میں سے کوئی نہیں لپکا۔ چل۔ میں نے اسے دھکیلے ہوئے کہا۔

”تو نے بات کی اڑی کر لیا ہے۔ یہ سیدھا کھڑے ہوئے تیرے بولا۔“

”میں کہیں جاؤں؟ جیل کو آتا ہوتا خود آتا۔ تو اُس کے حق میں نہیں بولے گا تو اور کون بولے گا۔ پر میری بات سن لاؤں گا۔ اچھا کتا مت کر۔ میری جگہ تو ہوتا تو بھی میری جگہ جیل کا ٹیم جا چکا ہے۔“

”جیل کا ٹیم جا چکا ہے اور تو نے یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ تیرے ساتھ احسان کرنے والے کا ٹیم کہاں جا رہا ہے۔ تو گھر کی طرح اُس کے قریب منڈو قرار پا کر اب استاد گردن ڈالتا ہے۔ گھوڑی! جو بھی نہیں ہوتا تو نے وہ کیا ہے۔ اب تیرا کیا خیال ہے؟ اڈا دایں تو لپکے جیل کو لپکے؟ اور میں نے اب وہ جاکو بھی آگیا ہے جو آؤں کی تھی پر جاکو تو لپکے تو لپکے دوڑے۔ میں کوئی اور بات سنانا نہیں چاہتا۔ تو نے بچا لیا ہے۔ جو اپنی غلطی مان لے اور ٹراؤ آدمی ہوتا ہے۔ اب بھی کچھ نہیں گیا۔ آقا دایں کو نے جیل کو بیان آنے کی

مکلفیت ہے۔ تو جاکو بولا۔ ہاں بھی نہیں ملے گا گھوڑی! اب ہم میں سے کوئی کچھ پر جاؤ نہیں آتا۔ اس کا استاد جیل ہی تجھ سے ملے گا۔“

”تو کیا کیا چاہتا ہے؟“ وہ تندی سے بولا۔

”تو سمجھنا نہیں چاہتا اور نہ میری بات باکل صاف ہے۔ میں تیرے پاس آیا ہوں۔ تجھے میرا جاکو چاہیے۔ میں تیرے ساتھ مل اور استاد سے معافی مانگ لے۔ وہ تجھے صاف نہیں کرے گا لیکن میں اس سے کہوں گا کہ وہ میری بات مان لے گا۔ جو بھی نہیں جلدی سے فیصلہ کر لے۔“

کچھ دیر بعد ہم اڈے پہنچ گئے۔ میری تلاش میں کسی آدمی دوڑ چکے تھے۔ میں نے گھوڑی کو جیل کے سامنے کھڑا کر دیا۔ جیل نے نہ پچھیر لیا۔ اسے صاف کر دیا۔ جیل بھائی! میں نے عاجزی سے کہا۔ میں لپکے اسی لیے لایا ہوں۔ میری خاطر صاف کر دو۔“

”لاؤں گا! جیل ڈانٹنے لگا۔ تو اس کہنے کے پاس کہیں گیا تھا؟“

”گھوڑی سے غلطی ہو گئی جیل بھائی! غلطی کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔ ہم سب اپنی زندگی میں اپنی غلطیوں سے دوچار ہوتے ہیں۔ تو نہ کہتے تھے کہ جو دایں آئے اس کے لیے دل کھلا رکھنا چاہیے۔ گھوڑی نے میری بات کا لیا تو کیا کہیں سے ساتھ چلا آیا۔“

”اگر تو نے جس شخص سے یہ سچ سچ ہے کہیں پوچھا ہے۔ وہ کرب سے بولا۔ پر تو لپکے اسی باتیں مت کا کر۔“

گھوڑی نے تیزی سے بڑھ کے جیل کے پیچھے چلے۔ جیل بگڑا۔ دیا گھوڑی چلے گا۔ جیل نے اس کے کال پر ایک ٹاپی دیکھا۔ گھوڑی اس کی چھاتی سے پلٹ گیا۔ قسمت کا چھانے گھوڑی کو لاؤں گے۔ اس پاس پہنچ گیا۔ میں جاکو تیرے پاس بھیجے ہی والا تھا۔ دلا شہر والوں میں پڑ جیل جانا کہ استاد جاکو کون ہے۔ جاکو اب لپکے تو یہ سب بھال۔“

جیل نے اُسے ایک ہاتھ سے دھکا دیا۔ دوسری طرف سے جاکو نے گھوڑی کو بچو کے گئے سے لگایا۔

① دوپہر ڈاکہ نے ایک خط جیل کے سرور کیا۔ جیل نے اُسے سیر خولے کر دیا۔ وہ دو دن کا خط تھا۔ زین نے جیل کو آگیا تو لپکے کے بعد اس کی خبر پر پوچھی تھی اور لکھا تھا کہ میری معرفت تمہارے بھائی سے ایک خط آیا ہے۔ میں نے خط کھول کے میں دیکھا ہے، اسے کسی نام کے بغیر آپ کے پاس بھیج دی ہوں۔ یہ خط کسی جاکو نے لکھا ہے۔ تقریباً ظہیر میری ہی ہے۔ سچے ہوں گے۔ آپ جاکو تو اسے کھولیں۔ ظہیر اس طرف آنے والے میں سامنے نے اسی طرف سے پل پڑا۔ جاکو۔ لیکن ہے وہ کھلتے میں آپ کے پاس پہنچ گئے

رہا ہے تو مجھے فوراً مطلع کیجئے اور ان سے میرا آداب کیجئے۔
 بیٹی۔ نہیں۔
 خط کے ساتھ جسے نام ایک نفاذ بھی تھا میں نے جلدی
 سے بھاگے دکھا۔ وہ دھڑکنے میں ایک دوسری خط تھا، جو لیں
 اسلام کے بعد اس نے لکھا تھا میں یہ تعین داپس کر رہی ہوں۔
 کے ساتھ۔ جو لیں۔
 جو لیں نے جبکہ داپس کو دیا تھا۔ وہ خط بھی اس کے ہمراہ تھا
 نے وہ لیں کی بابت پر ہیک کو لکھا تھا تاکہ جو لیں کو اپنے ایک کوٹ
 پہنے منتقل کر آتے۔ مجھے کوئی پریشانی نہ ہو۔ میں نے دونوں خط
 اور پڑھی جا کر ہیک کو خود بھی ریزہ ریزہ کر لیں کاش
 ہے اپنے ہاتھ سے یہ جبکہ ہے کہ آنا کوئی ایسی ترکیب کرنا
 میرا اس کے نام منتقل ہو جاتا اور اسے اطلاع ہیک کے ذریعے
 کو کوئی کسی کی چیز لینے پر تیار نہ ہو تو کو اسے جیبت ملتا ہے۔
 نے نہ جانے کیا مجھے جبکہ داپس کو دیا۔ اب میں اسے اس طرح
 سکتا تھا۔ وہ تو اپنی دور ہو گئی تھی۔
 چل داپس ایک دن اور پھر اسٹیشن پر نصیب میاں کا سنتے
 ملے گھوڑی اور جا موڑو تھے۔ ہمارے ساتھ بہت مختصر سامان تھا۔
 بستر، تھامد ایک سوٹ کیس، چھل سفر کرتے چلا اور دیکھ کر
 دپس تھا۔ اس نے مراد آباد ہیک کا ٹھکانہ فرمایا۔ میں نے منع کیا کہ
 باوجود انا بے سوچے ہوئے نہ کہ وہاں میں ایک ایک آدمی سے مولوی
 کے کہ اسے میں معلوم کر چکا ہوں مگر چھل نے میری بات نہیں سنی۔
 نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا کچھ عجب نہیں تھا کہ اس عرصے میں مولوی
 داپس آگئے ہوں یا ان کے کسی عزیز کو ان کا آنا بتا دیا ہوگا
 جیسے جیسے مراد آباد قریب آتا گیا ہر کسی نے خوشی منائی تھی۔
 رات میں نے سوچا کہ ہم مراد آباد اسٹیشن پر آئے۔ سیریاں ایک
 تھے۔ اسٹیشن کے سامنے ہی ساز خانہ تھا۔ چھل ساتھ نہ بڑا تو لیں
 شے سے بے سہا مولوی صاحب کے محلے کی طرف نکل پڑے۔ چھل کو کتبہ
 اور دیکھتے تبدیل کرنے میں دیر لگ گئی۔ میں نے یہ کام فٹوں
 جانے میں اند وقت لگ گیا۔ ساز خانے کے باہر ہی انگوں
 ایک تھا۔ کھڑی تھی۔ ہم دونوں پہلے تانگے میں بیٹھ گئے۔ اسٹیشن سے
 گنج کا راستہ دو ڈھانی میل کے قریب ہوگا۔ دوپہر کے ساتھ چھل
 اس لیے اسٹیشن روٹی ٹرک پر غاصی بیٹھ تھی۔ مغرب کی اذان
 وقت ہم فیض گنج میں داخل ہوئے۔ مجھے وہاں اچھی طرح اپنی
 بروی فیکٹ ہوتے تھے۔ گلے میں انچہ لڑکھا تھا۔ بوسنی کا تاجی ملا آتی
 پھر چوہہ شے ملا رہا تھا۔ مولوی شفیق کے مکان میں چھل روٹی ہو
 لی چھل نے میرا ہاتھ تھام لکھا تھا جیسے اسٹیشن سے پاس نہ دھار

پوٹنگ دی۔ میں نے زور سے انھیں بند کر لیں۔ اندر سے ایک اچھڑ کر
 آئی۔ مراد آباد مولوی صاحب وہاں نہیں تھے۔ وہ جھاکوں ہوئے۔ اس
 مکان کے بعد ہم نے کسی کانوں پر دھکیں دیں۔ ہر جگہ سے ایک ہی جواب
 ملا۔ ان کے اعتراف مولوی صاحب کو تفریق مافزاکوش کر چکے تھے۔ رات کو
 دکن سے ہم ساز خانے واپس آگئے اور صبح ہوتے ہی پھر چلے گئے۔
 ہم نے شاہی بازار میں بڑوں کی مختلف دکانوں پر بھی مولوی صاحب کے
 متعلق معلوم کیا۔ سندھ اندر قادیامہ قادیامہ اور مراد آباد کے نام بڑے
 مدرسوں میں جا جا کے پوچھا۔ تین دن تک ہم اسی طرح کہے کہوے پھر
 بے مولوی صاحب کی مادیوں ان کے کن خان اور ان کے مزاج وغیرہ کے
 بارے میں تو بہت کچھ معلوم ہو گیا۔ لیکن کسی شخص نے پلٹ کے ان کی خبریں
 کہ وہ اپنا ہیک کہاں غائب ہوئے۔ ہم نے بتوں کی کچھ دکانوں سے کسی
 شہر کے دکان داروں کے پتے ضرور معلوم ہو گئے جہاں سے مولوی
 صاحب بڑوں کے آؤدیک کرتے تھے۔ چھل نے ہیک ساہو کار کو قلم
 خریدے گئے دسویا تھا۔ کوئی خاص بات ہوئی تو وہ مجھے ٹوٹ کرنے
 کا اشارہ کر دیتا۔
 مراد آباد سے چلتے ہوئے میں نے چھل سے پھر دپے لے کر اجند
 بیگ کی مٹی خرچ کے لیے تھانی اور دیگر چیزیں خریدیں لیکن میں ہاتھ ہی
 سے وٹ آیا کہ تین تیرہ اجند بیگ کی سال میں ہو۔ اب تو مجھے چھل بھی
 گئی ہوگی اور چھل گئی ہوگی تو جو بے رہی ہوئے دیا جائے۔ ہتھ آؤدیں
 سے ملائے۔ اتنا ہی اچھا ہے۔ میں نے تھانی ساز خانے کے باہر کھڑے
 ہوئے تھیں کوئی دی اور فون کے کھلنے میں بھی اس قسم کے بدلے سات
 کو ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ چھل کا خیال تھا کہ اب دلی صاحب کو ان
 ملائوں میں تلاش کیا جائے جو بہت سے قد میں۔ مولوی صاحب کو کولنے
 تمام بائیں تادی ہوں گی اس لیے وہ اسے لے کے کسی ایسی جگہ منتقل ہوئے
 ہوں گے جہاں ان کے کسی جاننے والے کے پینے کا امکان نہ ہو اور جہاں
 کو راجہ کی تلاش میں پھر سے فالے بہت کے لوگوں سے بھی دور رہے۔ ہم
 دلی آگئے اور دلی سے مداس جانے والی ریل میں بیٹھ گئے۔ چھل سے صبح
 کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ مولوی صاحب کیس بھی ہو سکتے تھے۔
 مداس شہر میں ہیں نہ بھی مولوی صاحب کو تلاش کیا تھا مگر چھل نے
 چند مغز سے بنالے تھے۔ اس کا خیال یہ بھی تھا کہ مولوی صاحب نہ کسی
 گاہن میں ہوں گے کسی بڑے شہر میں۔ وہ ایک اوسط دپے کے شہر
 میں ہو سکتے ہیں اگر وہ کسی بڑے شہر میں ہوتے تو مراد آباد کے کسی شخص
 کو اس مدت میں ضرور دکھائی دیتے کیونکہ بڑوں کی تجارت کے سلسلے میں
 مراد آباد کے لوگ ہندوستان کے تقریباً تمام شہروں میں جاتے ہیں۔ مولوی
 صاحب کے پاس کوئی خزانہ نہیں تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنی گزربریکے
 کرنی نہ کوئی صورت ضرور اختیار کی ہوگی اور اگر کسی حد خلعت کی وجہ سے

وہ کرنی بڑا کاروبار بھی نہیں کرے ہوں گے نیز انھوں نے غنت مزدوری
 کا پیش بھی نہیں اپنا ہوگا کیونکہ یہ ان کی مراد مزاج کے خلاف ہے۔ وہ
 کوئی بڑا کاروبار اور غنیہ کام کرتے ہوں گے۔ شاید کسی دسے میں پھلتے
 ہوں گے کسی مسجد میں امام ہوں گے اور ان کی کوئی چھٹی موٹی دکان بھی
 ہو سکتی ہے یا وہ کچھ پیش کا کام کر رہے ہوں گے۔ چھل نے بعض بڑوں
 ہند کے تمام چھوٹے شہروں میں تلاش کرنا چاہتا تھا۔ مداس اس کی
 منزل نہیں تھی۔
 ہم دوپہر تک مداس ٹرک کو دو کوچین میسور منگلور اور داس پاس
 کے تمام شہروں میں گھومتے رہے۔ چند شہر چھل کے بانی ہیں۔ کسانوں کی
 آبادی نہ ہونے کی بنا پر تھی۔ میاں جتنے دسے تھے۔ میسور میں اور
 کسانوں کے دوسرا اولے تھے۔ وہ دس ہم نے کچھ لے گئے۔ ہر قسم کے
 ہمارے بھی بات کی تھی میسور سے ہم اور اوپر آگئے کر لیں۔ اسے چور
 اڈی، گلگر، بیدر، لٹھا، آباد اور ایک آباد سکندر آباد وغیرہ سے گزرتے
 ہوئے تھے۔ میرے جیسے حیدر آباد کو پہنچ گئے۔ جہتی ہند کی شاہی ہی کوئی چھٹی
 بڑی بستی رہی ہو جہاں ہم نہ گئے۔ ہم ان شہروں میں آجماں کا بھی
 کوئی پتہ نہ ملا۔ اسٹیشن سے سفر کے بعد بھی چھل کے ہر سے پہنچن میں
 تھی۔ میں نے اس سے کسی بات نہ کی۔ وہاں کہاں کہاں ان کو ہوتے ہوئے لوگوں
 کی تلاش میں دور ہو چکے کہ گا۔ وہ داپس چلا جائے مگر چھل نے
 ہر بار سبے چھل دیا۔ پھر میں نے کہا ہی بند کر دیا۔
 دلتے ہیں ہر طرح کے واقعات پیش آئے۔ منگلور میں ہلا
 بستر بند چوری ہو گیا، کسی جگہ لوگوں نے ہماری جیب کاٹنے کی کوشش کی،
 ہمیں غلط راستوں پر ڈال دیا گیا، کالج کے طلبہ کے ایک گروہ نے جو
 چمک مٹانے حیدر آباد مارا تھا، دلی میں چھل کا مذاق آؤا اور اسے
 میٹ سے اٹھا کر غرض چاقو تلنے کی ضرورت کی جا پیش آئی مگر چھل تو
 میسے چالو اپنے ساتھ لایا ہی نہیں تھا۔ وہ آؤوں اور پادوں سے
 دو دو دو دو رہا۔
 میں حیدر آباد پہلے ہی چوکا تھا لیکن جب ہم اس طرف آہی نکلے
 تھے تو ایک بار چھل قسمت آڑے لینے میں کیا سرجن تھا۔ حیدر آباد خاصا بڑا
 شہر اور کسانوں کا مرکز تھا۔ چھل کسی شہر میں داخل ہوتے ہی اس انا سے
 انھیں ڈھونڈتا تھا۔ اس سے ہر گز امید نہ کہ کر ن لفظی تھی۔ یہ بات
 تو اب بالکل بے ہوشی تھی کہ حیدر آباد سے نیچے جہتی ہند کے تمام سلاطے
 میں مولوی صاحب اور آجماں بھی نہیں گئے۔ ہم نے مگر مگر لوگوں کو انہیں
 کا پتہ ہی نہ دیا تھا کہ انھیں کوئی ایسا شخص نظر آئے تو وہ فوراً مطلع
 کر دے۔ پتے کے ساتھ ہم نے محنت لگے ہوئے خانے بھی تھے۔ تھوڑے دن
 تقسیم کیے تھے۔ حیدر آباد میں ہیں تمام کے ہوتے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ پہلے
 مرغلے میں ہم نے تمام دسے لاپرواہیاں اور خانقاہیں دیکھ لی تھیں۔ حیدر آباد

کے نواح میں گر لکھنا کا علاقہ، حسین مار اور قطب شاہی مزارات کے
 قریب کی تمام مسجدوں میں بھی جا کے پوچھ لیا تھا۔ ملک نما کی جاؤشوں کی
 جتنی میں بھی اعتبار کیا ہوتے تھے۔ اب موت و کائنات اور بازار دیکھتے تھے۔
 اس دن تمام کو ہم چار ہندسے شاہ گنج کی طرف جا رہے تھے۔ میاں عوا
 چھوٹی دکانیں تھیں۔ ہر دکان بڑے دکانوں میں سے کسی دکان پر ہیک کے کم
 انھیں پوچھ لیتے۔ چھل ایک بازار کی مختلف قسم کی دکانیں غنیمت کرنا تھا۔
 مثلاً چھل کے کوئی دکان بڑوں کی بڑوں کی چھل کے کوئی دکان مولوی
 صاحب کی بھی قسم کا کاروبار کرتے ہوں۔ اس سے متعلقہ دکان داروں سے
 ان کا رابطہ ضرور ہونا چاہیے تھا۔ ہم دو کھٹے انتظار کرتے رہتے کہ
 گلک بھیں تو ہم دکان پر پہنچیں۔ جیسے اذات بہت میر ہو جاتی تھی۔
 پھر میں کوئی عملی چیز خریدنے کے بدلے دکان دار سے بات کرنے کا
 طریقہ اختیار کرنا پڑا تھا۔ بعض دکان دار باری پوری بات ہی نہیں سنتے
 تھے جیسے ہم ان کے پاس جھیک لگنے لگتے ہوں۔ وہ بڑاری سے کہتے
 تھے کہ اب اگر ای کا کاٹا ہے۔ سوختے کے ذلت آؤ۔ البتہ بعض دکان دار
 بہت خرافات سے پیش آتے تھے۔ چھل ایک بازار میں ایک قسم کی کڑم
 دو دکانوں پر ضرور جانا تھا۔
 ہم نے شاہ گنج کا بازار تقریباً سائے کا سارا دیکھ لیا تھا۔ چھل
 سے ہم طوافوں کے بازار محبوب کی مندی آگئے۔ جب ہم ایک بالا
 خانے کے نیچے سے گزر رہے تھے تو آگے میں شور سنا دیا۔ چھل
 کی ایک دکان کے سامنے بیٹھ گئی مولوی صاحب اور چھل پکار کر مولوی
 تھی۔ گلک ایک ایک کر جم کے درمیان دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔
 ہم ایسے جھوٹے ہر قسم کے سرسری نظروں سے گزر رہے تھے۔ چھل نے وہ
 مولوی کا مٹا ہوا ہوا اور اتنا جھگڑا۔ ہم دکان پہنچے تو بار پانی ہو رہی
 تھی۔ وہ دو دروازوں کے تھے۔ ایک کی عمر بہت کم تھی۔ کوئی بندرہ
 مولر کا ہوگا۔ دوسرا آئیں کا ہوگا۔ دونوں ایک دوسرے سے گئے۔ ہوتے تھے
 ان کی زبانوں سے گالیاں بھی جاری تھیں۔ لوگوں نے جھگڑتے جھگڑتے
 بجاد کی کوشش کی مگر عجب انھیں کامیابی ہوئی تو وہ مٹا لیا۔ چھل نے
 چھوٹے دکان کے سرے سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے بڑے دکان کے
 بال پر دھکے تھے اور بڑا دکان کے پیٹ میں رات مار رہا تھا۔ جو
 کو ایک نظر دیکھنے کے بعد چھل نے لہجے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا لیکن
 میرے مذہب میں ہم گئے تھے، چھل کے ہو گئے تھے میری آنکھیں پھٹ
 گئی تھیں۔
 مجھ کو لگا جہاں گیا تھا۔ میں اس کا چہرہ کیے جھل سکتا تھا،
 وہ بڑا چھل جہاں تھا۔
 میں نے چھل کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور جھٹ کے
 درمیان میں کود پڑا۔

ابن نے پہلے ہی جان لیا تھا کہ پردہ سیال ہو رہا ہے تیزی سے بولا تو لڑکا بالکل بچا ہوا حشت! مولا بے ہوش کر کے ڈالیا۔ اچھری میں اتنا زور نہیں تھا کہ کہیں شاہ کے مرنے پر ہلچل نہ اٹا۔ تو کشت اچھی تھی کتاب لوگ وقت پر پہنچ گئے۔ ایک بات بولیں؟ وہ پانچ سو سال سے ترب کرتے تھے غرض میں بولا۔ آواز سے ہر شہیدار دہن مولا نے کہہ کر شاہ سے جا کے بولا ہوگا جو سائیں کو بیکار کر لے گا۔ کچھ چپ چپا ہے۔

”تھا کیا مطلب ہے؟“ بچل نے جھاری آواز میں کہا۔

”کام کی بات بولتا ہوں سرکار! پچتریں ادرہ آکے جھنک گیا ہوں۔

میں سال ادرہ مفرات سے ہوتے ہو گیا۔ یہ زمین سسرلاؤں سے بچک گیا ہے مطلب مات ہے۔ اس طرف لوگ اپنی سانب کیسے تھاکا د سکتا ہے۔ مالی بھی نہیں چلتا۔ کلہاڑی نہیں چلتا۔ وہ ادرہ ادرہ دیکھ کے نہیں کہ بولا۔ جید آواز میں سائیں سائیں کو بول ادرہ آواز میں چپ کے سکون کلہاڑا کہتے تھے۔ دونوں کے ایک ساتھ رانچ تھے۔ جہن کلہاڑا کہنے سے اس کی لڑائی تھی کہ ہم ریاست سے باہر کے لوگ ہیں۔

”ادریہ لڑکا کون تھا؟“ بچل نے تخی سے پوچھا۔

”یہ تو جو خاتون زو اب زور مرنے کی خام کا مینا ہے۔

”مرئی خام زو اب زور! بچل ایلے ہوتے لیے میں بولا۔

”ماں مرنے کی خام؟“ وہ اشتیاق سے بولا۔ خام کا نام اب ماں مرنے کی خام ہی پڑ گیا ہے۔ وہ کوئل کی طرح کوئی ہے۔ زو اب عالم تاب ہوا کرتے اسے مرنے کی خام کا خطاب دیا تو یہی نام پڑ گیا۔ اب بس قسمت والوں ہی کو مرنے کی گنگا کا مادہ دیکھ کر قوتا ہے۔

”کیوں؟ کیا وہ عقل نہیں سمجھتی؟“

”ہے ہے۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر سزاؤں بھرتے ہوئے بولا۔

”جب اس نے گانا بند کیا ہے، ادرہ بازارا دھارہ گیا ہے۔ اب وہ صرف دہلار مگر ایں جاکے گا تو ہے۔ میں کیا بولوں ایک رانہ خا کہ دو دوسرے لوگ اس کا جوارہ دیکھتے اور اس کی آواز کی خراب پینے آتے تھے۔ خام نے کئی سال ہوتے اپنی بدکن بند کر لی ہے۔ اب میں ڈال ہے کہ لوگ دیکھ کر ایک کو ترس جاتے ہیں۔ اب تو صرف مختار آڑی ہی رہ گیا ہے۔ خیر خراب بھی لوگ ہیں۔ وہ کہہ سکا کہ بولا بازار بھی بند نہیں ہوتا۔ اس خبر سے میں روز نیا بھی آتا ہے۔ ابھی لولو حشت! کہیں چلتا ہے؟“ وہ نہ لب سکرابٹ سے بولا۔ آج کل تو بازار میں قوت آئی ہوئی ہے۔ کل ہی ناس سے ایک نئی مینا آئی ہے۔

”کیا یہ لڑکا رتہ، خام کا بیٹا ہے؟“

”بچل کے منتشر پر اس نے منہ نہ کیا۔ لوگ ایسا ہی بولتے ہیں مرنے کی خام بھی اسے بیٹا ہی کہتی ہے۔ ابھی کوئی قیصرہ سال ہوئے بازار کے گولن نے اس لڑکے کو خام کے ساتھ دیکھا تھا۔ ہوگا کسی زو اب ہی

کے لطف سے۔ مرنے کی زو اب سے کم کسی آدمی کو گھاس نہیں ڈالتی... مروت شکل سے بھی رتہ زو اب زادہ گا ہے۔ بچو! ناک ٹھہری رہتی ہے۔ کسی سے ملتا ملتا ہیں۔ زیادہ تر گھر میں پڑا ہوتا ہے۔ خام نے اسے پڑھانے کھانے کا بھی گھر ہی پر انتظار کیا ہے۔ صبح ایک گولی اور شام کچھ کھانے کو پتہ پتہ ایک عیسائی سائرا تھا ہے۔ عرصے سے خام مینوں مینوں کے لیے بڑے بڑے راجوں مہاراجوں فرالوں کے ملائے۔ پنگانے کے لیے جاتی رہی ہے۔ وہیں کسی زو اب سے آسانی ہو گئی ہوگی۔

لوگ بولتے ہیں کہ مرنے کی خام نے اسے اپنی ماں کے پاس بھولایا ہے۔ دکھا ہوا تھا۔ ماں مرنے کی خام کو تو اس کے کچھ ادرہ اپنے پاس لے آئی۔ پہلے چھپائی تھی۔ اب اسے چھپانے کی ضرورت نہیں زو اب ہاؤس کے ماں سے اسے اتنا مل جاتا ہے کہ کوئی شہنشاہ بھی جلا سکتی ہے۔ کچھ بڑی مادی بھی بولتے ہیں کہ خام کی جانی جوانی نے انگوٹھی لائی ہے۔ لڑکے کو تیار کر رہی ہے۔ اند کا حال تیلی چھتری والا جانتا ہے۔ لڑکے کی انٹھان...

”میں کروڑ چلنے نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی۔

”کیا حشت! وہ ناگوار سے بولا۔ آپ ہی کی بات کاٹ دی۔

بول رہا تھا۔

”کیا خام اکمل رہتی ہے؟“ میں نے منظر سے پوچھا۔

”لیکن بچل اس کا جواب سننے سے پہلے ہی اٹھ گیا تھا۔ اس نے کرتے کرتے اندر بند کی جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کے ہوا بھی پتھیل پتھیل پر دکھ دیا اور تھی بند کر دی۔ وہ انڈی تری سے گلیں جھپکا کر موٹیں رہا تھا۔ ہمت نہ ہر بعد اس نے چوک کر انھیں گھولیں اور بھگے لگا۔ اس نے جھک کے دو ترہیں مسلا کر ہم بول سے باہر گئے تو کسی پر لپٹیں دو حرکت بچھا ہوا دیکھ کر کوٹ بٹلنے لگا۔ تو بھی کچھ کر وہ بھی تیزی کے ساتھ چہرے سے دو گلیاں کہیں چلیے گئیں؟“ وہ مدھی کر لے۔ وہ بڑھتا ہے ہوتے بولا۔ میں نے ہنگامی بھری۔ وہ تھکے ہوئے لیے میں کہنے لگا۔ کیا سوچ رہا ہے؟

”کیا سوچ سکتا ہوں۔ میں نے دو تہی ہوئی آواز میں کہا۔ کیا تھیں اب بھی شبہ ہے کہ وہ جہاں گیر نہیں ہے؟“

”تجھے پہلے بھی شبہ نہیں تھا؟“

”تو پھر کیا ہے۔ تم وہاں سے واپس کیوں چلے آئے؟“

”انہرہ ہوتا تھا۔ اندر سے میں وہاں جانا چھیک نہیں تھا۔

”کیوں؟ کیا کوئی نہیں روک لیا؟“

”میری روت لاری گئی ہے لاڈلے! وہ اٹھ کے بیچر گیا۔

”جہاں گرا گیا کہ میں رہتا ہے مرنے پر نہیں۔ ہو سکتا ہے اس وقت نام لٹنے سے انکار کر دیتی اور اسے معلوم ہوتا کہ ہم وہی لوگ ہیں جنہیں اس نے تھوڑی دیر پہلے دیکھا تھا تو وہ شبہ کرتی۔

”تو کیا ہوتا؟“

”کچھ نہ ہوتا۔ پرست کچھ ہو بھی سکتا تھا۔

”کیا ہو سکتا تھا، ہم نہ سکتے تھے کہ ہم جہاں گیر سے ملے گئے ہیں۔

”ہم عجب کی مہندی کے سلاطے سے مل گئے۔ اندر بڑھ گیا تھا۔ میں اسٹینڈ پر آئے آتے کھمبوں کی روشنیوں میں گھلنے کے کرتے کرتے دامن پر جہاں گیر کے خون کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ اس نے

کھٹے بدل لیے اور انھیں بند کر کے لپٹ گیا۔ میں اس کی صورت دیکھتا اور اپنی لڑکیاں کو جتا رہا۔ لپٹے جھڑک سے مجھے کوئی بات نہیں کہ تھی۔ تجھے اب اپنے آپ سے ڈرگ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہر سال ہر جسم کو یہیں سنا ہوا ہے اور تھیں جھک رہی ہیں۔ خام کے ماں جانے میں بچل کے پس بدیش کی وجہ اب کچھ کچھ میری تھیں آ رہی تھی۔ بچل نے جھل پر لڑکا کر دیا تھا کہ وہاں جانے کے بعد مجھے اور نہ جانے کیا کیا دیکھا اور سننا پڑے۔ کچھ وقت گزارنے کا تو سب کچھ دیکھنا اور سننے کے لیے میری آمانگی بڑھ جانے کی لیکن بچل کو خیال نہیں رہا تھا کہ میرا سنا بہت کٹا ہوئے نہ چھٹے گائیں۔ کئی کچھ میری عقل میں سورا سورا گئی تھیں۔ بچے دیکھ کے بھی میری آنکھوں نے دنیا کی نہیں کھائی تھی۔

”کرے میں بچل کی گری سانسوں کے سوا کوئی آواز نہیں تھی میں اسے ہونے خاصی دیکھ رہی تھی۔ جہاں گرا کچھ ربار میری آنکھوں کے سامنے آ جاتا تھا، وہ مجھ سے چند ہی میل دور تھا۔ اتنے لیے سفر کے بعد میں اس کی صورت نظر آتی تھی جب پردوں میں گئے پڑ گئے تھے اور تھک کے چراغ کی کوڑیہ رفد کم ہوتی جا رہی تھی، اب بھی مجھے اس کی موت ایک جھک نصیب ہوئی تھی۔ میں اسے ابھی طرح دیکھ رہی تھیں سکتا تھا، بچل وہاں سے واپس چلا آیا تھا اور اب دوبارہ جانا ہوا بھی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ وہ پانچ بیٹیلے ہلنگ پھلنگ ہوا تھا لیکن اس شخص کی پتھیل پر دکھ دیا اور تھی بند کر دی۔ وہ انڈی تری سے گلیں جھپکا کر موٹیں رہا تھا۔ ہمت نہ ہر بعد اس نے چوک کر انھیں گھولیں اور بھگے لگا۔ اس نے جھک کے دو ترہیں مسلا کر ہم بول سے باہر گئے تو کسی پر لپٹیں دو حرکت بچھا ہوا دیکھ کر کوٹ بٹلنے لگا۔ تو بھی کچھ کر وہ بھی تیزی کے ساتھ چہرے سے دو گلیاں کہیں چلیے گئیں؟“ وہ مدھی کر لے۔ وہ بڑھتا ہے ہوتے بولا۔ میں نے ہنگامی بھری۔ وہ تھکے ہوئے لیے میں کہنے لگا۔ کیا سوچ رہا ہے؟

”کیا سوچ سکتا ہوں۔ میں نے دو تہی ہوئی آواز میں کہا۔ کیا تھیں اب بھی شبہ ہے کہ وہ جہاں گیر نہیں ہے؟“

”تجھے پہلے بھی شبہ نہیں تھا؟“

”تو پھر کیا ہے۔ تم وہاں سے واپس کیوں چلے آئے؟“

”انہرہ ہوتا تھا۔ اندر سے میں وہاں جانا چھیک نہیں تھا۔

”کیوں؟ کیا کوئی نہیں روک لیا؟“

”میری روت لاری گئی ہے لاڈلے! وہ اٹھ کے بیچر گیا۔

”جہاں گرا گیا کہ میں رہتا ہے مرنے پر نہیں۔ ہو سکتا ہے اس وقت نام لٹنے سے انکار کر دیتی اور اسے معلوم ہوتا کہ ہم وہی لوگ ہیں جنہیں اس نے تھوڑی دیر پہلے دیکھا تھا تو وہ شبہ کرتی۔

”تو کیا ہوتا؟“

”کچھ نہ ہوتا۔ پرست کچھ ہو بھی سکتا تھا۔

”کیا ہو سکتا تھا، ہم نہ سکتے تھے کہ ہم جہاں گیر سے ملے گئے ہیں۔

لاڈلے! تو اب بڑا ہو گیا ہے کیسی نغمی نغمی باتیں کرتا ہے وہ جھجھکا کے بولا۔ ابھی میں صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ جہاں گزرا خام کے ہاں رہتا ہے اور تو نے لپٹنے کی زبان سے کئی ہی لیا ہے کہ خام اس کا کتنا خیال کرتی ہے۔ ہر آدمی کشتیں باہر بیٹھ گیا تھا۔ لاڈلے! کوئی بڑی کوئی چھوٹی آدمی بچل کی طرح ہوتے ہیں۔ ہر آدمی کو کسی کی بڑی بہت سبیل ہوتی ہے کسی کی آدمی پر اور ہر آدمی ہیں۔ پڑھ لکھنے سے پہلے اس کی بچل کا دھیان لکھا پڑا ہے۔ میں وہاں طرف سے جانا چاہیے۔ لپڑ دھڑپ میں نہیں سوچ بھگے کے کیا یہ جھک، تو نا کہ ہم ایک دھکے پڑے ہی وہاں چلے جاتے۔ خام بازار میں بیٹھی ہے۔ بازار کی عورت کی آنکھیں جارہی ہیں۔ نرسن کو خام اس وقت لٹنے سے انکار کر دیتی تو کیا ہم چار تو کھال لیتے؟ بیل چلے؟ نہنٹا کرتے؟ کیا اس طرح جہاں گرا پڑا تھا پڑا؟ جو ایں سامنے کی ہیں انھیں کہیں پوچھتا ہے خام کرکشی میں ڈلنے سے بات خراب ہو سکتی تھی۔ زبردستی ایک کسی عورت کی ڈالڑی میں ہوتی جا پائے جس سے جہاں گیر کو پناہ دی ہے اور اسے اپنے بیٹے کی طرح کہتی ہے۔

”کیا معلوم؟ وہ اس طرح اس کے پاس ہے۔

”یہی بات تو میں تجھے سے لونا جانتا ہوں۔ میں کچھ پتہ نہیں۔ پہلے میں کچھ پتہ ہونا چاہیے۔ میں پہلے جہاں گیر سے ملنا چاہتا ہوں لیکن ہم وہاں جہاں گیر کے باہر کھٹنے کی اس میں کھڑے نہیں رہ سکتے تھے۔ وہ مجھ کو مری ہے اور ہمارا مطلب کچھ اور ہے۔ اندر سے میں اندھا دھار جاسکتا ہے۔ ابھی میں نہ جانے اور کہاں کہاں جانا پڑے۔ وقت جیب میں رکھا ہوا نہیں ہوتا پڑا ہے اسے جیب میں رکھے ہوئے پیسے سے زیادہ خیال نہ سجال کے خرچ کرنا پڑا ہے۔ مجھے پتہ ہے لاڈلے تیرے دل پر آری ہیں رہی ہے پرمائی! یہ آری تو پہنچتی ہے کہ ساری زم نگ ایسا ہی ہوتا ہے۔ کچھل بھر سے زیادہ نہیں ہوتا اور زندگی بہن بل بھرو ہوتی ہے۔ کچھ بھائی تیرے دماغ کی گشتی ہیں؟“

”میں چپ رہا۔ کچھ ایسی ہی باتیں میرے ذہن میں بھی آئی تھیں لیکن میرا دل میں لانا تھا۔ ہو سکتا ہے خام نے جہاں گیر کو بت کچھ بھگھا ہو۔ مجھے اتنی یاد آ رہی تھیں۔ اتنی کی روح بہت بے کل ہوگی۔ لیکن خام کے دروازے پر جانے کے بعد کل بھی یہی صورت پیش آئی تو؟... میں نے منتشر لبے میں کہا۔

”مثابہ ایسا نہ ہو؟“

”مرفوق کرو! ایسا ہی ہوا؟“

”تو پھر کچھ اور سوچیں گے؟“

”جو کل سوچنا ہے وہ ابھی کہیں نہیں سوچ لیتے؟“

”لاڈلے! کیا یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے جہاں گیر کو کھنچ لیا ہے۔

دو چٹا دھک کیا تھا، وہ اس نے فوراً درست کر لیا۔ آپ لوگوں کا شغف؟
 میان کمان نیام ہے؟ جیڈا بک آنا ہوا؟ اچھے جی انہی دیر بعد یہ
 باتیں سر جو رہی ہیں۔
 ”میاں! آئے ہوئے کئی دن ہو گئے۔ ہوٹل میں پھیرے ہوئے ہیں
 اور با کام۔“ اور خانم کا نہ پوچھو تو تر ہے۔
 ”کیوں؟ جیلا آپ ایسا کون سا کام کرتے ہیں؟“
 ”ابھی تک جی گھوٹا ہونا ہی کام ہے۔“
 ”نیکیا کی سر کر ہے ہیں۔ سب سے خوب صورت کام ہے۔“
 ”ہاں دیکھا دیکھ ہے ہیں۔“
 ”لیں آپ کا متعلق شغف؟ اگر تیار ہانا سب سمجھیں؟“
 ”کیا نہیں۔ نہ پوچھو تو چھاپے۔ کبوتر اڑاتے ہیں۔ بازاں کھیلنے
 ہیں زور آزدی اپنا کام ہے۔ جہاں زبان کام نہیں کرتی وہاں ہتھیل
 چلاتے ہیں۔ بس ہی اچھل کر کچھ بجلی کرتے رہتے ہیں۔“
 ”خوب! اور کوئی ماگہ دار ہیں؟ آپ بہت بلند سنج ہیں۔“
 ”سب کچھ بتا کے ہی کچھ نہیں بتایا اور آپ کے ساتھ کن صاحب ہیں؟“
 ”یہ میرا بڑا ہے۔ جھل سے میری کردہ چھپ مانتے ہوئے۔“
 ”اچھا! وہ کسی قدر تعجب سے بولی۔ ”میں یہ آپ... یہ آپ...“
 ”تم اسے میان سے ساتھ دیکھ کے حیران ہو گئی ہو جو لوگ آگے
 پیچھے ادا ایک دوسرے سے چھپ کے کہیں آتے ہیں وہ ساتھ آئیں تو
 کیا برا ہے۔ میرا اس کا معاملہ کچھ دوسرا ہے خانم!“
 ”جی۔“ خانم کی آنکھیں جلتے بھجنے لگیں۔
 ”اسے اچھی طرح دیکھو خانم! میں اسے جھانسنے پڑ کر نے آیا ہوں۔“
 ”میرے پیڑ کو نہ؟“
 ”ہاں خانم! اسے بھی رتھیاں کی طرح سمجھ لو ماری بات سمجھنے
 ہی کی ہوتی ہے۔ اس کی بہت سی عادیں رتھیاں سے ملتی ملتی ہیں۔
 یہ بھی اچھا الجھا رہتا ہے۔ بہت سوت جوتا رہتا ہے تم نے خود نہیں کیا کہ اس
 کی چٹائی ادا انھیں رتھیاں سے کتنی ملتی ہیں۔“
 ”یہ آپ کا کہہ رہے ہیں؟“ خانم نے مضطرب لہجے میں کہا۔
 ”میں کوئی بہت عجیب بات نہیں کہہ رہا ہوں۔ میں جھانسنے رتھ
 کے لیے ایک تحفہ لایا ہوں۔ وہ اسے دیکھ کر خوش ہو گا۔ یہ بھی رتھ کیلے
 کل سے چل رہا تھا۔ یہ بھی اچھا اور کا ہے۔ ذرا فدی اور شگفتہ ہے
 غصہ جلدی آ جاتا ہے۔ یہ دونوں مل جائیں گے تو شاید ان کی تنہائی فدی
 ہو جائے گی۔“
 ”بھلا میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“
 ”ان حالات میں میں ہی بول سکتا ہوں خانم! میں نے اس پر

بہت سوجھا اور یہی فیصلہ ہوا کہ میں اپنے لاڈلے کو جھانسنے پڑ کر دوں۔
 یہ ایک سے دو ہو جائیں گے جھانسنے دو جہاں بیٹھے۔ کیا یہ بات اچھی
 نہیں ہوگی؟ خانم اچھے تپے تپے کہہ کر رتھ کے لیے کیا کا سوچتی ہوگی۔
 اس کی خوشی کے لیے تم بڑے سے بڑا کام کر سکتی ہو رتھیاں کو بھی بلاؤ
 اور پوچھو کہ کیا اسے یہ دوسرا جانی پسند ہے؟ میرا خیال ہے وہ انکار
 نہیں کرے گا۔“
 خانم کا چہرہ دال ہو گیا۔ خدا کے لیے آپ صاف صاف بات
 کیجیے۔ وہ لڑیہ آواز میں بولی۔ وہ بھی مجھے بھتی تھی، کبھی جھل کو۔
 ”میں بہت صاف بات کر رہا ہوں خانم! اس میں کوئی لاگ
 نہیں، چھل فریب نہیں ہے۔ میری بات پر یقین کرو۔ میں طاق نہیں
 کر رہا ہوں میں اپنے اداں میں ہوں۔ میں تم سے یہ نہیں بولی ہوں
 کہ تم رتھیاں کو بڑے حوالے کر دو۔“
 اسی لمحے خجامت رنگین خان پوش سے دھک ہوئی ہت ل
 باغوں میں آٹھانے ہوئے اندر آیا۔ اس نے خالی خانم کے آگے کھڑی
 وہ ابھی کسی پر بیٹھ ہی نہیں پایا تھا کہ خانم نے اسے کر کے ابر چلنے
 کا حکم دے دیا۔ شہامت جلا گیا کہ وہ ملے سہ آوازیں بولی۔ تیلے شک
 آپ یہ نہیں کہہ رہے ہیں غرگوں اس طرح کے کہہ سکتا اور کر سکتا ہے۔
 ”جس طرح میں کہہ رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں۔“
 ”معاف کیجیے۔“ وہ ترشی سے بولی۔ یہ دل آزاری ہے۔“
 ”نیں خانم! ایسا مت بولا ایسا نہیں ہے۔ ہم کل رات ہی تھا کہ
 پاس آ سکتے تھے پر نہیں آئے۔ مجھے شک ہے۔ خدا کہ اس وقت تم شاید نہ
 ملو اور گھر کے کوئی ایسا قدم نہ اٹھاؤ جو رتھیاں کے لیے اور ہر اپنے
 لاڈلے کے لیے اور خود جھانسنے لیے اور پریشانیوں کا کڑی کرے ان
 معاملوں میں ایسی گھڑائیں ہوتی ہیں۔ پھر دلو۔ میری کیا کرشش ہوئی
 چاہیے تھی کہ تم سے بات کرنے اور تم کو سمجھانے کا موقع مل جائے۔
 خانم! تم رتھیاں کو ہمیشہ دلو اور پردوں اور چہرے میں بند نہیں رکھ
 سکتیں انھیں اپنے اوپر بھروسہ ہونا چاہیے کہ تم نے رتھیاں سے جھوٹ
 نہیں بولا ہے۔ اس کو کبھی سچ ہیج دیا ہے۔ اب ایک اچھی صورت
 سامنے آئی ہے۔ ذرا سوچو، رتھیاں کتنے خوش ہوں گے اور اسے
 دیکھو یہ مافی کا لال کتا بلے تاب ہے رتھیاں خوف زائے ہیں۔
 وہ اس عورت کو کیسے بھول سکتے ہیں جس نے ان کے سر کے لیے
 اپنے سر کو جلا دیے۔ خانم! جیلا اس میں سمجھنے اور گھبرانے کی کیا بات ہے
 خانم کی آنکھیں رگڑیں، اس کے ہاتھ کاٹنے لگے۔
 رتھیاں کو بلاؤ خانم! بلاؤ خانم! اسے آواز دو۔ خانم نے اپنا
 چہرہ چھپایا اور سسکے لگی۔
 ”میں تم سے رتھیاں کہنے نہیں آیا ہوں۔ جھل نے کہا۔ میں

نے بدل بول دیا ہے۔ یقین پتہ نہیں ہم کہاں کہاں سے گھومتے ہوئے
 آئے ہیں کچھ سے لاڈلے کا بھی خیال کرو۔ رتھیاں کی خاطر اس کی
 خاطر جھانسنے لیے ہر بات سے بڑی ہے۔“
 ”کیا... کیا یہ رتھیاں کے...؟“ خانم چہرے پر آوازیں بولی۔
 ”ہاں ختم۔“
 ”مجھے... مجھے رتھیاں نے مجھے کبھی نہیں بتایا؟“
 ”یہ بھی کسی کو کچھ نہیں بتایا تھا۔“
 خانم کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ چند لمحوں تک
 خاموشی طاری رہی۔ خانم چہرے کی طرح گنگ ہوئی تھی جھل کی آواز پر
 وہ صبر سے سوتے ہوئے چوک پڑی۔ کیا سوچنے لگیں خانم؟
 ”کچھ نہیں۔“ وہ بیانی انداز میں بولی۔
 ”کیا مجھے کچھ اور بولنے کی ضرورت ہے؟“
 ”نیں نہیں۔“ خانم نے روتے ہوئے کہا اور ایک دم سخت سے
 اٹھ گئی۔ اس نے دوپٹے کے پورے آنسو پچھے اور بوجھل قدم سے
 اندر چلی گئی میری سانس سینے میں اٹھنے لگی اور آنکھوں کے سامنے
 دھند سی چھلنے لگی۔ جھل نے اسے رتھ کے جھنجھوڑ دیا۔ خانم فوراً ہی
 واپس آگئی۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ جہاں گیس کے ساتھ نہیں تھا۔
 ”ماتے ناؤ خانم! جھل نے جھکے ہوئے لہجے میں کہا۔“
 خانم نے بڑا اس کے کسی معمول کی طرح خالی سے سر لوٹ کر بٹایا۔
 اس کی آنکھیں لڑ رہی تھیں۔ اس نے پھولوں خشک یوں اور نکسین
 پتروں کی ملیں ہانے سامنے دیکھ کر اور چائے بنانے لگی خانم کھو
 گھول رہی تھی۔ اندر سے دفعتاً ٹھٹھٹ کی آواز آئی۔ میرا دل دھک
 دھک کرنے لگا۔ وہ جہاں گیر ہی تھا۔ وہ تیزی سے آ رہا تھا مگر میں
 دیکھ کے جھک گیا پھر اس نے ہم دونوں کو رسوا کیا اور خانم کے برابر
 تخت پر بیٹھ گیا۔ کیوں آپ! اس نے تیز لہجے میں پوچھا۔ آپ نے
 مجھے بلایا تھا؟“
 ”ہاں! خانم نے کوئی ہوئی آواز میں کہا۔ یہ صاحب تم سے آتا
 کرنا چاہتے تھے۔ خانم نے نگاہیں اٹھا کر ہاری، ماتے اٹھاؤ کیا۔
 ”اچھا۔“ وہ کچھ مضطرب سا ہو گیا۔ مگر آپ کو کیا ہو گیا ہے آپ
 کچھ پریشان پریشان ہیں۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“
 ”میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ خانم نے ترش ترش لہجے سے مسکراتے
 کی کرشش کی۔ ”تم مائلوں سے بہت کرو۔ دیکھو یہ کتنے ہیں یہ جھانسنے
 لیے ایک اچھی خبر لائے ہیں۔“
 ”کیسی بہتر وہ چل کے بولا۔ فرد کو مائل بات ہوگی مگر آپ! میں
 اس سے خود کوٹوں گا اور نہ...“ وہ بھجے۔ وہ ہیں دیکھ کے کچھ کہنے کہتے

چھپ ہو گیا اور چند ثانیے غیر کے بولا۔ مگر آپ کیا خبر ملے تھے؟“
 ”مگر کیا بہتر نہیں دیکھنے آئے تھے رتھیاں! جھل نے کہا۔ میں
 سے ملنے لاڈلے ہیں۔ میں یقین اس سے ملانے لا تھا۔ کل سے جھانسنے
 اس نے یقین دیکھا ہے۔ یہ تھا اداں پر پھنے اور یقین دیکھ کر کوکہ ہاتھا۔
 ”اچھا! وہ ٹپ ٹپ پٹائی آنکھوں کے گھے دیکھنے لگا۔ میری خود بھی
 ان کے ملنے کو چاہ رہا تھا میری دہر سے انھیں بہت تکلیف ہوئی۔ ٹولا
 نے ان کی کرشش کوئی بار زد سے ملو تھا اداں نے آپ پر بھی ہاتھ
 اٹھایا تھا۔ میں نے آپ سے رات بھی ہاتھ اداں کی افسوس کر رہی تھیں۔ آپ
 کو کیسے چوٹ تو نہیں آئی؟“
 ”نیں رتھ! ایسے اپنے مارے گرماں زور فکے ہوئے ہیں۔“
 ”ہاں۔“ وہ صبر سے بولا۔ مگر آپ پر جگہ کسی طرح ڈسین
 میں آ جاتے ہوں گے۔ کیا پہلے ہی آپ کو مائل جیسے لوگوں سے واسطہ
 پڑا ہے؟“ جھل آہستہ آہستہ سر ملانے لگا۔ جہاں گیس کے لیے میں
 بولا۔ کھولا ذلیل ہے وہ بد معاش ہو گیا ہے کسی دن میں آسے...
 میں آسے...
 ”جائے دواں ذکر کر رہا ہوں! اتنا غصہ نہیں ہوتے۔ اسے مائل
 کر دو۔ جھل کی آواز اس پر غالب آگئی۔ یہ بتاؤ کہ جھانسنے پڑا کیا ہے؟
 ”پورا نام؟“ وہ صبر سے پٹا کے بولا۔ غصہ صلی۔
 ”مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا مگر جہاں گیس نے اپنا نام غفر مل
 ہی بتایا تھا۔ میں نے بے چینی سے جھل کو دیکھا۔ وہ پرسکون تھا۔
 ”ادا یا کیا نام؟“ جھل نے مسکراتے پوچھا۔
 ”کیوں؟“ وہ ہندی سے بولا۔ یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟
 ”میں ہی یقین ہے وہ ہانے کوئی مائل ہے۔“
 ”یہ آپ کیسے کہہ رہے ہیں؟“
 ”کیا تھا اسے آبا سے جاری جان پہچان نہیں ہو سکتی ذرا بلاؤ تو...“
 ”موتو ملے اس نے تیزی سے کہا۔ میرا سر جھٹکے لگا۔
 ”کیا کیا؟“ صدفیل؟ جھل نے پوچھا۔
 ”جی... جی نہیں۔“ وہ حواس باختہ سا ہو گیا اور لڑکھڑاتی ہوئی
 زبان سے بولا۔ موتو ملے ہیں۔ موتو ملے کہا ہے۔
 ”میں نے سن دیا ہے۔ کوئی بات نہیں۔“ جھل نے ہنس کے کہا
 اور میرا شانہ پکڑ کے بولا۔ چلو باہر جاں خاں! یہ جہاں گیس ہیں یہ
 تو رتھیاں ہیں۔“
 ”جہاں گیر اچھل کے تخت سے کھڑا ہو گیا۔ کیا یہ... یہ باہر جاں
 خاں ہیں؟“ اس کی آواز چھر چھر لگی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی وہ لہجہ
 کی طرح چھپ چھپا انداز سے قریب آ کے مجھے گھونٹے لگا۔ اس کی

انھیں انٹ گئی تھیں وہ پھر اسے گراہی چاہتا تھا کہ اس نے بڑھکے
 اُسے سنبھال لیا یا اپنے بازوؤں میں جھک لیا۔ میرا سینہ گرہنے لگا۔ میں
 نے اپنے ہونٹ کاٹ لیے لیکن مجھے خود پر اعتماد نہیں رہا۔
 پتہ نہیں کتنی دیر بعد غام نے ہم دونوں کو ایک دوسرے سے جھک لیا
 جہاں گرا کر انھیں مریخ پر گھٹی تھیں اس کا چہرہ شرمندہ تھا۔ وہ ہنر ہا
 تھا۔ کبھی یہ کہتا تھا چوتھا کبھی انھیں انھوں سے لگتا تھا میں
 اُسے نوج کھسٹ رہا تھا۔ غام ہماری کمرے کا تھکے ہوئے میں تخت
 پر لے آئی۔ اس نے اپنے دو پٹے سے میرا اور جہاں گرا کر چہرہ خشک کیا۔
 جہاں گرا کر اس کے گلے میں بائیں ٹال دیں اور ازاد و طفا ر
 رٹنے لگا۔ غام اُسے سمجھانے لگی۔ اس نے ہم دونوں کو پانی پلایا
 اور ہمارے سر پر پتے پر رکھ کر خود بھی سسکتے لگی۔
 قنبل اور غام کی موجودی میں جہاں گرا کر مجھ سے کچھ نہیں
 پوچھا اور نہ خود کچھ بتایا۔ وہ تو بار بار میری صورت دیکھتا اور کہتے میں
 رہ جاتا تھا۔ اُسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ میں ہوں۔ اس کی تصدیق
 کے لیے اچانک وہ میرے ساتھ زور سے پھولتا اور میرے سینے سے
 چٹ جاتا۔ جیسا کہ حال آج تھا وہ میرے گلے سے تھا۔ میں نے اپنی
 آنکھوں میں آنسوؤں سے بند کر رکھے تھے تمام رات بسترے کو لٹا رہا تھا
 تاہم رات میں نے اُس کی آہیں محسوس کی تھیں۔ غام میں اور میری منزل کے
 ایک راستہ کرے میں لے آئی۔ اس نے شجاعت کو سمجھ دیا کہ وہ ہمارا سامان
 ہڈوں سے اُسے جھلنے سے منع نہیں کیا نہ جانے کس وقت غام نے
 ڈھیر ساری ٹھانی ٹنگوالی جی تیار کر کے بعد اس نے میرے کاندھے پر رکھا۔
 غام اور جھل کر سے پلے گئے تو جہاں گرا کر میری صورت دیکھ
 کے پھر پلٹنے لگا۔ میں نے اُس کا سراپا گرو میں پھیلایا۔ اُسے چپ کرانے
 کی میں نے بہت کوشش کی مگر اس کے آنسو جھکتے ہی نہ تھے۔ یہ چپ
 ہو جاتا۔ میں اب انکا ہوں۔ میں اُسے جتنا جھانے کی کوشش کرتا،
 اُس کی آنکھیں اتنی ہی اُٹھاتی تھیں۔ اتنا تو مجھے پہلے ہی اندازہ ہو چکا تھا
 کہ وہ غام کے ساتھ گھریں اکیلا ہے۔ یہ سب کچھ میں نے اس لیے شراہیں
 بھی نہ لاری تھیں مگر میں نے جہاں گرا کر پچھنے کی جلدی نہیں کی کہ
 کے جوابات سے مجھے ڈر لگتا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر میں نے اُسے گرا کر
 تو سب پہلے وہ مجھ سے بچے گا کہ اس میں سب کو کھینڈ کے گھر سے کیوں
 چلا گیا تھا۔ میں اُسے کیا بتا کہ وہ جاکر خوف زدہ ہی گویا اس رات گھر
 میں اتری تھی وہ مجھ سے کتنی تھی۔ وہ دھکے کے کس میں ملتی تھی اکیلا
 چھوڑ گئی میں نے کو کیا بتا کہ میں کہاں ہوں نے اتنے بہت سے
 دن کہاں گزارے۔ مٹا کر اسے کہ گھر سے نکلتا تو میری بات اس
 کی سمجھ میں آتی۔
 میرے کان میں ہونے لگا جب جہاں گرا کر نہ پھیں گے وہ دن میں

نہو دی مجھے بتانا شروع کیا کہ اس کے ساتھ کچھ پیش آیا۔ وہ کوئی تین
 سال پہلے گھر واپس سے پھر نکلتا تھا۔ ایک سال وہ محسوس نہیں گئی تھیں
 ڈھونڈنا رہا۔ پھر اس کے بڑوں نے جواب دے دیا وہ اب بھوپال کے
 ایک نواب کے ہاں ملازم ہو گیا۔ نواب اس کا خیال رکھتا تھا۔ میں غام
 سے اس کی ملاقات ہوئی اور غام نے اُسے نواب سے مانگ لیا۔ اس کے
 بعد وہ غام کے ساتھ بھاگ آیا۔ اس دوران میں بھی وہ مسلسل آبا جان کی
 تلاش میں لگا رہا مگر وہ اُسے کبیں نظر نہیں آئے۔ آبا جان نے اس کے
 گھر واپس آنے کا انتظار بھی نہیں کیا۔ وہ میرے گھر سے ایک دن جب وہ
 گھر کے کسی کام سے باہر نکلا تو شہر میں بڑھ گیا۔ جندو سلم فلا ہو گیا جہاں
 گھر جانے کا راستہ تین ملا۔ لوہے سے تیار راستے بند کر دیے تھے۔ شہر میں
 گریں چل رہی تھیں اور جاکو گھونپنے جا رہے تھے۔ جہاں گرا کر لوہے اور
 بلوہوں کے ڈبے شہر میں وڑو سے باہر گیا۔ وہاں سے اُسے ایک
 متعقب ہوا۔ یہ میرے گھر پہنچے۔ اُس نے جہاں گرا کر سخت آہیں
 پھنائیں اُسے تین دن تک جھوکا لگا اور ننگا کر کے بید سے لارہ۔ وہ اُسے
 مذہب بدلنے پر مجبور کرتا تھا مگر ایک دن جب اُس ہوا کی گولہیں چڑھ کر
 لے گئی تو جہاں گرا کر وہاں سے بھاگنے کا موقع مل گیا۔ اُس نے آبا جان
 کو چھوڑ کے چھوڑ گئے۔ وہ غلے میں ہر ایک سے اُن کا پتہ پوچھتا لیکن
 آبا جان غلے میں کسی سے ملتے ہی نہیں تھے۔ وہ اپنا پتہ بتا کر بھی نہیں گئے۔
 انھوں نے سمجھ لیا کہ وہاں گرا کر فریاد میں مل گیا لیکن بیٹے انھوں نے
 اُسے تلاش کیا ہو مگر جب اس کا کوئی پتہ نہ ملا تو لوہوں پر گئے ہوں۔
 وہ کسی ایک جگہ نہیں پھرتے تھے تین مہینے اس شہر میں چلا بیٹھے اُس
 شہر میں میرے گھر میں آئے مئے انھیں دو مہینے سے زیادہ نہیں ہوئے تھے۔ یہی
 میں مولوی اکرم نے جہاں میں آبا جان کے متعلق بتائی تھیں جہاں گرا کر
 وہی دہرا رہا تھا۔ آبا جان ایک کمرے میں بند ہو جاتے تھے اور دن بھر کاغذات
 پر جھکے انھیں پڑھنے یا کچھ لکھتے رہتے تھے۔ ان کے اندر کوئی کوئی کتابیں
 پھیلی ہوئی تھیں کھانے پینے کا بھی کوئی پرش نہیں تھا۔ گھر کا کوئی فرد
 اُن سے شریک نہ کرتا وہ ہمیشہ میں کہتے کہ میں ہندو ہوں کہ بات اور ہے
 پھر اسے کچھ دودھ ہوتا ہے۔ ہم ایک محل بنائیں گے، آگے پیچھے ملا رہا
 کی فوج ہوگی ایک دن اُسے گا کہ میں دنیا میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی۔ آبا جان
 رات کو میرے کمرے سے نکلے اور پبلنگ پر آئے کہ میں یا تو گرم رہتا ہوں
 بڑھتا رہتا ہوں۔
 جہاں گرا کر نے غمی نظروں اور خوف نے مجھ میں بھی فتنے کے گھر سے
 غائب ہو جانے کا واقعہ بھی بتایا۔ آبا جان اُس کے بعد بہت چودھڑے ہو
 گئے تھے۔ میرے مریخ فرنگ فرنگ اور اندر ہر کھڑے رہتے تھے۔ مگر ان کے
 ملنے جاتے ہوئے ڈرنا تھا انھوں نے اس کی کتابیں گھریں لاکھ لاکھ
 دی تھیں اسکا کتاب کہ وہ خود پڑھا کریں گے مگر انھیں بھی فرصت نہیں ملی

پہلے فتنے میں بہن جہاں گرا کر پڑھتی تھی۔ وہ ملی گئی تو یہ سلسلہ بھی بند ہو
 گیا۔ آبا جان کبھی کبھی گھر سے نکلتے تھے۔ واپس آتے تو ان کے ساتھ کتابوں کا
 ڈھیر ہوتا۔ وہ کتابیں گھریں ان کے سرواڑی میں پڑھ سکتا تھا۔ کبھی واپس
 آتے تو ان کے حبيب میں ایک بڑی ترہ مرقی۔ فتنے اور فرنگ دس بار ان
 سے کہتے کہ جیسے ختم ہو گئے ہیں تو وہ کان حرسے اور ایک پر کے لیے
 گھر سے نکل جاتے۔ اُن کا خطا بھٹھا تھا۔ ایک بڑے گندے سے ہو جاتے تھے
 انھیں خبر ہی نہیں ہوتی تھی کہ میں سب کا باریت بھی کر پڑھیں کہ وہ
 میں چل کر دکھا جاتے۔ کوئی ملے اُسے تو اسے دودھ دے ہی سے مثال یا
 جاتے انھوں نے فتنے فرنگ اور غام پر کڑی پانی پناں ملایا کر دی تھی۔
 جس غلے میں رہتے، لوگ انھیں ملک کی نظروں سے دیکھتے کئی مرتبہ سب
 نکلے کیا کہ اب کے آبا جان باہر میں گئے تو وہ پر کاغذات جلا دیں گے
 پھر کاغذات ہوں گے نہ آبا جان ان میں سرکھائیں گے مگر آبا جان کے
 خوف کی وجہ سے کوئی ایسا نہیں کر سکا۔ انھوں نے بہت دما میں آگئیں۔
 فتنے پر ناگہان کے بعد دما کتنی تھی اُس نے بہت سی تھیں میں ماں رکھی
 تھیں۔ آبا جان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی بلکہ وہ زور و زاندہ متفرق
 رہنے لگا۔ بار بار گھر اور شہر ملنے کے سبب اُن کے پاس سالانہ بھی
 بہت کم رقم رہا تھا۔ آبا جان کی رازداری کے خیال سے جہاں گرا کر غام
 کو اپنا مسیح نام نہیں بتایا تھا۔ آبا جان کا نام بھی غلط بتایا تھا اور اپنے گھر سے
 پھرتے کی ایک فتنی دماستان مٹا دی تھی۔
 جہاں گرا کر نہ پڑھا کہ وہ ان تین برسوں میں کبھی پوری زندگی نہیں میرا۔
 اُسے بے بے خواب آتے ہیں، لالوں کو وہ بڑا کر کے اُٹھاتا ہے
 اور پچھنے لگتا ہے۔ اُسے معلوم تھا کہ میری غام ایک طاقت ہے اور گا
 مانے کے لیے نواب صاحب کے ہاں ممان ہے لیکن ایک غام ہی تھی
 جس نے اُس پر سب زیادہ توجہ دی۔ میں نے اُس کے پرے سے بولائے
 ڈکھڑے ملا کر لارہ وہ برقت اُس کا خیال کہتے تھی اسی لیے وہ غام
 کے ساتھ چلا یا۔ اس کے پرے سے چھٹ گئے تھا۔ حبيب میں ایک بڑی
 تھیں نواب صاحب کے ہاں سے اُسے کہاں لایا تھا اور چار لائے۔ وہ
 اچانک ان میں تو وہ کبیں جاسکتا تھا، ڈکھڑا تھا اور نہ پڑھ سکتا تھا۔
 اُس نے پیسے جو بڑھو کر کے لکھے۔ نواب صاحب کے بچے اُسے مالتے تھے۔
 یہ سب غام نے دیکھا تھا۔ جب غام نے اُسے ملا کے اُس کے ہاں سے ہی
 با پھاڑو نہ لگے۔ غام نے اُسے بہت پکارا کیا اور اسی وقت کہا، اب
 تم میرے ساتھ چلو گے۔ جہاں گرا کر غام کی بائیں کرتے میں تھکتا تھا
 بیٹے میں اُسے ٹی ٹیوں کا گھر کہ ایک طاقت کے ساتھ کہیں چلا آیا اسے
 معلوم نہیں تھا کہ فتنے اُس کی بھی میں ایک ناپسندیدہ گانے والی خاتون اور اُس
 کا اچھا سات سال میل میں گوارے آتا تھا۔ اس نے کئی قبل کیے تھے
 اُن سے نکلتے کے ایک بہت بڑے ہڈیاں شہر ہر کھٹکا لے گا دیا

تھا اور وہ کتنی شہر کے کئی پائوں کا استاد رہ چکا ہے۔ اُس کی حبيب میں
 ہمیشہ ایک چاتو ہوتا ہے۔ جہاں گرا لارہ انداز میں غام کا ذکر کر رہا تھا۔
 شاید وہ غیر شعوری طور پر مجھے یہ بتانا چاہتا تھا کہ میری زبان سے غام
 کے بارے میں کوئی ایسی ایسی بات نہ نکل جائے جس سے اُس کی ہنسکی ہو۔
 کوئی بات ایسی نہ ہو کہ غام کے سامنے اسے سر اُٹھانے میں جھجک ہو۔
 وہ کہہ رہا تھا کہ اُس نے کئی دفعہ یہاں سے بھاگنے کا ارادہ کیا مگر غام کے
 خیال سے اپنا ارادہ توڑ کر دیا۔ نہ جانے اُن کی کیا تھیں۔ وہ بہت دوسری کی
 کھانا پینا نہ کر دین گی۔ وہ اپنی ک نظروں سے خلا بھی دودھ ہو جاتے تو وہ
 پریشان ہو جاتی ہیں، اگر وہ کبیں چلا گیا تو اپنی زندہ نہیں رہیں گی۔ اُس نے
 آپنی سے بہت سے دوسے کیے تھے اور آپنی نے اس سے۔
 جہاں گرا کر نہ پڑھا کہ میں کبھی اس کوئی دن ہی آبا جان تھا جب میرا
 سیکڑو نہ ہوتا تھا۔ آبا جان نے تو میرے جانے کے چند دن بعد ہی واپس
 کا اٹھا کر دیا تھا۔ کچھ دن اور گزرتے اور میں گھر واپس نہیں پہنچا تو انھوں
 نے اعلان کر دیا کہ میں سرکھا ہوں زندہ ہو جاتا تو ضرور واپس آ جاتا۔ آبا جان
 کا خیال تھا کہ میں اس لڑکی کے ساتھ گھر سے نکلا ہوں لوگ اُسے تلاش کر
 رہے ہوں گے اور اُس کے ڈھونڈنے لالوں نے مجھے مار ڈالا ہو گا۔ وہ
 بتا رہا تھا کہ میرے جانے سے اتنی کا بڑا حال تھا۔ وہ اب ہے ہمیشہ لڑتی
 جھلوتی رہتی تھیں۔ چہاں کاغذات میں گم ہو گئے اور انھوں نے تیار کچھ
 میں دوسری لینا گم کر دیا تھی ہر وقت ان سے کتنی تھیں کہ وہ گھر کی طرف جہاں
 دیں اور میری تلاش کے لیے دوڑ دوڑ کر میرا آبا جان کچھ دن تک
 توجہ ارادہ ڈھونڈتے رہے پھر گھر میں بند ہو گئے۔ انھوں نے رشتے
 داروں سے میری متعلق کر دیا تھی کی تمت کرتی گئی۔ وہ بہت دلی ہو
 گئی تھیں۔ ہر وقت مجھے یاد کرتی رہتی تھیں اور اسان کی طرف کتنی تڑپ
 تھیں۔ ساری ساری رات ڈھنپے پڑھتی تھیں۔ انھیں یقین تھا کہ ایک دن ایک
 دن میں ضرور واپس آ جاؤں گا مگر وہ ایسی بیار پڑیں کہ پلنگ سے نہیں
 انھیں۔ آخری وقت میں ان کی زبان پر میری ہی نام تھا۔ کتنی تھیں کہ باہر
 آئے تو کتنا تیری ماں سے بہت انتظار کیا۔ اتنی کی موت کے بعد چند روز
 کے اندر آبا جان نے زمین بیچ دیں۔ چپ چپا لے گھر کا سودا کر لیا۔
 میں نے جہاں گرا کر روکا نہیں تاکر جھٹنے پھینے پھینے ہوں وہ ایک ہی بار سے
 ملے میں نے درمیان میں ایک بات بھی میں پوچھی۔ وہ خود ہی سب کچھ
 کتا اور سینہ خالی کرتا رہا۔ اتنی کے ذکر پر اس کی آواز حلق میں ٹپکتی گئی،
 کہنے لگا کہ غم خوب باجے اتنی نے آخری وقت میرا تھکا تھا کہ لکھا تھا
 کہ کب تک تیرا بڑا بھائی واپس نہیں آتا، تو اپنے آپ کو اس گھر کا کھلا رکھنا،
 میں بڑا لکھ گھر پھر دسے جاری ہوں اتنی نے مجھ کو کہہ دیا کہ حق کہ
 اپنے باپ کا خیال رکھیں اور بھائی کو تلاش کرتے رہیں ایک دن ایک
 دن وہ منزل مل جائے گا۔ وہ نہ اُسے تو اسے اپنی اتنی کا واسطہ دیا۔ وہ لٹا

ہی دھما پڑا وہیں آجائے گا اور اس کے ساتھ دلا کی ہوتو اُسے عزت سے گھرانہ لانا ہی نہ تھی سے بھی کا تھا کہ وہ اب اس گھر کی ماں بن سب کچھ ہے۔ نہ تو اتنی اکی کی بات پوری کر سکتی تھیں نہ جہاں گیر کہہ سکتا تھا۔ یہ تین اب وہ سب کہاں اور کس حال میں ہوں۔ اگر بہت چھوٹا ہے تو گھر کا سودا کون لانا ہوگا؟

معلوم نہیں جہاں گیر نے اور کیا کیا کیا اور کتنے طمانچے مارے۔ میرے اعصاب ٹل کر گئے تھے۔ شاید اس کی آواز میں بھی دم نہیں رہا تھا۔ وہ چپ ہو گیا اور میری صورت دیکھنے لگا میری آنکھیں پھل رہی تھیں اور جسم چھوڑا ہو گیا تھا۔ جہاں جان! آپ کہاں چلے گئے تھے؟ وہ کہہ سکتے تھے بللا میں نے اسے جواب نہیں دیا۔ وہ مجھے بھجوز لے گا۔ آپ کہیں روٹھ گئے تھے؟

”مت پوچھتے! میں نے اس سے زیادہ کی کچھ نہ پوچھ سکتا تھا۔ کہ اس عرصے میں میں پر کیا تھا؟ وہ دوبارہ زندہ ہوا ہوں۔“ جہاں گیر خاموش ہو گیا۔ کئی چند ہی لمحوں بعد سسے ہوئے بلے میں بللا ایک بات بتا بیٹھے، وہ کہاں ہیں؟

”وہ نہیں ہے۔“ میں نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ گھوگئی۔ ”کھو گئیں! کہاں؟“

”مجھے کچھ نہیں معلوم، میں نے آپ ہر ماں“

”اُس نے پھر مجھے تنگ نہیں کیا، اپنی زبان سی لی۔ کہہ کر میں اندھا چھوٹا گیا تھا۔ ہم دونوں دیکھ کر خاموش بیٹھے۔ جہاں گیر نے اپنا منہ کھینچ کر دیکھا تھا۔ خام نے نہ کرے میں آکے روشنی کی آواز میں اُٹھ کر کمرے سے باہر لے گئی۔

نے بتایا کہ اگر وہ کچھ اور میرے آتی تو جہاں گیر کو دی ہو لے گا اندیشہ تھا۔ مجھ سے اس کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ ماسک میری زبان سے ایک لفظ بھی نہیں چھوٹا تھا۔ جب ہم کھانا کھانے کے لیے کمرے پر آئے تو وہ مجھ کی سی سخت کر رہا ہوں۔ اس نے جھل سے میری شریکیت کی کہ تھوڑے چکر لڑا۔ وہ میری سے بولا۔

”ہاں! جہاں جان! جہاں گیر چپ کے بولا۔ پیٹھے چا دل کھا بیٹے۔ آپ کو پیٹھے چا دل بہت پسند ہیں نا؟“

”اُسے اب تک یاد تھا۔ اتنی سیر کے لیے بیلو فاس خشکے میں بیٹھا ڈال دیا کرتی تھیں۔ لیکن بچے فز سے آئے بنانا ہو۔ خام نے چادروں کی تھالی پر سے آگے کو دی سیر ملے تھے ایک لپٹے تھے اور بچے اسیاگ دیا تھا۔ جیسے اتنی آج ہی سہی ہیں اور یہ ان کی موت کا گناہ ہے۔

کھانے کے بعد خام نے میں تو ہوا پلایا اور رات کو درنگ وہ اچھڑا دھڑکی باتیں کرتی رہی۔ شہر میں اچھے گھر ملازمین کا خطہ ملازمین کے سلسلے میں اپنے توجہ لے۔ اسے شکایت تھی کہ رواداری اُٹھ گئی ہے اور لوگ بہت سلف ہو گئے ہیں۔ اس نے میرا ہلکا بھی جہاں گیر کے کمرے میں بھجوا دیا تھا۔ لیکن جہاں گیر سے بیک پر آکے اور مجھ سے چٹ کے لیٹ گیا۔ خام شاید روانہ اس کی پیشانی پر ہر سرفے کے نصرت ہوئی تھی۔ شب بھر کتنے وقت اس نے جہاں گیر کے ساتھ میری پیشانی پر بھی اپنے ہونٹ ثبت کیے اور سکرائی ہوئی اور اچھل گئی۔ اور جی رات تک جہاں گیر خوابیدہ ہے۔ میں مجھے گھر کی بائیں سناٹا پر جو کمرے بازو پڑا لکھ کے سو گیا۔ میں اس کے بال سناٹا اور اس کا چہرہ نکلا رہا۔ وہ گری بند سوتا تھا۔ بالکل اٹھ سال پہلے کے منے کی طرح میں نے اس کے بہت سے بار لیے۔ مجھے اوروں کا وہ سوتے میں اُنکھیں بہت ملتا تھا۔ جب وہ اسیا کرتا تو میں غصے سے اُسے اٹھا کے اتنی کی جا رہا تھا پڑا ڈال دیا۔ اب بھی وہ اُنکھیں جلا رہا تھا۔ میں نے اپنا زخم بدل لیا۔ اس کی ٹھوکریاں میرے منہ پر پڑی گئی چاہیے تھیں۔

اچھی برسوں گزرا۔ میری طاری تھا کہ مجھے دو دوا سے پردتک کا احساس ہوا۔ میں یوں ہی آنکھیں بند کیے پڑا تھا۔ پہلے تو میں سوچتا ہوں کہ رات کو وقت کون ہو سکتا ہے۔ جو بھی باغیچوں دتک پر میں نے اُٹھ کے دروازہ کھول دیا۔ وہاں خام مجھ کو دیکھ رہا تھا۔ ”کیا وہ کہاں گیا ہے؟“ میں نے اُسے جھپکے سپاہ میں دیکھ کر دیکھا۔ ”میں نے نہ تذبذب سے جواب دیا۔

”وہ میری کمرے میں چل آئی اور جہاں گیر کے چلنے کے بجائے اُس کے گال تھپ تھپانے لگی۔ جہاں گیر فوراً ہی اُٹھ گیا۔ ”آئی آج تو زندہ رہی؟“ میں نے خام کے گلے میں بائیں ڈال کے کمرے سے ہونے کہا۔ ”نہیں! بالکل نہیں شامت اُٹھ گیا ہے۔“ بستر پر گئے تو زندہ جاگ جائے گی۔ میں جلدی سے تیار ہو جاؤ خام نے اس کے بازو ہلاتے۔

اُسے بستر سے اُٹھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ لوری طرح بیدار ہو گیا تو خام ملی گئی۔ جہاں گیر نے مجھے باگ دیکھ کے سوجانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ وہ ایک دو گھنٹے بعد واپس آجائے گا۔ اس نے بتایا کہ وہ دو تین کسی ملازم کے ساتھ چل دی کے لیے جاتا ہے۔ جب وہ ہٹا دھوکے باہر آیا تو میں بھی تیار ہو گیا تھا۔ میں نے خام کو منع کر دیا اور اسے اپنے ساتھ لے کے گھر سے نکل گیا۔ یہ چار دن تک آگئے۔ اس کے پہلو پہلو چلتے چلتے مجھے اپنا تھوڑا افسانہ زیادہ محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے میں ایک دن میں بہت تھوڑا ہو گیا ہوں۔ راستے میں جہاں گیر مجھے ہماروں اور اسٹوں کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا۔ یہ غلط یہ کہہ رہے تھے کہ وہ سامنے جا کر کمان ہے اور یہ ٹھکانہ نہ تھا یہ ہے۔ میں ان داستانوں سے پہلے ہی کہہ چکا تھا لیکن میں نے اس کے سامنے اپنی معلومات کا انکار نہیں کیا۔ جیل سے چھوٹنے کے کچھ دنوں بعد ہی میں مولوی محمد شفیع کی تلاش میں آیا تھا اور میں نے کوئی کئی گیس چھوڑی تھی۔ اخبار میں کہتے تھے کہ یہاں ایک تھوڑا۔ اس وقت بھی جہاں گیر میں ہو گیا۔ کوشش وہ مجھے اسی وقت نظر آجائے تھیں کہ میں گھر میں گھس کے تو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایسے ہی کسی گھر میں کو بھی چھپی ہوئی ہوگی۔ باہر سے کسی کو کیا خبر ہو سکتی ہے کہ اندرون ہو سکتا ہے۔ ہم نے جنوبی ہند کی تمام استیوں میں انھیں پوچھ لیا تھا۔ لیکن بچے ملے۔ لیکن بچے اُمان کی طرح کوئی مولوی صاحب نے بھی اپنا نام تبدیل کر دیا۔ اور وہ خود بھی نہ جانتے ہوں کہ کوئی تلاش کرنا ہوا تو ان تک پہنچے۔ لیکن بچے اُمان کی طرح کوئی صاحب نے بھی مجھے ہر ماں چھوڑا تھا۔ باہر کو کرا بھی ہے۔ باہر کو دیا ہو مگر پھر کو کچھ زندہ رہی ہوگی جس طرح اتنی میان کشش رہی وہی... وہ بھی،

تین تین میں نے اپنا منہ کھینچ لیا۔ یہ خیال ہی نہیں کہ جہاں گیر بھی میرے ساتھ ہے اور میری پوچھ لے ہیں وہ پوچھ لیا ہوگا اور میری سے پوچھنے لگا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔

میری غمات اُسے مطمئن نہیں کر سکی۔ وہ اور مضطرب ہو گیا اور گھر واپس چلنے پر اصرار کر کے لگا۔ اس نے خام کا منہ دیکھا کہ اب وہ ایسی صبح کی دریافت سے فاسخ ہو گئی ہوگی اور جہاں گیر کا کہہ رہی ہوگی۔ لیکن بھی اندر چھوٹ گیا تھا اور میں واپس جہاں گیا۔ جیسے تھا جب وہ کی ہندی کے ملائے میں پہنچے۔ پہنچے اُٹھ کر وہاں کئی گھنٹے خام نہ تھے۔ پھر جہاں گیر نے اُٹھ کر دی تھی اور دیکھا کہ میں چل گاؤں کیجیے سے ایک لگا سے اس طرح سخت پوچھا تھا جیسے اسے یہاں آئے ہوئے بہت دن گزر گئے ہیں مجھے

حیرت ہوئی خام نے جھل کے لیے حلقے کا اختتام کیا۔ جہاں گیر نے اپنا لہجہ نیٹا۔ حیرتوں پہلے سے موجود ہو گیا کہ کوئی ملازم شوق کرنا ہوگا۔ معلوم ہوا کہ خام نے ہماری مدد ہو دی میں وہ دگر سے ذبح کر لے ہیں۔ دھوپ چھٹی اور اُنکھیں چل دن گھر گھر میں چڑا ہوا۔ شام کو وہیں وہ باہر نکلا۔ اس نے جہاں گیر کو بھی ساتھ لے لیا۔ باہر خیال تھا کہ گھر سے باہر آئے میں اس کا

ایک دن خام کو گھر واپس کے وقت خلیفہ جاتے ہمارا راستہ دیکھ لیا۔ اس نے جہاں گیر کے سامنے اونچی لوٹکی باتیں شروع کر دیں۔ کب حضرت! آپ نے تو بالائی بالا کمال کر لیا؟“ اس نے چھوٹے ہی کہا اور اُٹھ کر اس کے بولا۔ کون سا متیرہ چھوٹا تھا جہاں گیر نے اُٹھ کر چہرہ پر ہے کہ سر کی کڑا گھول گئی ہے۔ وہ جھل سے جب تک اس کی گھٹی میں دوڑنے میں نہیں کھٹے اس کی زبان کو نالائقیں لگا پھر بھی اس کے دانت کھل کھاتے ہے۔ اور اس کی معنی غیر نظر میں دور تک ہمارا تعاقب کرتی رہیں۔ اسے زیادہ باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کڑا اس کی ان ہنسی ہوئی اُن کے غائب تھا کہ باڑوں میں خام کے، مہمی ہماروں کے متعلق تیرا ہی ہے۔ میں نے لے کر لیا تھا کہ اب میں صبح کے سوا باہر نہیں نکلا کروں گا۔ صبح

باڑوں بہت سکون ہوتا تھا۔ کیا گھیاں تو تیرا انسانان پڑی رہتی تھیں مگر مجھ نے اُن کا جانا بند نہیں کیا۔ وہ جہاں گیر کو لے کے کسی وقت بھی گھر سے چل پڑا تھا۔ تیرہ تیرہ مجھے بھی اس کے ساتھ جانا پڑا تھا۔ گھر سے باہر

کوئی مقصد ہوگا مگر وہ جہاں گیر کا ساتھ تھا۔ شہر کے خوب صورت علاقے ماہر شاپ و ڈپاٹھ خانہ کا ایک لٹا پتھر کاٹ کے اور ناہنجی کے ایک مذہبی ہندو کی دکان سے چار سالہ لکھا کے گھر چلا آیا۔

خام کے ہاں پھر سے ہونے میں کئی دن گزر گئے۔ اس دن وہاں میں ایک رات نواب عالم صاحب نے اُسے اپنے محل طلب کیا۔ خام نے معذرت کر لی کہ اس کے ہاں عہد آئے ہوئے ہیں۔ شامت کا کمانا تھا کہ خام نے نواب ہمارے کے ہاں جانے سے پہلے جہاں گیر کا کہہ لیا ہے۔ صبح شام جب ہم گھیریں گے گزرتے تھے تو جہاں گیر کو کئی اور شہر نشین پر بھی ہوتی تھیں ایک دوسرے کو شاکر کرتی تھیں۔ ان میں سے کئی تھیں

کی خام کے ہاں آمدورفت تھی اور جہاں گیر بھی ان سے خوب واقف تھا۔ وہ آتے جاتے ہوئے انھیں سلام کرتا اور وہ مکر کے جواب دیتیں۔ کچھ عادیوں دیتیں اور کچھ اس سے اپنے گھر میں آنے کے لیے ہمارے لڑکے۔ بازار کے بہت سے لگا بھی جہاں گیر کو بھی جانتے تھے اور اس کے سلام کا جواب نہایت مگر سے دیتے تھے۔ رات کو گھیریں میں دن کا سامان ہو جاتا تھا۔ کیا جہاں چھوٹوں سے تک جاتی تھیں۔ عورتیں رنگ رہنے کیڑے بدل جاتی تھیں۔ ان کے کپڑوں میں نکلے ہوئے سلاٹائے روشنی میں دکھتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے روشنی ان کے چہروں سے چھوٹ رہی ہو۔ ان کے کہن پر اور انھوں میں مکر اور کھینچتی رہتی تھی۔ رات کو ہم باہر نکلنے سے پہنچ کر نہ گئے۔ میں نے جھل سے یہ میں پوچھا تھا کہ اب اس کا ارادہ کیا ہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ اس سلسلے میں خود موچ رہا ہوگا۔ کڑا اس کا کچھ پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔ میں جہاں گیر کو جلد سے جلد بیان سے لے جانا چاہتا تھا۔ مگر خام کے خیال سے میری زبان نہیں ٹھکتی تھی اور یہ بھی پوچھ میں نہیں آتا تھا کہ اُسے لے کہاں جاؤں گا۔

ایک دن خام کو گھر واپس کے وقت خلیفہ جاتے ہمارا راستہ دیکھ لیا۔ اس نے جہاں گیر کے سامنے اونچی لوٹکی باتیں شروع کر دیں۔ کب حضرت! آپ نے تو بالائی بالا کمال کر لیا؟“ اس نے چھوٹے ہی کہا اور اُٹھ کر اس کے بولا۔ کون سا متیرہ چھوٹا تھا جہاں گیر نے اُٹھ کر چہرہ پر ہے کہ سر کی کڑا گھول گئی ہے۔ وہ جھل سے جب تک اس کی گھٹی میں دوڑنے میں نہیں کھٹے اس کی زبان کو نالائقیں لگا پھر بھی اس کے دانت کھل کھاتے ہے۔ اور اس کی معنی غیر نظر میں دور تک ہمارا تعاقب کرتی رہیں۔ اسے زیادہ باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کڑا اس کی ان ہنسی ہوئی اُن کے غائب تھا کہ باڑوں میں خام کے، مہمی ہماروں کے متعلق تیرا ہی ہے۔ میں نے لے کر لیا تھا کہ اب میں صبح کے سوا باہر نہیں نکلا کروں گا۔ صبح

باڑوں بہت سکون ہوتا تھا۔ کیا گھیاں تو تیرا انسانان پڑی رہتی تھیں مگر مجھ نے اُن کا جانا بند نہیں کیا۔ وہ جہاں گیر کو لے کے کسی وقت بھی گھر سے چل پڑا تھا۔ تیرہ تیرہ مجھے بھی اس کے ساتھ جانا پڑا تھا۔ گھر سے باہر

ایک دن خام کو گھر واپس کے وقت خلیفہ جاتے ہمارا راستہ دیکھ لیا۔ اس نے جہاں گیر کے سامنے اونچی لوٹکی باتیں شروع کر دیں۔ کب حضرت! آپ نے تو بالائی بالا کمال کر لیا؟“ اس نے چھوٹے ہی کہا اور اُٹھ کر اس کے بولا۔ کون سا متیرہ چھوٹا تھا جہاں گیر نے اُٹھ کر چہرہ پر ہے کہ سر کی کڑا گھول گئی ہے۔ وہ جھل سے جب تک اس کی گھٹی میں دوڑنے میں نہیں کھٹے اس کی زبان کو نالائقیں لگا پھر بھی اس کے دانت کھل کھاتے ہے۔ اور اس کی معنی غیر نظر میں دور تک ہمارا تعاقب کرتی رہیں۔ اسے زیادہ باتیں کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ کڑا اس کی ان ہنسی ہوئی اُن کے غائب تھا کہ باڑوں میں خام کے، مہمی ہماروں کے متعلق تیرا ہی ہے۔ میں نے لے کر لیا تھا کہ اب میں صبح کے سوا باہر نہیں نکلا کروں گا۔ صبح

یہ سب ان کیوں سے ہوا تو اس کی وجہ سے کیا ہوا؟
 دن میں خانم کے کان کی لڑکیاں آتی تھیں۔ جہاں گرنے بچھے
 بتایا تھا کہ خانم ان لڑکیوں کو گالے کا بارش کرتی ہے جب سے
 ہم آئے تھے، خانم نے یہ سلسلہ بھی بند کر دیا تھا۔ لڑکیاں اب بھی آتی
 تھیں مگر وہ دن بھر گھر کے کالوں میں لگی رہتیں، ایک کمرے میں بند
 ہو کر خود ہی مٹھی کر لیا کرتیں۔ ایک اور کال نام نساں تھا۔ وہ دن بھر
 ہماری خاتونوں میں لگی رہتی، اس کی عمر زیادہ تین تھی۔ رنگ مٹی تھا
 چھوٹے چھوٹے دانت تھے۔ وہ ہر لمحے اس طرح ترٹا لے اور بدن چلاتے
 ہو کر نظر آتی تھی جیسے اس کی کوئی چوری پڑو لگی ہو یا میرے کسی سنے
 اسے گدگد سی کدی ہراساں نے اس کے کان میں کوئی بے جا بات
 کہہ دی ہو۔ جو برسے بالوں کی چوڑیاں اس کے شانوں پر لہراتی رہتی تھیں
 اس کا وہ بڑا تھا۔ نہ چھوٹا۔ وہ بہت تانتہ تھی سب وہ گھڑتی تو سب
 سے پہلے فحش کو لیتا کرتی، چرخ خانم کا چہرے پھر جہاں گھر کے شاگرد
 اپنے گھر چل جاتی اس کے جانے کے بعد گھر میں ایک کسی عرس ہوتی
 تھی کبھی ہاڑیسے جی میں آتی کہ نساں سے بات کروں کیا وہ بھی کچھ ادا
 ہوتی ہو کہ اپنے پہرے میں مگنڈ باندھے گی؟ ابھی تو وہ اس تندہ خزانہ
 ہے پھرتے دروں میں کیسے بیٹھنے لگی اس کے ملنے سے تو آواز بھی نہیں
 نکلا گی لیکن نہ ہی تھی تو نساں کی طرح تھی۔

ہیں ہاں اُمّے بننے میں دن سے اوپر ہو چکے تھے۔ راستے
 ہمارے آنا سامنا ہوا تھا۔ ہم دونوں کو ساتھ دیکھ کے اس کی
 میں جھکا جاتی تھیں وہ چُپ، ہاں لیے میں نے بھی ہاتھ
 مناسب نہیں تھا ملا ملا کر دھڑکنے والے وہ گلاب نہیں تھے کبھی
 جہاں گریں کے روانے میں اتنی خودی تھی مجھ جی کئی ترسہ
 دھڑا دھڑا ہزار میں بیٹھا ہوا دیکھ چکا تھا ادا اس نے مجھے سختی سے
 دیا تھا کہ میں ان گلیوں سے کان بند کر کے اور نظریں جھکا کرے
 دوس ہیں نہ یہی کرکشی کی تھی اور مجھ تک کتاب ہی جہاں گریں
 تھا ہزاروں کو گونے بننے مجھے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا کہ میں نے
 لیا تھا کہ چلتے وقت اگر موٹو ملا ادا بعد میں غامض پر کئی آنچ آنے
 شہرہ بڑا توں ہوا سے فزول طرک ادا دیکھ کر اس نے شعلت جہاں گریں
 نم نے اتنی ایسا بتادی تھیں کہ مجھے خود ہی اُمّے راستے میں دیکھ
 ہاں مجھے تھا۔

میں نے بہت ضبط کیا مگر مولا سے ضبط نہیں ہو۔ صبح صبح
 میرے کمر کے ساتھ میرے والدین آتا تھا صبح نوے سے سلسل مجھے ایک
 شیخ ہوا ملاؤ آئیں دن سویرے مولا نے پہلی بار اپنی زبان کھولی یہاں
 عرب سے گزریے تو اس نے بڑی چھینک کر کہ کالی دی داد زمین
 کے اگلے موعظہ، یہاں تک استھک جس میں سے ہلاں لوچ

کے اسے کانٹا کا دھوکا بھاسکین چوڑاں نے اونچی آواز میں غلام کے منتقل کی گردنوں پر ایک ساتھ پڑے۔ دونوں زمین پر گر گئے۔ اُن کی طرف دیکھ کر ایک چھٹلا بواڑا نہ صرف چٹکیاں سے قدم نہ لگے۔ جہاں گیر کے کان بھی تیز تھے۔ اُس نے بھی فقرہ نہ کیا ہوگا۔ میں نے دنگر لڑا لیکن دوسری صبح مولا صاحب محل پر اپنی بیک بٹھا تھا۔ اگرچہ جہاں گیر نے اُس دنگر کی کھٹکھا گئی وہ پیٹ پر پڑے زمین پر پھینچ گیا۔ وہ اگر ہی قہری کا تھا۔ دوسری طرف سے گھر واپس آنے کو لکھا تھا کہ میں نے راستہ میں بلا میں آئی گلی سے گھر کی طرف آیا ہوا دروازہ ہمارا اذخار کو تھلا کر اس نے میں ساتھی زمین سے اٹھ گیا۔ اُس کی گردن پر ضرب شاہد خٹک طرح میں لگی تھی۔ دوسرے دیکھتے ہی منہ سے سہمی کاجانی اور جب ہم اُس کے سامنے پہنچے تو اُس نے جہاں گیر زبان گندی کی۔ مجھ سے اُسکے بٹھانا دوسرے ہو گیا۔ مولا چاہتا تھا کہ میں بھی جہاں گیر کی طرح اُڑاؤں۔ اُس نے اٹھنے سے شہتیر ہی جہاں گیر اُس کا گریبان لگے۔ ادھر جہاں گیر نے بھی ہاتھ لڑا کھینچ لیا تھا۔ میری کمری چمات قدم اُسکے لمحوں کے لیے میری توجہ مبٹ گئی اور مولا کا ساتھی مجھے دو تین مرتبہ چلے میں گئے کہ ایک دم جہاں گیر بلبلانے لگا۔ مولا نے نیچے سے تھراوا لگائے میں کا یا باب ہو گیا۔ وہ مجھ سے لپٹ گیا تھا اور مجھے گرائے کیلے تھا۔ تھراواں گر کر گردن پر لگا اور دنگن چوٹ پڑا میں نے جہاں گیر کو ایک طرف لکھ دیا۔ مجھے رشک لگا۔ مولا کانٹا میں تھا جب اُس نے سہمی کاجانی بھی تھجی مجھے شبہ ہو گیا تھا کہ وہ اکیلا نہیں ہے۔ اُس کے دوساتھی اور سہمی تھے کھٹھے اور دوسرے زور سے اُسے قلاب میں لکھا، بوتا ہے۔ اُس نے ایک جواں سے بچہ دھوا اور دھڑکھٹے ہوئے تھے اچھے بٹھانا دیکھ کر میری کمری تھجی میری پٹھوڑی پر تھجی سے دباؤ والا اور دوسرا ہاتھ لے لگائے پڑھ لے تھے۔ اُن کے آنے کا اذخار دیکھا گیا پچھا اُنھیں دکھا دونوں کھٹے ہوئے تھجی ہاڑہ اڑا سانی سے کام کرتے۔ میں نے دونوں ہاتھوں

دبا ہے؛ مولا نے اپنا سرمہ اسے اترنے دیا۔
میرا کہ کاغذ مزاحیہ نہیں تھا۔ اس کے دلوں سامنے بھی اس کے سے اسے خوف سے اونٹنیک کر لیا اور اس کی کمر بازوؤں سے بھولی۔
آزادیا زکھڑے ہو گئے۔ میں نے جہاں بیٹے کے بدلے لڑی لڑی آن۔ کی کی میری حالت ایک مہینہ تھی۔ فرق صوف پہ تھا کہ میں نیچے تھا اور
کی طرف دیکھا جھلنے نہ مل میں مجھے بنا تھا کہ متابی کی نگہ تبدیل کر فوری ہو۔ اور مجھے جلدی تھی۔ جہاں گیارہ مولا میری نظروں سے اوجھل تھے۔
ہر روز نگاہوں سے کام لینا چاہیے۔ وہ اپنی نگہ سے فز و حرکت کرے گا اور مولا کے ساتھی کے لیے زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں تھی میری ٹھوڑی
جب وہ ہنسے ملائی متوجع ہو آجائے تو اپنی نگاہ لڑی نہیں چاہیے میں نے لکھا ہوا کہ اس کا ہاتھ ہم دونوں کے سینے کے درمیان چھین گیا تھا۔ اس
میں کیا نہ مجھے گھوڑے تھے۔ دلوں سامنے مولا کے کچھ اور قریب ہو گئے لے ٹھوڑی چھوڑ دی تھی اور اپنے کھمبے کو ہاتھ سے بیکس مکان پر
لیکا جاتا ہے مولا اب اس نے اپنی اواز پر تھالو پر اپنے ہونے کہا۔ ہونے ملا تھا۔ میں نے لڑی طاقت سے اپنے دائیں شانے پر زرد
پیشوق اپن کا ہے۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کے ہلے۔ اس کا شانہ وہ بھگا کہ میں اس جانب سے پلٹا جا پتا ہوں چنا بچا اس نے بھی اپنا
جہاں گیر کی طرف تھا۔ بیخون رگہں میں اٹھنے لگا۔ مجھے اس سے کوئی بات ملا زدن اس طرف منہ کر دیا لیکن مجھے بائیں شانے سے پلٹنا تھا۔ ہم
ہی نہیں کرتی کافی چاہیے تھی میں نے سوچا جب سے جاتو نکال کے اس کے دلوں جھک میں ایک دوسرے سے متھے ہونے میں چار لوہکنیاں کھائے
زلیں کاٹ لوں۔ اس دن کے دھوکے میں نہ رہنا بخیر و تیرا پ بھڑاں کا وزن میں تھا۔ جہاں جھوک کر زور پڑی میں نے وہیں اپنے آپ کو
بیچ میں لگا۔ وہ مجھ سے بیٹے لیے میں ہلا۔ مارا جھل گیا کہ ڈارو جو کچھ میرا لینے آئے سے وہ اپنے حوالہ برتاؤ میں کھمک۔ اس نے اٹھل
وڑن کر دی۔ اس سے یہی توقع تھی میں نے دوبارہ اسے اپنے ہم سے

[illegible]

چند ناپسندیدہ ناخبرہ ہو گئی۔ ادھر نرالا نے جہاں گیر کو دانت لڑوایا تھا۔ جہاں گیر کی توجہ میری طرف ہو گئی وہ وہ اتنی جلدی مارا کہانے والوں میں تھا کہ کوشش میں اسے اپنے پاسے میں پھنسا دیتا۔ میں نے نرالا کو پیچھے سے پکڑ کر پھنسا دیا۔ جہاں گیر کو اس سے دور ہونے کی ہدایت کی۔ جہاں گیر وہ ہو گیا تو میں نے نرالا کی کمر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ وہ مجھے میری طرف پلٹا۔ میں نے ہنسی کی اور اسے لے جھٹکے اور پٹا چھڑا کر اس نے اسے زمین پر کھینچنے میں دیر نہیں کی اس نے کھڑے ہوئے مجھے کے تحت کی میری حوکر کوں نے اس کا توازن بگاڑ دیا۔ میں نے اس کے منہ پر اپنے ہاتھ مارے اسے خون کا دھماکہ بند نہ کی میں اسے وہیں ختم کر دیتا اگر جہاں گیر وہاں میں نہ جاتا تو نرالا کے ساتھ میں جھاگ گئے تھے۔ اور گوندنا دیکھتے ہوئے لوگوں نے میں گھر سے میں لے یا تھا مالا مالا کھلا کھلا کھلا رہا تھا کھرا اس کی طرف کسی نے توجہ نہیں دی۔

جہاں گرنے والے گیلوں میں سے کوئی آدمی بچل کر مٹانے کے لیے گھر کی طرف دوڑا دیا جاتھا۔ بچل نہیں آیا تو گھر جب بھر گھر والے گیل میں داخل ہوئے تو خاتمہ شجاعت کے ساتھ تیزی سے آتی ہوئی لکھائی دی۔ زمین پر پڑ پڑ رہنے کے وجہ سے ہر ایک کے تمام کپڑے گرنے سے ہو گئے تھے۔ جہاں گیل کے منہ سے خون جاری تھا لیکن اس کے پیریک نہ تھے۔ وہ بے ہوش ہوا۔ ہاز سے جوتا مارا جاتا تھا۔ نام نہان گیل ہی میں دواہلا شروع کر دیا جہاں گیل کے گھر میں لے گیا۔ بچک میں بچل ختم ہو جاتا تھا۔ میں نے بولا تھا فتم! مت جاؤ وہ بولنا آواز سے بولا وہ آتے ہی میں گے۔ سب بچک بے ہوش؟ اس نے مجھ سے غائب ہو کے پوچھا۔ میں نے مانے حرام کے کہنے۔“

”نہیں۔“ میں نے مختصر جواب دیا۔

”چل کپڑ بدل لے، ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“

”دو تین تھے آبی! جہل گیر حیرت زبہری آواز میں بولا اور خانم کو ساری داستان سنانے لگا۔ خانم نے آنکھیں بند کر کے اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اُس کا چہرہ سفید ہو گیا تھا۔

مذہب ہیں ایک دن بھی یہاں نہیں ٹھہریں گی۔ وہ دشت سے بولی۔
تجارت ہے اس گھر کا انتظام ہو یا نہ ہو۔ میں اسے ارجی بائی ہی کو مے منوں
گی مجھے پہلے ہی اس کا اندیشہ تھا۔

”خاتم! تجھ کو آواز گونجی۔ جلدی مت کرو! طیان سے ملیں گے۔“
 ”کیسا طیان! وہ یونانی اٹلہ میں بولی۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ یہ
 کس طرح واپس آئے ہیں میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔“

”اے انہیں کہہ دو کہ تم نے غنودہ آواز میں کہا۔
 ”اے ادا کیا کسرہ گئی تھی۔ معاف کیجئے! آپ تو ہمیں بیٹھے ہے۔
 اگر انہیں کچھ ہو جائے! آپ اُن لوگوں کو کہیں جانتے ہیں ایک سرے سے

میں رہتی ہیں۔

”خاتم! اتنا تین گھنٹے پہلے میں لڑا۔

”کیسے گھنٹوں پہلے؟“ وہ تین گھنٹے پہلے میں چھ برس کے تین پوسوں

وہ۔ باز میں کوئی آن کے منہ میں گنا سب کو معلوم ہے کہ اس کا

بیچہ اچھا نہیں ہوگا۔

”جیسے تمہاری مرضی خاتم! ہم کو کب سے چلانے کیلئے تیار بیٹھے ہیں۔

تجمل نے ہندی سے کہا: تم جیسا چاہو کرو پر جلدی میں نقصان ہو سکتا

ہے۔ میں تم سے متاثر ہی ہوں سکتا ہوں۔

”آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ خاتم نے لاجبوت کہا۔

”جو میں لڑتا ہوں وہ تم بھی جیسا کرو۔“

خاتم نے تجمل کی طرف سرسری سے نگاہ اٹھائی، اس کے ہونٹ

کچھ کھلنے کے لیے کھلے مگر اس کے دھلے وہ تجمل کی بات سے مطمئن نہیں

تھی۔ اُن کے دویان بوند والی باتیں میرے لیے نئی تھیں۔ انھیں سن

کے گئے بے ہوش ہو گئے۔ صاف ظاہر تھا کہ تجمل کے اتنے دنوں کے گناہ

ٹھیکے سے نہ کافر کوئی سبب ہوگا اسی لیے میں نے اسے پریشان کرنا سنا

نہیں تھا۔ جب بھی میں اس سلسلے میں سوچتا تھا، یاد مانع نہ ہونے

لگتا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ تجمل کا بھی یہی حال ہوگا۔ میرا کون سا گناہ لگتا تھا

اور جہاں گھر سے ملنے کے بعد گھر میں پہنچنے کی کوئی صورت نکلتی تو۔ میں

یقیناً خاتم سے درخواست کرتا کہ وہ ہمارے ساتھ ہی رہے۔ چونکہ وہ پہلے

ملاقات میں بازار کی زندگی ترک کرنے کا اظہار بھی ہی ادا اس نے اپنے

گھر کے دروازے سے نافذ نہیں کیے لیے بند کر دیے تھے۔ خاتم کہیں جانے

کی بات کر رہی تھی لیکن کہاں؟ ناشتے کے بعد کچھ دیر کے لیے مجھے اور

تجمل کو زمانا کی کوٹھ مڑا۔ میں اس سے پوچھ سکتا تھا۔ مگر اب تک میں نے

اس بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ اب بھی کیا ضرورت تھی تجمل نے جو

کچھ ملے کیا ہوگا، سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔

دوسروں میں سے نیاں بیچنے میں آتی تو اس کا چہرہ ہماروں

جیسا لگتا تھا۔ وہ ایک کونے میں کھڑی ہو گئی۔ تجمل نے چوک کے

اُن کی طرف دیکھا اور مضطرب آواز میں پوچھا: کیا بات ہے نیاں بیچا!

یہ تو بے ہوشی اپنے گلوں پر کیوں مل رہی ہے؟“

نیاں کہنے لگی: تجمل فوراً تخت سے اتر کے اس کے پاس گیا

اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر پوچھے: گناہ کیا کسی نے تجھے بھجوا کر دیا

ہے؟ جو تیرے سے ادا تو نہیں ہو سکتی۔“

وہ سر جھکائے اور تخت سے اترنے لگی۔ کیا بات ہے؟ ہجلا

مجھے نہیں بتائے گی؟ تو تجھے بااقتی ہے۔ وہ اسے اپنے بازو میں

میتنا پراخت بولے آیا۔ تباہ شدادی!“

نیاں نے ہشکل تمام سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اُن کی آنکھوں

میں شرمخ آسو بھرے ہوئے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ میرے سامنے

سے بات کرنا نہیں چاہتی۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ جہاں گیا کہ کوئی بات

میں لکھنے لگا تو تجمل نے مجھے بیٹھا لیا اور نیاں سے بولا: لاؤ اس

سامنے ہی بولیں۔ تم گھبراؤ۔ میرا اس سے کوئی پردہ نہیں ہے۔ ہاتھ

تو جو بولنے پر تیار ہے تو نیاں کی طرف لڑتی ہے۔“

”آپ نے لڑی بائی سے معاف نہ لیا ہے۔ وہ ایک ایک کلام

”اچھا! پھر کیا ہوا؟“ تجمل نے غصے سے پوچھا۔

”ابھی ابھی ارجی بائی واپس گئی ہے۔ وہ دھڑلے سے بول رہی تھی۔

تمام سالانہ سمیت مکان کا سودا کر لیا ہے۔ میں نے اُن کی باتیں

ہیں۔ میں چار دن میں وہ باقی پیسے دے گا۔ پھر اپنی پل جائیں گی

لے آئی سے لے گا۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلے۔ انھوں نے مجھے

دیا۔ آئی کے گھر میں جی نہیں لگا۔ آپ ہی اُن سے کچھ کہیے! آئی

کی بات وہ بہت مانتی ہیں۔ میں نے انھیں کبھی تنگ نہیں کر دیں گی۔ ہر

گئی کر دیں گی۔ میں نے اُن سے بہت کہا لیکن وہ کہتی ہیں کہ یہ کسی

نہیں ہے۔“

تجمل چپ ہو گیا۔ پھر اس رنگ سے بولا: آپ ٹھیک بولی ہیں۔

”آپ بھی یہی کہہ رہے ہیں؟“

”ہاں نیاں! اجری بائی میں نے دیکھا ہے۔ وہ کس طرح ہے۔

ساتھ بچے دے گی۔ میں بھی تو کب تک اپنی آئی کے ساتھ رہے گی۔ لڑکے

پر اُسے گھر کی ہوتی ہیں۔“

”مگر مجھے معلوم ہے کہ مجھے کسی گھر میں نہیں جانا۔“

تجمل نے جواب نہیں دیا۔ لیکن میں نے یہ نیاں! وہ تھی۔

”کیوں کہن نہیں ہے بابا!“

”نیاں! تو اب اتنی بچی نہیں ہے۔“

”بابا! میں آپ لوگوں کے ساتھ باکل ایک نوڈی کی طرح ہوں۔

اور کبھی کسی سے کوئی شکایت نہیں کر دیں گی۔ آپ مجھے ساتھ لے چل

دیکھیے۔ منع نہ کریں۔ میں آپ کے ساتھ جوتی ہوں۔ مجھے یہ سہ

نیاں لگتا۔“

”میں تجھ سے کیا لڑوں۔ میرے سر میں کچھ نہیں ہے۔“

”آپ بھی یہی کہتی ہیں مگر آپ چاہیں تو مجھے لے جا سکتے

”کہیے؟“ ”کیسے نیاں!“ ”تجمل نے شکستہ لہجے میں کہا۔

”آپ مجھے غریب لہجے میں! بابا! میں مگر آپ لوگوں کی خدمت کو

تجمل غم سے ہو گیا۔ ”کیا یہی ہے دی!“

”ہاں بابا! آپ مجھے خرید سکتے ہیں۔“

”نہیں نہیں۔“ ”تجمل نے زبردستی سے سر اٹھا لیا۔ اے خواب

جو تو سوچ رہی ہے۔ وہ کبھی اس طرح سوچیں۔ اچھی لیکن

”آپ کہیں نہیں سوچتے۔ آپ تو میری آخری طرف سے کرتے ہیں۔“

”تو بہت اچھی ہے نیاں! تجمل لکھ کے بول رہی تھی۔

میں خاتم سے بات کر دیں گا۔ میں تجھ سے کوئی وعدہ نہیں کر سکتا، اب مجھ

کچھ نہ کہتا۔ مجھے خود تیرے چل جانے کا۔“

”وہ نہیں کرتے گی۔ اگلی اس کے آسو بہتے۔“ ”تجمل نے ہائی

نہیں بھری۔ مجھے گولہ میٹ بول گئی۔ نیاں مت رو۔ میں نے نہ جانے کیوں

یہ جان بول پڑا۔ میری آواز جھرا گئی تھی۔ تجمل نے میرے نظروں سے مجھے دیکھا

اور سر جھکا لیا۔ دروازے پر کسی کی آہٹ ہوئی تو نیاں گھبرا کر اٹھ کھڑی

ہوئی اور میری سے منہ چھپائے۔ بیچک سے جھانک گئی۔ جہاں گیارہ آیا

خاتم۔ اسے تجمل کے پاس چھوڑ کر میں اوپر ہی نزل پر اپنے کمرے میں

چلا اور دیر سے کمر پڑا۔ میرا جسم چانک ٹوٹنے لگا تھا اور سینے میں جل

س ہو رہی تھی۔ بہت دیر ہو گئی تو خاتم مجھے پوچھنے کے لیے کمرے میں

آئی۔ مجھے اُن کی آواز کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ اُس نے میری کلائی پر

ہاتھ رکھا تو میں ہڑپا کر اٹھ بچھا۔ وہ میرا مال پوچھنے لگی اور کبھی کبھلا

سے جھگڑے کے دوران میں کوئی اندوہنی ہوٹا اُٹھتی ہے۔ میں نے

اُس سے نیاں کے متعلق بات کرنا چاہا مگر غلط میری سمجھ میں نہیں آئی۔

مجھے تو نہیں معلوم تھا کہ مجھے اُس سے کیا کہنا چاہیے اور اس فرس بناد پر

میں اُس سے نیاں کا ذکر چھوڑ دینا۔ تجمل نے نیاں کو روکنا چاہا۔ خاتم

پہلے ہی جواب دے چکی تھی میرے دویان میں دل دینے کا کیا عمل تھا۔

ٹھیک ہے۔ نیاں کی قسمت میں جو کچھ ہے اُسے کون روک سکتا ہے۔ نئی

کی قسمت میں جو کچھ تھا وہ بول رہا۔ میں نے قسمت کی بات کبھی نہیں مانی

تھی لیکن اب اسے ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ خاتم میری طبیعت

کی طرف سے مطمئن ہو کر ہلکی سی دین کرے میں لیٹا رہا۔ لیٹا رہا۔ گھٹ

رہا تھا اور ادا لگتا تھا جیسے میرے جسم پر بہت سی کڑیوں نے جالے

ہوئے ہیں۔ جہاں میرے گئے کے بعد مجھے اور ان کو عموں سے ہونے

لگتی تھی۔ اُس کی صورت دیکھتے وقت میرا دل بیٹھنے لگتا تھا اور سر میں

دھول سا چھایا تھا۔ نیاں نے کمرے میں آکر دھیر سے کھانے کی

اطلاع دی۔ میں نہ جانا تو وہ خواہ مخواہ کھا چکا تھا۔ میں نے کچھ نہیں

بھی کھانے ساتھ بیٹھی تھی۔ بابا! میری نگاہیں اُس کی طرف اٹھ جاتی تھیں،

وہ کوئی کھانے معلوم ہو رہی تھی۔ اُس نے اپنی پیڑی سے اُس کے کمرے میں جا کر

کوئی آواز نہ کر کے دھکے سے کمرہ اپنے ہاتھ میں چھپا کر۔ اُس کی لاجبی

لائی اٹھیاں لے کر اُنھیں سر پر کھینچ کر قبولے کے لیے لیٹ گیا۔

جہاں گیارہ کمرے میں اسٹرے پر بٹنے جلا گیا۔ میں بڑبڑا رہا۔

اپنے ہاتھ کو پتہ نہ تھا۔

پھر مجھ سے بیٹھنا نہیں گیا۔ میں نے ایک ارادہ کر لیا تھا۔ جتنا میں

پھر مجھ سے بیٹھنا نہیں گیا۔ میں نے ایک ارادہ کر لیا تھا۔ جتنا میں

سوچتا تھا، اتنا ہی وہ میرے ذہن پر اور بھڑکتا جاتا تھا۔ میں نے اُس پر کچھ

اپنا سالانہ ٹھکانا پڑے۔ پتے اور کسی کو بتائے بغیر ناپا گیا۔ مجھے زیادہ

دور نہیں جانا پڑا۔ جب میں زمین سے کمرے کو دوسری منزل پر پہنچا تو ایک

بڑی عورت نے دروازہ کھولا۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں حرکت کر کے

ملنا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے دروازے سے ملنے ایک کمرے میں لے گئی۔

فرس پر چاندنی بھی ہو گئی تھی۔ دیواروں کا رنگ گلابی تھا۔ چند منٹ بعد

ہی صاف تھکے ہواں میں گندمی رنگ کی ایک اور عورت نمودار

ہوئی۔ اُس نے مجھے نیاں کی اور ساڑھی کا پتہ شانے پر دھرت کر کے

بولی۔ ”وہاں پر کڑی کر دیں یا دفن یا ہے؟“

میں نے کہا۔ میں نے نیاں کے سلسلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”نہا کرے آپ نیاں کی شکایت لے کے نہ آئے ہیں۔“

”نہیں ایسی بات نہیں ہیں۔ کچھ اور بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”میں تو ڈر گئی تھی۔ وہ جھجھکی لے کے بولی اور تعجباً کہیں نظروں

سے مجھے دیکھنے لگی۔ ”زلیبے! پھر کھانا نیاں کی کیا بات ہو سکتی ہے؟“

”آپ نیاں خاتم کو فہم دیتی ہیں۔ میں نے جھجک کر کہا۔

”وہ خاتم ہی کی ہے۔ اُس نے بے ساختہ جواب دیا۔

”آپ کو معلوم ہے کہ وہ خاتم جلد ہی یہاں سے جانے والی ہیں۔ نیاں

کی خواہش ہے کہ وہ خاتم کے ساتھ ہی چلی جائے۔“

”اُس نے ایک گری سانس لی اور بولو بگولنے لگی۔ میں آپ کی

بات نہیں سمجھ سکتی؟“ ”اُس کی آواز بھی جوتی تھی۔

”میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نیاں کو خاتم کے حوالے کر دیں اور

اُس کی جو قیمت آپ کے ذہن میں ہو مجھے بتا دیں۔ میں اور کون سا

اُس کے کہوں پر ایک لمحے کے لیے سکڑا ہٹا۔ ابھی اٹھا! یہ

بات ہے کیا سربل خاتم سے آپ کو بھیجا ہے؟“ ”وہ مجھے کئی آنکھوں

سے دیکھتے ہوئے بولی۔

”میں خاتم کو نہیں معلوم کہ میں یہاں آیا ہوں اور نہ شاید خاتم آپ سے

اس سلسلے میں بات کرنا مناسب سمجھیں۔ میں اپنی مرضی سے آیا ہوں۔“

”وہ کچھ سوچنے کی اور تجمل آواز میں بولی۔ میں نے نیاں کیلے

کبھی ایسا نہیں سوچا، میں معذرت کرتی ہوں۔“

”لیکن نیاں کے لیے آپ نے ایک بات تو ضرور سوچ رکھی ہے

کہ آپ ہر ایک سال بعد اسے تجمل میں بٹھائیں گی۔“

”ہاں! نیاں خاتم سے اسی کی تربیت لے رہی ہے۔ اُس کی

اٹھان اچھی ہے اور اللہ نے اُسے آواز کے کس سے بھی خوب نوازا ہے۔

خاتم نے اُس کو بہت محنت کی ہے۔ مگر میں اُسے خاتم کو کیسے لے سکتی

ہوں خاتم تو ایسی دس کو لیاں مال کر سکتی ہے۔“

میں خاتم کو ایسی دس کو لیاں مال کر سکتی ہے۔“

23

و کاشان قدریادہ بڑا نہیں تھا کچھ سمجھ کا ہوا تھا اس نے مل کا پیلا
 ماؤ لٹھے کا باجہ میں کھنا تھا گنگ مشرقی اکی ساہلیں ناک اور بڑا نثر
 نے نظر پڑتے ہی غام کو کھٹکا کے اٹھ کھڑی ہوئی شاہ اور اس کے
 قہقہوں نے گردن موڑ کے میں دیکھا اور ان کی پشتائوں پر ہل پڑ گئے۔
 "کیا بات ہے غام؟" بھلنے لگی آوازیں پوچھا۔
 "کچھ نہیں یہ شاہ کیرا میں وہ کچھ بپتے ہوئے لیے میں بولی کہ اس
 نے تم کے خاص آدمی ملنے کیلئے آئے ہیں ادا یہ... یہ کیرا مان ہیں۔
 "ان میں وہ لوگ تو ہیں جس نے نرولا ادا اس کے ساتھیوں پر
 راجھا تھا؟ شاہ کیرا کی بھاری آواز کرے میں گونجی۔
 غام نے کوئی جواب نہیں دیا۔
 "کیا تم اس سے ملنا چاہتے تھے شاہ؟" بھلنے لے پوچھا۔
 "ہاں اس نوٹشے کی صورت دیکھنا ہے۔
 "دیکھ لو شاہ خوب اچھی طرح دیکھ لو یہی ہے وہ۔
 "آپ کب اندر بیٹھیں گے میں ابھی آتی ہوں" غام نے التجائی۔
 "غام بات بولو شاہ کیرا کیا جانتا ہے؟ بھلنے نے بگڑے ہوئے
 میں کیا شاہ کیرا؟ غام میں بتائے گی تم بولو۔
 "میری غام! شاہ کیرا نے منہ بنا کے پوچھا یہ کیوں لوگ ہیں؟
 یہ میرے کیرا مان ہیں یہ آپ لوگوں کو نہیں جانتے؟ وہ گھٹکیا
 ملی تھی اسی لیے....
 "غام! ہم اپنے آپ کو جتولے آئے ہیں۔
 "آپ اندر چلیے میں خود اس سے بات کرتی ہوں۔
 "ایسی کیا بات کر رہی ہو؟
 "خدا کے لیے آپ چلے جائیں" غام عاجزی سے بولی۔
 "تم ہی بولو شاہ کیرا میرے صورت سے کیا بات کرتے ہو؟
 "بولنے جی نہیں شاہ کیرا نے بلے پڑائی سے اپنے ایک ساتھی
 "جائے" غام بولی ہے۔ غام کے ہاتھوں کا کچھ تو خیال رکھنا پڑے
 نہ تم سے کہ۔
 شاہ کیرا نے میں آدمی کو اشارہ کیا تھا وہ میں جتنا لگے شاہ کیرا
 سی آدمی پہلے بابا بزاز میں ہاتھ اٹھایا گیا ہے۔ وہ میری طرف دیکھ
 تھے سے بولا اسے بزاز میں اب اس کے سامنے شاہ نرولا اور اس کے
 میں سے معافی مانگتی پڑے گی۔
 "دور کیا ہوگا؟"
 "دور اسے اٹھایا جائے گا۔
 "اور کوئی بات؟"
 "اور غام مکان کے سونے کا پندھو حق شاہ کیرا
 کے گئے میں کچھ والے تمام مکانوں کا یہی ہوتا ہے اور جانے سے

پلے غام شاہ کیرا کے ہاں جڑا کرے گی۔
 "اور کچھ؟"
 "میں ہی۔"
 "نہیں کوئی اور بات ہو تو بولو۔"
 "بس یہی۔"
 "اور غام ان سب سے انکار کر دے۔"
 شاہ کیرا ہنسنے لگا۔
 "نہیں نہیں بولو، پھر کیا ہوگا؟"
 "پھر کیا ہوگا؟"
 "کیا بڑا ہوگا؟"
 "پھر غام کیا میں سے کھانا شکل ہو سکتا ہے۔ اس چکر کے کا
 یہ کھڑا بھی دار ہو جائے گا اور بھی میں کچھ ہو سکتا ہے۔
 "تم تو کس پر رہتے ہو بات کر رہے ہو؟"
 شاہ کیرا دوبارہ ہنسنے لگا اس کا ساتھی جلدی سے بولا شاہ کیرا
 یہاں کا بادشاہ ہے بادشاہ کس پر رہتے ہو بات کرتا ہے اس نے چاقو
 نکال کے اٹھالا اور اس کی دھاری اٹھلی پھرنے لگا۔
 "میں غام کی طرف سے تمہاری تمام باتوں سے انکار کرتا ہوں۔
 "نہیں نہیں غام یہی اپنا انداز میں بولی۔
 "تم کن ہوتے ہو غام کے معاملے میں بولنے والے۔"
 "ہم اس علاقے کے لوگ ہیں۔
 "زیادہ کب تک مت کرو؟ شاہ کیرا نے اپنے ساتھی کو جھک
 دیا میں نے بول دیا ہے کہ تم غام کے ہاتھوں کا خیال کرنا چاہیے۔
 "ماؤ شاہ کیرا! جو مل چاہے کو غام کی طرف سے میں نے
 جواب دے دیا ہے۔
 غام نے اپنا چہرہ سینے میں چھپا لیا۔
 "کہیں غام کیا یہی تھا جواب ہے؟"
 "نہیں غام جی ہوئی آوازیں بولی تھیں تمہاری سب باتیں
 منظور ہیں میں پندھوں حق میں بھی جس سے دوسری آدمی میں جانے
 سے پہلے تھا ہے ہاں ایک دن خود اس کی گین۔ میں تم با بزاز
 کو مت بلاؤ۔"
 "نہیں غام پھر ان سے ایک یہ رعایت بھی کہیں لے رہی ہو۔
 بھلنے نے تنک سے کہا شاہ کیرا نے ہم کو تمہاری تیسری بات بھی منظور
 ہے اب ہم کیا بولیں ہم غام کے مان ہیں کچھ اس کا حق بھی ہم پر
 ہے۔ بولو تم کہاں سے مانا جانتے ہو کہ اس کو چاہیے پو؟"
 شاہ کیرا نے جواب دینے میں تامل ہوا۔ وہ بھی غام کی طرف سے بھل
 گو کہ نے لگا اس کے کچھ کہنے سے پہلے اس کا ساتھی غام سے بولا بولا

کہ ہوں چرچا۔
 "چلو! جمل جی لاشے! شاہ کیرا کی بات مان لے۔ مان لے ملنے"
 مذموم چلتا ہے کم کرکون سا اور مسنا ہے۔ غام اتم نے خود بوم بوم لگ
 شاہ کے ساتھ جاتے ہیں اور ابھی واپس آجاتے ہیں۔ شاہ کا حق سرور
 لینے وہ چرچا شاہ! "
 "نہیں شاہ! غام وہی۔"
 شاہ کو کچھ ترننہ ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف
 دیکھا اور ایک جھٹکے سے آٹھ گیا۔ جھٹکے! نرولا کیرا کے ہونے پر لے کے
 ان دھن اٹھائی گردن کو بھی ساتھ بچھو لیا۔
 غام نے شاہ کیرا کا مان بچھو لیا۔ غام! جھیک مت مانگو۔
 بھلنے نے سچ کر کہا۔ ہم مرنے میں مان رہے ہیں۔ شاہ کیرا زبان کا اتنا
 ڈھیلا نہیں ہوگا۔ لاڈلا وہ ہاتھ اٹھا کے اور دلفظ مزے بول کے مسیح
 سلات واپس آجائے گا شاہ کیرا کی بات میری سمجھ میں آتی ہے۔ پس
 کی ناک کا سوال ہے شاہ میں کی ناک سداؤ جی ہوتی ہے کیوں شاہ!
 یہی تمہاری خواہش ہے؟"
 شاہ نے نفرت سے منہ پھریا۔
 بھلنے دروازے پر آگیا تھا۔ شاہ کے تہیز ساتھی کھڑے
 ہو گئے تھے ہیں نے جہاں کیرا کھنٹی کے ساتھ وہیں بھرنے کی تاکید
 کی ہم سب گھر سے باہر آگئے۔ ہونے سے کچھ آگے ایک تنگ چوک سے
 تھا کیرا کے ایک آدمی بچھلی گل سے ٹوک گیا تھا۔ آگے آگے شاہ اس کے
 پیچھے اس کے ساتھی لوہاں کے پیچھے ہم چل رہے تھے۔ جہاں جہاں سے
 شاہ گزرا لوگوں نے راستہ چھوڑ دیا اور نظریں پڑانے لگے۔ بہت مس
 نے آئے سدا کیا۔ بول میں شاہ غام کے انداز میں گردن بولا رہا تھا۔
 بالافانوں پر کھڑی ہوئی تھیں اندر چلی گئیں۔ جو باہر رہیں وہ ایک دوسر
 کے ساتھ ہانچو کرے تھیں کسی نے شاہ کو آواز پر آئے کا اشارہ کیا کسی نے
 نشانہ لگا کے ایک پھول اس کے چہرے پر ملا۔ گل کے تھوڑے تمام لوگ ہم
 سے واقف ہو گئے تھے۔ مع نرولا سے جھگڑے کی خبر بھی شاید مارے ہی
 بزاز میں پھیل گئی ہوگی۔ لگ پہلے شاہ کو دیکھتے تھے پھر ہمیں۔
 ہل کے ہونے پر آگے شاہ کیرا لگا۔ بول کے بارواڑی ہانک نے
 فوڈا کیرا کی گل میں ڈال دی۔ اس کے باقی دھاتی تانی پڑ گئے تھے ہم نہیں
 بیٹھ اور شاہ کیرا نے ہمیں اس کا حکم دیا ہم بول کے آگے ٹاٹ کے سناٹان
 کے نیچے کھڑے رہے۔ بول کا ایک پیرا شاہ کے پر پڑنے لگا۔ گلی کے
 دھن اطراف بالا خانے تھے اور یہ جگہ زیادہ آبادھی تھی منزوں
 کے دروازوں کو کھینک اور کھینک پورگ کا کاچھا می کرنے لگے تھے بول
 میں ہو گیا ہم اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ کے جو ترے پھر کھڑے
 ہو گئے تھے۔ بول کے ہانک نے آنکھوں آنکھوں میں شاہ کے ساتھی سے

پوچھنے کو کوشش کی کہ شاہ کی برہی کا کیا سبب ہے۔ اس پر وہ گرجنے
 برسنے لگا۔ شاہ کیرا کے کاہر آدمی شاہ کیرا کے کچھ ہوتا ہے کسی
 کوئی شکایت ہوتا ہے اپنا شاہ کیرا سے بولو اس سے بولے بلے
 اپنے آپ فیکل کرنا شاہ کیرا کے بے عزتی ہے۔ یہ جو کراہا زادہ شاہ
 کے آدمی نرولا کے آگے آیا ہے۔
 "جھیک بولے ہو گئے! دادا! سپر ادر سالگا کی کاسا لوگ اس بات
 خیال رکھتا ہے۔ ابھی ان نے خود کتا بار شاہ کو بولا ہے۔ شاہ نے ایک
 دم برٹیم ان کی بات سنا۔ بول کا ہانک خوشا ملا بلے میں بولا تو نرولا
 ابھی شاہ چھوڑا اس کو ممانت کر دے۔
 "جان بگا! باڈو سیٹھ دروازے کا پٹی بھی دکھانی نہیں دیتا۔
 شخص جس کا نام بول والے نے کلا لیا تھا، تھوک کے بولا۔
 ہم نے کچھ نہیں کہا شاہ کے آدمی گندی گندی گلیاں بکتے
 چلتے رہے۔ وہ چاروں طرف دیکھتے تھے بیسے سب سے مخاطب
 ان کی نشا بیٹھ لگا تھا۔ پلے تو لوگ سے سے دور دور رہے لیکن جب
 کی جانب سے ان کے کھڑے بننے پر کسی ادا کی کا اظہار نہیں کیا گیا
 رفت رفت ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ ہانکا کا وقت شروع ہو رہا تھا۔ ہانکا میں
 والے تماکش میں بھی اس جیڑ میں شامل ہو گئے۔ گلی میں شاہ کے کڑے
 کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ بول کا لارو نون بند کیا جا رہا تھا۔ یکایک
 بولیں والے بھی آگے شاہ نے عورت اپنی تہیز کو نہیں دی تھی کڑے
 گئے۔ اندر چھپا جا رہا تھا اور کسی کی جگہ رفتاں میں گئی تھیں جھک
 واپس آگیا۔ اس کے ساتھ نرولا اور کئی آدمی بھی تھے۔ ان میں وہ لوگ
 موجود تھے جو مع نرولا کے ساتھ نظر آئے تھے۔ نرولا سے اپنے پر
 کھڑا نہیں ہو جا رہا تھا گردن سے لٹکے ہوئے کڑے میں اس کا
 جھل رہا تھا۔ وہ دوسرے ساتھی کا بھی ہی حال تھا۔ انھیں شاہ کے
 کر دیا گیا۔ شاہ کی کثرت بھی بہت سے لوگ اٹھتے ہو گئے تھے ایک
 نے نرولا کی کمر بڑھاپا کے اسے یہدھا کھڑے ہوئے یہ جو کراہے
 گرتے گرتے بچا۔
 "یہ تھا وہ؟" کیرا کے ایک دوست آدمی نے میری طرف
 اٹھل اٹھا کے پوچھا۔ اسے پہچان لے۔ نرولا نے مرنے سے ہان
 کیرا کے آدمی کے کچھ سے مخاطب ہوا۔ پھر کراہے۔ آگے بڑ
 بزاز کا ٹیم ہو گیا ہے۔
 "شاہ کیرا! اپنا ڈالنا نہیں ماننا۔ بھلنے نے آدمی آواز
 "بولتا ہے اس بے عزتی سے ترے کہ شاہ سے لڑنے لڑے
 نے دوس۔"
 شاہ کی آنکھیں چرچا گئیں۔ اس نے اچھل کے کوس جھو
 جیے بھونے ڈنک مارا۔ پور اس کا سر پڑنے لگا اس کے ساتھ

اُس کے ساتھ چند قدم آگے بڑھے۔ پھر وہ شاہ! پھل لے بیچ کر کسا
 "یہ بولتا ہے شاہ جھوٹا شاہ ہے۔ اس میں تو تم نہیں ہے خالی پلنگ
 جاتا ہے۔ اس سے پاؤں ہٹا آتا ہے اور نہ ملاؤ سناٹا۔ اُس نے
 علاقے کے راجے لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ بولتا ہے کہ شاہ کو
 اس جگہ پہنچنے کا کوئی قریب نہیں۔ ابھی پھل لے لے اپنی بات ختم نہیں کی تھی
 میں نے پاؤں نہال لیے اس کا کمان لڑشاہ! یہ نہیں بھرے بازار میں
 کئی دے رہا ہے۔ اس کی زبان اور ہاتھ پر کاٹ لو۔ اور یہ کوئی غلط بات
 میں کر رہا ہوں نے بھی کسی اسی طرح ہاں کیل تماشا کیا ہوگا۔ یہ بولتا ہے کہ
 ماہ کو کچھ سے معافی منگوائی ہے تو چاقو کے زور سے منگوائے سات ٹھیک
 بولتا ہے۔ ابھی تم اس کو کچھ دیکھو یہ کسے قزاقوں میں سے ہیں ایک
 تان کو لٹھالے جواب دینے سے پہلے تمہارے کسی آدمی نے کوئی
 بول کی تو ہاں غلن ہی غلن ہوگا تم میں ایک بھی داپس نہیں ہاں کے گا
 مل کا ہوا گھبرا گیا تھا۔ شاہ بولا کیا بولتے ہو؟"

شاہ کا چہرہ بگڑ گیا۔ اُس کے دوتین آدمی چاقو کھولے ہوئے مجھ پر
 پٹنا پھانتے تھے پھل کے آواز سن کر پھیر گئے۔ یہیں شاہ؟ اپنے
 آواز میں کو حکم دے رہا وہ اس کی بڑی بڑی کوفیوں کا سب کراس بات کا
 میں بوجھ کر شاہ کبیر کس پرستے پر بادشاہت کرتا ہے۔ بے عزتی
 کا بوجھ ہے تو شاہ چراس مانق کیوں نہ ہو باز اس کے لوگ بھی دیکھیں گے
 شاہ نے ایک چھوکرے کو کس طرح مارا۔
 "چپ بولنا ہے چاقو اٹھا لے بے عزتی ہے۔ شاہ کبیر گرج کے بولا۔
 "تو مجھ پر اٹھاؤ وہاں کی حسرت دل میں باقی ہے کہ ہتر ہے
 اہ چلے اسے ختم کرو۔ پھر مجھ کو دیکھنا۔
 "چھوکرے سے بولا مان جائے۔"

میں نے جیسے ہی شاہ کی طرف چاقو تھرایا۔ جہاں کبیر چلا کشتا
 اُسے سے بازو سے لپٹ گیا۔ میں نے اسے دیکھ لیا۔ یہ میرا
 طرف سے تم سے معافی مانگتا ہوں۔ وہ شاہ کے سامنے ہاتھ جوڑ کے
 بڑا ہو گیا۔
 پھل نے جہاں کبیر کو کھینچ لیا اور اُس کے کمال پر ایک طاہر رسید
 یہیں شاہ! قبل ہے؟ جلدی بولنا چہرے کی طرح داپس چلے جاؤ۔
 اس کے لوگ اسے بھی تھادی بڑائی سمجھیں گے۔
 میں اس کی حسرت غمزدگیوں کو سن گیا۔ شاہ غلنے لگا۔
 "دیکھ پہلے اپنے آدمیوں سے وصیت کر ماؤ۔
 "تو اس چھوکرے سے پوچھ لے کہ اس کی کوئی آخری خواہش ہے؟
 اہ کبیر نے چھوکرے کو کہا۔ اسے اپنی داد دو۔
 "یہ لال پانی پینے کا مادی ہے۔"

"نہیں شاہ! میں سے ایک لڑتی ہوئی لڑائی آواز آئی۔ وہ
 غمزدگی سے غمزدگی سے کہنے میں آئی تھی۔ وہ شاہ کے پیروں پر گرنے لگا
 نے اسے جھک کر مار دیا اور ایک جھجھکی میں سے جانور بسم کی دھول
 جھاڑا۔ بڑی طرف سے اس کے انداز میں آیا۔ وہ مجھ سے اتنا
 قریب ہو گیا کہ میرے اداں کے درمیان فاصلہ نہ رہا۔ اچھوڑ دیا۔ ہوگا۔
 اُس نے بائیں ہاتھ سے یہ اسٹینڈنٹ ٹھکانا میں نے بھی ہیمل کی اس شاہ
 کبیر ایک جھپٹنے میں مجھ سے دوڑ گیا۔ اس نے ایک طرف ہاتھ چھلایا کسی
 نے چاقو اٹھا لیا جو شاہ نے اس طرح اٹھک لیا جیسے شکر انا پناست کار
 جھپٹ لیا ہے۔ وہ چاقو تانے میں رانٹا نظر کرنے لگا۔
 اسی لئے پھل نے چاقوں طرف لڑکھ کے بالا خانوں پر اداں کی
 میں کھڑے ہوئے لوگوں کو غلط کر کے کہہ کر سب انھیں کھلی رکھا۔
 شاہ کو جتنا دیکھنا چاہے دیکھ لو اس کے بعد یہ صورت نہیں نظر نہیں آئے
 گی۔ جھجھکتے بہت سب اسے دوبارہ دیکھنا چاہتے رہا نہیں۔"

شاہ نے پھل کی بات پر کچھ توجہ نہیں دی۔ وہ یہی طرف حویہ
 تھا۔ شاہ نے اپنا چاقو پھیلایا اور دھکائی سے اس طرح پکڑ لیا تھا کہ نظر نہیں
 آتا تھا۔ مجمع میں سستی ہو گئی تو آواز آئی میں نے یہ لک اور شاہ کی
 طرف بڑھا۔ اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ میں پلٹ کے دوبارہ ہیمل کی دہرایا
 شاہ پھر پھٹ گیا۔ میرے قہقہہ دار کان میں تھا۔ صوف شاہ کی پٹری کا انداز
 لگا تھا۔ اس پر اچھی خاصی پٹری تھی۔ اس نے بھی پٹری کے جلدی
 نہیں کی نہیں نے زیادہ سستی اس لیے نہیں دکھائی تھی کہ شاہ فوراً
 پٹری کے اس کوئی رائے قائم نہ کر سکے۔ اس کی خواہش تھی کہ بولے کہ
 وہ پہلے ہی پہلے میں سے ہاتھ سے چاقو چھین لے کر جہاں اتنے
 لوگ موجود ہیں وہاں یہ بے احتیاطی نہیں کی جاسکتی۔ شاہ اپنی خواہش
 کے باوجود ہر اتنا لاکھ خیال نہ کر لایری نظریں لڑی طرح شاہ اداں
 کی ایک ایک حرکت پر مرکوز تھیں۔

شاہ کے آدمیوں کے لیے شاہ کے خلاف فوراً کوئی فیصلہ نہ آنا
 کی برہمی کا سبب بن سکتا تھا۔ مجھے کسی ایسے داؤ کا موقع ملنا چاہیے
 تھا کہ شاہ کے سامنے بدیں کسی قسم کا حکمہ نہ کرے۔ شاہ سے دوتین ہار
 اچھل کے میرے دربارہ آسانی خالی دے دیں تو میں اس سے کچھ قندی
 پر کھڑا ہوں گے اسے گھرنے لگا۔ پھر میں نے دونوں ہاتھ جھیللا
 لیے اور شاہ پر یہ ظاہر کیا کہ میں چاقو تانے کا وارنہ وسیع کر رہا ہوں اور
 میری نرا اس کے پچھنے کی جگہ تنگ کر رہا ہے۔ یہ کوئی چوڑی گلی نہیں تھی۔
 لوگوں کے گھیرنے کے درمیان ہونے چوڑی تھی نہ کسی۔ اس طرح آگے
 بڑھنے میں شاہ کا رول ہی ہو سکتا تھا کہ وہ میرے بازوؤں کے اوپر سے
 میں چلا آئے اور اس سے پہلے کہ میں کچھ کر سکوں وہ خود ہی پڑھنے

میرے سینے پر چاقو کھڑے میں نے دو قدم ہٹ کے خود کو اس کے مقابل
 کیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ آگے کے خطروں میں لے لاد کسی دوسری طرف
 پھلنے میں کا ہاب ہو جائے۔ شاہ کو ملوں میں اپنے آئندہ اقدام کے بارے
 میں جوابات مجھے سمجھائی تھی اُس نے اسے اسی طرح سمجھا جس طرح
 میں چاہتا تھا اس میں اُس کے لیے خطروں میں میرے لیے زیادہ خطرہ کبھی
 میں ایسی تنگ جگہ پر ہاتھ کھول کے مقابل کر رہا راست سینے تک آنے
 کا موقع نہیں ملے گا۔ میں نے اسے اس کا موقع دیا تھا کہ وہ مجھ سے تیز
 آگے بڑھ سکے اور یقین کرے کہ جب وہ میرے سینے میں چاقو کی زک
 پیوست کرے گا میں اپنے پھیلے ہوئے ہاتھ سمیٹ کے اس کے کولھے
 پر چاقو تھیں۔ اس کوں گا۔ اس وقت میری گرفت کمزور پڑ جائے گی یا میں
 بولکھا جاؤں گا۔

وہ میرے اس پکڑاؤ کا یقین کر چکا تھا کہ میرا بھی ایک میسر
 باسے میں اس کی رائے میں بھی تھی۔ اسے میری خوش نہیں ہے فائدہ
 اٹھا چاہیے تھا۔ اس نے چاقو بائیں ہاتھ میں لے لیا اور اپنا ایک ہاتھ
 ۴۵ ڈگری کے زاویے سے اٹھائے ہوئے مجھ پر پکڑا۔ اس کا رخ بیدھا
 میری چھاتی کی طرف تھا لیکن اگر میں اسی داؤ پر قائم رہتا جس کا تا قریں
 لے شاہ کو دیکھتا تو اسے نشانہ لگانے میں دیر نہ ہوتی۔ اس صورت
 وہ کسی قدر توجہ ہر کے اور تم کو ختم دے کے چاقو تاننا کہ میں جہاں دار
 کروں تو میرے چاقو دربارہ میں ہاتھ کی رسانی اُس کے ہم تنگ نہ ہو سکے اور میں
 کوئی فیصلہ نہیں لیں تو وہ آسانی سے دائیں جانب ہٹ جائے۔ وہ ہر طرح
 مطمئن ہو کر حسرت لگا کے آگے آیا اور وہ بڑھا۔ اُدھرتا لیکن وہ
 جھک کے میرے سینے پر چاقو گھونپنے ہی کو تھا کہ میں بھی اچانک جھک
 گیا اور میں نے نیچے سے اُس کا چاقو والا پہنچا پکڑ لیا۔ شاہ ایک لمحے
 کے لیے سکتے میں پڑ گیا۔ پھر پھٹک اٹھنے لگا۔ اس نے اپنا پہنچا چھڑا لے
 کی بہت تنگ ہوئی۔ میرا چاقو والا ہاتھ آزاد تھا۔ شاہ نے اسے معذور
 کرنے کے لیے میری کلائی پکڑ لی اور میری نسی پانچ کا داؤ ڈال دیا۔
 میں نے بھی اُس کا پہنچا اور شروع کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ نے اپنا پانچ
 نسی سے ہٹا لیا۔ یہ نڈی ہوئی کلائی کے باوجود اس کے نشانے پر ٹوک
 ضرور ہو سکتا تھا اگر میں نے یہ نہیں کیا۔ یہ سبھی میں آئی کہ اپنا چاقو
 چھیک دے لیکن اس طرح اس کی مادی تو جہری پر جسے اپنا پہنچا
 پھڑانے پر بندل ہو جاتی اور فیصلہ جلدی ہو جاتا۔ شاہ کچھ سے آخری
 تیزی کی تو قی نہیں ہوگے۔ فاصلہ بہت کم تھا اس کے سامنے دکان میں بھی
 نہ ہوگا کہ میں اتنے کم فاصلے پر زیادہ ہٹ لیں گا۔ وہ اپنے جسم کی پوری
 طاقت صرف کر رہا تھا اور گایاں بھی کر رہا تھا۔ میری ماں اداں نہیں
 اتنی ہار دیاں نہیں تھیں کہ کوئی بھی انھیں گال دے دیتا تھا شاہ اپنا

پہنچا نہیں چھڑا سکتا تھا۔ چاقو وہاں کی گرفت مضبوط تھی مگر وہ موم ہوا
 تھا نہ تیز آئی میں نے اسے دھکائی سے اُس کا پہنچا چھڑا دیا۔
 مجھے یقین تھا کہ شاہ کے ملوں میں شدت آجائے گی اور وہ
 شہر بھی زیادہ چائے گا۔ لوگوں کو اس بات پر حیرت ہوئی ہوگی کہ میں
 شاہ کے پیچھے سے اتنی آسانی سے کہیں دست بردار ہو گیا۔ میں نے پھل
 کی طرف نظر کی تھی اس نے اپنی آنکھیں بند نہیں کی تھیں۔ میں پھر گھبرا
 کر رہ گیا تھا۔ شاہ نے پہلے پہلے داپس لے لیا۔ میں کبھی اُدھر بھی
 اُدھر بھی نیچے پھٹنے کے بھی اُدھ کے نبی کے چھٹکا استاد کی طرح اسے
 داپس سے میں گھبرا رہا۔ وہ ہوا میں ہاتھ مارا۔ اُس کی سانس پھیل گئی
 تھی اور ہاتھ سے سینہ ہٹے لگا تھا۔ وہ بار بار چاقو ایک ہاتھ سے دوسرے
 ہاتھ میں منتقل کرتا اور مجھے فیصہ دینے کی کوشش کرتا۔ کبھی وہ پیٹھ کی
 طرح داپس کے جھپٹا لیکن اُس کی کوئی تیز ہیرا گرو نہیں ہو رہی تھی۔
 بے شک اُس نے میری آئین چھاؤں تھی لیکن وہ چاقو تیزی سے جلد تک
 پہنچا سکتا۔ میں لاٹھ لے! انھیں تھک گئی ہیں۔ مجھے پھل کی آواز سنانی
 دی۔ جلدی کر لوگوں کو لاپس بھی جانا ہے۔
 "کیا کہیں؟" میں نے اُس کی طرف دیکھے پھر پوچھا کہ کیا کہیں
 دونوں میں صرف ایک شخص دیکھا جا سکتا تھا اور وہ تھا شاہ کبیر۔ مجھے
 اتنا بھی پرکشش نہیں تھا کہ کوں کمان کھڑا ہے؟ جہاں کبیر اداں کا کمان
 ہے؟ شاہ کا پہنچا پکڑنے کے بعد میں نے ایک ہی لمحے کے پھل کو
 دیکھا تھا۔ جہاں کبیر اداں میں سے کوئی نظر نہیں آیا تھا۔
 "کاٹ دے۔ پھل نے پھسکن آواز میں بول دیا۔
 یہ سن کے میں نے باعزت ختم کر دی۔ اداں کے دار سے
 پہلو پکے ایک کونے میں چلا گیا۔ پھل نے میں بات کی طرف اشارہ کیا
 تھا۔ وہ آسان نہیں تھی میرے سامنے کوئی اور شخص نہیں شاہ کبیر تھا اس
 علاقے کا سب سے چابک دست آدمی۔ پھل کی بات پر مجھے بہت احتیاط
 سے عمل کرنا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں گتھی ہوئی دھار کا چاقو تھا اور وہ اپنے خاصے
 داؤ پر بھی جانا تھا۔ درمیان میں خود ہی داؤ پر آئے تھے میں لیکن
 اتنا امر کا ہی داؤ نظر انداز کر کے کسی ایک داؤ کا موقع نکال کر چل کر
 ہے۔ اس آئین میں دراجی نہیں کیسے ہو جائے تو مارا معلق اٹھا ہو سکتا
 ہے۔ مجھے سب سے پہلے اُس کا چاقو چھیننا تھا۔ اُس کی تدبیر ایک تودہ تھی
 جو میں نے تیز لڑائی کے ساتھ کی تھی کہ اپنا چاقو چھیک کے اُس کا جھیاں
 ہٹا دے مگر چاقو ایک بار ہاتھ سے پھلنے کے بعد وہ پلو حاصل کرنے میں
 دشواری ہو گئی۔ اس کی تھکی تھی اور مجھے چاقو کی فردت تھی۔
 شاہ کبیر کچھ سوچ کے پھل کا تھا۔ اب کے میں اُس کی طرف
 گیا۔ کبیر نے مجھے بڑھنے دیا مگر میں درمیان ہی میں نکل کے اٹھنے دھل

اپنی جگہ لوٹ آیا کہیر کے اپنا ہاتھ سیدھا کر کے جا تو آگے کر لیا تھا۔ میں منہ ہی تیزی سے آیا تھا۔ اتنی تیزی سے تھجھائیں ہو سکتا تھا۔ اس وقت میں کیرا دارا کے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ اس نے ملامت کا انتہائی آخری حربہ اختیار کیا تھا۔ اس نے پیچھے ہٹا دیا۔ اس نے ہاتھیں کچھ مگر اپنے لیے محفوظ رکھی تھیں۔ تاکہ اسے حرکت کرنے میں آسانی ہو۔ اس کا دوسرا ہاتھ لٹکا ہوا تھا۔ مجھے ہر طرف اس کا دروازہ ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور یہ بھی کچھ تھا۔ جب میری جانب سے اس کے ملامت کی کسی اور داؤ کا شائبہ نہ پیدا ہو جائے۔ میں نے چند منٹ آگے بڑھ کر فاصلہ کم کیا اور جا تو اس انداز میں تان لیا۔ پیچھے اس پر صبح شام لگانے کیلئے پھول رہا ہوں اور قریب جانے کے بجائے اپنی جگہ ہی سے اس پر جا تو اچھاں دوں گا۔ اسے مجھ سے اس گھٹیا حرکت کی توقع نہیں کرنی چاہیے تھی لیکن وہ خود اچھا آدمی تھا۔ اس نے ہی جانا کر لیا اور وہ اب دودھ ہی سے تاک کے جا تو پھینکنے کا ہے۔ جواب میں وہ خود ایسا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس کا ہاتھ پہلے ہی دراز تھا۔ اس کا کہنے کیلئے اسے اپنا ہاتھ پیچھے کر کے تاجی قائم کرنا تھا۔ اس نے اسی پر عمل کیا۔ پیچھے ہی اس کا ہاتھ پیچھے کی طرف لگا۔ میں نے جست لگائی اور اٹھانے لگا۔ دوسرے ہاتھ میں لے لیا شاہ کیرا۔ خود چلا گیا۔ یہ دیکھ کے اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کر کے کرنا چاہا لیکن اس نے اس کے سینے کی طرف جا تو سیدھا کر کے دوسرے ہاتھ سے اس کا پہنچا پکڑ لیا تھا۔ اس نے بھی میرا پاؤں ڈالا۔ ہاتھ گرفت میں لے لیا تھا اور اسے اپنے سینے سے دھرتے کرتے کی عمر میں تھا۔ مگر تو اس کے اس کے سینے میں پرہیز تھی۔ اس کیلئے اسے اپنے جسم کو کوئی چیز چیش دینے میں اندیشہ تھا۔ میں نے داؤ بڑھا یا تو اس نے اپنا پاؤں چھوڑ دیا اور غیر متوقع طور پر میری ناک پر سکا مارا۔ میں دھڑک گیا۔ میری ناک سے خون نکل آیا تھا۔ میں نے اسے دوبارہ جا تو نہیں اٹھانے دیا۔

بھتیسا سے غم جو جانے کے بعد بھی شاہ کیرا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ میں نے اپنا پاؤں پھینکنے سے استرا کر لیا۔ اصولاً یہ لازم بھی نہیں تھا حالانکہ وہی جی چاہتا تھا۔ شاہ کیرا کے دونوں ہاتھ اب آزاد تھے۔ وہ دوبارہ میرا پاؤں پکڑنے میں کامیاب ہو جانا تو اپنے دونوں ہاتھوں کا زور ڈال سکتا تھا۔ میں اس کے قریب ہوتا مارا اور اس کے اچھٹنے کو فٹ کی جگہ خود کو زخمی کر لیا۔ اس کا ایک مگر میں نے دانستہ اپنا ہاتھ پکڑ دیا۔ اس نے میرا پاؤں اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ میں نے جا تو چھوڑ دیا۔ لیکن جا تو زمین پر نہیں گرے۔ وہ مجھ سے دوسرے ہاتھ میں آگیا تھا۔ میں نے اسے اس کے پیٹ میں جمو کے جھکنے سے بچھڑایا۔ اس کا آزار بند کٹ چکا تھا۔ جھلنے نے ہی کہا تھا۔

شاہ کیرا ایک لذت زمین پر بیٹھ گیا۔ زمین پر بیٹھ کر گھڑی بڑی ہوتی تھی۔ اس نے تیزی سے اپنا جسم کھینچ لیا۔ اس کے پاس جا تو لے کھڑا رہا۔ ہر طرف سکوت مادی تھا۔ چند لمحوں تک وہ اسی طرح مٹا اور بندھا ہوا منہ چھپانے لگی۔ اسے فرش سے ہٹا دیا پھر اپنا ایک کسی دوانے کے مانند اٹھا اور ایک طرف جمع میں جا گھٹا۔ لوگ اس کے لیے جگہ چھوڑتے ہوئے ایک دوسرے پر گئے۔ اس کے بعد مجھے اس کی صورت نہیں دکھائی دی۔

کسی نے پر شاہ کیرا ہاتھ میں لے اپنی جگہ سے حرکت کی۔ جھلنے میں سے مجھے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں شاہ کیرا کا پاؤں تھا۔ اس نے پاؤں طرف گھوم کے جا تو دکھا ہا کوئی شخص آگے نہیں آیا۔ چاروں طرف جھلنے نے جا تو بند کیا۔ دوسرا ایک ساتھ کسی جا تو جھلنے کے پیروں پر گرے اور ہجوم میں ایک شواہر ڈالا۔ ہٹل کے مارا ڈیڑی ایک نے دوڑ کے میری ناک پر پھینک دیا۔ وہاں مانی باپ آ رہا تھا۔ اسے پکڑ لیا۔ اس نے دو مارا۔ وہ اپنے کانوں پر ہٹا لے جانے لگا۔ اس نے کوشش دو داوا! اس نے نہ جانے ادا کیا۔ جہاں گئے اسے مجھ سے لپٹ گیا تھا۔

پاس ہی خانم بھری ہوئی آنکھوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ میں نے بے اختیار اپنا بازو پھیلا دیا۔ وہ مجھ سے پلو سے لگ گئی اور اسے نشانے پر پکڑ کر کے پھینک دینے لگی۔ میں صوف اٹھا دیکھ کر کالے داوا جھلنے سے گھلے گئے۔ وہاں ہے اور کھڑا ہٹل کے جوتے کے نزدیک لے سہ پہلے ہے۔ چھر کسی ایک کا چوڑا دکھائی دینا شکل ہو گیا۔ بالا خانوں کی عورتیں پیچھے پکار پکار رہی تھیں اور دھڑکھڑکھٹے ہوئے لوگ مجھ پر ڈوٹ پڑنے کیلئے بے تاب تھے۔ خانم کی موجودگی کی وجہ سے وہ مجھ سے نزدیک آ کر بٹھ گئے۔

کونوں پکھڑی ہوئی کئی عورتوں نے اپنے کانوں اور بالوں سے لڑھچل فریج کے میری طرف پھینک دیے تھے اور ایک ساتھ کئی عورتوں کا غل جھڑ کاٹا ہوا انداز لگا تھا۔ انھوں نے خانم کو کھینچ لیا۔ کان بڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ خانم جھنجھتی جلاتی اور مجھے جھنجھتی ہوئی باہر لے آئی لیکن ہمارے پیچھے لوگوں کا ہجوم ہم نہیں ہوا۔ اپنا ایک مجھے جھلنے کا خیال آیا۔ وہ ہمارے ساتھ تھیں۔ ہاتھ سے قدم نمونہ ہو گئے۔ میں نے بے مینی سے مڑ کر دیکھا۔ وہ آ رہا تھا اور شاہ کیرا کے آدھیں کی جلیوں آ رہا تھا۔

لوگ ہمارے ساتھ خانم کو لگ لگ کر چلے آئے۔ بڑی جھلک کھول دی گئی۔ جھلنے کئی آدمیوں کے برابر وہاں جا کے بیٹھ گیا۔ خانم مجھے اوپر لے گئی۔ میری آنکھیں کیرا کے چہرے پر تھیں۔ مجھے کچھ احساس ہی نہیں رہا۔ میں نے خانم کے سامنے کرتا کرتا اشارہ کیا۔ خانم میرے بازو مڑنے لگی لیکن جہم زخم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ اس کی کپکپاتی ہوئی آنکھیں میری گردن اور بالوں میں چل رہی تھیں۔ جہاں گئے میرے گھٹنوں پر سر رکھے تھے گھوڑا راجھا

جیسے میری شکل بدل گئی ہو۔ اس کی آنکھوں کی جگہ کبھی تیز ہوتی تھی۔ میری ہر حرکت پر جانتی۔ کچھ پہنیں جانتا تھا کہ کیا سوچ رہا ہے۔ وہ تو بس نگر محو مجھے دیکھ جاتا تھا۔ میں نے سوچا اس سے کون منے! آنکھیں بند کر لے۔ اس طرح صحت دیکھ جہاں گئے کبھی گھر سے کھینچے کئی سال ہو گئے تھے۔ جہاں آئی گھر میں دوسرے جھٹکا بنے وہ باہر جلدی سمجھ لیا ہے۔ جہاں گئے ہیں بھی بہت سمجھ لگتی تھی۔ اب اس کی کوئی بھی نہیں چھوٹ رہی تھیں اور گالوں پر روئی لگا کھڑی تھی۔ اس نے اپنے طور پر بہت کچھ تھیں کر لیا ہو گا کہ اس کا جانی اتنے دنوں تک کماں رہا اس نے مجھ سے اس بات پر پوچھا بھی تھا مگر میں نے مال دیا تھا۔ اب وہ ضرور کرایاں ملا رہا ہو گا۔ میں نے سوچا اسے باتوں کریں نے جمل میں تعلیم جی مال کی بے میری فرسٹ کلاس آئی تھی۔ مجھے نگر ہو رہی تھی کہ جہاں گھر سے خوف زدہ تو نہیں ہو گیا ہے۔

نیساں گم کر جانے لے آئی تھی۔ میں نے جہاں گئے کی گالیں منتشر کرنے کیلئے نیساں سے پوچھا کہ اسے لینے کیلئے اس گھر سے کوئی آیا تو نہیں تھا۔ نیساں نے نفی میں جواب دیا۔ اس کے جواب سے مجھے کچھ سکون ہوا۔ خانم مجھے کچھ دیر آرام کرنے کا مشورہ دے رہی تھی لیکن میں نے چلے چلا اور جہاں گئے کبھی اپنے ساتھ لیا آیا۔ بیچک میں جھل اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں اندر داخل ہوا تو سب کھٹے ہوئے اور مجھ سے ٹک گئے۔

پکھڑے کیلئے پکھڑے کیلئے اس کا لے داوا جھلنے اس نے مجھے زور زور سے جھنجھکیا۔ میرے گالوں کو زور دیا اور میری آنکھیں چوہیں۔ اس نے جہاں گئے کبھی اپنے بازوؤں میں پکڑ لیا۔ رات کا کھانا بھی ان جھنوں نے خانم کے کان لایا اور جھلنے سے مس آؤے پر آنے کا وعدہ لے کے رخصت ہو گئے۔ وہ آؤے اور شاہ کیرا کے متعلق بہت سی باتیں کرنا چاہتے تھے لیکن جھلنے نے غالباً جہاں گئے کی وجہ سے ہر بات آنے والی مسیح پر ملتوی کر دی۔

دوسرے دن صبح فلاٹ وقوع خانم خنزری کے لیے ہیں، میں اٹھانے نہیں آئی۔ وقت پر میری آنکھ خود میری کھل گئی اور میں حسب معمول جہاں گئے لے کے کل گیا۔ رات کو بھی سوئے وقت وہ ہم سہم رہا تھا۔ خانم نے بھی کوئی خاص بات نہیں کی تھی۔ کھانے کے دوران بھی خاموشی طاری رہی تھی۔ خانم بہت گھبراہٹ لگتی نظر آتی تھی شاید اسے خدشا لاحق ہو گا کہ شاہ کیرا مشتعل ہو کر وہاں نہ آ جائے اور کوئی دھرمی راکھٹ دریاں میں پیش نہ آ جائے۔ میں اس سے یہ کیسے کر سکتا تھا کہ کیرا کو وہاں کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ وہ اب نہیں آئے گا۔ وہ خود پوچھتی کریں یہ بات اتنے دنوں سے کیوں کر رہا ہوں۔

میرے بالوں کوئی جواب نہ ہوتا۔

راتے میں کئی بار میں نے جہاں گئے سے بات کرنے کا ارادہ کیا لیکن مارا راستہ میں ہی گزرتا گیا۔ آج مولانا اپنی جگہ موجود ہیں۔ عہد گھبراہٹ میں لے گئے آئی لے جھنوں نے بڑھ کے ہم دونوں کا مال پکچھا۔ اس دن ہم زیادہ دودھ نہیں گئے تھے۔ جلد ہی گھوڑا میں بیچ گئے۔ خانم پریشان تھی۔ میرے سوچے سے شاہ کیرا کے چند آدمی جھلنے کے اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ خانم نے مجھ سے کہا بھی کہ میں خود ادا کے کچھوں میں نے اسے تسلی دی کہ وہ جلدی واپس آ جائے گا۔ ناشتے کے بعد نیساں نے پکچھے سے میرے کان میں آ کے بتایا کہ اس کی ماں آئی ہوئی ہے۔ میں نے اسے ہدایت کی کہ اگر وہ واقعی جائے ساتھ جانا چاہتی ہے تو اپنی ماں سے مان مان کر دے۔ وہ سننے لگی اور بول کر میں اپنی ماں کے سامنے اتنی بڑی بات نہیں کر سکتی، میں نے کہا کہ چھوڑو خاموش رہے۔

نیساں کی کچھ میری بات کچھ آئی کچھ نہیں آئی۔

میں نے نیساں کو کچھ ابجھا کے پیچھے دیا لیکن شکوت آرا کے آنے کی اطلاع سے مجھے خود بے چینی ہونے لگی تھی۔ سامنے ہزاروں میری گئی تھی کہ خانم کے ہاں بیٹھے ہوئے ہماروں میں سے ایک نے شاہ کیرا پر جا تو اٹھا یا ہے۔ جب شکوت آرا کو یہ پتہ چلا ہو گا کہ یہ دھنیں تھا جو ایک دن پہلے اسے چپکے سے لے گیا ہے تو اس نے میرے سامنے میں لے بل دی ہوگی۔ رات بھر اس نے سوچا ہو گا کہ میں بھی وہاں آباد تھی۔ آفر وہ نیساں کی ماں ہے۔ نیساں کے سلسلے میں کوئی نقصان نہ کا تھی۔ اسے باخود نیساں ہی کہے۔ نیساں میں بہت نہیں ہے نفی میں بھی گھبراہٹ میں جانے کی بہت نہیں تھی۔ وہ وہ گھنٹوں کی زنجیر لڑنے کے چلے جاتی تھی جہاں کی ماں لایا لیکن ابجھا کے کھانے میں۔ میں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا تھا کہ شاہ کیرا کے قاتل کے بعد نیساں کی ماں اپنی رائے بدل سکتی ہے لیکن کیرا سے معافی مانگنے کے بجائے مرجانا زیادہ بہتر تھا۔

معلوم نہیں کہ دیکھیں آئی تھی۔ ہر سکتا ہے کہ وہ نیساں کو دیکھنے آئی ہو یا میری کچھ شکوت آرا نے حساب کتاب لگا یا ہو کہ وہ جلدی میں نہیں گھٹے کا سوا درمیان گئی ہے اگر ایسا ہے تو اس فہم میں اضافہ کر دوں گا۔ اس بات کا بھی امکان تھا کہ وہ خانم سے معافی نصیب کرنے کے لیے آئی ہو۔ خانم ان جانے میں کچھ بھی کر سکتی ہے کہ اس میں اسے پہلے ہی بتا دیتا۔ میں نے اسے کہا کہ اگر بات نہیں سنیں بنی تو میں کرشنا کی ساری دولت شکوت آرا کو دے دوں گا۔ میری جگہ کرشنا جی ہوتے تو وہ بھی یہی کرتے۔ یہ سب کچھ میری فوج کیلئے کر کے گئے تھے۔ ابھی نیساں گئے رہیں ہوئی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ خود درمیان میں جا کے دو ٹوک بات کر لوں کہ خانم مجھے آواز دیتی

ہوئی و شست زدہ سی کمرے میں داخل ہوئی۔ بیلرول ڈبے لگا۔ جہاں گھر
بلی منزل پر مولوی صاحب سے پڑھنے گیا تھا۔ میں کوسے میں اکیلا
بی تھا۔ غم آتی ہے تنگی سے کہنے لگی۔ یہ تم نے کیا کیا؟ مجھے بھی
نہیں بتایا! میں نے لامٹی ظاہر کر تو اس کی آواز زیر ہوئی۔ آخر تم نے
اتنی بڑی نرم آواز سے کہیں سے دی؟

میں نے آہستگی سے کہا۔ آئی! اُس نے یہی طلب کیا تھا۔
میں نے اپنی طرف سے کچھ روپے بڑھا دیے۔

اباری تھا تو مجھ سے کہنے اور دیکھنے کہیں اُسے کہنے میں
تیار کر لیتی۔ تم وہاں کیسے کہیں چلے گئے؟

اب چھوڑیے آئی! آؤنی کی قیمت دلوں میں نہیں لگائی جا
سکتی۔ نیساں بہت بادی رنگی بنے وہ بہت معصوم ہے اور بیاں
رہنا نہیں چاہتی جو شوکت آ کی نعمت میں کھاتا، وہ اُسے لے گیا۔
وہ اس کی ہاں میں تو ہے۔ یہ بھی تو دیکھو کہ وہ اپنی بیٹی کی بربادی کیلئے
تیار ہو گئی ہے۔ میں نے دلے ہوئے لیے میں کہا۔

ماں! وہ سچ کے بولی کیس کی ماں۔ وہ ماں ہوتی تو اپنی بیٹی
کے لیے اتنی بلبلی فیصلہ نہ کرتی۔ کوئی ماں اپنی بیٹی کو اس طرح چھوڑ
نہیں کرتی۔ نیساں کی ماں نہ جانے کہاں ہوگی میں حیرت سے اس کا
چہرہ دیکھنے لگا۔ میں اُس سے جبکہ پس لے رہی ہوں۔ غم نے
برہمی سے کہا۔

نہیں آئی! میں اُس سے وعدہ کر چکا ہوں۔
مگر تم نے مجھ سے دو کون نہیں کیا؟

مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے اچھا بھی نہیں لگتا تھا۔ میں نے چپکاپٹ
سے کہا۔

میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر آپ نیساں کو ساتھ رکھنے پہ تیار
نہیں ہوں گے تو میں اُسے لیں اور چھوڑ آؤں گا۔ آپ جہاں گئے تھے
جہاں اور نیساں کو کچھ مدت بتائیے گا۔ نیساں ہمیشہ اپنے آپ کو بوجھ
سمجھے گی۔ روپے کا کیا ہے۔ روپے اور ماہی کے اگر شوکت آرا اپنی
مرضی کے مطابق نیساں کو معصل میں بٹھاتی تو کیا وہ اس سے زیادہ ماہل
نہیں کر سکتی تھی؟

کر سکتی تھی؟ غم نے نرمی سے بولی۔ مگر بعد میں نیساں کے تہ
دیکھ بھی تو اسے اُٹھانے پڑتے۔ وہ ٹولی پر بھی توکل نہ رہی۔ وہ نیساں پر
خرج بھی تو کرتی کہ کچھ دلوں بعد نیساں ہی اس کے دین دولت کی جملہ
ہوتی۔ نیساں کی زبان اور دیر سے کہنے تو شکر تھی کہ دل پہ آئے بھی تو
چلتے نعل میں بیٹھی ہوئی لوکل پر ہزار لٹری پڑتی ہیں اور کسی وقت بھی
کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ وہاں کوئی ایک آدمی نہیں آتا۔ تم نے نہ جانے اُس

سے طرح بات کی تم ان گروں کو نہیں جانتے تہم نے یہ کیا کر دیا؟
”جانے دیجیے آئی! دیکھیے نیساں آپ سے کتنی محبت کرتی ہے۔
وہ ہمارا کتنا خیال رکھتی ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ یہاں کے کپڑے بھی
وہ دھوکتی ہے۔ اس دن بولا سے جھگڑے کے درمیان جہاں گئے کرانہیں
پہن گئی تھی تو وہی اُسے سی دہی تھی۔“

لوکلان گھر کا کام کرتی ہیں ہی۔
اور لوکلان گھر کا کام کرتے ہوئے اچھی بھی گنتی ہیں۔

غم نے مجھ پر بہت زور دیا کہ میں جبکہ سوچ کر دوں وہ شوکت
آرا سے نہ سے سر سے بات نہ کرے گی۔ میں نے غم سے احتجاج کیا کہ اب وہ
اس سلسلہ میں شوکت آرا سے کوئی بات نہ کرے غم بہت جبر ہوئی اور
مجھے شکایتی نظروں سے دیکھتی ہوئی چلی گئی میں اور پوچھتا نیساں کا انتظار
کرنے لگا۔ بہت دیر ہو گئی۔ نیساں نہیں آئی۔

جھل سر پر کتھکا ہوا سا گھرواں آیا۔ شاد و کیر کے واقعہ کو ایک
دن گذر چکا تھا۔ غم اور جہاں گیر کے اچھی کچھ رشتہ خراب ہوئے تھے۔
شام کو کالے ہاتھ پٹائی کے ٹوکروں سے لا چھندا گھر میں داخل ہوا۔ غم
بھی وہیں پہنچی تھی۔ کالے دادا اُس سے معافی مانگنے لگا۔ غم کے
ہونٹوں پر لڑنے والی ہو گیا۔ کالے دادا نے فوراً اپنا چوکال غم کے غم
کے پیروں میں رکھ دیا اور دلہا غم اُس کے لیے جو سزا تجویز کرنے وہ
اُس کے لیے تیار ہے۔ غم نے اپنے جبر مٹا لیے اور سر جھکا کر چپ
بیٹھی رہی۔ کالے دادا نے اُس سے درخواست کی کہ وہ کچھ دن اور صبر
جائے۔ غم نے لب نہیں کھولے۔ وہ خود ہی کہنے لگا کہ بیجان واپس کیا جا
سکتا ہے۔ ہم چوگٹا ارچی بائی کو ٹوکروں کے لیکن غم نے ہاں نہیں بوری۔
اُس نے کالے دادا کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ کالے دادا مایوس
ہو کر جھل کے پیر داہنے لگا۔

اُسی رات غم نے اپنا ہلکا چھکا سامان مٹھنا شروع کر دیا۔ اُس
نے اپنے بہت سے کپڑے لوگوں میں بانٹنے کے لیے علیحدہ کر دیے۔
نیساں اُس کی مدد کر رہی تھی۔ اُسے یقین آ گیا تھا کہ وہ بھی جائے ساتھ
چل رہی ہے۔ اُس کے تھن زمین پر نہیں پڑتے تھے۔ وہ پوسے گھر میں
اس طرح جھاگ جھاگ چھڑی تھی جیسے بہت دن بعد پہلے سے کیے جا رہی
ہو۔ وہ میری طرف دیکھ کر شرمیلی ہوئی تھی۔ بانی لائن پائے لائن پائے
واؤں جب بھی اُسے سے سے سامنے آئے کا موقع ملا، وہ ہنسی بھرا کر کرتی رہی۔
میں ہر ماہ اُس سے کچھ کچھ ٹھکرا لیتا تھا۔ کام کے اُس کا کشانی رنگ
دیکھنے لگتا تھا۔ اس کی مائیں ہمیشہ چھوٹی چھوٹی تھی۔ چھری اور جھاتی

تھی! ہاں! ادھر کچھ سے کہتے ہوئے تھے۔ اتنی جتنی کو ایسی حالت میں دیکھ
کے ہمیشہ کوئی تھیں کتنی تھیں ساری دیر لانی! زادا دو پتا تو سر سے نکال کے
دیکھ کر ادا کیسی آئی! یہی مدھی ملتی ہے۔ اوسان میں رہ کر۔ یہی جتنی رہتی
کی طرح گھر میں چکر لیاں بھرتی ہو جتی تھی۔

دوسری دن ارچی بائی نے غم کو مکان کے باقی روپے
کی منت ادا کر دیے۔ اُسے ضرورت نہ ہو گیا تھا کہ وہ یہ جو جائے سے غم
کا ارادہ بدل سکا ہے۔ اس دن نواب بہادر کا پرکارہ اُن کا ایک بیٹا
لے کے غم کے پاس آیا۔ اُس نے نواب بہادر کی طرف سے پہلے نام
کو ایک پشت پیش کیا۔ پشت میں ملا تاروں سے نکا ہوا ریشمی جوڑا،
سرونی کی چوڑیاں گونیز مرغی گنگنے کی گچھوئی گلاب کے تازہ پھول لکھے
ہوئے تھے۔ نواب بہادر نے غم کو پکڑا دیا اور یہ وضاحت کر دی تھی
کہ وہ گانے کے لیے نہیں ملتا رہا ہے بلکہ غم سے چند ضروری باتیں کرنا
چاہتا ہے۔ غم نے نواب کے مخالف کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پشت
برکالے کو پاس کر دیا اور بولی۔ کپڑے پہلے ہی نواب بہادر کے بہت
احسانات ہیں۔ اب کپڑوں کو ان چیزوں کی ضرورت نہیں۔ نواب بہادر کو
میری تسلیم کرنا اور کہنا کہ میں انھیں کبھی نہیں بھولوں گی لیکن کپڑے لینے
بابے میں ایک فیصلہ کر لیا ہے۔ خدا نواب بہادر کا اقبال تمام لکھے کہنا کہ
اُن کی تمام باتیں سے دل پر نقش میں مگر کچھ اپنی حیثیت سے خوب
دانت ہے۔

مجھے چرچہ نہیں بیٹا کوئی آیا تھا اور غم نے اُسے پاس کر دیا۔
میں اُس وقت کرے میں جھل کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ نیساں چپکے سے
کمرے میں آ گئی اور جیسے ہی موقع ملا مجھے باہر آنے کا اشارہ کر لے گی۔
میں اُپر چلا آیا۔ نیساں زینے سے ملتی کوٹھری میں بیڑا انتظار کر رہی تھی۔
اُس نے ہانپنے کا ہنسنے تھا۔ ہاں مجھے بتائیں اور پوچھنا ہی سے کہنے لگی۔
اگر نواب بہادر نے آپ کو روک لیا تو...! وہ بہت بڑے آدمی ہیں۔

ہو کر لیں۔ میں نے ترشٹی سے کہا۔

انہیں سے کہ دج سے میں نیساں کا چہرہ نہیں دیکھ کر مایا نے
میں کوئی بھی آ سکتا تھا میں اُس کا شاد و تھپ تھپا کے بیچے آ کر آیا۔
جھل میں غم جھل سے اٹھ کر رہی تھی کہ اب غم نے جلدی نہیں کر لیا
سے ملنا چاہیے۔ جھل نے اُسے تحمل کی تلقین کی اور کہا کہ ایک دو دن
مک اُس کا ہاں دینا کچھ ضروری ہے مگر غم کا ارادہ بڑھ گیا۔ ابھی
میں تم سے تم ایک دن اور کہنا چاہیے تھا۔ میں نے شوکت آرا سے
دور کیا تھا کہ جب تک اُسے سے بیک سے رقم مل جائے گا تو میں نہیں رو
جائے گا۔ میں نیساں کو ساتھ نہیں لے جاؤں گا لیکن یہ تو میری شوکت آرا
کی بات تھی۔ جھل بیاں اور بھرتے کر لیں کہ رہا تھا؟ یقیناً اُسے یہ

کسی گروڑ کا اندیشہ تھا۔ غم کے اہم ایک اہم پر قہر لگ گیا تھا۔ ساغر
آتا تھا اور غم پر جیسے ایک ایک لوگران گروڑ ہوتا تھا۔ اُس کے لیے میں
لوکش تھی۔ جھل کچھ پر سوچتا اور چوڑے سے شجاعت کے ذریعہ کالے
دادا کو اُسے سے بولایا اور اُسے تیار کر کے سب اچھی پہلی گاڑی سے
جانا چاہتے ہیں کالے کو قہر میں آہ۔ وہ ابھی کچھ دن اور بھرتے کیلئے
جھل سے منکر نہ کرے گا۔ میں نے بیچ میں لونا چاہا کہ کل تک کے لیے
جانا ملتی رہا جائے۔ کل تک شوکت آرا کے جبکہ کا جواب ہمیشہ سے
مردودا جائے گا۔ چاہے جانے کی ضرورت پوچھ نہیں رہ سکتی تھی شوکت آرا
کے کانوں میں جھلک رہی تھی تو وہ نیساں کے آواز سے اسکتی ہے مگر غم
بھی کسی سبب سے گھر سے جلد از جلد مل جانے پر زور نہ رہی تھی۔
شاہ نواب کے پرکارے سے کوئی ایسی بات ہوئی تھی جیسے نیساں بھی
نہیں سن سکی۔ گاڑیوں کا وقت تقریباً ہوتا ہے۔ غم کو اس کا بھی احساس
نہیں تھا میں نے بھرا ہوا بات اپنے آپ تک محدود کر دی۔ اب یہی
ہو سکتا تھا کہ شوکت آرا نے مانے تو میں ایک دن کے لیے رک جاؤں
جھل چاہے کچھ کہے میں نیساں کے ساتھ اُس کے گھر بھر جاؤں گا۔ غم
اور جہاں گیر جھل کے ہوا چلے مائیں ٹکے۔ مجھے ایک دن کے
بجائے دو دن لگ جائیں۔ ایک دو دن بعد جہاں دو بتائیں گے میں اُن
کے پاس آ جاؤں گا۔ یہ ایک بالکل درست تھا۔ خطہ بھی میں نے دوبارہ
کر دیا تھا اور غم کے اندراج میں پوری احتیاط برتنی تھی۔ شوکت آرا
نے زیادہ قبل چاہا اور مجھے بھی اب نرمی سے پیش آنے کی ضرورت نہیں
تھی۔ وہ شاہ کپڑے کے واقعہ کا حال سن چکی ہوگی اور مجھ سے زیادہ دل سے
نہیں کرے گی۔ مگر غم نیساں اُس کے ہاں لینے پر کہاں آتا وہ تھی۔
غم نے ارچی بائی کو ٹوکرا کے گھر کی جا بیاں اُس کے محلے کر دیں۔
کالے دادا اور اُس کے ساتھیوں نے ہمارا غم سامان اپنے ہاتھوں میں
اٹھالیا۔ نیساں اور غم دونوں نے میاہ کرتے ہیں لکھے تھے۔ کالے روٹھے
میں نیساں کا چہرہ چاند کی طرح چمکا ہوا تھا۔ نگہیں میں اس وقت بہت
بیڑ تھی۔ ہر طرف سے گانے بجانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ غم کا
سامان آگے چلا گیا تھا۔ پیچھے پیچھے ہم دواں ہوئے اور بازار کے باہر
میں روٹھ کر پکڑی ہوئی دو موٹروں میں بیٹھ گئے۔ ان موٹروں کا انتظار
کالے دادا ہی نے کیا تھا۔ چلتے وقت غم کی بوڑھی ملازمہ غم کے
گئے گنگ تھی۔ اُس کی بیٹی انفت بھی چھوٹ چھوٹ کے چھوٹ تھی۔
غم کے دونوں ملازم شجاعت اور امنی موٹر تک ہیں پہنچانے پہنچے۔
غم نے انھیں وہیں سے واپس کر دیا حالانکہ وہ ایشین ملنا چاہتے تھے۔
غم نے اُن سب کو معقول رقم دے دی تھی جب موٹروں پر دواں ہوئیں تو
میرے اوسان بکمال ہوئے۔ اب یہ خطہ نہیں رہا تھا کہ شوکت آرا وہاں

میں آجائے گی۔ میں اتنی سی بات بھی کر گاڑی کے انتظار میں نہیں بیٹھیں۔ پھر پھر نا پڑے۔ اس کا بھی امکان کم تھا۔ شعل نے کالے داماکو حکم دیا تھا کہ اس وقت ہر بھی گاڑی حیدر آباد سے ابھرنی ہو۔ ہم اسی رات دو بجائیں گے۔ بیچک ہیں کالے داماکو شعل کے دریاں بولنے والی گفتگو سے پلٹ رہے ہیں۔ پتہ چلا تھا کہ شعل دلی کی طرف جانا چاہتا ہے۔ دلی کی گاڑی کا وقت نہیں تھا۔ گاڑی کوڑا ایشین سے میں اورنگ آباد کے لیے گاڑی لے سکتی تھی۔ وہاں رہی سے آئے فال گاڑی میں دلی کی طرف سے جاتی۔ ہم گاڑی کوڑا ایشین پر آؤ گے لیکن اب ہم پلٹ فائو پر پہنچے ہیں۔ میں نے کہا کہ پلٹیں کی ایک گاڑی تیزی سے آئے لگ لگائیں گے پیچھے ایک بڑی سیاہ موٹر کار تھی۔ لوگوں میں بے یس والے گاڑی سے آؤ گے اور وہاں سے ہماری طرف بھٹنے لگے۔ دھن دھن خانم کی تیغ نکلی گئی۔ نواب باہر آئے۔ اس نے دشت زدہ لہجے میں کہا۔ آخر انھیں خبر ہو گئی؟

”کسے خبر ہو گئی؟ شعل نے چونک کر پوچھا۔

”وہ وہاں آگئے ہیں۔“ خانم نے حواس باختگی سے گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔ پولیس ہوائے اطراف کے پھیر گئی تھی۔ چند ثانیوں بعد موٹر سے قید خیر وفا میں ملہوں ایک دلاڑمض برآمد ہوا۔ اس کا جسم بھاری نہیں تھا۔ رنگ کھٹا ہو گا۔ انھیں بڑی بڑی سڑک ترک ٹوٹی، چال میں رفتار۔ عمر تیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ دھواں اڑتے تھے جو اس کے خاص طالع معلوم ہوتے تھے۔ نواب باہر آہستہ آہستہ چلتا ہوا ہوائے پاس آگیا۔ خانم نے اپنی نقاب اٹھا دی تھی۔ آپ! وہ چھٹی ہوئی آنکھوں سے بولی۔ آپ یہاں کیسے آئے؟

”ہم تعین لینے آئے ہیں خانم؟“ نواب نے پرسکون لہجے میں کہا۔

”کہاں؟“ خانم سٹ پناک بولی۔

”عمل میں۔“ نواب نے ٹھیک سے جیسے انداز میں جواب دیا۔

”کیا کرواہ آپ کے پاس نہیں پہنچا؟ میں نے آپ کو پیغام بھجوایا تھا۔ اور اپنی معذوری ظاہر کر دی تھی؟

”میں معلوم ہو گیا ہے لیکن ہم سب سے اس سلسلے میں کچھ بات کرنے کے خواہش مند تھے اس لیے خود یہاں چلے آئے۔

”میں نے بیگ اسان پر ہر بات واضح کر دی تھی۔“ خانم پروردگی سے بولی۔ آپ نے کیوں زحمت کی؟

”ہم تمھارے لیے بہت سی زمینیں اٹھا سکتے ہیں؟

”آپ کی نوازشیں مجھ پر بے پناہ ہیں لیکن کینز نے جرح کر کیا ہے؟

”اُسی کا فائدہ منانا چاہتا ہے۔ کینز اس شہر سے نصرت ہو رہی ہے۔

”ہم یہ سمجھ رہے ہیں۔“ نواب نے ہماری طرف متلیں نکالیں گا۔ ہمیں سے

دیکھتے ہوئے کس۔“ سمجھ کی کوشش بھی کر رہے ہیں۔ بخدا میں تعین نہیں آتا کہ اس طرح اپنا ایک ہم سے دودھ ہو سکتی ہو؟

”مجبور ہو چکا ہوں ہی ہے۔“ خانم نے دم دم آواز میں کہا۔

”ہم دیر تو جانا چاہتے ہیں۔ کیا تم نہیں بتاؤ گی؟“

”آپ نہ پوچھیے امدادی کوئی خاص بات بھی نہیں ہے۔“

”مجھ پر تم بے جا کرنے کے لیے بے تاب ہیں کہ تم نے میں اطلاع دینے بیزار تھی حجت میں یہ فیصلہ کیوں کر لیا۔ جہاں تک بازار ترک کرنے کا تعلق ہے ہم کو ن سارے پسند کرتے تھے۔ ہم نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ جو آپ چاہو پلٹ آنا، ہمارے دھارے کھیل گئے۔ تم اُدھر کیوں نہیں آئیں؟“ آخر ہم سے کون سی لغزش ہو گئی ہے؟

”ہم نے آپ سے کوئی لغزش کیوں ہوئی۔ بلندی میں اتنی مت کیے خندا گواہ کہ کینز کے دل میں آپ کا کیا مزہ ہے۔ یہ سب ہم سے بولی۔

”تو چھو تم نے ہم سے یہ بے اعتنائی کیوں ہوئی خانم! اس کا کوئی سبب تو ضرور ہو گا۔ ہم فرح مند سننے آئے ہیں۔ اگر تم میں کچھ بے جا نہیں چلی گئی تو میں یہ تعین سبب میں ہو گا اور تم میں کس کے آسرے ہو چکے ہو؟

”مادری ہو؟“ کیا تعین باؤں میں رہا۔ ہم نے اپنے ہاتھ میں تم سے کیا کچھ نہیں کہا تھا۔ ہم تمھاری ہر مجبوری ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔ میں بتاؤ۔ ہم تمھارے لیے نہ جانے کیا کیا کر سکتے ہو؟

”اس قدر نام نہاد کیسے کینز کے شانوں پر پہلے ہی بہت بوجھ ہے۔

”میں بتاؤ خانم! ہم سے کچھ مت چھپاؤ۔

”میں آپ کو کیا بتاؤں؟“ خانم نے بے بسی سے بولی۔

”کوئی خوف مت کرو۔ ہم تمھارا خوف ہی تو دور کرنے کے لیے آئے ہیں۔ میں بھلاؤ، ہم ہر دلاڑم و خادیں گے۔ میں تعین ہے کہ یہ فیصلہ تمھارا نہیں ہو گا۔

”میری ہے۔“ خانم تیزی سے بولی۔ کوئی اداس میں تحریک نہیں ہے۔ کوئی دلاڑم نہیں کچھ بھی نہیں؟

”نہیں۔“ نواب نے افسردگی سے کہا۔ ہم کس طرح تعین کر لیں؟

”میں آپ سے کہہ رہی ہوں۔

”میں شہر ہے کہ یہ تم کہہ رہی ہو خانم! ہم بھی چلاؤ یہی کر کے آئے ہیں۔ ہم تعین ہوں کیسے مانے دیں۔ وہ دیر ہو چن دوں اس شہر میں ہلا نام لیتے ہیں انھیں ہم کیا نہ دکھائیں گے۔ تمھاری چارہ گری اگر ہمارے پس میں نہیں تو ہمیں اپنا نام بدل لینا چاہیے خانم! کھلاؤ مت، احتیاط خانم! اسی لیے پورے انتظام سے آئے ہیں۔ یہ لوگ نواب باہر نے ہمارے اطراف کھڑے ہوئے پولیس کے لوگوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

”یہ لوگ ہمارے آگے کے منتظر ہیں اور ہم تمھارے آگے کے تعجب ہی کر سکتے تھے۔ کہ تو اس سے زیادہ بھی گزرتے کے لیے آمادہ ہیں؟

”ہاں! کیا کہہ رہے ہیں؟“ خانم خوف زدہ لہجے میں بولی۔

”ہم کچھ بھی نہیں کہہ رہے ہیں۔“ نواب نے کہا۔ موت اتنی بات کہہ رہے ہیں کہ ابھی ہم اس شہر میں موجود ہیں اور ہم نے زندگی موت اپنے عمل میں عقیدہ کے نہیں گزاری ہے۔ خانم! زبان نہیں کھولو گی تو ہم مجبوراً بعض ناروا باتوں کے لیے قدم اٹھانا پڑے گا۔ تمھاری زبان بند کی صورت میں ہم بھی کر سکتے ہیں۔ ہمیں اتنا اختیار مل رہا ہے اور ہم زندہ ہیں۔ جن لوگوں نے تعین اس اقدام کو مجبور کیا ہے انھیں تم سے ہمارے تعلق کو پاس رکھنا چاہیے اور اگر انھوں نے نہ رکھا تو ہم بھی نہیں رکھیں گے۔

”اگر آپ کچھ اچھا سمجھ رہے ہیں تو غلط ہے۔ میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ یہ سب کچھ میرے ایا پر ہے۔ میں نے اپنے لیے یہی ہتھیار کیا۔ لیکن... لیکن ہم اسے تمھارے لیے بہترین سمجھتے۔ مزدوری نہیں ہے کہ ہر شخص اپنے متعلق بہترین سوچا کرے۔ کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ ہم تم سے بے خبر رہے ہیں۔ ہم سارے نہیں ہوئے تو کیا ہم سے دور ہو جاتی ہو۔ میں اندازہ ہو گیا ہے کہ کم کم اندیشہ میں آگھ گئی ہو۔ ہمارا بھی کھڑا ہے۔ اپنے عزیزوں کے لیے بے اوقات ناپسندیدہ ویسے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں؟

”جو آپ سوچ رہے ہیں ایسا نہیں ہے۔ میں کہہ رہی ہوں ایسا نہیں ہے۔“

”گاڑی پلٹ فائو پر لوگ بھی ہے۔“ دھن دھن شعل نے ایک قدم آگے بڑھ کر نوازاں میں خانم کو روکا۔

”گاڑیاں دوزخ میں آتی ہیں۔“ نواب نے دشتی سے کہا۔ ہمارے ہم کے بغیر گاڑی حرکت میں نہیں آسکتی اور ہم اپنے معاملات میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتے۔

”خانم بھی اپنے معاملات میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتی؟

”آپ خدا کے لیے خفا ہوئے۔“ خانم نے تھکنے سے عاجزی کے ساتھ بولی۔

”خانم! ان لوگوں کو متاد کہ ہم کیسی باتیں سننے کے عادی ہیں اور ہمیں کون سا جواب پسند ہے۔“ نواب نے بار بار دھن دھن سے کہا۔ ہمیں افسوس ہے کہ جو ہم نہیں چاہتے تھے، وہ ہم سے سرزد ہوئے گا۔ ہمیں معاف کرنا۔ اگر میں یہ تعین نہ کرنا کرتا تو ہم لائے قہر میں دالیں چلے جاتے۔“ نواب نے یہ کہتے ہی گردن خم کر کے پولیس کا اشارہ کیا۔ خانم ایک بڑی ایک ساتھ کئی پولیس والے ہماری جانب یکے بعد دیگرے دیکھنے دیکھنے دونوں اطراف سے کالے داماکو اس کے تین ساتھیوں

کے شانوں کے علاوہ بے نشانے بھی زور سے پھولے مگر شعل نے ہانک کر اپنے کندھ زور سے جھٹکے اور اس سے پہلے کہ پولیس والے اسے دوبارہ قابو میں کر سکیں، نواب کی حمایت میں شعل کا پاؤں جھکا ہوا تھا۔ دوسرا ہاتھ سے اس نے نواب کا بازو پکڑ لیا تھا۔ نواب کی آنکھیں پھٹ گئیں اور ان میں انگارے سے دیکھنے لگے۔ اس نے پیچھے ہٹنے کی کوشش کی لیکن شعل کی گرفت سے اپنا بازو نہیں چھڑا سکا۔ ادھر کئی پولیس والوں نے پیچھے سے شعل کو کینہ پناہ مارا۔ شعل کھنکھناتے ہوئے نواب سے ہاتھ کھینچا۔ چلا آیا۔ ہٹ جاؤ۔ شعل نے گرج کے کہا۔ نواب صاحب! انھیں دیکھ لو۔ وہ... پولیس خود پیچھے ہٹ گئی۔“ نواب باہر آئے۔ ہم بھی یہ نہیں چاہتے تھے۔ شعل نے دھمکے لیے کہا۔ اگر یہی عمل ہمیں خاتمہ کے معاف کرنے کا یقین نہ دے گا تو ہم جانتے۔ آپ نے خانم کی بات سمجھنے اور سننے پر دھیان نہیں دیا۔ آپ عزت و ادب دانی ہو۔ عزت و ادب اس طرح سے نہیں آتے اور اپنی بات یوں نہیں منواتے۔ پتلان لوگوں سے ہلو کہ ہاں سے چلے جائیں پھر ہم سے بات کرو۔ اگر آپ اپنی عزت شان ٹٹانے اور اٹھارے ہو تو نواب! اپنے لیے بھی کچھ ہے اور جن کے پاس کم ہوتا ہے انھیں اس کے جانے کی اتنی عجز بھی نہیں ہوتی۔ تھیلی پر رکھی ہوئی چیز کیسے وقت بھی کر سکتی ہے۔ ان کو حکم دو کہ وہاں سے دودھ ہو جائیں۔ ان کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے دل میں آپ کے لیے بہت دہر ہے۔ خانم نے ہم کو ایسا ہی بولا تھا۔ خانم کٹھے سے ملے آتی ہے۔ نواب! یہ ان بندگان کی ہے۔ اب اس سے کوئی بات بولنی ہے تو اس کا خیال کر کے بولو۔

”ہم خانم ہی کے خیال سے اُدھر آئے ہیں۔ ہمارا خانم کارشتہ مکان کارشتہ نہیں ہے۔“ نواب نے شعل لہجے میں کہا۔ ہمارے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ ہم اس گستاخی کی سزا کا نقصان نہیں کر سکتے۔ جو کہ کہہ رہے ہو۔

”ہم کو اس کا دکھ ہے۔“ ہم کو ایسی گستاخیوں کرنے کی عادت ہے۔ ہم نے آپ کی شان کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ آپ بھی ہم لے شان بے عزت لوگوں کا کچھ لحاظ کرو۔ اچھی ہماری ایک بات سنو۔ آخری بات۔ گاڑی جانے والی ہے۔ اگر آپ کے دل میں کوئی شک ہے تو ہم خانم کو آپ کے ساتھ کر کے ہیں۔ آپ اس سے فیصلہ دیں بات کو لو کہیں اس سے پہلے ان لوگوں کو کہاں سے جتاؤ۔ اس دن لو کہ اس کے بعد تم نے خانم پر کوئی جبر کیا تو ہم وہ کریں گے جس کا ہم بھی تعین نہیں کر سکتے۔ خانم اگر ہاں کو دیتی ہے تو ہم تمھارے پیروں پر سر نہ رکھ دیں گے۔ چوڑے ہو چاہے ہمارا گناہ، ہم کچھ نہیں بولیں گے۔ ہماری طرف سے خانم لاپرواہی کی نواب گنگ ہو گیا۔ چند لمحوں تک وہ کہتے کے خانم میں خانم کو گھوٹا رہا پھر کچھ دیر سے آتی ہوئی نوازاں میں بولا۔ یہ کیوں خانم! یہ ہم کیا

تو ہے ہیں؟

فانم پر غشی غاری تھی۔ جہاں گہرے آئینے بنھا لے کھا تھا۔
 شیشین پر چاروں طرف بست سے لوگ کھڑے ہوئے ہم رنگوں کو اکاب
 ملک کے حیرت سے دیکھ رہے تھے اور پولیس کی وجہ سے دھرکنے سے
 بچکے ہوئے تھے۔ نواب نے ضمنی انمازیں پولیس والوں کو انشیں
 سے ملنے کا اشارہ کیا۔ نجل نے اس کی چھاتی سے جا تو ہٹا لیا۔ جاؤ فانم
 نواب صاحب سے بات کرو۔

فانم کو بات کرنے کا یا انہیں تھا۔ دوسرے بھی تھی۔ نواب
 بادشہ نظر اسی پر تھی ہوئی تھیں فانم کی آنکھوں سے سسل آنسو بہ
 رہے تھے۔ نجل نے ہر سب کو پلیٹ فانم سے جانے کا حکم دیا اور خود بھی
 کچھ فاصلے پر چلا گیا۔ جہاں گہرے آئینے کا کھنکھانے مانا، نجل نے اسے اپنے
 پاس کھینچ لیا۔ میں بھی گیٹ کے پاس بٹھ کر دوسرے شخص دیکھا۔
 نواب بادشہ فانم کے دربار رسالت و عبادت کھڑا تھا۔ ان کے درمیان شاید
 کوئی بات نہیں ہوئی۔ کچھ دیر بعد نواب نے شہنشاہی کے شہن کو لے اور
 موتیوں کی مالا گلے سے آٹا کے فانم کے ہاتھوں پر ڈال دی اور تیری
 سے ہٹ کے واپس جانے لگا۔



نزل کی حویلی کے بڑے دروازے پر آگے اٹھ گیا۔ آدھی رات
 گز رہی تھی۔ میں شام کی کوئیاں پہنچا جا چاہیے تھا مگر کوئیاں ہر گز نہ
 سے راز ہوئی تھیں۔ حویلی کی سرک پر اور گرد و پیش سنا چھایا ہوا تھا۔
 گھنے درختوں کی وہ سے اندر اور بڑھ گیا تھا۔ حویلی کے دروازے پر بڑھا
 پر مارا کچھ رہا تھا۔ اٹانگے کی آواز سے وہ بڑھ کر آگے بڑھا۔ اس نے
 لاشیٰ سینھال لی ہیں۔ اسے پہچان لیا۔ وہ تو تھا سنا سنا دجا سونے اپنے
 ایک ہر سنا سنا سنا حویلی کی ہر کھڑکی پر تعینات کر دیا تھا۔ میں
 وہ جاکو کے آڈے پر لڑکوں کو رشک کرتا تھا۔ سب سے پہلے نجل تانگے سے
 اُترا۔ دوڑے جیسے ہی آگے دیکھا، لاشیٰ چھوٹے کے نجل کی طرف دوڑا اور
 اس کے گلے سے لپٹ گیا۔

ہم تین دن سے سسل سفر کر رہے تھے۔ حیدر آباد میں نجل کی بہان
 دلی جانے کے ذکر سے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کہاں جانے کا لڑا
 لکھا ہے۔ میں نے کوئی اعتراض اس لیے نہیں کیا تھا کہ میں کہیں کہیں
 تو جانا ہی تھا۔ جیسے جیسے نزل کم ہو جاتی جا رہی تھیں۔ میرے صاحب
 سن ہوتے جاتے تھے۔ ایسا لگتا تھا۔ جیسے میں اپنے گھر شہر کا بار بار ہوں۔
 کوئی ڈیڑھ سال بعد جس میں چورس کی حویلی کے سامنے کھڑا تھا۔ بیڑی
 حویلی ہو اس نے میرے نام کو دی تھی۔ نزل اب نہ جانے کیسی ہو گئی ہو
 گی لگن ہے وہ بل گئی ہو۔ میں چار مہینے پہلے جب میں نکلتے میں تھا

نزل نے جہاں کا خط راز کیا تھا۔ خط سے تو ایسا میں معلوم ہوا تھا۔
 مہینے میں کانتے بھی ہر وقت اس کا ذکر کرتا رہتا تھا۔ وہ مجھ سے بہت
 ملازم ہو گیا۔ میں نے اسے اپنی حیرت کا ایک خط بھی نہیں لکھا تھا۔ دو
 نے بڑا دروازہ پر لڑکوں دیا اور عمارت کے اندر کی طرف پیچ پکارا تو راجا جگا۔
 حویلی کے احاطے میں تیرہ لکھتے ہی میرے دل پر ہول سا ماری ہوئے لگا۔
 عمارت کا دروازہ کھٹنے سے پہلے آواز آئی۔ تو کہ ہے؟
 وہ مہی کی آواز تھی۔ منظر آب آئینہ نقش سن تو کہ ہے؟ اسے

نے دوبارہ پوچھا۔
 ”دروازہ کھولو رانی بٹا! اور کون آیا ہے۔ دو نے اونچی آواز
 میں لکھا تھا۔ بابا آئے ہیں۔ نجل بھائی“
 ”میں ہیں تیری بیٹا!“ نجل تنکے ہونے لیے ہو لڑا۔
 دروازہ ایک جھٹکے سے کھل گیا اور کئی دھنکی میں نزل کا لپٹا
 ہوا سر پا نور پور۔ وہ ایک لمبے لمبے اور بہت بھونٹ کھڑی رہی۔ چہرہ شہت
 سے چہرے کی ہر جھانک۔ گ کے نجل کے سینے سے لگ گئی۔ بابا
 آپ! وہ مسرور ہوئے بولے۔
 ”ہاں رہی۔“ نجل نے اس کی پشتانی کا بوسہ لیتے ہوئے کہا میں تو
 سمجھا تھا۔ تر گھٹے بھائی نہیں۔“

”آپ نے آگے کی اطلاع کیوں نہیں دی؟“
 ”تو خواہ عوام پریشان ہوئی، ہمارا کچھ ٹھیک نہیں تھا۔“ نجل اس کے
 بازو دباتے ہوئے لڑا۔ اور یہ تو کسی ہو گئی ہے؟ گزشت اور کم کیاری
 کتنی دلی ہو گئی ہے سب ثابت تو ہے؟ تو نے میری بات نہیں مانی۔“
 ”بابا! آپ اتنے دلی تک کہاں تھے؟“ وہ اس کی سینے پر چلنے لگی۔
 ”نزل کتنی بعد میں کرنا، دیکھو میں تیرے لیے کس کو لایا ہوں۔“
 ”تیرے کہاں ہیں؟“ وہ بے ثانی سے بولی۔

”لاڈلا! نجل نے مننے مننے کہا۔ وہ بھی آیا ہے۔“
 ”سچ!“ وہ تقریباً چپکے ہوئے بولی اور نجل سے جدا ہو کے ہم
 لوگوں کی طرف جھپٹی۔

”اسے پیچے کہوں منہ چپانے کھڑے رہا۔ آڈے لے کچے؟“
 نجل نے دروازے کا۔ نزل نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ وہ میرے سامنے
 آگے چوک کے نک گئی۔ اس کی پلکیں تھڑکی تھیں۔ اس سے نوید میں
 ملا۔ اور دیکھ ہی فانم ہے۔ نجل کی آواز وہ دھمکلائے ہوئے ناز میں
 فانم کی طرف منگوتی اور اس نے فانم کو جھپٹا، اٹھتے ہوئے آواز کیلا۔ اور
 ہٹ کھٹ چھو کر ہی نہیں ہے۔ فیماں خرم سے دہری ہو گئی۔
 ”ادارے پہچان۔“ نجل جہاں گروا پنے پلو میں جھپٹتے ہوئے لڑا۔
 ”یہ.... یہ بھلا کون ہر سنا ہے؟ جہاں گہرے سلام کے لیے ہاتھ اٹھا ہا

نزل نے جہاں جہاں نفلوں سے نکلتے گئے۔ چل اندر چل، نجل ایک
 جانب سے آئے دوسری جانب سے جہاں گہرے سیتا ہوا آئینہ پڑھا گیا۔
 حویلی کی ساری درشتیاں ملادی گئی تھیں۔ نزل کی غامدائیں اور
 ملازم بھی شرم کے کجاگ گئے۔ وہ بڑی ملازم میری بلا میں لے
 رہی تھی جو کھٹکے میں نزل کے ساتھ ٹیٹ میں رہتی تھی۔ ہم سب ایک
 بنے کمرے میں آگئے تھے۔ نزل نے حویلی خوب سما کے کچھ تھی خود
 بکھری ہوئی تھی۔ دروازوں کا کجاگ نیا نیا تھا۔ کلارن پر تمام چیزیں سیٹے سے
 رکھی ہوئی تھیں۔ جھٹ میں ایک بڑا فانس رنگ دیا تھا اور نزل پر شرمخ
 قاتیل بچھا ہوا تھا۔ نجل دیوان پر میرے دروازہ ہو گیا تھا۔ فانم اور دیوان سامنے
 ایک ساتھ ایک دوسرے سے چپکے ہوئی بیٹھ گئی تھیں۔ نزل نے اندر جا
 ہی ہو گئے شروع کر دیے تھے۔ بابا! آپ نے کھانا تو نہیں کھا یا ہوگا؟
 وہ کئی بار یہ پوچھ چکی تھی۔ جب لوٹ پانگامی باتیں کر رہی تھی کھانا کچھ
 چاہتی تھی منہ سے پھر اور ادا مل جاتا تھا۔
 ”بیٹھ جا نزل، سے بیٹھ جا۔“ نجل نے جب اسے ڈانٹا تو کہیں اس
 کی زبان تھی لیکن چہرے نے چائے پانے کا حکم دیا۔ بابا! حق ہے تیرا
 کر لیتا، تو بار کھٹے کھٹے کھٹکھا میں نے تیرے دن پہلے ہی منگوایا ہے۔
 بابا! آج صبح ہی سے کھٹکھا دھا کا آپ آئے والے ہیں۔“

”روز تھے ایسا لگتا ہوگا۔“
 ”بابا! میں ہر دوسرے تیرے روز کھٹکے خط کھتی تھی۔ مہارواہی
 اور کانتے ہر رات میری جواب دیتے تھے کہیں وہ آئے ہی والے ہیں پھر
 ایک مہینہ ہو کر ان کا خط مجھ تک آئے۔ لگتا ہے میں نے نزل کو کھانا لے
 دینے بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی پتلیاں تھوڑی تھیں۔ نفلوں کو نزل نہیں تھا۔
 کبھی مجھے دیکھتی تھی کبھی جہاں گہرے کو بھی فانم کو اور کبھی فیماں کو۔ صبح
 تک کوئی نہیں سوتا۔ نزل نے نہیں پوچھا کہ جہاں سے ساتھ کون کون ہے۔
 نجل نے ان کے بالے میں صوف اٹا بٹا تھا کہ میں تیرے لیے ایک
 بڑی اور ایک چھٹی بن لایا ہوں۔“

”خند کا پتہ ہی نہیں چلا۔“ فیماں آباد انشیں پر آئے کہ سب کے
 چہروں پر تھکن و خستگی۔ مجھے بیٹھے فیماں اور فانم کی پتلیاں دیکھنے
 گی ہوں گی۔ میں تو ہر انشیں پر آئے کہ سب مازوں کو دیکھ آتا تھا۔ میرے
 ساتھ جہاں گہرے ہوتا، کبھی بھی نجل بھی۔ شاید ہی کوئی ایسا ماز ہو جس پر
 میری نظر نہ پڑے۔ میں ہر شے میں جھانک کے بھی دیکھ لیتا تھا۔ ہر شخص
 میں یہ طے کرنا کہ اب کے نہیں جاؤں گا لیکن جیسے ہی کوئی انشیں
 آتا، میں پھر سچے آجواں ہوں۔ ہر گز نہ گمان ہوتا تھا کہ شاید ان میں سے
 کسی کی صورت دکھائی دے جائے لیکن تمام آدمی کبھی ایک جگہ کھٹے نہیں
 ہوتے۔ ایسا ہوتا تو پھر کسی کو کسی کا ڈھونڈنا نا عذاب نہ ہوتا۔

نزل کی پلکیں انکھیں نزل ہی ہوئی تھیں وہ نزل کو کوس
 طرح کھٹکی ہاتھ سے پھینک رہی تھی جیسے کوئی دشمن کو دیکھتا ہے۔
 فانم دیر تک برقع پہنے بیٹھی رہی۔ نزل کو کواہنگ اس کا خیال آیا تو وہ
 ان دونوں کو دوسرے کمرے میں لگتی۔ جب وہ واپس آئیں تو ان کے
 لبوں پر مسکراہٹ کھل رہی تھی۔ فانم نے لباس تبدیل کر لیا تھا اور نزل
 کے پاس بیٹھی چپکے چپکے نہ جانے کیا کیا باتیں کرنے لگی تھی۔ فیماں کان
 لگا رہی تھی۔ کبھی میری جانب اس کا گاہہ آتی تو آنکھوں میں ہنسنے
 سے چپکے لگتے۔ جب نزل کی یہ معلوم ہو کر جہاں گہرے میرا چھوٹا بھائی ہے تو
 پہلی مرتبہ اسے اعتبار میں نہیں آیا مگر جب اس نے جہاں گہرے کو غور سے
 دیکھا تو اس کے چہرے کے رنگ تیزی سے بدلنے لگے۔ جہاں گہرے میں
 فنی کی بڑی مشابہت تھی اور میری ہوئی فنی کو نزل نے لے شامرتب
 دیکھا تھا۔ اس کی لاش اسی کمرے سے پیوستہ کمرے میں رکھی گئی تھی۔
 جہاں گہرے نزل کی نگاہوں کا ہٹ بانگسا اور دھنکنا۔ فانم نے اٹھا کر
 سے اسے اپنے پاس لایا۔ وہ نزل اور فانم کے درمیان سکون کے بیچ گیا۔
 میں دیوان سے اٹھ کر باہر گیا۔

دن نکل رہا تھا۔ صبح کی خشک اور دھم دھنکی حویلی کے دوہام پر
 چھائی ہوئی تھی۔ مجھے ہماں کی ایک ایک جگہ معلوم تھی۔ باگے خانہ میں
 نے باغ میں جانے کا ارادہ کیا لیکن میرے قدم خود بخود کمرے کی طرف
 اٹھ گئے۔ جہاں کبھی میں رہتا تھا کمرے کی ترتیب دی تھی۔ سامنے دی
 پلنگ تھا جس پر میں سو کر رہتا تھا۔ بستر پر کٹھنیں پڑی ہوئی تھیں اور اس
 پاس بیڑوں پر کتا بھی بکھری ہوئی تھیں۔ دیوار پر دیہی بڑی کھڑی آؤٹیل
 تھی جس کا گھٹاسن کے مجھے جھانک میں محسوس ہونے لگا تھا اور میں ہر گز
 حویلی سے باہر نکلنے کی تدبیر سوچتا رہتا تھا۔ نجل نے باہر جانے کے تمام راستے
 بند کر دیے تھے۔ میں نے کمر پلنگ سے کٹائی کی تھی کہ مجھے فوراً اس کا
 ہو گیا۔ میان اب نزل سوئی ہے۔ اس کی خوشبو بستر پر ہی ہوئی تھی۔
 میں نے بے اعتدال کچھ میں مزہ چھایا لیا لیکن اسی لمحے ایسا لگا
 جیسے کوئی اندازہ ہے۔ میں جیسا کہ کمرے میں چلا آیا اور ادا
 کر ہی پوچھنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں نزل کی غامد مجھے ڈھونڈتی ہوئی ادھر
 آئی۔ اس نے ہاتھ تیار۔ مجھے کی اطلاع دی۔ میں دیوان پہنچا تو نجل
 نزل سے کہہ رہا تھا۔ پٹا! اتنے دنوں میں تو کتنی باؤلی ہو گئی ہے۔ مجھے
 لگتا تھا کہ کچھ نہیں جانتی رہی۔ ہلکے درمیان ایک مہارواہی
 خولن بچھا رہا تھا۔ نزل نے دیکھنے کیا کیا بڑایا تھا۔ تاہم سب نے
 کھل کے کہا کہ ہم نے ابھی چائے نہیں پی کر ایک ملاز سے مرنے کے
 آنے کی خبر دی۔ نزل نے بتایا کہ وہ روز صبح آگے مجھے پوچھتے ہیں۔

نزل کی پلکیں انکھیں نزل ہی ہوئی تھیں وہ نزل کو کوس
 طرح کھٹکی ہاتھ سے پھینک رہی تھی جیسے کوئی دشمن کو دیکھتا ہے۔
 فانم دیر تک برقع پہنے بیٹھی رہی۔ نزل کو کواہنگ اس کا خیال آیا تو وہ
 ان دونوں کو دوسرے کمرے میں لگتی۔ جب وہ واپس آئیں تو ان کے
 لبوں پر مسکراہٹ کھل رہی تھی۔ فانم نے لباس تبدیل کر لیا تھا اور نزل
 کے پاس بیٹھی چپکے چپکے نہ جانے کیا کیا باتیں کرنے لگی تھی۔ فیماں کان
 لگا رہی تھی۔ کبھی میری جانب اس کا گاہہ آتی تو آنکھوں میں ہنسنے
 سے چپکے لگتے۔ جب نزل کی یہ معلوم ہو کر جہاں گہرے میرا چھوٹا بھائی ہے تو
 پہلی مرتبہ اسے اعتبار میں نہیں آیا مگر جب اس نے جہاں گہرے کو غور سے
 دیکھا تو اس کے چہرے کے رنگ تیزی سے بدلنے لگے۔ جہاں گہرے میں
 فنی کی بڑی مشابہت تھی اور میری ہوئی فنی کو نزل نے لے شامرتب
 دیکھا تھا۔ اس کی لاش اسی کمرے سے پیوستہ کمرے میں رکھی گئی تھی۔
 جہاں گہرے نزل کی نگاہوں کا ہٹ بانگسا اور دھنکنا۔ فانم نے اٹھا کر
 سے اسے اپنے پاس لایا۔ وہ نزل اور فانم کے درمیان سکون کے بیچ گیا۔
 میں دیوان سے اٹھ کر باہر گیا۔

دن نکل رہا تھا۔ صبح کی خشک اور دھم دھنکی حویلی کے دوہام پر
 چھائی ہوئی تھی۔ مجھے ہماں کی ایک ایک جگہ معلوم تھی۔ باگے خانہ میں
 نے باغ میں جانے کا ارادہ کیا لیکن میرے قدم خود بخود کمرے کی طرف
 اٹھ گئے۔ جہاں کبھی میں رہتا تھا کمرے کی ترتیب دی تھی۔ سامنے دی
 پلنگ تھا جس پر میں سو کر رہتا تھا۔ بستر پر کٹھنیں پڑی ہوئی تھیں اور اس
 پاس بیڑوں پر کتا بھی بکھری ہوئی تھیں۔ دیوار پر دیہی بڑی کھڑی آؤٹیل
 تھی جس کا گھٹاسن کے مجھے جھانک میں محسوس ہونے لگا تھا اور میں ہر گز
 حویلی سے باہر نکلنے کی تدبیر سوچتا رہتا تھا۔ نجل نے باہر جانے کے تمام راستے
 بند کر دیے تھے۔ میں نے کمر پلنگ سے کٹائی کی تھی کہ مجھے فوراً اس کا
 ہو گیا۔ میان اب نزل سوئی ہے۔ اس کی خوشبو بستر پر ہی ہوئی تھی۔
 میں نے بے اعتدال کچھ میں مزہ چھایا لیا لیکن اسی لمحے ایسا لگا
 جیسے کوئی اندازہ ہے۔ میں جیسا کہ کمرے میں چلا آیا اور ادا
 کر ہی پوچھنے لگا۔

تھوڑی ہی دیر میں نزل کی غامد مجھے ڈھونڈتی ہوئی ادھر
 آئی۔ اس نے ہاتھ تیار۔ مجھے کی اطلاع دی۔ میں دیوان پہنچا تو نجل
 نزل سے کہہ رہا تھا۔ پٹا! اتنے دنوں میں تو کتنی باؤلی ہو گئی ہے۔ مجھے
 لگتا تھا کہ کچھ نہیں جانتی رہی۔ ہلکے درمیان ایک مہارواہی
 خولن بچھا رہا تھا۔ نزل نے دیکھنے کیا کیا بڑایا تھا۔ تاہم سب نے
 کھل کے کہا کہ ہم نے ابھی چائے نہیں پی کر ایک ملاز سے مرنے کے
 آنے کی خبر دی۔ نزل نے بتایا کہ وہ روز صبح آگے مجھے پوچھتے ہیں۔

کی خاطر اب کہیں آنے جانے کی بات نہیں کروں گا۔ اس نے ہاں کے اب تک جانے کا کام نہیں لیا تھا۔ شاید مجھے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔

کھوئے ہوئے لوگ آفاق سے مل جاتے ہیں۔ کوشش سچی سے تمام دنیا میں خط کھینچتے تھے کیا نتیجہ نکلا؟ قہقہے سے اٹھی دوڑ دھوپ کی کیا ماس ہوا؟ روت جہاں گرا، وہ نہیں بلی۔ جہاں گرا کرتوں پہلے بھی چھوڑ کے چلا آیا تھا۔ رازوں کا سینہ اس کی آنکھیں کس کے پاس ہوتی ہیں اور اس آدمی کی آنکھوں اور سینے میں کیا کچھ ڈھنسا ہے یہ وہی جان سکتا ہے۔ میں یہاں بیٹھا لوگوں کی صورتیں دیکھتا رہتا ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میرا سینہ کچھ گرا ہے۔ قہقہے میں مریضہ کی نظریں گرا تھا کرتوں کی بھی ہی لیتے تھے۔ یہ نہیں کیا اندازہ تھا کہ ان کی باتیں سننا بھی میرے لیے سب سے بڑا ضبط ہے۔ اگر یہ لوگ میری جگہ ہوتے تو ان کے سر پھٹ جاتے۔ عورتوں کی بیوی جگہ... کس کی؟۔ غنی یا بچہ بزرگ کی ہر گنتی تھی۔ نسیان کی قیمت ساٹھ سو تھی۔ کاش اس کی بھی کوئی قیمت ہوتی۔ پھر میں کہیں لگاؤ والا لیا۔ میں کچھ بھی لکھتا یا دیکھتا تو کتنا آسان ہو جاتا۔

اب اس کے لیے تروت کرنے کو کسے پاس ایک ہی چیز رہ جاتی تھی اور وہ بھی بار بار ہاتھ سے نکل جاتی تھی۔ شاید میری وقت دربان ہو جائے اور اس کا کام یہ نہیں نظر آئے۔ یہاں اس طرح گھر میں بیٹھا میں اپنے بالوں کی جوہیں کی نوکھ سکتا تھا۔ جو مجھے ادھر ادھر فالتو کر گئے۔ اس میں میری کوئی خطا نہیں تھی۔ وہ سنے کی تو مجھے معاف کرنے کی اپنی طرف سے میں نے ایک لمحہ بھی فالتو نہیں کیا تھا۔ اب مثنوی دیر ہو رہی تھی۔ ہر وقت یہ بدتر رہتا تھا کہ اور بدتر ہو جائے۔ قہقہے میں کچھ سوچ رہا تھا۔ چلی طرح یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اس وقت اس سے کی جانے والی بات بے سود نہیں جانے گی، میں نے دل دے لیا۔ لیکن یہ کہنا۔

”میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔“
”مجھے معلوم ہے تو کیا بولے گا، کل برسوں مل دیں گے۔ وہ پھر کون آواز میں بولا؟ یہی بولنا چاہتا تھا؟“
”ہاں، ابھر تم سے سادھے کیوں جاتے ہو؟“
”کیا تو مجھے اپنے ساتھ لے جانا نہیں چاہتا؟“
”نہیں اب بات نہیں ہے۔ میں نے جھجکا کہ کتا مجھے تھکا رہی خیال ہے۔ تمہیں آگے سے دور مجھے بہت دن ہو گئے۔ تمہیں اب دلوں جانا چاہیے۔“
”اؤں کے بات مت کر، یہ کہہ کر تو کیا ہی جانا چاہتا ہے۔“
”نہیں نہیں۔ میں نے گھبرا کے کہا۔ غلط مت سمجھو۔“
”پھر ساتھ ملیں گے۔ یہ فیصلہ کن آواز میں بولا۔“
”جھجک ہے۔ میں نے ماسے لے کے کہا۔ تمہاری مرضی مگر

کہہ چلو گے؟“
”میں نے بول دیا، نا اکل برسوں۔ وہ انکار ہی سے بولا۔ میں چپ ہو گیا۔ کچھ دیر چھوڑ کر گراؤ کے بعد وہ کہنے لگا کہ اب دن کی طرف جانا ہے۔ کاپے اس کی لائے تھی کہ اب بھی میں پرکھوں۔ ہانکے چلنا چاہیے۔ ہم جنوبی ہندو ماسے کا سارا کچھ چکے تھے۔ اگر حیدر آباد میں جہاں گرا رہتا تو ہم حیدر آباد سے اتر کر طرف ہی جا سکتے تھے۔ جھل کھنیاں تھا کہ کوئی عمدہ شیف شامل ہند میں ضرور آدے سے قریب کہیں مینے تو کسی دیکھی کو ضرور نظر آتے۔ اسی کے پیش نظر اس نے جنوبی ہند کے انسانی دور دراز حصوں میں سفر کیا تھا۔ جھل نے وسطی ہند جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے کوئی مشورہ نہیں کیا۔ میرے لیے ہر جگہ کیساں تھی وہ بھی میں پرسکتی تھی۔ جس دن صبح جھل نے جبر و جبروتا دیا کہ وہ کل یہاں سے روانہ ہو جائے گا۔ گھر میں بھی خبر ہو گئی اور تین سے بھی کسی دیا سب کے ہر دن سے بادل سے چھا گئے۔ جہاں گھر چلنے کے پاس ان کے رہنے لگا۔ دوپہر کے کھانے پر خانہ نے قہقہے سے درخواست کی کہ وہ ابھی جانے کا ارادہ ملتوی کرے۔

مزم بولتی ہر توں میں دکھاتا ہوں لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ قہقہے نے طاقت سے کہا۔ مثنوی جلدی ہم جاہیں گے، اسی جلدی واپس آ جاہیں گے۔ خانہ نے اس کے بعد اصرار کرنا سہیل نہیں سمجھا۔ خاتم کو میں باغ میں بیٹھا ہوا تھا۔ نسیان سے کہیں آگئی اؤ جھکی جھکی ملیں سے وہی بات دہرانے لگی۔ جو خانہ نے جھل سے کسی تھی۔ میں نے اسے پاس بٹھا کے سمجھا یا کہ مجھے بہت فوری کام ہے۔ میں نے اسے تاکید کی کہ تیرے اور خانہ کی کوئی بات اسے بری لگے تو وہ دل پھیل دلائے گھر میں کسی دیکھی سے کوئی بری بات ہو رہی جاتی ہے۔ وہ کبھی خانہ کی شکایت تیرے سے یا تیرے کی شکایت خانہ سے

ذکر ہے۔ نسیان بولی مجھے تو خود ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ میری کوئی بات آپنی یا خانہ کو بری نہ لگ جائے۔ میں نے کہا۔ بھئی! آپنی اور خانہ بہت سمجھدار ہیں۔ بڑوں کا کام نظر انداز کرنا اور عاف کرنا تو سب سے اور ان سے بھی غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ اب سمجھتی چھوٹی باتوں سے اٹال مت ہو جانا۔ جھوٹی باتوں کے رہنا اور انہیں دیکھ کر مجھ کے چپ ہو جانا اب یہی تھا۔ اگر ہے۔ نسیان شکایت کرنے لگی کہ تیرے باجی مجھے کام نہیں کرنے دیتے۔ میں نے کہا۔ جھجک کی بری باتیں۔ گھر میں لو کہ اور تو کو انہیں موجود ہیں تو تمہیں ہانک کر کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ مجھ سے لیے پڑھنے کا کام کیا کم ہے۔ اس سے نمٹ جاؤ تو خوب کام نڈھیر تیرے میں منع نہیں کرے گی۔ بولی میری یہ جانتا ہے کہ میں ہر وقت تیرے باجی کے پاس بھیج کر دیکھوں گا۔ وہ بہت اچھی ہیں۔ پھر ایک ام

لو جھنگلی کر کیا آپ اس سے ناراض ہیں؟ میں نے کہا نہیں ناراض ہوتا میں نہیں یہاں کہیں لانا کہنے کی مجھے ایسا ہی گتا ہے تو پھر پ ان سے بات کہیں نہیں کرتے؟ میں نے کہا کہ تیرا کہیں نہیں ہوں۔ دلی ایسے بات تو دہری کرتے ہیں وہ تو ہر قسم آپ کا خیال رکھتی ہیں۔ جانا نے کسی کے لیے بہت سے کپڑے بولائے ہیں۔ تیرے وہ خود اپنے ہاتھ سے سی جی ہے۔ نسیان مجھے جانے لگی کہ جب بھی ملاؤ گا۔ ”اسے“ تیرے ہی جیسا کہ اس کے لیے کالوں؟

تھیں۔ وہ اس کے زیر پر ایک طرف کھڑی اور دوسری طرف آگے آگے سے بولی تیرا سامان ساتھ لیتے جانا۔ وہ ادھر آئی اور ادھر جانے لگی۔ ”مجھ سے نہیں نے بھل نام۔“ رات خامی ہو گئی ہے۔ وہ گھٹی ہوئی آواز میں بولی۔ ”سنا تھا میں نے حواس باختہ ہے میں کہا۔ کیا بہت وقت ہو گیا؟“ ”کیا تم سو گئے تھے؟“

”نہیں میں نے بیدار ہو کر کہا۔ میں جاگ رہا تھا۔“
”میں چلتی ہوں۔“ وہ سرگرمی بولی۔
”کیوں؟“ میں نے تیرے تیرے سے کہا۔ ”مجھ کو؟“ اس نے پلٹ کر اٹھا کے مجھے دیکھا۔ اسی لیے یہاں آنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ تیرے کی آنکھیں خشک نہیں ہوتی ہوں گی، میرے جانے سے ادھر آئیں گی۔ وہ اپنے مخصوص لباس میں میرے سامنے کھڑی تھی۔ یہ کہہ اس کے بدن پر بہت سی تھکتے تھکتے مودی کا لباس بدستوار اور بد چٹا اس کے کالوں میں آویڑے ہلکے تھے۔ یہ آویڑے اسے خانہ نے لیے تھے۔ خانہ نے نسیان کو ملو کہ اس کی کلاہیاں جوڑیں سے بھرادی تھیں اور نسیان نے اس کے ہاتھوں پر ہندی سے لفظی دھارنا دے تھے۔ عورتوں پر یہ کالیں بھی نسیان ہی نے بنایا ہو گا کہ کہیں اسے نظر نہ لگ جائے۔ وہ اس طرح سے حرکت کھڑی تھی جیسے ایک رنگین جگر ہو، جیسے اسی میں جان ڈالنے کی کوشش ہو رہی ہو۔ ہر قدر کہ لا کتا دیکھتا تھا۔ اس کی ہڈیاں گری ہوئی تھیں۔ اسے نشانوں سے چوکے ہلکے ہلکے ہاتھوں اور اس سے کہیں کہیں سر میں درد ہوا۔ بے ضرور وہ کہنے لگا۔ ”میں دیکھتی ہوں پھر میں اس کے ہاتھ تھام لیں گا اور ان سے اپنا چہرہ چھاپوں گا۔ اس طرح وہ رات بھر سیر کیاں پھرتی ہے گی۔ میری جا کا وہ بے لالہ لپٹے زانوؤں پر کھڑے یا

اپنے سینے میں چھپا لے گا۔ میں خوب دوسروں میں اس کی صورت دیکھتا ہوں۔ میرا گاہند ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑی رہی۔ پھر جب جانے لگی تو میں اسے روک دیا۔ میں نے تمام لفظ، بیج معلوم تھے۔ تیرے سر ذہن میں یہ شہزادہ باقی منڈلا رہی تھیں۔ پھر میری زبان پر جیسے نالہ کر گیا تھا۔ وہ چلی گئی۔ میں نے کچھ دیر دیکھ کر اسے لے آؤں دینا چاہا۔ دھانے پر چالنے کے ایک انداز کے دیکھا۔ میری آنکھیں جھٹی ہوئی تھیں۔ وہ چشمہ زدن میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ اچھی دالان میں ہو گیا۔ میں نے اس کے پیچھے جھانکے اور اس کا راستہ دیکھنے کا ارادہ کیا۔ ٹھکڑے رنگ کے مجھے کیا کہنا چاہیے کہ میں نہیں جانتا، میں نہ جانتا ہوں یا میں اسے یہ اطمینان دلانے کی کوشش کروں کہ ملد واپس آ جاؤں گا اور اس بلبریت کے خط بھی لکھتا ہوں کہ اس وہ لڑا تھا۔

لو جھنگلی کر کیا آپ اس سے ناراض ہیں؟ میں نے کہا نہیں ناراض ہوتا میں نہیں یہاں کہیں لانا کہنے کی مجھے ایسا ہی گتا ہے تو پھر پ ان سے بات کہیں نہیں کرتے؟ میں نے کہا کہ تیرا کہیں نہیں ہوں۔ دلی ایسے بات تو دہری کرتے ہیں وہ تو ہر قسم آپ کا خیال رکھتی ہیں۔ جانا نے کسی کے لیے بہت سے کپڑے بولائے ہیں۔ تیرے وہ خود اپنے ہاتھ سے سی جی ہے۔ نسیان مجھے جانے لگی کہ جب بھی ملاؤ گا۔ ”اسے“ تیرے ہی جیسا کہ اس کے لیے کالوں؟

کرتی ہے اور اسے میری قسم کہ ایک آئینہ بھی نہ بنا۔
میں دروازے کی جانب تیزی سے بڑھا اس کی چوڑیوں کی
باگشت والاں میں گونج رہی تھی۔ وہ والاں سے گرنے کے آہستہ آہستہ
اپنے کمرے کی طرف جلد ہی تھی لیکن باہر آکر میرے ہر پیچھے ہٹنے کے و گیا۔



دوسرے دن گیا وہ مجھے فیض آباد سے ملنے کے کھنڈر لوگن پل
کے راستے سے جھانسی لگنے جھانسی سے لٹت پورہ گوالیار پہنچا پل پور
آجین، اجیر، اندوڑ، امراتی لڑائے گروہ نام بھی یاد نہیں ہے تھے چار
میں تک ہم وہی ہلنے کے لئے کہنے میں چہرے تھے۔ اہا جان پور پل
کے علاوہ اجیر لوگن گوالیار میں بھی بیٹھے تھے۔ اس کے بعد ان کا کوئی
نشان نہیں ملا۔ جزئی ہند کی طرح ہم نے اپنی حالت میں کوئی بستی
نہیں چھوڑی جہاں دیوں کے راستے نہیں تھے، وہاں ہم نے لاری
سے سفر کیا جہاں لاری بھی نہیں جاتی تھی، وہاں ہم گھر گھر لوگوں اور بچوں
پر ملتے رہے۔ جہاں سمجھ میں اور دے تھے، جہاں بھی کوئی چھوٹی
سی بستی تھی، کانوں لار بڑیوں ٹھوں کے چودھ لوگ اور دے دوسوں سے
پوچھ گچھ کی۔ جہاں جہاں میں ان کے ملنے کا امکان ہو سکتا تھا ہم وہاں
وہاں گئے۔ پھر ایک دن جھل نے اپنا کچھ وصلی ہند میں اور آگے
جانے کے بجائے شمال مشرق کی طرف بڑھے گاوارہ کا پکڑ کر سی پی
راج پور قریب تھا۔ ہم دوسرے ہسٹوں سے ہوتے ہوئے پھر جیر دیوں
آگے جھل نے اس بار بھی وہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے
ہاں حاضری دی اور ایک دن ایک مزار کے احاطے میں چار بار اہمیر
ہم چودھ پور آگے چودھ پور سے پکڑ کر اور پکڑ کر سے بسیل پور بسیل
راج پور لائے کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی جب ہم وہاں پہنچے تو عصر کا
وقت تھا۔ سامنے جوسہ لفظ آئی ہم اس کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔
غازی پور آ رہے تھے۔ ہم نے انھیں روک کے پہلے اہا جان کا حلیہ بتایا۔
آہا جان نامیہ ہم انہیں نہیں لیتے تھے نمازیوں نے ایسے چلے کے
کسی شخص کو سامنے سے لائی ظاہر کی۔ میں نے پھر کرا حلیہ بیان کیا
اور بتایا کہ ان کے ساتھ تین لوگ ہیں بھی ہوں گی مگر وہ اہا جان کا گھر
کے کسی اور آدمی سے واقف نہیں تھے پھر میں نے ان کے سامنے مولوی
محمد شفیق کا نام لیا۔ ان کا رنگ قد اور ناک انشہ بتایا۔ مولوی شفیق کا
محلے کے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے اور ایک ہنگام
فحش نے آگے کے حامی اور ان میں کامیاب انہیں کیسے جانتے ہو؟

ہم اس کو نہ لگا پکڑ جھل نے ہر پاتھ پھوڑ کے مجھے کھینچ لیا
میرا خداؤں کے سامنے ہر کے پلائے بڑے صاحب کیا
"ہیں ہیں؟"

آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟ بزرگ آدمی نے
سے کہ میں نے پوچھا تھا کہ آپ انھیں کیسے جانتے ہیں؟
"ہم ان کے کچھ گتے ہیں۔ جھل نے تنک کے کہا۔
"میں ہی تو پوچھ رہا ہوں جہاں کہ آپ ان کے کیا گتے ہیں؟
"ہم ان کے رشتہ دار ہیں۔
"رشتہ دار ہیں؟ بزرگ نے اپنے ساتھی نمازیوں کی طرف دیکھ کر
دہرایا اس کے لیے میری حیرت تھی۔ کیا رشتہ داری ہے آپ کی بڑا
"بڑے صاحب آپ ہیں؟ بتاؤ کہ وہ کہاں ہیں؟ میں یہ تو
کیس اور؟" جھل نے برہمی سے کہا۔
"آپ ان سے کب سے نہیں ملے؟ ایک دوسرے شخص نے
"بہت دن ہو گئے، برس بیت گئے، آٹھ برس سے بھی زیادہ
کہاتے تھیں، پکڑیں لیکن آپ لوگ اب سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہیں؟
بات کا جواب دو؟"
"آپ کی بات کا کیا جواب دیں؟ بڑے آدمی نے ڈوبی
آواز میں کہا: آپ لوگ کہاں سے آ رہے ہیں؟"
"میرا آباد سے۔"
"کچھ دیور ہوئی ہے؟"
"آپ ان کا پتہ کس نے دیا تھا؟"
"ہم انھیں دھرم پڑے ہوئے بیان کیا آگے ہیں۔
مجھے اپنے سامنے کھڑے ہوئے ایک دھندلے دھندلے لفظ
تھے جھل نے یہ کہنے میں جتنی سے اپنی انگلیاں پھنسا کر کھینچ
پلیس والوں کی طرح نہ جانے کیسے کیسے سوال کر رہے تھے۔ میسے
صاحب کے ہاتھ میں نہیں کسی جہم کے ہاتھ میں پوچھ رہے ہیں
جہم پینے میں شامل ہو گیا تھا مجھے پھر مار دیا تھا: آپ بولتے ہیں
میں نے ذرا ہی انداز میں کہا: مولوی صاحب کہاں ہیں؟
"ترجیب وہ جھل نے دوسرے میں پھر دوا اور تھکے ہوئے
ہیں بولا کہ اب وہ بیان نہیں لیتے؟"
"نہیں جہاں بزرگ آدمی نے مرزاہ جہم سے کہنا: آئیے
آئیے آپ لوگ کہاں پھر رہے ہوئے ہیں؟"
"ابھی میں نہیں آدھ نہیں پھر تھکاوارہ ہے۔ ہم ہر طرف
سے ملنے آئے تھے۔ آپ ان کا پتہ جانتے ہو تو میں بتا دو۔"
"خدا بہتر جانتا ہے، برہمی کافی ہے۔ آئیے میرے ساتھ
آپ مولوی صاحب کے عزیز ہیں تو میری سب سے عزیز ہیں
میں تو کیا ہوا ان کے دوست اور یہی خواہ میں کہ نہیں ہیں مگر

ہاتھ پلے گھر چلے زیادہ قد میں ہے۔
جھل نے گونج چکا: آلاؤ لے آؤں نے میری کمر پاتھ لکھ کے
"کی۔ جھل کے وہ۔ یہ دھولے کیا کہیں گے۔
بزرگ آدمی کا گھر سے کہتی جہاں تہہ دوڑا گونجی نمازی میں پکار
گئے میری انگلیوں کو کھڑا رہی تھیں۔ وہ میری انگلیوں سے بنا ہوا تھیم
ایک جھٹسا سا کان تھا۔ بزرگ نے اندھا دیکھ چنوں بعد جھک کا
لعل دیاں وہ زیادہ ماں میں تھا۔ اونچے پائین کا ایک پتنگ
میں چنوں میں تین چار ٹکڑے کرناں پڑے اور دھانیاں سے کھسکا نہیں
ارل کسی سے بچو یا۔ پڑھا آدمی چار پانی پڑھ کے گری گری
ہلے گا کہ انہیں نے انھیں نہیں ملے اندر پرب کوئی آیت تلاوت کی
"ہے پڑے لیے ہیں بولا۔ آپ حضرت کا نام؟"
"اس کا نام خیر الدین پکڑا تھا ہے۔ جھل نے تیزی سے کہا۔
"میرا پیر ملے ہے مولوی صاحب مجھ بہت کمر کرتے تھے۔ پیر
مجھے کرتی تھی۔ ہر پڑا لے کان میں بیٹے تھے، آپ ہادی ہاتھ
نہیں گئے کچھ ایسی ہی بات تھی جو آپ سے اٹا کچھ پوچھا پڑا لے
تھے کچھ میں کھا ہوا کوئی بات ناگوار گوری ہوئے ملے مان کر دیکھتے
"کچھ نہیں بڑے صاحب آپ جھل نے میری آواز سے کہنے پر مگر کہہ جاتا
"آپ مولوی صاحب کے ہاتھ میں کچھ بتا رہے تھے؟"
"کیا باتیں کیا نہ تھیں؟ میں پڑا لے ہاتھ ملے بولے: آپ نے لے
تہہ پکڑی؟ میری ماس آٹھنے کی۔ گورشتہ دھان کی بات ہے
واں دھان تھا؟" عری کے بعد مولوی صاحب حمل کے خلاف فاذ
نہیں آئے فاذ کے بعد ہم چند لوگ ان کی حیرت دہانت کرنے
کھینچے کمر دھانیاں اس کی طبیعت تو ناما نہیں ہے پہلی دفعہ
تھا کہ مولوی صاحب نے ناؤ کیا جو سب سے پہلے آئے تھے پابندی
قدت پوچھتی جاتے تھے۔ ہم نے آوازیں لگائیں اندر سے کسی نے جاتا
ہاں میں کو خلافت ہوئی۔ کئی کٹ کٹا کے لیے ہاتھ بڑھا تو
ٹھکا ہوا تھا ہم نے پھر میری دوازیں دیں مگر دھار کوئی بڑا تو جواب دیتا۔
ہوئی پکڑ کر ہم نے حقیقت حال جاننے کے لیے ڈسٹ ڈسٹے دکان
جاہد بھی وہاں آئی اور جو سب ہم نے خود اندھا دیکھا تو
راجا اور خاں سامان تر تر تھا۔ کئی ذی نفس دیاں ہو جوتیں تھا۔
یہ کیا حال پڑا۔ رات کو تروایع کے بعد وہاں سے ساتھ ہی گھر دیاں گئے
راج سے عری کے دوران یہ سب کچھ ہو گیا۔ مولوی صاحب بہت
کاٹھا پڑ گیا۔
"ادھر ان کا کوئی پتہ نہیں چلا؟"
"میرا نے ایسی سے مرزا لایا۔ نہیں جہاں اور دھار کوئی جگہ آدمی
نہیں معلوم نہیں جاتا۔

میں نے ان کے سامنے ہر کے پلائے بڑے صاحب کیا
"ہیں ہیں؟"

میں نے ان کے سامنے ہر کے پلائے بڑے صاحب کیا
"ہیں ہیں؟"

مہذب و عورت اس کی یادیں رونق دیتی ہے میں اُسے کیا بھانوں کہ وہ
 کمال گئی ہے اب تک دایں آئے گی۔
 "نہیں کیا کائنات کا۔۔۔ اس کا کائنات تھا۔ میں نے سراسر ایک سے پوچھا
 "ہاں مولوی صاحب اُسے نہیں ہی کہہ سکتے تھے۔ میری
 نے جواب دیا۔ "نہیں کہہ سکتے تھے۔ بنانا اودھ تمام مہانت سہ
 بھی اُسے دیت کر دی تھیں۔ وہ مولوی صاحب کی انھوں کا کچھ تھی۔ اسی
 گنا تھا یہی مولوی صاحب زندہ ہی اس کے لیے ہیں سیدہ دوسرے اور اوقات
 سے جو وقت بھی تھا مولوی صاحب بچی کے ساتھ گھر ہی میں گزارتے ان کا
 بس نہیں جلتا کچھ مزید وقت کمال سے کمال کے گھر میں گزاریں۔ جتنے
 میں وہ بہت محتاط تھے۔ تقریبات میں شرکت سے پرہیز کرتے تھے۔ یہاں تک
 کہ بہت سے لوگوں کو شکایت بھی ہوئی تھی مولوی صاحب ایسے لیے جسے ان
 سے معذرت کرنے کے کچھ کچھ کہنا نہیں جاتا تھا بلکہ خود غرض نہ ہونا تھا۔ بچی
 کو بھی یہی عالم تھا۔ دین گھڑوں میں جاتے کہ سوا گھر سے غائب نہیں نکالتی تھی
 وہی کوئی بھار۔ غلے کی بچان خود ہی اس سے ملنے اُسے دیکھ اُٹھاتی تھیں۔
 ہم لوگوں نے کئی بار اٹھنا مولوی صاحب کی طرف والی آپ نہیں
 کو بہانے گھر میں نہیں بھیجتے، وہ کہہ کر دے جاتے تھے۔ کتنے تھے بھیا! ہم کچھ
 اور بت گھنا لیکن اُسے ایک غلے کے لیے اپنے سے جھکا کر لے کر لائیں
 ہے۔ رفتہ رفتہ ہم ان کے مزاج کے عادی ہو گئے تھے۔ ہم نے ان سے
 شکوہ کرنا بھی نہ کر لیا تھا۔ ہم نے ضرور کر لیا تھا کہ ہماری ایسی باتوں سے
 انھیں ہوجاتے ہیں۔ یہیں اور تو کچھ پر بدادشت تھا۔ گھر ان کی بیٹیاں پہلے
 نہیں دیکھ جاتے تھے۔
 "میرلی روتے روتے دیکھ گئے اور معذرت کر کے اُٹھ چلے گئے۔ اندر
 سے کسی نے دروازے پر دھک دی تھی۔ دھک کے ساتھ چوڑیوں کی آواز
 بھی آتی تھی۔ ان کے جاتے ہی بھیک میں بیٹھے ہوئے دوسرے لوگوں نے مولوی
 صاحب کی باتیں شروع کر دیں۔ بھل غلامی سے متناہر بائیریل میں لوگ کا ذکر
 کر رہے تھے۔ یہاں تک تھا کہ وہ کرا کے سوا کوئی نہیں ہوگی مولوی صاحب نے
 ہاں کہہ کر اس کا نام بدل دیا ہوگا۔ یہ کہہ کر ان کا ذکر نہیں ہے۔ جہاں
 جھک میں آتی ہوگی۔ مجھے یہ سب ایک غاب معلوم ہو رہا تھا۔ میری انھوں
 میں ملن ہو رہی تھی اور میری گیس جیسے کہ کہنے سے لے لے لے لے لے لے لے
 اتنے زان کے ہاتھ میں نہیں اور دیکھیں چوڑی سے ہماری ہوتی تو ہاں بھنی کی
 دوڑیں تھیں۔ انھوں نے پیشین ماں سے کہہ دی کہ اور اور کرنے کے کم کچھ
 کھائیں۔ جیل نے دل میں تو کچھ لیے لیکن مجھ سے ہاتھ نہیں ڈھکا یا میری
 نے زیادہ اور کیا تو جیل نے آہستگی سے کہا۔ بڑے صاحب! اس کی طبیعت
 بھیک نہیں ہے۔
 "عصیب دشمن کیا بات ہے؟ یہ منزل شائستگی سے بولے۔ آپ ہوا
 ہلنے سے یہی ہوتا ہے۔ یہ ملازمہ ہم کو لیں کراں آتے ہر عورتیں ملتی

ہوئی چیزیں نہیں ہیں، گھر کی ہیں کچھ کھانا دیاں! اللہ نے جانا کچھ نہیں
 نہیں میں نے آہستگی سے کہا۔ میرا ہی میں چاہ رہا ہے۔
 "تو یہ لڑکا لڑکی کے ہیں میری بیٹی نہ چہرے تھے میں نے
 صاحب بھی بڑے شوق سے کہاتے تھے۔ "میرلی نے ٹیٹ میرے
 "میں نہیں میری آواز زندہ ہونے لگی۔ آپ۔۔۔ آپ کیا ہوا
 "مولوی صاحب، میرلی آپ سے تھے؟" "جیل نے فوری سے
 "میں مال سے کچھ زیادہ ہوئے ہیں گے۔ میرلی نے مذہب
 جواب دیا اور اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میرلی نے غریب یاد
 رمضان نمازوں نے ہیں گزارے۔ یہ تیرہ روز تھا نا؟ دوسرے لوگوں
 ہلا کے ماند کی۔
 "آپ لوگوں نے انھیں کمال کاں ٹھوٹا؟" "جیل نے پوچھا
 "اور ہر چیز کا کیا کرنا ہے؟ اور اور ہر چیز کو لے کر لے کر لے کر
 "نوریکہ دودھ جتنے شہر تھے جہاں جیل لگ جاتے ہے، انھیں تو لیں
 "آپ نے پولیس کو بھی بتایا؟"
 "ہاں بھائی! میرلی کا بھی بار تھا۔ نہ تو لال کے بچہ گناہے ہا
 کے باغی لوگوں کو درمیان میں ڈالنے کی کوشش کی گئی تھی۔ میرلی
 ان کا سامان ایک کھڑی میں بند کر کے لا ڈال دیا گیا۔ میں نے انکی
 کے لیے مکان خال کھا ہے وہاں جاتے ہوئے بھی ہل آئے۔ بڑے
 وہاں دو چھوڑ دیتی ہے۔ بچی کمتی ہے کہ وہ لوگ اچانک آگئے نا
 کہ گھر گنا گنا تھا۔
 "جس دن میرے مولوی صاحب دکان میں نہیں دیئے اس سے
 لوگوں نے ان کے پاس کوئی کرانے جاتے تو نہیں دیکھا تھا؟"
 "پولیس نے بھی میرے پاس کوئی کیا تھا۔ گھر میں کسی ایسے
 دیکھتے ہیں سال کی مدت ہیں ان سے کوئی نہیں آیا۔ دونوں کا
 ایک دوسرا ہی تو مال ہے۔ اس طرف کی اونچی آواز آگئی
 "جیجی خواتین کے لیے آئے جاتے کے لیے کھڑکی ہی ہوتی ہے۔
 میں غور غور ہوتی۔
 "اور دیکھ مولوی صاحب سے کہ ان لوگوں کا ملنا ملنا تھا
 جہاں تک میرے علم میں ہے مسجد کے نمازوں کے اُسے
 مہاراجہ جاتی کے ہاں آئے جاتے فالوں کے سوان کا کوئی جاتے
 میں نے آپ سے کہا کہ وہ خود ملنا دینا اپنے نہیں کرتے تھے ہا
 کہوں گا کہ وہ نہ لے کر کھانک لوگوں سے ایک ٹھک اپنے
 میں انھیں جو بھی لگ گیا۔ شاید وہ ایک ہی بار گئے ہوں ہیں۔
 جاتے تھے۔ تین سال میں وہ ایک بار وہ بھی دھاتی دن کے
 یہ ان کے جاتے سے کوئی ڈیڑھ دو جینے چلے کی بات ہے۔ یہ
 ایک دفعہ میری شریف ملنے کے لیے آنا ہو گئے تھے۔ میرا خیال

میں چھوڑ دیں گے انھوں نے تیری کو بھی ساتھ لے چلنے کی خوش نماہر
 انہاں نے گھر سے اپنی دونوں بچہوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ ہم
 فوری سے کہہ جاتے ہیں۔ "جیل نے ہلکا کر۔
 "جی ہاں۔ میرلی نے آپ انھیں بچ کے جواب دیا۔
 "اور اگر میری شریف کے سوا آپ کیں نہیں گئے؟"
 "میں کھدات تو آئے جاتے ہیں گھر آتی، اگر میری شریف میں نہ میرلی
 "جیک کے کما۔ سسر سے دایہ پڑہ بہت خوش تھے۔ میں نے کہا کہ اب
 سے باہر نکالیں۔ طبیعت ہل سے کہ انھوں نے وہ کہہ کیا تھا کہ میری شریف
 تھہ دل ملیں گے اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیٰ کی دکان پر ہماری دس
 "جیل خانوٹس بیٹھا کچھ دیر تک سوچتا رہا اور اُسے آیا ہوا دودھ
 شربت پتار، پھر میرا لڑا تھا کہ اُسے لگاتے بڑے صاحب! اب ہم
 "ن وقت آئیں گے۔ آپ کا ہم نے بہت وقت لیا، اب میں جانا ہوتا ہوں
 "وا صاحب! اور اُسے لے کر آنا سوال۔ آپ میں سے کسی ساتھ رہیں گے
 "نہ چھوٹے بچہ میں آپ کریں اور میں میرے دل کا آپ کا سامان
 ان لکھا ہے۔"
 "میرلی سامان تھا، وہ ہم نے ایک کون پر رکھ دیا تھا۔ آپ کی ہون۔
 ان ملنے نہ ہو پھر نہیں گئے۔"
 "نا صاحب! یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ میرلی میں میرے تو میرے عزیز
 نے میری شریف کے گیسے آپ سے کئی دفعے کھاتے ہیں۔ ایک تو آپ مولوی
 صاحب کے مزین ہیں اس شہر میں مجھ سے زیادہ کوئی ان سے قریب نہیں تھا۔
 "میرلی سے کہہ کہ ہم تیرے سب سے پہلے آپ کی بھی سے بات
 لی ہے۔ انھوں نے کہا کہ آپ نے مجھے کسی بات نہیں سمجھا۔
 "جیل نے بہت متعجب کی طرح میری منہ کی ایک اپنی بات پر اُسے
 "جیل نے میری شریف کے آفرامہ ہو گیا۔ میرلی نے اُس وقت ہم سے دکان کا
 پوچھ کے ایک ایک آدمی راہ کو رکھا کہ ان کا نام لے کے ہمارا سامان اٹھا لے
 مالک رات کرنے کا کہہ کر حضرت ہو گئے۔ اور میری شریف لے کر میری شریف
 "میرلی نے جیل کے تو جیل سے قریب آگیا اور اللہ بھائی میری شریف سے لے کر لے کر
 "اتنا میں نے کچھ لگا کر رہا ہوگا تو ذرا اپنے آپ کو قہار کر دے کہ ہاں رہا
 "ی طرف دیکھتے تھے کہ ان بات اور پتے ہو گئی تو اس کی بڑائی ہو گئی۔
 "اچھا! ہر سچے میں وہ نہیں لگتے تھے۔"
 "میرلی بہت لگا رہا ہے۔ میں نے اسے نہ سکتے ہوئے کہا۔
 "مجھے ہے پڑ پڑی انھوں میں ہی بند نہ کر۔
 "لوگ اس باتیں کہہ رہے تھے؟ کیا کہہ رہے تھے؟"
 "میں نے تھکے پھر لگا میں سننا ہے۔"
 "میاں سے چلے جانا۔ اگر کھڑا رہا ہے۔ یہاں میری شریف کریں گے؟"

"کیا اس کے گھر کے کہہ کر اتنی جلدی چلا مانے گا؟"
 "بڑہ ہے کہاں۔ اس کا ملنا میرے قصب میں نہیں ہے۔ میری
 "جیکان بندہ گیس۔ وہ میں میں گے بھی نہیں میں گے۔ میں نے بکتے
 ہوسنے اذائیں کیا۔
 "کچھ سوچا کچھ کھلا ڈالے اتھے کہ نہ سن کے خوش ہونا چاہیے کہ وہ
 غیریت سے ہے عورت سے رہ رہی تھی۔ یہاں کے کسی بھی اس کا کچھ ہر
 چلتا تو کیا کر لیتے۔ وہاں کھلنے کی آواز آئی۔ جیل نے میری سے میرے کہو
 پوچھے اور میرا زو قہ تھلے ہوئے ہوا۔ "اسپین تو کچھ اس کا خیال کر لے۔
 "چائے پیو۔ میری چائے کی پالیان لیے ہوئے جیک میں گئے۔
 "آپ بہت کھٹ کر رہے ہو بڑے صاحب! اہانت کو نہ جیل نے
 اٹھ کے ان کے ہاتھ سے چائے لے لی۔
 "کھٹ کسین تناب! یہ تو میں راحت ہے۔ آپ نے سنا میں کمال
 "نوریکہ لائے ہیں باتوں باتوں میں مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ میری شریف سوار
 ہو گئی آپ کو ملنے کی طلب ہوگی۔ آپ مولوی صاحب کے دن کے ہیں۔ آپ
 حضرت جاتے شوق سے چپے ہیں گے۔ مولوی صاحب بتاتے تھے کہ ان کی طرف
 ناشتے میں چائے کا علاج ہو گیا ہے۔ یہاں بھی اب بہت سے گھڑوں میں
 یہ میری شریف ہے۔ مولوی صاحب ہانا ملنے سے متعجب رہا۔ چائے پیتے تھے انھی
 کی دیکھو بھی ہاتھ کے گھر کے پتے بھی عادی ہو گئے۔ "میرلی کدے ہو پڑے ہو
 لیے رسال سے اپنی آنکھوں کے گزشتہ مات کرنے لگا۔ اور عادی سے بولے
 "دیکھ صاحب! اگر کوئی کھٹ کر کے تو شکایت ہوگی کہ گھڑوں بچال بھی پوچھ
 رہی نہیں۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو دکان سے لے جیجے گا۔ میرلی میں
 گھر کا تھکے چائے گئے انھوں نے بتایا کہ ان کی بوی باجی کا ہاتھ میری شریف
 میں سب سے بڑا اور کچھ فوٹ ہو گیا ہے۔ وہ اور کچھ کچھ کچھ کچھ کچھ
 کر رہا ہے۔ ایک ایک کی شادی ہو گئی ہے۔ وہ ہے پوچھ اس پر خورہ کے ساتھ
 "تھیم ہے۔ دو لوگ ان اور ایک اور سالہ لڑکا انھی کے ساتھ ہیں۔ میرلی کی ایک
 بچی چٹکے چل رہی تھی۔ میری شریف بہت زمینیں بھی تھیں ان سے ہر سال کچھ
 کچھ آمدنی ہوتی تھی۔ وہ مولوی صاحب سے صرف دس روپے مکان کا لے لیتے
 تھے۔ یہ بھی ان کی زندگی۔ مولوی صاحب نے کرائے کے غیر رہنے سے انکار دیا
 "خانیہ ملی! یہ ایک اپنے ہاتھ سے جاتے ہے۔ اس خانیہ ان کا آدمی ہمارا
 سامان کے لے گیا تھا۔ میرلی نے غریب کی ناک کو چلے گئے۔ انھوں نے ہم سے
 ناز کے لیے نہیں پوچھا کہ میری شریف لائے ان کے لائیں جلدی اور بھیک
 کا دروازہ کھول دیا۔ یہ دروازہ دوسری جانب سے گھڑیں کھٹا تھا اور شاہ
 اسی خیال سے بنایا گیا تھا کہ ممالوں کو کوئی تکلیف نہ ہو۔
 "میرلی ناز پڑھ کے دایں آئے تو جیل نے مزاح سے کہہ کر دیکر شریف
 ہل کے بڑی کے کش لگا رہا تھا۔ میرلی نے اپنے جھوٹے لڑکے کی مدد
 سے دوسری چابی انھی بھیک میں ڈال دی اور میری شریف ناز سے چابی انھیں

پرفیڈر لیزنگ لایہ میں اپنی نگہ میاں دیاں میں جھل سے بھرتے کوئی بات نہیں کی تھی جیسے میں دیاں جو دیتی نہ تھیں میں نے سچ رکھا تھا کہ میری سلی واپس آئیں گے کہ جس طرح خبری ان سے کوڑا کوڑیوں کا کین انھیں آئے مرنے دیں جو کئی ان کے سامنے اس کا نام ہی زبان میں نہیں اسکا بھجے نہ گئے لگا کتا کہ نہ ملے وہ اس کے پاس سے کیا باتیں میں گنگ بھینچا اپنی بکریں لکھال جھیلدا میرے مرنے خود بھجے پورے جو کس پر دھاک تھی باروں میں آئی کہ جھل کو دین چھوڑ کے باہر چاک ماؤں۔

”کیا سچی ہے ہو؟“ غصہ میری دل سے تیرا پاس سے کر لے تیرے لئے پوچھا۔

”اب طبیعت سیسی ہے؟“ چھوڑ دیا آکا کوڑا کوئی بات جیت کر دیا۔

”جیت کر گئے تری بیلا کو تھاری عورت تو ہماری زبان کو زور نہیں دیا تھا۔ کیوں پڑھتے ہو؟“

”جی نہیں میں نے زہر لب جواب دیا۔“

”چھل نہ منفر ہے؟“

”ہاں چھل نہیں۔“

”کچھ تو فرما کر تے ہو گے؟“

”میں نے جھل کی طرف دیکھا تے اس نے ابھی پٹھانی ختم کی ہے۔ میرے بھانے جھل نے جواب دیا۔“

”ما صاحب زارے ہیں ما شاد اللہ؟“

”ہاں نہ چلے لیا کیا کچھ ہے؟“ جھل نے ہلے ہوئے لولا۔

”اچھا مینیر مل گئے تھے؟“ ادا تو دوا تھی بھی کچھ ہوتی ہے۔ شاد اللہ

”تعلیم کس کس حال کی ہے؟“

”مولادیہ پڑے پاس کیا ہے لاڈلے نے؟“

”اچھا اچھا مینیر ملی کی انھیں چھلے گئیں۔ آئی تم عری میں ابھر تو یہ عالم ہاں بڑے چھل جانی مرنے سے کوئی ایسی دینی بات نکل جائے تو نظر انداز کر دینا مینیر میں اب میں نے خرچ کیا لیا۔“

”ادو ہر تھان میں پلے نہ پڑا آیا ہے؟“ جھل نے بتایا۔

”غیب اندر گھر میں پڑا ہوا کیا باب کہ مینیر ملے جھل دیاں میں گئے پھر کچھ توقف کے بعد بولے۔ مولوی صاحب بدل سے آپ کا کیا رشتہ نکلتا ہے؟“

”جھل کو جواب دینے میں بچکی ہٹ ہوئی۔ تو قرب کا ہی بھو لویہ لیتے ہاں سے کیا ہوتا ہے۔ رشتہ تو سمجھنے کا ہوتا ہے اب آپ کاں سے کن مارا رشتہ تھا؟“

”بلے شک سب سے بڑا رشتہ تو اہریت کا ہے۔ جو میری وہ آپ کے کیا گتے تھے؟ معاف کیجیے مولوی صاحب سے تعلق خاطر کی وجہ سے ملانے کا اشتیاق ہے۔“

”جانی کر لو۔“

”جانی! مینیر ملنے سے تعجب سے کہا۔ مگر۔۔۔ مگر۔۔۔“

”مگر کیا؟“ جھل نے چونک کے پوچھا۔

”مولوی صاحب زارے تھے کہ ان کا کوئی جانی نہیں ہے۔“

”جانی موت کے ہی ہوتے ہیں؟“

”نہیں مینیر مینیر مذمت سے بولے میرا مقصد نہیں ہے ایک دوا میں مولوی صاحب سے ان کی بکری زندگی کے متعلق پوچھ رہا تھا ادا زرا اپنے پاس میں کچھ باتیں نہیں تھے عورتوں دن نہ ملے جس عالم میں تھے بہت ہی باتیں کہہ گئے۔ کتنے کتنے قریبی عزیزوں میں تو ایک بکری تھی۔“

”اے میں ابیاری کتنا چاہیے تھا۔“

”کیا مطلب؟“ میں بھجائیں۔“

”زہر پوچھو تو میرے بڑے صاحب آ۔“

”کوئی مضائقہ نہیں؟ مینیر تیری سے بولے۔“

”آپ نے غور نہیں کیا ان کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ ان کے منہ تو اس کے تو کچھ عزیز ہو سکتے ہیں۔ وہ بچوں کے پودوں میں کے لیے تو انھیں بھولنے کی پابندی نہیں تھی۔“

”نہیں جناب! بالکل نہیں مینیر ملنے تو دوسرے کہا۔ میں آپ متفق ہوں اور کچھ سمجھنے کی کوشش بھی کر رہا ہوں مگر آپ کا تھی مدت ہر اچانک ان کی یاد کیے آ گئی۔“

”ہم انھیں مدت سے کھج لے رہے ہیں۔“

”مینیر ملے بلوہ نے اور تھلے گئے۔ آپ کی باتوں نے عجیب کچھ میں ڈال دیا ہے۔ شروع شروع میں مولوی صاحب کی موجودی میں ہی کچھ پیرا نہیں ہوتی تھی۔ انسان کا ذہن ہے۔ آدمی جو میں سوچنا بہت اذہ۔ سوچتا ہے۔ مولوی صاحب جب یہاں تشریف لائے تھے تو لوگ طرح کی باتیں کرتے تھے۔ بولیں ان کے حسن اخلاق اور شرافت نفس سے سر چپ کر دیا مولوی صاحب کی گوشہ نشینی اور عورتوں ہی لوگوں کے لیے ا باعث ہوتی تھی میں آپ سے نہیں پوچھوں گا کہ وہ آخر کیا بات تھی ما ایک آدمی بولنے کی حیثیت سے تھے جو سب سے مگر معاملہ آپ کا ہے کہ آپ خود نہیں بتائیں گے میں آپ کو مجھ میں کون گھبراہٹ میں ملے گا۔“

”میں نے بڑے توجس بھی کھی کی طرح غامض انداز میں جھلنے جتنی خبر آہر میں کیا بتاؤں وہ کسی تو کئی شخص نہ گراہ کہ میں نے اسے اپنی زہر سے کبھی نہیں سمجھا۔ وہ بھی کئی کی طرح بے لوث لڑائی تھی۔ مجھے ابا جان گھر میں نہ رہا وہ ادا کے لیے کوئی چیز اسے نکال کے بیٹھوٹیں آؤ کبھی کوئی ایسی چونک بھاتی تو زہر وہ سے لڑائی۔“

”میں نے کل پچھے جانے سے مینیر ملے اچانک کھڑے ہو گئے۔“

”فصیح دیے ہاں بیچک میں، ادا بڑا تھا۔ اس کے کپڑے گدے سے ادا ہوتے تھے۔ دوا تھی دھبی ہوئی تھی۔ وہ آتے ہی پٹی پٹی ہوتی تھی۔“

”مینیر ملنے سے تیری سے بڑے کہ اس کا شاد تھا لیا اور کوڑا کوڑی ہوتی آواز میں بولے۔ ارشد دیاں! کہاں چلے گئے؟“

”میں تھا۔ آئے دولا بھجی ہوئی آواز میں بولا۔“

”کہاں چلے بیٹھے تھے؟ پرتے ہیں دن ہو گئے۔ مارا شریحان ارشد کے لیے مجھ کو بڑے پوزوم کو۔ تاکہ مایا کو چاہے کتنے ہی دن کے لیے مایا کے اعصاب میں اب اتنا دم نہیں ہے۔ آئیے میں عورت بھی سنا چکی۔ خدا کرے کہ تو دیکھو۔“

”ارشد دیاں! جی کے کنارہ دیاں نے اسے بیل بارہو سے دیکھا اس کی عورتوں میں تھی میری انھیں باہر کئی بکری سلمی ہوتی تھیں۔ دھبی غامض تھا وہ بارہو لفظ آتا تھا۔ میرا بھانجہ ہے۔ میری لڑکی ہے۔ میری لڑکی ہے۔“

”جھل سے کہا، چارلڈ سے بولے۔ یہ چلے ماماں میں مینیر صاحب ادا ان کے بیٹے غریباں۔ یہ مولوی صاحب کے عزیز ہیں۔“

”مولوی صاحب کے عزیز؟“ زونان کی انھیں چھوڑا گئیں۔

”بہت ہرمان لوگ ہیں میری درخواست قبول کر لی اور دیاں نیام ہرماہ ہو گئے۔“

”مولوی صاحب! ارشد نے مرث بتاتے ہوئے پوچھا ان کا کوئی؟“

”نہیں بیٹے! یہ غور نہیں نکال کر تے ہوئے آئے ہیں۔ مینیر سلمی بڑی سے بولے تو ادا کے مینیر میں جھانپ کر صورت دکھا دے وہ سب بہت بچان ہیں پڑے بھی بدل لیا۔“

”ارشد زہرہ نظروں سے میں گھر نہ دیا مینیر ملنے دوبارہ اسے ٹوکا۔ وہ ادا کا لگا بہت معلوم نہ لڑا کہ اسے اس کے مینیر ملنے پڑھوٹ کر سے بولے۔ چھوڑے سے اس کی طبیعت میں عجیب انقلاب آیا ہے۔ نہ لہانے کا کوشش نہ پینے کا۔ کسی سے بات کرتا ہے نہ کسی کی سنا ہے۔ آپ نہ حالت دیکھی؟ رات رات جھڑن دن جھگڑے غائب رہا ہے۔ لوگ دوسرے تھلا کر کے لاتے ہیں۔“

”کیا میرے؟“ جھل نے تجسس سے پوچھا۔

”چھوڑ چھوڑ میں قسمت کا میرے کچھ مجھ میں نہیں آتا کیا ہو گیا ہے۔“

”مینیر ملے اپنے ملے پڑا تھا کہ کہ اسے سے بولے۔ اچھا غامض تھا۔ میں پٹل لفظ کا نالی میں تھا کہ اب میری یہ خیال ہے کہ اسے کہ لفظ گئی ہے۔ بہت سولا لگاں روزہ روز حالت، بھوٹی ہی گئی۔ باپ کا انتقال پہلے ہی ہو چکا تھا اس لیے میری گئی تھیں یہاں لے آیا۔“

”مک سے ایسا ہے؟“ جھل نے تیری جھلنے ہوئے پوچھا۔

”کئی مینیر سے مینیر ملے مینیر سے بولے۔ کئی مینیر سے۔“

”جھل نے اس کے بعد کہ نہیں پوچھا اور مینیر ملنے کچھ بتا لیا زونان ارشد جھل میں دیاں نہیں آیا تھا ادا کی کوشش کی اذان چھوٹ مینیر ملے ناز کر چلے گئے۔ بیچک میں غامض جھانپ ادا جھل نے پاؤں نکلے گا چلوں گا۔“

”مینیر اس تک کے اس نے مجھے نوٹ سے اٹھا یا اور میرا لڑا نے سینے سے لگا لیا۔ لاڈلے اس کی آواز بھینچی تھی۔ وہ میرے گال زور دے سے غصہ تھا کہ لگا پڑا کہ مینیر نے لاڈلے! پوچھنے سے کچھ پتا چلا۔ اتنا زور نہ ڈال۔ اپنا نہیں تو اس کا خیال کر لے۔“

”وہ کچھ ادا میری جانتا تھا کچھ لڑکی ملازمہ مولوی کے کچھ سٹے لڑکے نے اس کے دسترخوان کا فروغ کر دیا۔ عورتوں میں مینیر ملے جی دوا میں کے ساتھ واپس آ گئے ان میں سے ایک شخص شام کو چائے ساتھ اچھا بھجلی نے مجھے دسترخوان پر کیا۔ میں چوب چاپ سب کے ساتھ بھجلی لگا کھانے میں قہقہہ کی چیزیں تھیں۔ بیچک میں دھبی مرث تھی۔ میں جھل جلا دیا۔ مینیر ملنے کو کچھ کھنے کا موقع ملے۔ مجھے معاف تھا، میں منانا انکاروں کا کہ جھل میں ہے ہی منانا میرے مینیر ملے کا مارا دنا تھی بڑھانے کا۔ کپڑے ان پٹوٹوں میں بھی کرانے بھی کہا اٹھا یا ہو اس کا ہاتھ تو زور دے گا۔ وہ دیاں بیچک میں ہی آئی بھگ۔“

”کھانے کے دوران میں وہ سب باتیں کرتے رہے۔ مولوی صاحب کی دولت و خلعت کے متعلق باتیں۔ جھل زیادہ تر سنا رہا۔ وہ لوگ رات گئے واپس ہوئے مینیر ملنے نے نصرت چاہی کہ جھل نے اسے روک لیا۔“

”اگر آپ کو نیند نہ آ رہی ہو تو کچھ دیر اور بیٹھو۔“

”بہر صورت۔“ مینیر ملنے گفتگو سے بولے۔ مجھے تو آپ کی کا خیال تھا وہ نہ تیری تو یہ جانتا ہے کہ رات بھر آپ سے باتیں کر تا رہوں۔“

”مجھے صاحب! آپ بل لے تھے کہ مولوی صاحب یہاں بہت خوش تھے اور ان کا دیاں سے جالے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ پھر ادا کی یہ کیا ہو گیا؟ میرا مطلب ہے آپ نے ان کا سامان بھی دیکھا؟“

”دیکھا نہیں جس رات یہ حادثہ پڑا۔ میں اتنا سامان بھرا ہوا تھا۔ میں نے اندر ہونے سامان دوبارہ ترتیب سے رکھا پھر شاپ میں نے آپ کو بتا تھا سب سامان ایک کو عری میں بند کر دیا۔“

”کیا آپ مجھے دے سامان ایک نظر دکھا سکتے ہو؟“

”مینیر ملنے کے گھر بولے۔ میں اسے ان کی امان سمجھتا ہوں۔“

”میں مرث دیکھنے کی بلیت کو دیا ہوں بڑے صاحب! شاید کوئی کام کی بات کا پتہ مل سکے، شاید کوئی کاغذ پڑھ لیں۔“

”آپ چاہیں تو دیکھیں۔“ مینیر ملنے دیکھا کہ تیری کس۔“

”کی گھاسی اس کی تیری تیری چلی جائے جو میری نظر سے روک رہی ہو۔ بولیں پولیس دوا سامان نکھڑا دیکھی۔“

”آپ نے فرمایا ہے کہ آپ مولوی صاحب کے عزیز ہیں۔ ان کے سامان میں بظاہر لڑکی کوئی خاص چیز نہیں تھی پھر بھی۔۔۔ معاف کیجیے۔ آدمی۔۔۔“

”ہاں ہاں! آپ کا خیال ہے کہ کچھ کاغذ وغیرہ ہو سکتے ہیں۔“

”دیکھا نہ دیکھی۔“ مینیر ملنے کی قدر تھی سے کہا۔

آپ جھک جھکے ہوئے صاحب آجکل نرم لمبے میں ہوا۔
 آپ کے لیے بہت ختم ہیں۔ عمارتوں کی دل شکنی کسی صورت
 میں رہائش ہے۔ آپ کچھ اتنا تصدیق مت کیجیے۔
 جھل ہنسنے لگا۔ بڑے صاحب! چھوڑو۔ میں نے یہاں ہی بول دیا
 تھا پارس والوں نے اور آپ نے سب کچھ کیا ہے تو جھک ہے۔
 میری دل زیادہ دیر میں مٹے۔ رات بھی بہت عمر گزری تھی جھل ہنگ
 پریٹ کے کہنے کے بغیر شرب ہی نہاتے میں ڈوب گیا تھا۔ یوں ہی
 جب گئے بھونکتے، سکوت دم پر ہم بوجھ لائے جھل رات بھر کھانا ادا
 بیڑاں پتہ مارا میری جانتے ملتے لالین کی جی تم کر گئے تھے۔ جھک میں صحت
 چھل جاتا تھا۔ لاڈلے رات کے کسی حصے میں جھل نے بچے پکارا۔
 "جھل! میں نے جھکاری بھری کیا ہے؟"
 "سونا کیوں نہیں ہے؟"
 "تم بھی تو میں سولہ ہے ہو؟"
 "نہ کچھ دکھ رہا ہے۔"
 میں اٹھ کے اس کے حلقہ چلا گیا۔ لاڈلے ہاؤس۔
 "انا۔ انا۔ اس نے کہتا ہے مجھے میرے ساتھ بچہ دیے۔ میں نے در
 کے لیے ہاتھ اس سے چھڑا کر اس کا سر دبانے لگا۔ جھل کے ماتھے
 کی نیس انجری ہوئی تھیں۔
 "آئی جڑیاں کیوں جیتے ہو؟"
 "کوئی بڑی مزل ہی نہیں ہے۔ میری نگاہیں سالانہ کا پتا ہے۔"
 "میں تم سے ایک بات کہوں؟"
 "بول۔ اس نے تمہیں بند کر کے۔"
 "محکمہ والے گئے نہیں تم سے کچھ مناسبہ کار ہے۔"
 "مجھے تپے لائے کہ کوئی بات لگے گا۔ یہی بولے گا کہ میں اڈا
 چھوڑے۔ میرے من رو گئے، ہمارے پریشان ہوگا۔ تمہارے پیچھے وہاں نہ جا سکا
 ہوا ہے۔ اور ہر ذیل تمہاری روک ہو گی، ہوگی، مجھ سے زیادہ تمہاری انہیں
 ضرورت ہے۔ یہی ہونا چاہتا ہے؟"
 "ہاں ہی کچھ۔ اور میں کوئی بے جا بات نہیں کر رہا ہوں۔ میرے
 وعدہ کرنا نہیں کہ میں طرح طرح ہوا، واپس آجاؤں گا۔ مبینی کی طرح میں
 کون کا کر اس تمہاری ضرورت پڑی تو فوضہ کھوں گا۔ میں اپنے آپ کو
 سنبھال کے رکھوں گا۔ آخر جب تم نہیں تھے تو میں میں نہیں نکاس کر دیا تھا۔
 چھریاں واپس نہیں آگیا تھا۔ مجھے اتنی جلدی موت میں آگے کی آتی تو
 بہت پہلے آجاتی۔"
 "لاڈلے مانی! کیا ترسے پاس بولنے کے لیے کچھ ادا نہیں ہے مجھے
 تمہی یہ ایسی بھی نہیں گنتیں۔"
 "ادب ہے۔ یہ اچھا نہیں گنا کر تم کی گھر گھر دازیں لگاتے چھوڑو۔"

کبھی بھی دل کرتا ہے مجھے خوب دلاس۔
 "تو لائے کیوں نہیں پہنچے تم کی تڑپ کو کچھ نہیں ہوگا اس منہ
 نہیں تو وہ بھی نہیں لگے گی۔ کال میں خود یہ کر سکتا۔"
 "او۔ او۔ آہ اپنا منہ لگنے کے لیے اس کو اتنا زیادہ تیرا ہی
 ہی جاتا ہے بڑے جانور کی طرح دیکھ جال کے چلا کر کر۔"
 میں نے چپ سا مدلی اور استراستہ اس کو سزا دیا۔ ہلچل
 ہی صدمہ تھا کہ یہ گفتگو بہت جلد سے جھری میں منہ نہیں کر سکا تھا
 میں نے سنے کر لیا تھا کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہوں گا۔ رات کا
 آخری حصے میں جھل کی آنکھیں جلدی ہوئے تھیں۔ میں اپنے ستر پر چلا
 میں نے اپنی لاگوں سے آگے کے اپنے جیسے پڑا لی۔
 میری تل میں مل اس صبح ہوگا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ نماز سے
 ہو کے جھک میں آئے اور اس کے بعد رات کی بات پر وعدت چاہنے
 مجھے ماری رات سے پہلے ہی کہیں آپ کی دل آواز تو نہیں ہوتی؟
 نہایت زور سے میں بولے آپ جب چاہیں مولوی صاحب کا سا
 بچھ سکتے ہیں۔
 "بڑے صاحب! رات گئی بات گئی۔ جھل نے اونی آواز میں کہا۔
 "میں صاحب! بات ایسے نہیں جاتی۔
 جھل نے زیادہ اشتیاقی فہر میں کیا محرم میری تل نے نانتے کا
 بعد میں سے اٹھنے کی اپنی ادا میں اپنے مکان سے ملنے ایک دوسرے
 کے دروازے پر آئے۔ یہ مکان میں ضرور مولوی کا بنا ہوا تھا اور مانتا
 تھی جیسے کسی تلے کا دروازہ ہونا میری نظر میں گئے۔ کبھی اس مکان کا
 دیوار میں کوئی رات تھی۔ یہ دروازہ اس نے ہا مولوی صاحب کی لیے
 ہاتھوں سے کھولا ہوگا۔ دروازے پر اس کی آنکھوں کے نشانات اب بھی
 کہیں وہ جھل کے دروازہ کھلنے میں دیر ہو گئی۔ میری تل نے پہلے ہی اپنے
 روٹے کو اندر سے کھڑی کر کے لیے بھیج دیا تھا۔ دروازے کے ساتھ
 طرف اینٹوں سے چھپی ہوئی اونچی دیوار تھی اور اوپر کسی روشن دان بنے
 تھے ان دیواروں سے اندر داخل ہونا اس میں تھا۔ کوئی میری نگاہ
 نہ چھپ سکے اور ہر جا سے ایک سے مکان سے چھت چھت ہوتا
 پہنچ سکتا تھا۔ دروازہ کھلنے ہی ہم ایک کو گھری ہی دھڑکی سے گزرتے
 بہت کم ہی کہیں دیوار سے آگے ایک کشادہ اور روشن محل تھا۔
 تھیں پڑا ہوا دیواران تھا اور اندر سے تھے۔ خوش بچا تھا کسی جگہ
 بھی پڑا ہوا نظر نہیں آتا تھا۔ میں ایک جانب بری کا درخت چھل
 چھل پڑا ہوا اور گلاب کے پودوں میں چھل کھلے ہوئے تھے سفید گلاب کہ
 ایک کونے میں چھت چھل گئی تھی اور چھل کے گئے شاخوں پر چھل
 تھے کیا دیوں کی مٹی کی گلی تھی صبح وہاں ضرور پانی ڈالا گیا تھا۔ مکان
 نہیں تھا۔ رنگ بھی کچھ نیلا نیلا ہو گیا تھا۔ کہیں کوئی دروازہ صحت ہی
 لے ایک ایک رنگ کھل کے دکھایا۔ کہیں میں زیادہ تر کر رہی کے پڑے

تھی کہوں کے ساتھ بنے ہوئے طاق بھی مانتے۔ دیوار میں اس کے پیرا دل
 جزی سے دھڑکنے لگا۔ مجھے ایسا لگا جیسے کہ کسی تھکا ہوا اسکی اوٹ میں جی
 ہوتی ہے یا کسی رذن سے جھک رہی ہے۔ سامنے کے کمرے کا دروازہ ادا
 تھا ہوا تھا۔ یہ کیوں کھلا رہا ہے؟ میری تل نے تفرق سے اپنے چھوٹے
 روٹے سے پوچھا اور اس کا جواب سننے سے پہلے ہی کہیں میں داخل ہو گئے۔
 میں نے ان کے پیچھے پیچھے چلے آئے میری تل نے ہندو ہل کے ٹھک گئے۔ اندر
 پانی پانی پانی کھلا ہوا پڑا تھا۔ جلدی آہت پر وہ جوک پڑا اور پانی چھلنے
 کے اندر میں اٹھ گیا۔ اس کے گئے ایک چنا ہوا پڑا تھا۔ اور درمیان
 نہاں کب سے ہو؟ میری تل نے کسی تدر تھی سے کہا۔
 "جی۔ بہت دیر سے بہت دیر سے۔ وہ کب تو ہوتی۔ ولازم ہوا۔
 "اد میں اور نہیں پوچھ رہا تھا۔ میری تل نے جزی سے بولے۔ یہ گلیں
 نم نے کیا ڈال رکھا ہے؟ رنگ دار بال اس کا شوق نہیں کب سے ہو گیا؟"
 "جی۔ وہ گھبرا گیا۔ اس نے جلدی سے دوپٹا اتار کے جھک پڑا۔
 باہر اندر نظر میں گئی۔ ایک جانب مٹ کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے شہرنا لیا تھا اور
 اس کا ہاں بھی تبدیل ہو گیا تھا۔ آج وہ کل رات سے بہت بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔
 اس کا رنگ گند میں تین زردی ہاں تھا۔ چھوٹا ہوا تھا اور ادا میں کے گرد
 یاہ ملتے پڑے ہوئے تھے۔ وہ دھڑکے کھڑے لڑ رہا تھا۔
 میری تل نے اسے گھرا واپس جانے کا حکم دے کے باہر گئے۔ ان کے لیے
 چھوٹے میں ایک کینڈی کی عادی رہی۔ یہاں مولوی صاحب جیتے تھے۔ یہ ان کا
 خاص کمرہ تھا۔ اس مکان میں ایک چھوٹی کو گھری اور تین کمرے ہیں۔ ایک کمرہ
 اب میں کے ساتھ ہے۔ وہ دروازے کے طرف استعمال ہوتا تھا اگرچہ اس کے
 تھوڑی کی قیمت کم ہی آتی تھی۔ تیرا کر رہا ہے۔ یہاں نہیں مٹی رہتی تھی۔
 وہ ہاں مولوی صاحب کے کمرے سے ملنے کے ایک دوسرے کمرے کے دروازے
 پر آئے میری آنکھیں چھل گئیں۔ وہاں ایک بڑا کالا لٹکا ہوا تھا۔ میری تل
 کے جب سے چاہاں کھال کے اسے کھولا۔ میرے ہاں کو کھٹ پندھ لگتے
 یہ گڑ گڑنے لگے کہ میں کسی ٹوک آؤں۔ کھٹے ہوئے تھے اور ہر طرف
 دھن تھم کا مالان کسی کو ان کی طرح جا جین میں دے جانے والے اسباب تھے
 اندر تو زیب سے ہمارا ہوا تھا ایک چھوٹی میری تل کو دات کا ہاں اور پند
 ان میں وہ چھوٹیں میری تل کی گلی دان میں رکھا تھا۔ اس کے چھل اندر پتے
 ٹھک ہو گئے تھے۔ گلی ہوئی اندر کی خانوں میں آئینہ، شے دان، تیل کی
 پیشانی ہوا۔ ان کے پیچھے کے خانوں میں چائے کے برتن، چینی کی کپڑیں اور سب
 کے آؤ کے خانے میں کھانوں کا ڈھیر تھا۔ کہ میں کوئی کمرے سے قریب ٹوکا
 بکسری پڑی ہوئی تھی۔ یہ ان کا کل مالان ہے۔ میری تل کو ایک ایک
 بڑا کھینچا ہے۔ جھل اللہ کی آؤ کے آؤ کے خانے سے کتابیں نکال
 لے ان کے صفحے اٹھ پٹنے لگے۔ میرے ہاتھ پائوں اڑنے لگے۔ میری تل
 لے ایک ایک رنگ کھل کے دکھایا۔ کہیں میں زیادہ تر کر رہی کے پڑے

تھے۔ لیکن چھل دار اور مادہ ہر سے میں نے لڑنے ہاتھوں سے انہیں
 چھلایا۔ میرا جسم غم پر لگا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے میں کوئی گھبرا ہوا ہوں اس
 کے دوپٹے، شالوں، جھکڑوں، پٹوں، ٹرانے، چھلے، کپڑے، دھار، پٹیاں،
 "وہ ہمیشہ مادہ ہاں میں تھی۔ میری تل نے مولوی صاحب اس کی لیے طرح طرح
 کے کپڑے سلائے بہتے تھے۔ دیکھیے بہت سے کپڑے تو ان میں ایسے ہیں
 جنہیں اس نے پناہ میں نہیں یا صرف ایک ہی یا کبھی مولوی صاحب کے ہار
 پر کوئی جڑا ہوا لیا ہو۔ میری تل نے کہا۔ یہ اس کے لید میں معنوی زور
 اس میں نے محفوظ کر لیے ہیں وہ ہاں مولوی صاحب اپنے ساتھ لائے تھے۔
 جڑیاں انہیں نے ہیں۔ ہوائی تھیں۔ میری تل کی آنکھوں میں اس کے آؤ پر سے
 جھل لایا ہے۔ تھے اسے زور سے کچھ ایسا شوق نہیں تھا۔ میں کبھی کبھی
 ہاں میں تازہ چھل لگا لیتی تھی۔
 میں نے میری تل کو بھی کہا کہ کھل کے دیکھیں، وہ کو رہی کی تحریر
 تھی۔ مولوی صاحب کی تحریر ایسی نہیں ہو سکتی۔ یہی کا ہاں بھری ہوئی تھیں۔
 میں نے ایک ایک صفحہ لے کر دیکھا۔ اس کے کھٹے ہوئے فطری انہوں
 کے سامنے کو گھس کر رہے تھے۔ میری نظر میں کسی ایک جگہ پھری ہیں۔ یہ تھیں۔
 تمام لفظوں کی نشست پر خامت کیا تھی جیسے انہیں ناپ تول کے کھا
 گیا ہو۔ میری تل نے کھا گیا ہو۔ اس کی تحریر بہت مات اور گنتی میں چھٹی ہوئی
 چھت ہوئی تھی۔ میری تل نے کسی تحریر ایک لفظ کے بعد دوسرے لفظ کے درمیان
 خاماں ملا تھا۔ جہاں جہاں شل آتا تھا اس کے ہاتھ کی ٹریش مات پتہ
 چھت تھی۔ یہ جگہ کہیں کھٹش اور لفظوں کی طرح مات میں کھٹ پائی تھی۔ مجھے
 خیال آیا، شاید اس نے میرے لیے کچھ لکھا ہو کہیں کسی صفحہ پر یا انہیں ہو
 مگر وہ نام صفحت نہاسی وضو مات پر مشتمل تھے۔ الفاظ معانی، تاریخ، جہاز
 چھوٹے چھوٹے معلوماں میں ضمن میں اس نے اور کھنا خوب بھی طرح لکھا تھا۔
 بولنے میں تو وہ ادب بھی طاق ہو گئی ہوگی۔ اگر کسی شخص کی دل نشیں گفتگو کی
 مثال چھل سے دیتے ہیں کہ شخص سب باتیں کرتا ہے تو اس کے منہ سے
 چھل جڑتے ہیں کہ پڑا ہوا ہاں باکل مانتی آتی تھی۔ اس کے منہ سے اس وقت
 بھی چھل جڑتے تھے جب وہ ایک ایک کے لادو بولنے کی کو شش کرتی
 تھی۔ اس کے بچے چھلے دانت چھلے گئے تھے اور شاخوں میں گڑا ہوا پڑ
 ہاں تھا۔ اب تو وہ ادب دانی اور گنتی سے لڑتی ہوگی۔ مولوی اسماعیل بھی
 کی پائوں کتاب بھی میری تل کو ہوا۔ میری تل نے کہا کہ میرے ہاتھ
 ایک ٹوک میں مولوی صاحب سے متعلق مالان چھل ہوا تھا۔ ان کے
 کپڑے اور دوسری چیزیں میری تل کے ہاں کے مطابق یہ سامان ان کی میری تل
 نے صندوق میں بند کیا تھا۔ جہاں مالان صندوق میں آئے سے دیا گیا تھا۔ وہ ادھر
 آکر پڑا ہوا تھا۔ میری تل نے اپنے دو ٹوک بھی اس صندوق کے لیے خالی کر دیے
 تھے۔ مولوی صاحب کا اپنا سامان بہت مختصر تھا۔ جھل نے مجھے ہاتھ کے ان کی
 کا ہاں اور کافلات دکھا۔ ان میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ مولوی صاحب

51

اپنی بات جاری رکھی۔ آپ بلوگے کہ اگر کچھ کہتے ہوتا تو میں ان کو کھوج
میں آدی کہیں دودھ لائیں ان کا مکان خالی کہیں دکھا ادھر پس کر کوئیں
بلانا آپ نے ان کو کھوج میں سب کچھ کیا، چناک بات میں کی کہ آپ کو
شاہیندگار ڈالنے مرنے دو گنا تھا آپ کو پتہ اپنے اور دلیا آنے کا خوف
ہوگا اور جب بہت دن بیت گئے تب آپ کا شب بیدار ہو گیا، بڑے صاحب
کا نڈاں بیٹنے سے گل میں حنا آیا تو آپ کے سینے میں اچھا لپکے گا۔ آپ
سب سے چھا سکتے ہو پڑا پتے آپ سے نہیں
خجل تھے بڑی جلدی لگے مینرل بہت کی طرح راکت ہو گئے تھے
اور ڈھٹی ہوئی نظروں سے خجل کر دیکھ رہے تھے۔ ان کے جسم کا سارا خون
جیسے جسے بہت آ یا تھا۔ بڑے صاحب؛ خجل نہ بنے لیجئے یہ کہا۔
آپ کے لیے جانے والے میں بہت عزت ہے۔ ہم آپ کے ممان ہیں
آپ نے ہم کو ملوی صاحب کے نام اپنا پتہ گھر میں دکھا، ہم آپ کو ملوی
صاحب ہی کا نام پتے ہیں ادھی لیل دیں کہ جلا بند نہ کر کی طرح ہے۔ آپ
کو ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی جس ہم آتا ہی لول کتے ہیں تا تو بڑے صاحب؛
آپ سے میں کیا کہوں مینرل کی لپکائی آواز کر گئی۔ آپ ہی مول
کر رہے ہیں آپ ہی جواب دے رہے ہیں میرے کہنے کے لیے کیا اب بھی
کچھ باقی رہا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ لپکنا چاہیے میری سب از نام
میں لکھنا کہ کوئیں میں کچھ نہیں جانتا۔ بخدا میں نے اپنا دم دھڑکنے کی
گوشش کی تھی لیکن اس کا کوئی اصل میں لکھا۔ آپ دست کتے ہیں کہ میں
اس نتیجے سے غور مطلق نہیں ہوا مگر میں اپنی رباط کے مطابق ہی کر سکتا تھا۔
میں بروقت اللہ سے دعا کرتا تھا۔ میں اس سے زیادہ اچھ نہیں کر سکتا
تھا۔ میں ایک بار دعا آدی ہوں۔ دوسرے ماں کی جوان بیچوں بارہ دھن کا باب
ہوں تھے اور اسے انداز لانا کر دیا ہے۔ مرنے تک بہت بھل بھل کے رنگ
تک کے گداری ہے۔ میں جانتا تھا کہ کوئی بات مرنے سے کالوں کا تو کوئی ہم زوئی
میں کرے گا کہ سب کا بچی عزت اور دین سے میری سب کیا ہے میرا خا کے
بات کرتا نہیں نے لوی انھوں سے کچھ نہیں دیکھا تھا اور مجھے کسی جانب
سے کوئی شہادت بھی نہیں ملتی تھی۔ اس لیے میرا قیاس بھی تک خود دیا لیکن
آپ یقین کریں اور یقین کرنے کی کیا بات ہے آپ نے خودی کر دیا ہے
مجھے تو کوئی اصرار نہیں ہوا کہ ایک اپنی بے مردمانی کا احساس خود مری بہت
بہی بنائی کا خیال اور یقین کریں کہ فرد تھی۔ یہی باتیں تھیں جنھوں نے مجھے ہانپے
لکھا وہ شاید بڑا ہوتا اور مجھے آپ کے سامنے میں خیر نہ ہو پڑا تھا
میں بڑے صاحب؛ ایسا دست لولو ہم کو کاروا ہے کہ ایسی بات ضرور
ہوگی۔ ہر کوئی بندھا ہوا ہے۔ وہ اپنی تسیاں اسی ہی کاٹ سکتا ہے جتنا
یقین کرتا ہے کہ حرم جاتو ہے چاہیے گا۔ جہاں رشتہ جگ ہی خرق ہوا میں
کاٹ دو تو آدی کھلا تھا ہے پر محرومی رشتہ توجہ رشتے سے ادھرتیں چلا
چرا آدی مالوں میں اپنا ہوا ہی چلا ہے ہم آپ سے مفاتی نہیں مانگ رہے ہیں۔

ہم جو جانا چاہتے ہیں وہ ہم کو رستہ ڈالتے
ہاں بھائی ایک ڈالٹر لے۔ مجھ میں نہیں آتا، کہاں سے
ہاں ہم آپ سے کچھ جہاں گناہیں ہیں کاٹنے کا آپ ذکر کر رہے
سطح میں جو کچھ سے علم میں ہے آپ کے سامنے بیان کیا۔
اللہ تعالیٰ عافیت کرے مینرل سے جھجک میں چاروں طرف دیکھتے
لیجئے کیا ہمیں مینرل میں آپ کو تپا چکا کہ میں نے جس کی بی کی خوشبو
سکی۔ وہ ایک چھل کی حق چھل کی خوشبو ہوا دلیا میں کی باندہ تیر
مردانہ گئی اور ایسی ایسی جگہوں سے بات آگے گئی جہاں کے لوگ
سے واقف نہیں تھے اور ملوی صاحب بھی جن کے ہاں کبھی تیر
میں نہیں کہہ سکتا کہ تیر کا ذکر کیا کرے دوسرے گھر میں دوسرے
تیسرے گھر میں کسی طرح پہنچا۔ علم کی دوا یک تقریبات میں
جو بڑی ہی اس کی شرکت کو زیادہ ہو گئے تھے، زیادہ نہ رہتے تو آ
کیا سمجھتے۔ ان میں سے ایک تقریب تو انھی صاحب کے ہاں تھی
ملوی صاحب شام کو آکر لائیں کا کام کرتے تھے۔
کچھ لوگ ملوی صاحب کے اکل پوچھ رہے گئے۔ کچھ
کہا، سہاوا کہا، بعض نے انھیں دولت سے متاثر کرنا چاہا۔ ہم
خاتلی لاریت سے، اللہ تعالیٰ بیان کے پیش کش کی گئی کہ تیر میں
ایک مل کر خوار ہا جانے اور حق مری ہوگا جو ملوی صاحب
میں ہوتا تھا کہ ملوی صاحب کا پانے خات بھی نہ بھی ضرور
لیکن ان کے ارادے میں خوش نہیں ہوتی۔ میں نہیں کہہ سکتا آہ
سمجھیں مینرل کی زبان کو کھولنے لگی۔ آخری دلیا میں لانا
خان کا اور لڑکھا تھا۔ وہ ہر دوسرے تیسرے روز ہفتا
کیس دو رہا کہ میری بھائی سے کوئی قرابت نہ تھی، ہوگی لیکن
آنا جانا میں شادی دینی تک عود ہے۔ وہ بہت بڑے آؤ
میں رستم ہے بہت بڑی جلی میں بیٹے ہیں۔ اور ما
دلیا میں اٹھتے بیٹھے ہیں، گور جا کر زمینیں کاؤں مانگیر
کاؤں میں کچھ تھے سب کچھ ان کے پاس سے اور بڑے
آفتاب خان کے انتقال کے بعد سارا کچھ انھی کے ہاتھ میں
خون ہے مری بھی نہیں دوہو یہاں میں اور دلیا صاحب
کی طرف سے جب تیر کے لیے رشتہ آیا تو مجھے بھی حیرت
معلوم تھا لیکن میں نے ملوی صاحب سے ذکر دیا اور بہت
پتیا کر کہ جواب دے دیا۔ لانا صاحب نے دوبارہ قاصد بھیجا
کا ایک انارڈا کی پشت جوتوں زلیوں اور نقدی پر مشتمل
دوبارہ جواب دے دیا۔ انھوں نے ان جیتی خائف کی طرف
نے جو مروت چاہی لیکن یہ سلسلہ چلا رہا تھا۔ لانا صاحب قاصد
پر ہر کا وہ بھیجے رہے اند میں انھیں دلیا میں کرنا دیکھنی بار

مے دیکھی نہیں کیا کہ اور ہرے اتنے شدید تقاضے ہو رہے ہیں۔
رہا تو وہ خواہ مخواہ پشیمان تھے لیکن بے لانا صاحب نے براہ راست
کسی ذلیلے سے بھی ان تک بات پہنچانی ہو مگر ملوی صاحب نے ہی
پیدا ہوگا جہاں کی طرف سے ہیں دینا ہا تھا۔ لانا صاحب کی تربیت
ہاں میں ہوتی ہے اس کا مجھے بخوبی علم ہے۔ انھوں نے انھیں کہیں
بہت دیر کا دلیا کر لیا ہے اور دیکھا۔ لانا صاحب شاید آدی ہیں۔
آپ کے خوش حال تھے انھیں دلیا میں لے میں چنانچہ انھوں نے
شیں میں کی کہ کہ اپنی دلیا میں بولیں کہ کلاط فساد کے میں نے
کہ کہ وہ میں زیادہ خیر نہ دیکر اپنی آگاہی کو ارادہ ہوتا تو میں وپش
جاتا، پھر میں نے ملوی صاحب کی اجازت کے بغیر جہاں تک کہ دیا
وکی منسوب ہو چکی ہے۔ لانا صاحب چند دن تک فاکوش رہے مگر
ان کا اور لڑکھا گیا اداس میں کچھ تلخی کی بھی تیرش ہو گئی۔ مجھے تھاس
لانا صاحب کو کہ ان کا رخاں گزرتا ہوگا چنانچہ میں ہر روز نہایت عاجزی
ساتھ قاصد سے مدد کرتا تھا۔ میں نے عرف کا کہ کچھ جواب دیا مائع میں
میرا لے کے آیا کہ جواب دیا کیا ہیں، ثانی جہاں لانا صاحب ہر محرومی
لے کر کوئی کشش کریں گے میں نے نہ کہ ایک بعض ناخوشی باہیں ہیں دوسرے
لانا صاحب جیسے ذی حیثیت اور تیر دوا شخص سے رشتہ قائم کرنا پسند
کرے گا کسی بھی خاندان کے لیے یہ تعلق باعث عزت ہے۔ یہ میں
اس لیے کہا کہ لانا صاحب اپنی ذات اور شخصیت کی جنگ نہیں۔ میں
قاصد سے بیان کیا کہ کہ میں اپنی بچی نہ کہ کراشت کرنے کو تیار ہوں
کی صورت اللہ عزت میں کہتا ہے۔ کہنے کے لیے میرے پاس
سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ جہاں تیر اور ہر کہ لانا صاحب کے پاس میں کی
ت میں کسی انھی کچھ عرض کیا کہ خیر وقت کے لیے۔ اس کے بعد قاصد
ایہ بھیجے شروع کر لے اور وہی امداد کا کلا کلا شروع ہو گیا۔ ملوی
مکے جانے سے کوئی دوا دھ پیلے کی بات ہے، پیام ہر نے مینرل حتی
ان کے لیے پاس دیا کہ دیکھا تھا۔ لانا ملوی صاحب کے پاس کوئی
دلیا میں نہیں کہ کہ بات ہے بھائی، لانا صاحب کی بیٹی دور
مداہن سے کچھ بھی بھیجیں ہے خیرہ آج میں تو کچھ بھی کر سکتے ہیں
راہ میں صاحبیں اور شہرہ فیشن کا ان کے ہاں سے وظیفہ جاری ہے۔
اسے بہت سے ان کے خدو و خصل کا جو کہ کچھ میں چنانچہ لوگ
دلیا صاحب سے متعلق کسی معاملے میں رائے زنی سے امتیاز
ہیں۔ ظاہر ہے ناچے تجربے میں غصے میں گس رہے ہیں۔ جواب؛ مینرل
مال لے کے لے رہے ہیں یہی حالات تھے جو میں نے آپ کے سامنے
دینے کا یہاں کام اللہ کو مسلم
خجل کوں جھکائے گنگ بیٹھا مینرل نے بات ختم کی تھا
جہلی کرنا تھا، اس کی انھوں میں سر نہ دوسرے پڑے ہوئے تھے۔

دیکھ کر کھٹک چھایا اور مینرل کی کبھی مجھے دیکھتے کبھی نہیں کو وہ خجل کے منہ سے
کچھ کہنے کے لیے مضطرب نظر آ رہے تھے مگر خجل فاکوش رہا۔ وہ نہ کھٹکے لیجئے
میں بولے۔ آپ نے تو قہر دی؟
خجل نے ابنگی سے بھکاری ہری مینرل پر لپک ملوی صاحب
اور کر کے لیے دھامیاں مانگنے لگے کوئی انھیں اپنی اماں میں لکے مھر کی
اذان ہو رہی تھی، انھیں انھیں چاہتے تھے لیکن بعد سے انھیں آدی پوچھنے
آگیا۔ وہ ہم سے اجازت لے کے چلے گئے اور جلدیہ جیسے بڑھاپا
تھا۔ ملازمین کے لائیں جلدی خجل پنگ سے میں انھیں میں نے باہر
جا ہا ہا تو اس نے مجھے بھی سختی سے روک دیا۔
مینرل رات کے کھانے ہی پر جھجک ہی آئے خائف کھانے تھے
لیکن کسی سے کہا میں گیارہ بیٹے ملنے دے ہر کی طرح ہم سے بے تعلقی کرنا
کھانے کے لیے اور کچھ نہیں کیا۔ ہم جو ہم سے لولے میں کتے رہے۔ کھانے
کے دوران علم کے چند لوگ آ گئے تھے خجل نے کھانے کے بعد مگر دوا کہ
اس کی طبیعت کست ہے آئے والے لوگ آئے، آگاہی شہرہ سے کے جلد
ہی نصحت ہو گئے مینرل نے بھی خجل کا مدد کر لیا تھا۔ وہ فرار نہ کیا کہ ایک
پلیٹ میں آگے کا ترالے آئے۔ سوسنہ سے کچھ پلے آگے کھا لیجئے گا۔
انگلا تھا جو کچھ آگے انھیں نے دلی زبان میں خجل کو کہنا کہ خجل نے تھوڑا
مڑا کچھ دیا، باقی ہی وقت خود کھا لیا۔ مینرل نے اس سے بیچک کی کٹری لگا
دی اور اللہ تعالیٰ کی کو بھی کر دی۔
خجل ان کی موجودی میں ہی جاوڑا ان کے منہ دھاب کے لیٹ گیا تھا۔
میں نے بھی انھیں بند کرنے کی کوشش کی لیکن ایسا لگا جیسے میری سانس بند
ہو جائے گی میری گلوں میں ہر وہ ہو رہی تھی کہ زور زور سے سینہ بڑا ہاتھ میں
لے شام سے آپ تک کا وقت دینا کس طرح کا تھا۔ ایک بار سے دل
میں یہ خیال آیا تھا کہ شاید خجل ہی نے مینرل سے کہا ہے مجھے یہ سب کچھ بتایا
جائے اور شاید اسی لیے خجل نے بیان بیٹھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن ہے
اس کے اندر خجل کے دلیان مارا باز ہو چکی ہوا۔ وہ مجھے یہ بار کرانے کی
تکڑی ہو کر اب اس کی کشش ہے میرے وہ مجھے تھکا کہ میری نظروں میں
اس کی تصویر بھٹل پڑ جائے گی اس کا تیر کہ ہم جو مانگے گا۔
ایسی بے مروت باتیں ہر وقت سے ذہن میں بھلائی بہتی تھیں مجھے
ہر دن پوچھ ہوتا تھا کہ وہ کر کے ہائے میں ضرور کچھ جانتا ہے اور مجھ
سے جھوٹا بل رہا ہے میں مینرل کے خجل کے دلیان ہر لے موجود رہا تھا۔
اس کمال اب بھی میری جیب میں تھے میں نے اس کے کہہ میں اس کی خوشبو
سنگھی تھی۔ کسی لالچے میں کمال بھی ہوا تھا کہ اگر کھر کے اندر ہی موجود ہے
اور مینرل نے ملوی صاحب کے بلانے کی ایک فنی داستان میں سنائی ہے
خجل نے فیض آگے سے دانہ ہر نے پہلے ہی کسی آدی کو کچھ سے بیان
بیچ کے ایک شخص مینرل کو ہر کہ کیا ہے کہ ہم دو دوا کے سفر کے بعد مینرل نہیں

تو آغا ٹائیس سے ملاقات ہوا اور میرے سامنے ابا و اقدہ بیان کر دے۔ کچھ ہی دیر بعد یازدہم اپنے آپ ان خالوں کی نفی کر دیا تھا اور دیر لڑ کر خانا کھائیں اپنے منہ پر زور زور سے طہ پچھے اداں۔

باد بائیس برس سینے میں ہلک آتھی خنجر۔ میں یہاں بیٹھا ہوا کیا کر رہا ہوں لیکن بے وہ ہیلبر ہی میں ہوا اور انا نے اسے سب کی نفوس سے چھپا دیا جو کسی محل میں بند کر رکھا ہو۔ وہ ہیلبر باؤ تو بی بی کی کسی ملائے میں ہو سکتی ہے۔ یہ خیال آتے ہی سے عجم میں آگ بھڑکنے لگتی تھی نہ جانے اس پر کیا گوری ہو۔ مجھے یقین تھا کہ رات کو جب خاموشی چھا جائے گی اور میری سونے کے لیے چلے جائیں گے تو جھل جھل سے چلنے کو گاہے اسی لیے اس نے بیچک میں آنے والوں سے طبعیت کی ناسازی کو کہہ کر انہیں جلدی چلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ آج کہیں سے کسی دیر سے یہ معلوم کر سکتی ہو کہ کوشش کرے گا کہ اب وہ کہاں ہے؟ اسے رانا کے آدمی لگے ہیں یا کوئی اور؟ لیکن جیل تو آرام سے بستری لیا ہوا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ اس لیے اس میں نہیں تھا کہ مجھے ایک ایک ٹوگڑا رانا دھیر دھیر دے لے۔ تو اسی وقت اٹھ رہا تھا جیسے خاجہ جیل میں لے لایا۔ بات ختم کی تھی جب بہت رات بیت گئی اور جھل سے جہم میں نہیں ہوتی تھیں۔ تو میں بستر سے اٹھ گیا۔ پہلے میں نے یازدہم کے بل بیچک میں بل کر دیکھا پھر دروازے کے باہر جاکے کڑی کوٹنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ابھی ہر ہاتھ کڑی تک پہنچا ہوا نہیں تھا کہ جھل کی آواز گونجی۔ اتنی رات کے کہاں جاے گا کہ اسویرا ہونے لے۔ وہ جاگ رہا تھا۔

”اٹھو چلو“ میں نے غصے سے کہا۔
 ”پر کھراڑ لے؟“
 ”کہہ رہا ہوں کہ میں اسے تو اٹھو۔ کہیں بھی چلیں گے۔“
 ”نئی جگہ پر بارے ہلکے سے کہتے نہیں پہچانتے۔“
 ”تجسب اب کتوں کی غور ہونے لگی تھی میں بیٹھے ہوئے چلے جانے دو۔“
 ”کہا سکتا ہو چھو نہا جائے گا؟“

”ہاں تھانے خیال میں ابھی لڑنے کا پتہ نہ بھی باقی ہے۔ میں نے چھوڑے ہوئے لیے ہیں کہ انہیں بائیں کر رہے ہو۔ برصے صاحب کی باتیں میں نے بھی نہ کہیں۔ میں اب بیان ایک بل بھی نہیں دے سکتا۔“
 ”بھجوا توڑو سوچے یہ بیان سے جانے کو کتنا تھا۔ ہم کل لیے ہوتے تو کیا ہوتا؟ بھجوا لاؤ لے! سرگرمی پر نہ ہونے دو۔ وہ دوستی سے بولا ایک رات گزرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔“

”ایک ٹوگڑا کرنے سے بہت کچھ ہوا تھا۔ میں جیل سے نکلنے کے بعد تمہارے پاس نہ آتا اور میری ہر کوشا میں ملنے تو شاید میں کب کا بیان پہنچ گیا ہوتا پھر یہ وقت آ سکتا تھا؟“
 ”جو ہو جیت گیا وہ تیری اگر کچھ سے واپس نہیں آیا ہے گا۔“

”تجسب ہو کیا گیا ہے؟“ میں نے حشمت سے کہا۔ تم تو باتیں بنا رہے تھیں تو آرام سہرا سہرا ہے۔

”شغف مت نہ۔ آرام کرو کر رہا ہے۔“
 ”ادھر کیا کر رہے ہو پتہ نہیں کہ کیا کیا سوچ رہے ہو۔ تمہارا چارو ہے؟ گناہے آئے ہیں بھی رنگ لگ گیا ہے لیکن بیکسے جانور کی دھا کھل نہیں ہوتی ہے۔“
 ”ہاں جا تو کی بات تو تو بھی ہے کہ گناہے صاف مانا کہیں نہیں دیتا تمہارا چلے بات کیا کرتا ہے۔“
 ”مجھ سے اس وقت سوال جواب مت کرو۔ دہلنے میرے اور کیا نکل جائے تم سے یہ کہیں کیا چاہتا تھا؟“
 ”تیرا خوب ہے سناں، چوت پٹ صاحب تیری ہے ساتھی کیا کر کر آدمی کھلا لے۔“

”خاموش رہتم تو بات چڑھ لیتے ہو۔“
 ”لاؤ لے، میں نے تجھ سے یہ بھی تو بولا تھا کہ ہر تیرے چارو سے مانتی تیرے دماغ میں گھڑی بھجوا کیوں رہتا ہے کبھی اس سے کبھی سوچ لیا کر میری بڑ بھجوا کھڑا کیوں ہے۔“
 ”میں نے تو دل میں ہاتھوں سے چوڑ چھاپا اور اب تیرے اوڑھا ہے۔“
 ”تیرے بستر پر چلا آؤ اور میرے ریلوں میں اٹکیاں بھجیے نہ لگاؤ۔“
 ”جوٹ کے رہنے لگاؤ تو نے کوئی بات نہیں کہتی ہے۔“
 ”تو تیرے کان ہر بات سننے کے ماوی ہو رہا ہے چاہے میں تجھ سے کہے بعد ان پر کچھ بھی بیت سکتا تھا اور اگر تجھے کوئی اور سر سننے کی بھر لے والو کہ تو ابھی جیل ہی میں ہے۔ جیل میں بھی تو کوٹنے پتائے تھے۔“

”مگر وہ جیل تھی۔“
 ”اے! ہر صوف ایک لڑا کا فرق ہے۔ ہر سے دارابام ہیں جیل کا قانون مل کے باہر بھی لاگ رہے۔ اور ہر سے کی بڑا ہیں اور کھانچ کی ہیں کچھ کچھ ہر سے اندر آس کر ہٹھ آدمی دھیان دے جس کے گھڑوں تو جھل پر لے ہونے دیکھا نہیں کہ زان ایک ہی ہے ہاتھ پر ایک ہے ہیں لاؤ لے! میں انہیں کیا تو یہ سب کچھ جان لیتا؟ اور کیا تو مجھ کے چلے گا تو پر ٹوٹ ٹوٹے ہوئے پیرے کوئی دھڑلے گا چلے گا کیا ہم یہاں سے یہ۔“
 ”چلے جاتے جہل تیرا جانے کا ارادہ ہے۔ اس پر ہٹھ سے آدمی کرمانا؟“
 ”چلے چارو سے اس بہت سا لگا لگاٹ کے جا بیسے جانور کی ہو گئی ہے پر اب بھی تو یہی کہ اس کو سستی ہے میں بھی تیرا ساتھ دو اتنا بار سے تیرا پتہ اتنی ہی بات تیری ہی مجھ میں نہیں آتی۔“
 ”میری بھئی سب باتیں آتی ہیں مجھ میں کیا کروں۔۔۔۔۔“

میں نے جج کر کہا۔ میری آواز سناتے ہیں وہ وہ دھونگی ہوگا، اندر میری ملنے بھی سنی ہوگی۔ تھک ہے۔ کہیں نہیں جا رہا، ہم ہمارے کمرے میں جا رہے ہیں کچھ نہیں بولیں گا کچھ نہیں کہیں گا۔ لیکن ساری رات وہ میرے کمرے پر بیٹھا رہا مجھے جب بھی اس کا خیال آتا میری سرسکیاں نکل جاتیں۔ رات کے آخری حصے میں مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔

صبح ناشتے کے بعد وہ مجھے ساتھ لے کے باہر نکل آیا۔ مینرل سے اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ دیر کے کھانے پر ہمارا انتظار نہ کریں۔ مینرل نے اس کو پیش کیا اور ایک ساتھ ملنے کی خواہش ظاہر کی مگر جیل کو آنا ارادہ دیکھ کے وہ چپ ہو گئے۔ ہم ملنے کی گھڑیوں سے گزرتے تھے ملنے کے دو ایک ٹنسا مل گئے اور کچھ دور تک چلے جاتے ساتھ چلے رہے۔ ہماری دہری کی خواہش نہ تھی۔ جیل نے بڑی مشکل سے ان سے چھوڑا اور مل گیا۔ میری منڈی سے نکل کے ہم شکر کے خاص بازار میں آ گئے۔ کوٹن شعل میں تھیں اور ہر ٹوکوں کی تعداد میں دفتر رفتہ اضافہ ہو رہا تھا۔ ہیلبر کوئی بڑا شہر نہیں تھا۔ دو دین گھنٹے میں ہم نے شکر کا خاصا معاملہ کر لیا اور گنجان آبادیوں سے گزرتے ہوئے ایک لہسنہ کم آباد علاقے میں آ گئے۔ جیل پر چون کی ایک دکان پر غمگینا۔ وہاں حق بٹھے ہوئے ایک ٹوگڑا تھلا پختلے پر پٹھا ماسے بیٹھا تھا اوپری سے ڈنٹے میں ہر سون کوٹل ڈال رہا تھا۔ جیسے ہی ہر ایک دکان سے شرا جیل نے اس کے پاس جاکے پوچھا کہ کیا وہ ریاست ٹوٹک سے آئے ہوئے کسی شخص کا ہاتھل کو جاتا ہے۔ دکان دار نے لعلی ہانکر اور لایلا لکھ کر پتہ بتایا ہے۔“
 ”پتہ ہم کو معلوم نہیں ہے اور دھری کہیں لڑا تھا۔ جیل نے کہا۔ وہ یہاں کسی ٹیڈے ٹیس یا فوٹاب کے مال کا کرتا ہے۔ اسے یہاں سے آئے ہوئے منے دن ہو گئے ہیں۔“

”کوٹن ساٹیس؟“ دکان دار نے دل سے بولا۔ اور کوئی ایک دو ٹیس لوگ تو تھیں بیٹھے، جب کہ پورا آنا پتہ نہ ہو ہم کیا بولیں؟
 ”اُس کا نام کچھ لانا اور اسے شروع ہوتا ہے۔“
 ”یہ کن کے دکان دار کی آنکھوں میں چمک رہا ہوں لیکن وہ ہاتھ لے میں بولا۔ اور انا راؤ بھی بہت ہیں۔ پورا نام بولو۔“
 ”مگر کو جاتا تھا کہ اس کی بہت بڑی حویلی ہے۔“
 ”راؤ انٹیش مل خان راؤ کتاب خان راؤ۔۔۔۔۔“

جیل نے ہاتھ اٹھا کے اسے رک دیا اور ان دونوں کے پتے پوچھ لیے۔ چلتے چلتے دکان دار نے میں شکر دیا کہ پہلے میرا کتاب خان کی طرف جائیں کہ نہ کو دکان کو کہ بہت ہیں اور اس کی جوبلی بھی دودھ میں ہے، شاید وہیں سے میں ہمارے مظاہر آدمی کا پتہ پل جائے۔“
 ”پتہ مشکل میں تھا۔ ہم نے دکان دار کے بتائے ہوئے پتے پر کوٹن ہو گا معاملہ کیا ہو گا کہ سامنے چھوڑے ہوئے کبھی کوئی ایک چارو لاری نظر آئی۔“

وہ کسی تلکے کی فصیل سے شہر تھی۔ اندر دیوان میں واقع عمارت کی بالائی منزل کی عمارتیں باہر دی اور شہر نشین دور سے صاف دکھائی دیتی تھیں چارو لاری کے سامنے کا اور بائیں طرف کا بلا حداثہ خیال چلا تھا۔ بائیں طرف چلے گئے کانوں جھونچروں اور کوشیوں کے باڑے پر پھٹل ایک چھوٹا سا چلتا۔ وہاں میں کڑی کا بنا ہوا ایک تودار دروازہ تھا اس پر جیل کے نوکریاں بیٹھ کر ناٹھ اور کڑے نصب تھے اور اس میں سے ہاتھی یا آسانی گزرنے کا خاصا مسوں پر جیل پر گولیاں اور کمرے سفید بچے باندھے۔ تلواریں لٹکائے کئی آدمی موجود تھے۔ وہ یقیناً پستے دار ہیں کہ دروازے کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے اور اس کے دونوں جانب کھڑکیاں ہی جوبلی تھیں۔ کھلے ہوئے جوبلی سے اندر باغ اور عمارت کے ایک حصے کی طرف جھک نظر آ سکتی تھی لوگوں کی روک ٹوک کے بغیر اندر باہر کا مہا ہے تھے۔ باہر کی طرح اندر بھی جیل جیل تھی۔ باہر دروازے سے ملی ہوئی بسل کے گرد قیدیوں اور منڈروں کی ایک ٹولی تھار سے میچ ہوئی تھی۔ ہم نے فوراً دھڑلے چارو لاری کا پتہ لگا لیا۔ چارو لاری زیادہ بڑے علاقے کا معاملہ کرتی تھی لیکن اس کی دیواریں خاصی اونچی تھیں کہیں کہیں درمیان میں چھوٹے بڑے دروازے تھے ان میں سے جیتے بند تھے۔ چلے دروازے کے بالائی نشست پر اس میں ایک اور دروازہ تھا جو تھانے میں سے کھلا نہیں گیا تھا۔ جیل پر فصیل کے قریب گیا تو دکان کسی آدمی سے اس نے کوئی بات کی بلکہ ٹھوڑی سی دیر بعد وہ عمارت سے دور ہو گیا ہم بائیں بڑے بازار میں آ گئے۔ میں نے تیرہ کر لیا تھا کتاب اس سے کچھ نہیں پوچھیں گا۔ وہ جی نام لڑتے تھے میں نے بولا بازار کے قریب کا نام علاقہ گنجان تھا۔ ہم مظہر گورن اور ٹوکوں سے گزرتے ہوئے بازار کے اختتام پر ایک ہرمل میں داخل ہو گئے۔ ہرمل میں ہم کی گگ تھے۔ اختتام میں ایک ہڑے سے پیسے بڑھوا کر پہلے چھ پکائے ہاتھ تھے اور چھ لٹھوں پر بہت سی دیکھیں پر چھوٹی تھیں۔ ہرمل کی دیواریں جلی تھیں اور اس کے پیل پیلے مشیر اور ٹوکوں کی تصویریں تائی گئی تھیں۔ یہی ٹیپوں کے ساتھ اس سرے سے اس سرے تک اسکل کی ڈیسکن کی طرح تیز ہیں گئی ہوئی تھیں تیز ریکارڈوں کا شہر اندر گونج رہا تھا۔ جیل ایک کوٹنے میں جاکے بیٹھا گیا۔ چند لمحوں بعد میرے کھانے کی غوریت ہانکے ہم سے کھانے کے لیے پوچھا۔ جیل نے ہاتھ جھک کے کہا۔ کچھ بھی لے آؤ۔

”پر کھڑا اور ادا انہیں چھوڑ کے لایا۔ لایو لایو کیا ڈو گے؟“
 ”وہاں میں کاکھا لالے آئے۔ جیل نے اونچی آواز میں کہا۔“
 ”جیل کی آواز پر ہرمل میں بیٹھے ہوئے دوسرے رنگ بھی متوجہ ہو گئے تھے۔ ہرمل بڑا بڑا لگا اور وہیں سے جج کے بولا۔ قتل، اور دونا بھی بیٹھا ہے کچھ کچھ کھلا دھڑلے پٹل اسل کر گاہے۔“
 ”وہاں ہم نے لگے۔ جیل نے ان کی طرف دھیان نہیں دیا۔ وہ دوسرے کوٹنے میں بیٹھے ہوئے ایک اور غیر شخص کو گھوڑا لایا تھا۔ اس شخص کی نوچیں اور اٹھی ہوئی تھیں۔“

65

[illegible][illegible]

یوں تھا اچھی سلا لکھتے صحابہ اپنے اسٹاٹجیل بکسین کا کوئی اور پسینہ گواہ
نہیں تھے نہ چوتھے پیرے سچے اچھی کا ہاتھ جھکے کے چھوڑ دیا۔ اس کی
منہجانی کو پرودا داد :- اور پر زور! زور! اور بھی کچھ چڑھا ہوا کہانی دینا ہے۔
زور دیری کی آئیں ہو گیا مسالاس سنی کر تاپہ چٹیل داد! اپن نے
اسی لیے خدا والا خدا کر اچھی ان کو آکے نہجیلاو
زور داد اچھی دونوں کی محنت پہلے سے بہت اچھی تھی ابھی کے
چرکے سے خون چھوڑا ہوا تھا۔ سینہ کچھ اور چڑا ہوا گیا تھا کواں بھر گئے تھے۔
مچس اور ڈیسی گونجی تھیں۔ بڑے کے اڑے ہیں ابھی کی کا ہاتھ سب سے
تیز چڑیل با رہب جٹل پیڑ کے اڈے کا گیا تھا اور اس نے کچھ فلوں کیلے
اس سے اڈا لگا تھی تو بیڑ نے ابھی کی کو آگے کیا تھا کہ وہ ہم لوگوں کی
تصنیق کرے جٹل کے بجائے جاسوا چھی سے لڑا تھا مگر وہ جاسوا چھی کو نہ
ہوا تو نہ تپا ابھی اتنے جلدی سے ناپار نہ ہوا۔ اس کے ہاتھ میں بہت کچھ تھی
چاٹو کی نوک سے اس کا نگہ بندی رہتی تھی۔ زور کا ہاتھ ابھی میں نے اور جٹل
نے دان کرنے کی بہت کر کشش کی تھی۔ پہلے سے خاما فاق بھی اٹھا گیا تھی
لیے جٹل نے اُسے جاسو کے ساتھ تپاؤں کے اڈے جانے والے آدمیوں میں
مثال کا گیا تھا لیکن نے اس نے شقن جاری رکھی ہو۔ بڑے کے ساتھ افسس کی
موجودی ہی اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ اس کے ہاتھ پر مقابلا کرنے لگا ہے۔
ابھی ہم آئیشن سے ابڑے نہ ہی تھے کہ کسی بول کا ایڈٹ ہمارے
پچھے کک گیا اور دادو کر کے ہیں شکر کے صاف تھرے ملانے کے ایک بڑے
بول میں لے آیا۔ بڑے شکر کا تھا کہ تو نے جٹل نے اپنا نام چھوڑا بل ہاتھ۔
اس نے ہم سب کے نام بھی مختلف کھراے۔ وہ ایک بڑا دل میا کو تھا۔ رش
اور ہوا رول تو پیرچس خاما تھا ایک گشتے میں کرایا رکھی ہو تھیں۔ زور! ابھی
اور بڑے کے چڑوں پر سفر کچھ حمل ہوئی تھی۔ جلی جلی گودو غبار میں آٹھوڑے
تھے لیکن وہ کہہ رہے ہیں قدم بکتے ہیں نہانے دھوئے فیر کر سیں پو پھیل گئے
اور بڑے پر مشرق مانے لگا کہ اُسے سخت جھوک لے گی۔ جٹل نے بول میں کھانکی جتنی
نفیس جتیں سب کی سب منگوائیں اتنی چیزیں آگئیں کہ کڑوسوں کے دربان میں
رکھی ہوئی چھوٹی بڑی پولیس رکھنے کی جگہیں نہ رہی تھی۔ جٹے ہوئے مرغ برانی
اور گشت۔ وہ کھانے سے اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے برسوں کے جھوکے میں پیڑ
کو ہاتھ کا کر جب اسے سلا رلا تو گاڑی کا وقت نہیں تھا۔ راتے اس اخص نے
صرف چائے اور ایکٹ پگوارا کیا گاڑی جگہ گلیٹ ہونے پر پورے کا پی ٹی سے
جھکوا بھی ہو گیا۔

75

ابھی فرسٹ سیل میں، وہ کسی بھی کر سکتا تھا۔ انہاں میں ہی خیر بھی تھی۔
 پہلی فرسٹ سیل میں، وہ کسی بھی کر سکتا تھا۔ انہاں میں ہی خیر بھی تھی۔
 پہلی فرسٹ سیل میں، وہ کسی بھی کر سکتا تھا۔ انہاں میں ہی خیر بھی تھی۔

ساتھ پیش آنے پہنچیں تھے یہ کہ میں اپنے حق میں بڑا کروا ہوں میں نے کہا کہ ایک سال میں جو کچھ تھا میں نے کہہ دیا۔ اب میرا پاس انھیں بتانے کیلئے کچھ نہیں ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ مجھے برے لگ رہے ہیں معلوم ہوتے تھے پہلے آدمیوں کی طرح یہاں ہے۔ آفران گروں سے ایسا کہ ان ساگہ و مزد ہو گیا ہے۔ وہ دعوت سے پہلے نہیں آئی کلاش ہے ہم انھیں دیکھنا چاہتے ہیں ان کے قصور کا تعین اس وقت پہنچے گا جب ہم ان کی پیشہ میں کہ ان کا راز کریں گے۔ میں انھیں اپنی اعلیٰ کالین دلا دیا میری عاجزی سے وہ کسی قدر نرم ہوئے، ایک دو سب سے انھیں انشاور میں لے گیا کہ انھیں چلتے چلتے کہنے ہیں کہ ان کے آنے کا اطلاع پریس یا پھر دالوں کے کانوں میں نہیں پڑنی چاہیے۔ دنا پانی و زلت کا میں خوف تھے دنا پان کا اور وہ یہ بھی کہ گئے ہیں کہ اگر انھیں بعد میں پتہ چلا کہ میں نے ان سے کچھ پوچھ لیا تو انھیں بڑا ہے تو وہ دوبارہ ان کے اوپر دوا اس طرح داپس نہیں جائیں گے اور اگر اس عدالت میں سے نہیں رہ کر پیش ہننے کی کوشش کریں تو میں جہاں کہیں بھی ہوں گا ان کے آفری کوئے نہ دیکھ دوں گا۔ یہ میری عملی کٹھنوں سے بھر جھرا آس رہے تھے۔

جی کرزم دیکھو بڑے صاحب! عقل اٹھ کے ان کے بدلہ میں بیٹھ گیا اگھر سے ہوتے ہی میں ہلا۔ آپ نے یہ سب بنا کے ٹھیک کیا یہ وقت پر آگئے۔ ان کو کوئی ہجو کر ہو گیا ہے۔

”ہو گا کہ میری عملی کی آواز بھرا گئی ہے یہ کیا دھوکا ہے۔“

”ہر جاتے ہو چلا پتہ مانگتے تھے اب تم خود احرار گئے ہیں آپ ایسا کرو کہ تم ان کے سامنے کو ان کا شہرہ ہو جائے گا۔“

”ہات آتی ران میں ہے منتی آسان سے آپ کہہ رہے ہیں۔“

نیز مل اناواری سے بولے۔ ”انھیں آپ کے پتے کی ضرورت نہیں پڑتی کسی غلط فہمی کی وجہ سے؟ مگر کیا اس طرح ان کی غلط فہمی خود ہو جائے گی؟ کیا انھوں نے آپ کو بلے میں بھیجا ہے جو سامنا ہوتے ہی آپ کو جان لیں گے کہ آپ وہ نہیں ہیں جو انھیں طلب ہیں آپ کیلئے ثابت ہو گیا ہے۔“

”ثبات ہو جائے گا اس لیے کہ ہم وہ نہیں ہیں۔“

”یہ تو اب ہم سے کہہ رہے ہیں جب تک آپ ثابت کر دیں گے۔“

کچھ عرصہ انھیں گئے انھوں نے اپنے ہر سے کچھ سے بچا رکھے تھے کیونکہ ان کی کٹھنوں کا راز اور احوال انما سے میں ان کی آواز دینے کا اندازہ آجی طرح کر سکتا تھا وہ شہر و مرکز میں ہر ماہ میں ایک خاد و آراہی میں مل جت اہل بات بڑھنے کی کسی انھیں میں پڑنا نہیں چاہتا میری جگہ کوئی بھی ہوگا تو یہ نہیں چاہے گا کہ آپ کو شہرہ و دن کا دیکھ دو خواست کروں گا کہ آپ فوراً نیلا سے چلے جائیے میری کچھ میں ہی آتا ہے۔“

”ہم آپ کا اس حالت میں چھوڑ کے کیسے چلے جائیں۔“

”چلے جائیے یہ سب ساتھ دلا رہے وہ سب دیکھ رہا ہے۔“

”وہ تو ایک بڑے صاحب! دیکھ رہا ہے ہی؟ اگر مجھ پر آپ گھراؤ نہیں ہوگا دیکھ رہا ہے گے تو ایک دفعہ ان کا شکل مل جائے گا۔“

”سب بات ٹھیک ہو جائے گی۔“

”لیکن میں میری عزت کا کیا ہوگا نہیں میں۔“ میری نے کہا ہاتھ دکھائیے۔ میں چلے جائے دلا دیا یہ ہے تو مجھے اپنا پتہ مانگیں میں انھیں بتا دوں گا۔ وہ آپ کو دھوڑیں گے اور اپنی عملی کا۔“

”آپ اپنے گھر میں نہیں رہتے دوسرے گھر میں رہیں گے یا نہ۔“

”یہ میں ابھی مارا اور ہر بنا ٹھیک ہے پہلے آپ ہمارے بار اپنا شک و دودھ پھر شہرہ سے مل سے سوچ کے بروکر ہمارا آپ کے ہاتھ ٹھیک ہے یا آپ کے ساتھ احرار رہنا۔“

”میں آپ پر کوئی شک نہیں کروں گا میں ذکر بنا جاتا ہوں کچھ بات میں نے کہہ دی ہے۔ آپ خود سوچیں وہ بے حس نہیں ہیں۔“

آپ گئے ادھاپ سے رانا کے متعلق بات ہوئی اور وہ ہاتھ پیش ان کی نظریہ میں سے گھر کی طرف بکریں آئی۔“

”جے ترقی حق کو نیز مل جلد یا بدیر یہ سوال کریں گے انھوں۔“

”کی دوسری ممان کسی گھر میں آتے جاتے ہیں میں ان کے جانے۔“

کوئی انھیں اس طرح پوچھتا ہوا نہیں آیا۔ ”مجھے بھلے کا جواب جا جتو جتنی نیز مل مجھ سے یہ سوال کرتے تو یہ کہ پاس اس کا کوئی نہیں تھا۔“

”جیل کا چور و مصلانے کا کچھ وہ بھی آواز میں ہلا۔“ آپ نہیں بول رہے بڑے صاحب! پر میں جانتا ہوں آپ کا مطلب کیا میں آپ کی بات کا جواب ابھی میں نے سنا۔ آپ کے پاس پورا آتی تھی وہی آدمی آئے تھے ادھر میں طرح آئے تھے وہ آپ کو ابھی ان کو شہرہ پہنچا نہیں ہوتا وہ چوری چھپے نہ آتے ہو سکتے۔“

”نہی آدمیوں میں سے ہوں جو مولوی صاحب اور لوگ کر لے گئے بہت سی آدمی ہو گئے ہو چکی گئے ہوں گے جہاں جہاں رانا نے آ کر کیا انھوں نے ہوں گی اور میری آگے اور بیان غلے میں آئے ان کو کچھ دن پہلے دوا دینیوں کو مولوی صاحب کو پوچھتے ہوئے آئے آپ کے گھر میں تھے۔“

”مگر آپ۔۔۔۔۔ آپ اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہی کیا تھا؟“

”یہ تو اب بھی خوب سمجھتے ہو پھر وہ آپ کے پاس نہیں آ۔“

آپ کہتے ہو کہ انھوں نے آگے آپ سے رانا کا نام لیا تھا۔“

”پھر آپ خود ہی اپنی تمام بات کی تردید کر رہے ہیں۔“

”لیکن میں یہی بول رہا ہوں کہ وہ کسی ایک جگہ میں گئے انھوں نے وہ بھی بہت سے گھر کھڑے ہوں گے، یہاں بھی آ۔“

”آپ اپنے شک و پانی ڈالنے کے لیے ہے، اسے آپ اپنے سمجھنے کے لیے اٹھان بھی کر سکتے ہو۔“

”میرا وہ جیت جائے گا چند دن پہلے رانا کے سلسلے میں پھر نہ بیان کا آپ کے سامنے نہ بیان کو دلا، رانا کا اپنی انھیں کھو دینا ان کا بیان آنا اور آپ کو پھینکا سب کہتے عجیب اتفاقات ہیں۔“

”بہت عجیب ہیں بڑے صاحب! زیادہ سرت کھاؤ۔“

”نجل! اس لیے میں بولتا ہوں کہ ہم کا راز یہی ہے وہ وہ پھر انھیں تو باری طرف اٹھا دینا میں اور کیا کہوں۔“

”نجل نے نیز مل کو سمجھنے کی ہر طرح کوشش کی کسی حد تک کامیاب بھی ہو گیا نیز مل چپ ہو گئے مگر ان کے ہونٹ لڑ رہے تھے میں جانتا تھا ان کی خاموشی چند تاہمیں کہ ہے۔ اس جہاں دیکھو دماغ میں کسی بھی لیے بات آسکتی ہے کہ وہ ہم میں ہوں گے تو ہمارے ساتھی ہوں گے بہت ایک ہی کوئی سلسلہ دینا ہوگا۔ ابھی انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ میں رانا کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا، اس کی کوئی ترقی نہ تھا ان کے ہاں نادری میرے ہوتے تھے جہاں رات کے بعد کوئی میں نظر نہیں آئے وہ اپنا تھرا بہت سالانہ بھی چھوڑ گئے۔ اگر نیز مل کے پاس آئے ہاں آدمی انھیں بھی بتانے کہ تم کہ وہ دونوں ممان کوئی سے غائب ہیں تو پھر نیز مل کو یہ یقین دلا دیا ہے۔“

”یہ شکل ہو جائے کہ کوئی اور لگے تھے ہم نہیں تھے لیکن بدلہ میں کسی کسی وقت یہ بات نیز مل کو معلوم ہوئی تھی۔ ابھی موت وہ دن گزرتے تھے ہم سمجھتا تھا وہ ادھر دانا جیسے آدمی کا تھا۔ اب بھی طرح طرح کی افواہیں پھیلی ہوئی ہیں کہ کوئی میں بہت سے لوگوں کو پرو اور ایسا لگتا ہے کہ آپ کو بھی افسوس ہو رہا ہے کہ اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہوگا مگر کوئی کہنے والوں کو ہم نہیں تھا کہ تم خاں کے وہ وہ ضرور ممان مولوی صاحب اور کر لے کوئی کہہ سکتے تھے وہ ایسی بنا دینا انھوں نے ان کا کہہ کر اس نے ہم کو زیادہ ترسم نے یہ بات عام نہیں کی ہوگی کہ اس کے ہاتھ نہ ملے کیا بات جانتے کے لیے آئے تھے وہ یہ بات بتا رہا تھا تو مولوی صاحب اور کر لے کی شکل کے احوال سے سارا اثر ماہر ہو جاتا تھا ان کی خوراکی نہ سہل ماتی ساتھ ہی ترسم اور اس کے ساتھیوں کا ہر دو چاک ہو جاتا دیکھتے ہی اسے یہ کسی کو نہیں بتانا تھا کہ اسی نے اس بات مولوی صاحب اور کر لے کو جانے دیا تھا۔ اس بار سے موت اس کا شکار وہ سب واقعات سمجھتا تھا کہ ان کا شہرہ بھی یہ نہیں سنا چاہیے تھا کہ اس کے پاس میرے ہاں لوگوں نے مولوی صاحب اور کر لے کو کوئی دیکھا ہے کہ کیا خاصہ ہوئی کے ہمارا لوگوں کی طرح حیرت کا اظہار کر رہا ہوگا لیکن یہ حقیقت خود اس کے سینے پر بوجھ رہی ہوگی کہ وہ دوا دینوں کے سوا یہ کام کسی کا نہیں ہے مگر یہ جہاں طرف سے نور پور ہوگا کہ جن ممانوں کو اس نے اپنے ہاتھ لگائی تھی کہ اس کے کوئی کے لوگوں سے ملایا تھا وہ کر لے اور ایک

کس چلے گئے ان سے اس کی کب سے آسانی تھی۔ ترسم اپنی لا جوابی پر سب سے زیادہ شک کا ہوت بنا ہوگا مالا کوئی میں اس کی ذات شک ادھ شے سے ہلا تھی رانا سے اس کے خاص مراسم دیکھ چکے نہیں تھے اس نے پریس اور جیل کے ہمارا کوئی سے اپنے ممانوں کے متعلق آہٹ ملت ابھی کسی ہوں کہ کیا ہوگا یہ یقین نہیں آتا کہ ایسا انھوں نے کیا ہے اور اگر واقعی انھوں نے کیا ہے تو اسے بہت بڑا دھوکا ہوگا۔ وہ اسے زہر سے لگے اس بات انھوں نے اسے غافل کر دیا تھا کہ میں اس نے پریس کو لکھی ادھر کوئی ترسمی پتہ بھی نہ دیا ہوگا ترسمی دورہ راز تھا کہ پتہ تاکہ پولیس انھیں ڈھونڈتی ہے۔“

”میں شہرہ و دین میں تھا میں کوئی ترسم خاں کی کچھ اچھی ادھر پہنچنے لگی تھیں میں کچھ تھی تھی ایک ہی مددیران ملک پہنچنے کی ترسم کے ذہن میں آتی ہوگی کہ نیز مل کو کر لے جائے۔ وہ غلے میں مولوی صاحب کے سب سے گھر پہنچے تھے اور اسی کے فیصلے رانا نے مولوی صاحب کو کر لے کا پیام بھیجا تھا کہ تم خاں کے لیے یہ اندازہ لگا ہوا شکل میں تھا کہ کوئی میں آئے سے پہلے پروادہ اچھی کا نیز مل اور دوسرے محلے والوں سے لازماً کوئی رابطہ مضبوط دانا ہوگا اور نیز مل نے ان سے رانا کے سلسلے میں اپنے شے کا اظہار کیا ہوگا نیز مل ہی اسے سامنے کے آدمی نظر لے رہے تھے انھیں کسی نے کر لے پر معلوم ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ کمان سے آئے تھے انھیں کسی نے کر لے پر ممان لکھا تھا یا وہ مولوی صاحب کے پھر سے ہوتے ترسم ترسم اس ہوگا کہ وہ اگلا یہ سب کہہ نہیں کر سکتا۔ اس نے دیکھا تھا کہ پروادہ اچھی کے ہاتھ میں کسی پھرتی ہے۔ جیل کے قبول چاقو ان کی انگلیوں کے اشارے پر ناچتا تھا۔ ان کی انگلیوں میں مٹھائیں لگا ہوا تھا جو ناچ کر جگے گئے تھے تھا اور دوسرے کا ناچ بھیج لیتا تھا۔ اپنا اکیلا ہونہ دیکھ کر اس نے ترسم کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا ہوگا کہ وہ اپنے شکار وہ سب کو ہر بات بتانے ہو سکتا ہے ترسم کو لے بیس نے اپنی تحول میں لیا ہوا کوئی ہی میں اس کی کوئی گھبراہٹ کی جارہی ہو۔ اس موقع پر اس کا کوئی سے باہر نکلا ہی نہیں مناسب نہیں تھا۔ وہ سب ادھ اس کا کوئی قابل اعتبار ساتھی ہوگا جو نیز مل کے گھر میں جیلوں کی طرح داخل ہوئے تھے۔ ترسم اور سب جیسے رانا کے تمام ملازمین کے لیے اپنے مالک سے ڈفاری اور جان نمانی دکھانے کا وقت تھا وہ وہ وہاں کس لیے تھے اس کی انھیں عمل جانے کا انھیں اتنا ہی مدد ہوگا جتنا کسی کے حوالہ دینا کو کر سکتا ہے۔ ان کی بہت سی باتیں بہت سے حکم انھیں بتانے ہوں گے مگر کوئی بھی یہ نہیں چاہتا ہوگا کہ رانا کا کسی منزلے ان کے دل میں آگ لگ جائے ہوگی۔ میرا اس وجہ سے کہ یہ سب کچھ ان کے ہوتے ہوئے ہوگا۔ وہ ان دونوں آدمیوں کو ڈھونڈنے کے لیے ہے یہ ہیں ہوں گے۔ ان کا میں آتی وقت بحال ہو سکتا ہے جب وہ کہیں سے رانا کے پیروں میں پڑ

گی اگر وہ مجھے بل بوتہ پر دیکھ لیتے ہیں وہ دیر سے ہٹ گیا بیڑی
ترجہ بیٹھے ہوئے تھے چند لمحوں بعد سے کہ ارمان بکال بنے تو اڑدیکھنے
کی تھک پھر ہوئی میں نے اس کی دیر نہ کرنا چاہا۔ والان میں بیڑی
کے سوا کوئی نہیں تھا میں کون کے دروازے مجھے نظر آئے وہ سب کے
سب بند تھے بائیں طرف مولوی صاحب کے گھر کی کھڑکی نظر آ رہی تھی۔
بیڑی جلا نماز پڑھیں گا وہ کدو کرے تھے۔ میں انھیں دیکھتا رہا مگر بیڑی
انھیں دھندلا دیکھیں میں بیٹھ گیا میں دایں چلا آیا۔
رات خاصی گزر چکی تھی۔ مجھے اب کسی کے آنے کی توقع نہیں رہی
تھی رات کے آخری حصے میں کسی نے نیند چھڑا کر غلاب گئی مگر بہت
زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ میں بیڑی کے اٹھ بیٹھا۔ یہ خواب نہیں تھا میں
نے ایک گھنٹی پہنچی تھی مگر بیڑی نے مجھے نہ سمجھی تھی۔ وہ اٹھ گیا کہ جگ سے
اٹ گیا لاٹھے! اس نے مگر گشتی میں مجھے پکارا کہ اندر کھڑے ہو۔
میں نے تھک کے گھر میں کھٹنے والے دروازے سے کان کاٹ لیا
اور بیڑی کے اُسے کھولنا چاہا مگر دروازہ اندر سے بند تھا بیڑی نے اُسے
بندر کا ہاتھ اُدھر سے آؤ میں نے کھل کے ہاتھ چوک کے اُسے کھینچ لیا۔
میں نے خالے کی طرف اُدھر دیر سے ہی ایک راستہ ہے۔
میں گھر کے صحن میں کھڑے میں نے ذرا بھی دیر نہیں لگی بیڑی جاتا تو بل
میں دبا ہوا تھا مگر بیڑی نے دیر پر جڑتے ہی مجھے جاتو جب میں کھٹنے
کا اٹھا کر دیا تھا۔ اندر کا ملاحظہ بھلا رہا تھا۔ صحن میں روشنی تھی مگر صبح
کچھ صاف نظر آتا تھا۔ وہ تعداد میں چار تھے۔ دو آدمیوں نے بیڑی کی کھول
کو کھینچا تھا۔ دو کے نصف میں بیڑی تھی۔ میری بیڑی کچھ نہیں آیا۔ مجھے یہ
ہمارے اندر کھڑے کی آواز ہوئی۔ دونوں آدمی بیڑی کو دھکا دے کے ہماری
طرف بڑھے۔ باقی دو بیڑی کو کھینچتے ہوئے دروازے کی طرف لے جانے لگے۔
بیڑی نے مجھے بھی طرف جانے کو کہا۔ بیڑی نے سترے دو بیڑی نہیں
تھا پھر میں نے بیڑی کو دیکھا اور پھٹ کے اُن دونوں کے کڑوں کے گلے
پیچھے سے کود لیے۔ انھوں نے پروا نہیں کی بلکہ اتر بیڑی کے گلے ڈال دی
کے قریب ایک آدمی نے بیڑی کو پکڑنے کے لئے پڑا لیا۔ دوسرے نے
دو بیڑی کے سب سے پہلے پکڑا تو رات کے انداز میں بیڑی دی ہیں
اور اگلے بڑھ گیا۔ مجھے جاتو اُن میں چاہتا تھا اس لیے کچھ مجھے ہٹ
گیا۔ مجھے دیکھ آدمی کی مگر بھی جوڑ کر کولے کے آگے بڑھ گیا تھا۔
بیڑی نے بیٹھ گیا ہی کہنا تھا جاتو میرے ہاتھ میں بیڑی کے دوسرے سب سے
مقابل شخص نے مجھے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ وہ اپنے ہاتھ کے کائے مجھ
پر دھکا دے میں ہل کر کھٹا تھا اور یہی صورت میرے لیے تھی۔ بیڑی کی
زبان نے کڑی سے کہتا تھا کہ میں نے بہت کچھ معلوم ہو چکا تھا مگر بھی
اُس کے ہاتھ میں جاتو تھا اور وہ بیڑی زیادہ نہیں تھی پھر مجھے فوراً سے لائے
سے ہٹا کے جلا زبرد کے آدمی کو کھینچا تھا۔ اس بات کا بھی امکان

تھا کہ میں اُن کے کھڑا آدمی کو مگرانی کے لیے موجود ہوں۔ دھکا
میں کھڑی ہوئی۔ بیڑی اندر گھر میں پہلے کی آدمی کو دھکا دیا اور اس
دوسرے ساتھ میں کے لیے اندر سے ڈیڑھ سی کا دروازہ کھول
دیا وہ کھلا رہا چاہیے تھا، چاہے اس میں والا پڑا ہو مگر
مجھے تو دیر ہو گیا بائیں طرف سے جانی مال کر لی ہو گئی وہ بیڑی
انھیں دھکا دے ہوئی قصداً اس صورت میں کہ دایں میں اُن
گھر کا ایک دروازہ موجود ہو۔ ڈیڑھ سی میں اندر آدمی بھی پیچھے ہو گیا
میں نے دھکا دیا تو انھیں اپنی بیٹھکی کے جواب میں بیڑی
کے دوسرے صحن میں بیڑی کے ہاتھ میں بیڑی کی طرف پکڑا اور
اُس کے جسم سے کچھ پیچھے چلا گیا۔ مجھے انداز تھا کہ وہ دوبارہ دھکا
میں ہی کرے گا۔ میں نے بیڑی سے کسی حد بائیں طرف ہٹ گیا۔
جاتو والا ہاتھ اپنے پیچھے میں لیا۔ اُس کی ساری توجہ اُن
مگر نہ ہو گئی۔ اسی دوران میں نے مجھ کو لائے سے اسی ناگہ
وہ دوسرے اٹھ نہیں سکتا تھا۔ تمام حالات میں میں بھی ایسا
ایک ایک لمحوں میں تھا۔ بیڑی نے جاتو کو منع کر دیا تھا۔ بیڑی
میں غور کا چھٹا میں بیڑی نے چاہا ہے تھا۔ وہ لوگ بھی شوکرنا
تھے بیڑی کے لیے یہ مناسب نہیں تھا۔ اُدھر مشرق کی ہر
صاحب کا گھر تھا مغرب میں ایک دو امکان تھا۔ وہاں اگر
مجھ مال گئے تھے مکان کے پچھلے اندر اگلے حصے میں گنگا
اُس نے دوسرے لیے میں ہر گز کسی بھی آدمی میں بیڑی
اندا میں تھا کہ اس کی آواز میں نہیں مغل تھی۔ میں نے
موقع میں دیا گون پر میرے زانہ کی ضرب نے اُسے درد
دلا دی۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اپنے سامنے کی کسکا ہوا
آدمی اپنا سر اگے کے کسی دیوالے کی طرف ڈال دی ہے۔ مگر
کندہ پر بیڑی نہیں تھی۔ اُس نے ایک نظر اپنے سامنے کو
ابھی نہ تھا میں بھی نہیں تھا کہ اُس نے انھیں کے مجھے اپنے
میں لیا چاہا میں اُن کے دونوں والان کی جانب ہو گیا اور اچھا
کے ڈیڑھ سی کی طرف جھکا۔ راستے میں ڈیڑھ سی کے ایک کمر
ہوئی بیڑی کی چوٹی سے میرے پر لکھ گئے۔ اُس کے بدن کو
میں وہاں نہ کہتا تھا۔ اُسے وہیں چھوڑ کے میں نے گڈی لگا
میں وہ میرے سر پر بیٹھ گیا تھا۔ بیڑی کی کوئی صورت نہیں
کے ہاتھ میں جاتو بھی ہو سکتا تھا۔ اپنے ہاتھ میں میرے
کے لیے جگہ تنگ تھی۔ ڈیڑھ سی میں گرا دیا تھا۔ وہ
میں اُسے نیچے ہو کر میں اُس کی ناگہیں میں نہیں اٹھ
کے ہاتھ کھینچتے تھے اور اگر جاتو اُس کے پاس تھا تو اُسے
ہوئی وہ دروازے کے قریب آگے بڑھ گیا تھا۔ میں نے

فائل کا تین ایک دیا تو اُسے میں اُس کا چھکنا نا بھی لازم تھا۔ کونکہ
میں میرے لیے دروازہ ہوا تھا۔ اُس کے لیے بھی مشکل پیدا کرنا۔
کا ہاتھ جاتو ایک ہاتھ خالی چلا جاتا تو شاید اُسے دوسری ہاتھ
لے کر اوتار لے لے۔ باہر میں میں اپنے سامنے کا حشر وہ کچھ چوکا
اداس میں کے وہ دونوں سامنے بھی اُسے میں اُسے تھے جو بیڑی کو
سے ہوئے تھے اور بیڑی کو لے کر اُسے دھکا دے میں سے بیڑی کے تھے۔
میں ایک ایک ایسا آدمی کی اپنا منہ ایک طرف کر کے آواز نکال کے
بیڑی کو اُن کے میں اس کی جانب کھڑا ہوں اور بیڑی دوسری طرف
بادوں منہ کے بدلے میں ہاتھ بڑھا کے بھی آہٹ پیدا کر سکتا تھا
نے میں کیا اور اُس نے بھی وہی کہیں کہ مجھے آہٹ نہیں میں مقب
اُس کی گونڈ میں کچھ کھینچا دینا چاہتا تھا کیوں مجھے اس کی سہمت
پانی بھول میں نے اُس کے سر سے پہلے بازوؤں میں بازو ڈال
اُسے ہاتھ چلائے سے معذرت دیا کیوں وہ پشت سے میرے جسم پر
اُن کو دھکا دیا۔ اُس کا ہاتھ تھا اور کڑی تھی کہ مجھے دوسری سمت لڑت
تھا۔ اُسے اس کی کوئی گنجائش نہیں تھی وہ دروازے میں اڑا ہوا تھا۔
میں نے اُس کے امکانی واروں کا خیال رکھا تھا میں نے اپنا جسم اُس
دو میں کیا۔ ناگہیں اُس کی ہاتھوں سے چپکالیں اُس نے اپنا بازو چلائے
بے ملاحظہ سے بازوؤں پر ڈال دیا اور جلد ہی اُسے اس کی ہاتھوں
کا کام میں ہر گز میرے پاس اب ایک ہی صورت تھی کہ بیڑی
تمام حالات لگا کے اُس کا جسم کھڑکی کے دروازے سے نکال دیا تو
بیڑی کو اُس کی اٹھری ہوئی ہاتھوں اُس کے جسم میں پیوست ہوں گے تو
یہ حال ہو سکتا تھا۔ اُس میں سے کچھ بھی نہیں تھا جب میں اپنے
بائیں سامنے بیڑی سے بیڑی کے سر سے لے کر اُسے لگا لگا نہ ہو
ہاتھوں کے ساتھ خود کو بازوؤں میں جھانپا۔ وہ بیڑی کو گرفت سے
نہا کر کوشش کر رہا تھا اور وہیں اُسے یہ انداز ہو گیا تھا کہ کیر
لی جاتو میں ہے۔ اس بات نے اُس کا حوصلہ اور جھکا ہوا مگر میں نے
لاؤس سے پیچھے نہیں آئے دیا۔ پہلے احتیاطاً اُس کے ہاتھ میں دبا
اور گراؤں میں تھی۔ مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ جاتو اُس کے کون
تھیں ہے۔ وہ کڑی میں اُسے تھی کہ اُس کا دروازہ نہیں تھا۔ میں کچھ
سامنے چھڑی تھی۔
پھر میں نے سب کچھ کھڑکی کر دیا اور اُسے بازوؤں میں پکڑے
کے کھٹا ہوا دروازے سے کچھ دھڑکائی میں کے اندر لے آیا۔ میان میں
ناہاں میں اُن کی تھوڑھکیا۔ اُس کا تو دل میری توجہ کے مطابق
ہاں نے اپنا ہاتھ اُن کو لایا جاتو اُس کے دوسرے ہاتھ میں تھا وہ
نے فوراً اپنے ہاتھ میں لیا۔ باہر قیادہ دست تھا کہ جاتو
لے کر دایں ہاتھ میں لگا دیا۔ اُسے فوراً بائیں ہاتھ میں لے لے گا

اداس کا بائیں ہاتھ میں ہوا تو اُسے اُن کی حرکت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔
دونوں سمتوں میں وہ میرے کھڑے بائیں کا نشانہ لے گا۔ مجھے یقین تھا کہ
اُسے ایسا ہی کرنا چاہیے۔ مجھے وہ بات جاتی ہوگی میں میں کھلنے کے کھٹنے
کے کسی بھی اُس نے کہا تھا ایا او کھینچ کر کھال کا نشانہ لے رہا ہے۔
اُس کے پاس کوئی اور دیوار نہ رہا ہے۔ اس طرح بہت آسانی ہو جاتی ہے۔
میں نے اُس کا سر مارا وہ دانتیں جھپٹا۔ نتیجہ وہ کچھ جھلا دیا۔ ہر نے
کے لیے تھوڑا سا دھرم میں اُس کا دایاں بازو کھینچ کے اُسے سر سے ہٹانے
میں بیڑی کو دھکا دیا۔ اتنا ہی مڑا کہ جتنی مجھے ضرورت تھی دوسرے لیے
اُس کا جاتو والا اُٹھا۔ اُس کے جسم کے نیچے وہ بیک میں نے بیڑی کے
اُسے پھر دروازے سے دھکا دیا اور اُس کی پل میں دوبارہ اُسے دروازے
سے چھوڑا جاتو کی کوڑا خور اُس کے ہاتھ میں کچھ کے کسی اُٹھتے میں
بجھیں ہو گئی اُس کی ناگہیں ڈیڑھ سی میں کھینچ لیں۔ باہر اُس کے سامنے موجود
ہوں گے تو انھیں نے بھی یہ چھین کی ہو گئی میں اپنا ہاتھ دبا جاتا تھا
مگر ڈیڑھ سی میں ایک دھکی دھکی ہو گئی۔ وہ کھل تھا۔ اُس نے آہے ہی اُس
کے جسم سے پھوٹا اور اُسے اُس کے ہاتھوں کے اُس کا منہ بند کر دیا۔ تو
اُدھر وہاں سے مگر گشتی میں مجھے بیڑی کی طرف جانے کی ہدایت کی۔
اُس کا بدن بہت ہلکا تھا میں نے اُسے اٹھا یا تو وہ میرے کھڑے
پر بھل گئی۔ بیڑی میں ڈیڑھ سی کی چھٹک کا سہارا لیے نیم ہاں کھڑے تھے۔
اُن کے ہاتھ میں لائین لڑی تھی۔ میں نے بیڑی کو بیٹھ کر بیڑی کے اُس
کا بدن سے کھٹا اور اُسے جادو سے دھکا دیا۔ بیڑی میں لائین لیے لو کہ
قدیں سے ہٹنے کی طرف جلا دیا۔ بیڑی کے کوشش میں والان کی بیڑی
سے دھکا دے کہ اُسے گرتے گرتے بیڑی بیڑی لگی۔ میں نے بیڑی کے
انھیں سارا بیڑی میں دونوں ہاتھوں نے بیڑی کو پکڑ لیا۔ گنگا نہ ہو
کے وال جسے پر سفیدی چھائی ہوئی تھی بیڑی بیڑی میں کی انھیں چھٹی
ہوئی تھیں ہاتھوں پر لڑی تھی۔ انھیں بیڑی کے پاس چھوڑ کے میں اُن
دونوں آدمیوں کو دھکے کے لیے صحن میں لڑا آیا۔ صحن سے بیڑی لکھا ہوا تھا۔
وہ ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر اُدھر سے بیڑی تھے۔ اُن میں سے
ایک اٹھنے کی آواز کوشش کر رہا تھا اور جلد ہی اُسے والان میں تھا۔
پانی کی کوشش میں کھڑکی اُس کے دوسرے ہاتھ سے کھڑے لڑت گئے تھے
اداس میں بیڑی میں بائیں ہاتھوں میں کھٹا ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھوں کے پاس
کھی ہوئی ایک کھنکی مجھے نظر آگئی کھنکی میں پانی لے کے میں نے بیڑی
کے سر پر پھینکے اُسے بیڑی میں آگے بے کھٹا ہوا بیڑی لے گئے۔
اُسے بیڑی ڈیڑھ سی والے آدمی کی گڈی پکڑے اُسے دھکا دیا
ہوا ڈیڑھ سی سے باہر نکلا۔ اُس کے بائیں کان اور سر سے صحن پر دھکا دیا۔
ناک سے صحن میں کئی جاتی تھی۔ جاتو اُس کی دان میں کھٹا تھا بائیں
جانب کی ناگہیں لہولہاں ہو گئی تھی۔ بیڑی نے دھکا دے کے اُسے اُس کے

اُس سماجی پرلٹ دیا جن میں پر پڑا کلوں کا رہا تھا اُس نے دیا وہ اسے گدائی
 پہننے کے لئے اٹھا لیا اور بھینٹیں مونی آواز میں بولا: دیکھ لے۔ ان کے چہرے کہ جن
 میں اٹھی ساری کچھ جان باقی رہ گئی تھی صاحب کدے سے بہنے ان کو کھینٹ
 دیا ہے۔ انھیں اُن کے لئے حیا، بھیل نے اُس کی گدائی سے اُتار اٹھا
 لیا اور دو روٹ کے کھڑا ہو گیا۔ جلدی کہ بھیل نے چنکارا توڑنے کو کہا۔
 وہ اُٹتی ہوئی اُنکھوں سے ٹھیل کر دیکھنے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا
 جیسے اُس نے ٹھیل کی بات نہیں سنی ہے یا اسے اپنے کانوں پر دھو کے کا
 قہر ہے۔ اُس نے کوئی جواب نہیں دیا جا سکا۔
 ”ماہی تیرے کئے اور آئی ہیں اور دھڑ!“

گرنے والا تھا۔ بھیل نے اس ہودلان اس کے باقی دوسرا تھیس دیا تھا۔ ہم دونوں نے بغیر خود اٹھا کے ڈیڑھ میس چھینکے کو اڑا کر زبردستی اٹھا کر چھینے لگی۔ جس نے جھاگ کے لالین کی کوڑھی کی آس آدی کو لالان میں کھینچا یا پرانے برسوں پر کھڑا ہونے کی کمر لیا تھا۔ ادا ایک ادا ساتھی کو اٹھانے میں مصروف تھا۔ بھیل نے دہلی کھٹے اور ویلڈی کرنے کی پوری احتیاط کیا تھی۔ ہم نے کوئی لڑکے میں کیا تھا۔ بھیل کو دونوں آدمیوں سے منٹ کے برسے پاس ایک کپ پیئیں میں کچھ می منٹ لگے ہوں گے پھر بھی دیر ہوگئی۔ صبر دودھ گھڑی کرنے لگے۔ گھڑے ٹوٹنے باورچی خانے کے پاس رکے جوئے برتن کھڑے لے آواؤں اور دیر ہی چیموں سے برابر کے لوگ جاگ گئے۔ ابتدا میں اٹھوں نے یہ کی بجاری آواز سن لیا ہوں گی بان گئی۔ بی بی میں ہوں گی کوڑھ کی جینیں خاص تھیں۔ اب ان کا بلیا ہر جا لازم تھا۔ وہ کھڑکی دھڑھوٹا یہ اند ہونے والے شر کے پائے میں مضطرب تھے۔ میری سوال کے تھے۔ برابر کے مکان میں آدروفت کے لیے ایسی ہی ایک کھڑکی میں جو پچی می ملوی صاحب کے مکان میں آئے مانے کے لیے پھٹا پر بھی آسکتے تھے اور دیا پر بھی چڑھ سکتے تھے۔ بھیل نے دہلی کھٹے کے صحن میں پڑے ہوئے ایک آدمی پر ڈال دی اور زبردستی اسے اٹھا کے آگے روکا۔ دیر میں کوڑھ میں آس آدی کوڑھ کے پیرے پر لاد کے ڈیڑھ می جھاگ آبا د میں جا اندالان کی طرف تھا۔ زبردستی جینیں تبدیل کر لی ہوگئی تھیں۔ نا آسے کرے میں منتقل کر دیا تھا۔ یہی کمری کوڑھ جی آواز تھے ڈیڑھ سانی دہلی کوئی بات میں ہے آپ لوگ آکر لے ڈیڑھ سب سے تھے۔ زبردستی طبیعت کچھ غراب ہوگئی ہے۔ اس نے گھر کسی آدمی کو دیکھا یا تھا۔ ممکن ہے کوئی چور کھٹے کا کس نے بھی نا اب سب اٹھکے۔ مزین علی اپنے لیے کی زبردستی خود کوڑھ نے رما دیا ہے۔ کوڑھ کوڑھ کی طرح آکر لے ہے کہ اپنی زندگی زبردستی طبیعت زیادہ ہوگئی تو آواز نے لوگ کا

کھڑکی پر خاشاوشی چائی گئی۔ زبردستی چھین بھی نہ ہوگئی۔ ایک اند کوئی آہٹ نہیں ہوئی۔ میں اپنی جگہ کھڑا ہوا۔ پھر

میں نے زمر کمال کے بابو کچھا۔ بھیل دہلی شاہ تھا۔ میں نے اچھے ہئے اس آدمی کوڑھ کے پیر ڈال لائے۔ بھیل نے آواز سن کے احتیاطاً اند کھینچ لیا تھا۔ اس میں اب نا بار کھڑکی کی طاقت معلوم نہیں ہوتی تھی۔ ہم نے اسے انتظار کرنے کے بجائے نگوں کے لیے کھڑے ہئے۔ ان کے ساتھی ڈیڑھ می اسے کھینچ لے۔ صاحب خود ہی ان جا دں کو گھر سے ابھر ہوئے۔ اسے کوڑھ لے

ہی نہیں بلکہ محض نے انہیں اپنا نام اگر فرائض بتایا تھا یہ گھر میں سب انہیں بخیر ہی پکارتے تھے۔ میں نے بچپن کے عرصے سے محض ان کا گھر پر نام ہے جو کہ سرفراز ہیں؟“ میں نے ان کو توجہ ہٹانے کے لیے جلدی سے بڑھایا۔

تیس لے غصوں کو دبا تھا لیکن جوتی میں اور بہت سے کمرے تھے مڑانے سے ملحق
چھوٹا کمرہ جس کے چندی تہہ کیل کے مہرے پر چڑھ کر گئے۔ سامنے وسیع کھلے
ستے کے اس طرف تالان میں روشنی ہو رہی تھی اندر کئی کھمکے سراسے سنگ
فرش پر بیٹھا ہوا کتاب بچھ لیا تھا۔ میرے ذہن میں سب سے پہلے زین کا نام
آتا اور وہ وہی تھی۔ اس نے بازی رنگ کا لباس پہن رکھا تھا، وہ چٹا کر سیاہ
پاجامہ سبھی ایک رنگ کا تھا۔ زین! میں نے اسے درمیان ہی میں جابا اور
سوزانی سے پوچھا۔ تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟

”ہاں؟ اس کے من میں کئی سرگوشیاں تھیں۔ تم کہاں آنا کر دو گے؟“
”کہیں بھی کہیں میری بہت جاؤں گا اتنا ڈاکھر ہے۔ میں نے جو کہا ہے۔“
”میں نے لاہور سے کمرہ والا کراہ صاف کر دیا ہے۔“
”کیا تمہاری تہلے کے لیے بیان بھیجی ہوئی تھیں؟“
”نہیں۔ وہ دم دار میں بولی۔ مگر یہ بھی ایک خیال تھا۔“
”اور اگر میں مادی رات وہیں بیٹھا رہتا؟“
”اُس نے جواب نہیں دیا۔ زین پر ہنگامہ ہوتا ہے چپ کھڑی رہی۔ مجھے
اسے غور سے دیکھنے کے لیے سینہ سے مل گئے۔ بازی رنگ کے لباس میں اس کا
ایٹا رنگ اندر نکھڑا تھا۔ زین اس سے پہلے چھوٹی بڑی ہو گئی تھی اور اس کا
قد پہلے سے زیادہ مضبوط ہوا تھا۔ کراہ میرے شانے تک آ رہی تھی۔
اسے شاید احساس ہو گیا کہ میں کسی کی جانب دیکھ رہا ہوں۔ کراہا؟“
”کچھ توقف کے بعد وہ گھبرائے۔ ہنسے۔ لیے میں بولی۔“
”نہیں میں تو بالکل نیا ہوں۔“
”میں نے سوچا کہ کرم۔۔۔۔۔“
”تم مجھے اندر کسی سے کلمہ دو تیں۔ میں نے زین سے کہا۔“
”سب مر گئے تھے۔“

میں نے اس سے سخت نہیں کی لیکن پھر ایسی اس سے اور باتیں کرنے
کو چاہتا تھا۔ میری ہچک میں لفظ نہیں آتا ہے۔ تھے۔ آخر میں نے اس سے کہہ
میں جیکے سوچا ہے۔ کراہ۔ دوسرے اوپر ہو چکے تھے۔ کیا تھیں زندہ رہی ہے؟
پہلے پہلے میں نے پلٹ کے اس سے پوچھا۔

”وہ ابھی تک اپنی جگہ کھڑی تھی۔ کوئی کام ہے؟“
”جائے مل سکتی ہے؟“ ”بلکہ نہیں ہی ہو کر دیا۔“
”اس وقت! جائے سے تو زندہ اور وہ ہر جگہ لگی۔“
”مگر کچھ جاری جاری ہے۔“
”مگر کچھ ٹھکن ہے۔“ ”بال بھی ٹھکن پڑے ہیں۔ تیل بھی تو نہیں ڈالتے۔“
”مگر ٹھکن ہے؟“
”مگر میں ان باتوں کی کمال قیمت ملتی ہے۔“
”مگر وہاں؟“ ”اس نے تھی وار میں کہا۔“
”نہیں وہاں دین ہے۔ لیکن اگر ہر کمرے تو چاہئے پلاؤ۔“

”ابھی لاتی ہوں۔“
”تم اس وقت اتنی دودھ دیا جی خانے میں جاؤ گی؟“
”ابھی جا رہی تھی میں ہے۔ وہ سرگوشی میں بولی۔“
”بہت دے۔“
”کیوں؟“ ”اس نے نکلیں اٹھا کے مجھے بے تابی سے دیکھا۔“
”نہیں میں۔ رات بہت ہو گئی ہے۔“
”تو کیا ہوا میری بات میں نے بغیر وہ ایک طرف بھاگ گئی۔“
”میری کمرے کے باہر ایک بڑے کمرے میں سے کچھ بستر پر لیٹے ہوئے
تھے۔ چاہے میں کہہ دیتی تھی کہ میری کمرے کے قریب میری بانی سے بھلا ہوا ملک
گلاں پر موجود تھا۔ اتنی اور سلاہے مڑا چھوچکا کراہ کے کہہ کر تاج میں ہی
رہا تھا کہ اس کی چاچا میں سنا دیں شاید وہ دانستہ میں پر زور دے نہ
لکھ رہی تھی۔ میرے جسم ایک لے کے لیے اس کا ہر گاہ۔ زین کی سانس بھری تھی
تھی۔ اتفاق سے وہ دوسری چندی سے نکلا۔ مڑانے کے لیے جی اور وہ
اور صراحت کیلے۔ میں نے اپنی نا پستی ہوئی آواز پر قابو پانے
کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”مگر یہ ملائی کہاں سے آگئی؟“ ”میں نے جس سے پوچھا۔“
”دیکھی میں گئی ہوئی تھی کال جائے سے ٹھکن اور بڑھاتی۔ میں نے وہ
تین ہی گھنٹوں میں چلنے سے کمرے میں ٹھنڈی ہو گیا؟“ ”وہ پریشانی سے بولی۔“
”بل پھر مرنے کے دوسرے جلدی جلدی چلے پینے کی عادت ہو گئی ہے۔“
”اُس کے پھٹے پھٹے ہاتھ پلٹتے گئے۔ اس کے کہاں کہاں گئے؟“
”دودھ دینا۔“ ”میں نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا۔“
”وہ خاموش رہی پھر چند ثانیوں بعد بولی۔ اب میں جاتی ہوں۔“
”نہیں آئے گی کیا؟“
”نہیں۔“
”تو بیٹھا جگہ کھڑی کہیں ہو؟“
”وہ مہری کرنے کہنے میں پانچوں سے لگ کے بیٹھ گئی۔“
”تم کہیں ہو؟“ ”میں نے آہستگی سے پوچھا۔“
”بالکل۔۔۔۔۔ بالکل ٹھیک ہوں۔“ ”وہ جو تک کے بولی۔“
”اب تمھارا جی لگ رہا ہے؟“
”ہاں۔“ ”اس نے اضطراب سے کہا۔“
”جہاں گارڈ میاں نے تمھیں زیادہ تنگ تو نہیں کیا؟“
”وہ دونوں بہت اچھے ہیں۔“
”میری وجہ سے تو نہیں کہہ رہی ہو؟“
”اُن کے آنے سے گھر ہی بڑا برا معلوم ہوتا ہے۔ یہاں مجھے کسی
کا کہنا تھا کہ میں نہیں لگتا۔ یہی ہر وقت کوئی اچھلی رتی ہے۔ وہاں تو
ہو تو گھر میں کسی کی محسوس ہوتی ہے اور جہاں گئے۔ میں نے ایک بار سختی سے

کہا کہ تم بڑھاتی میں دلچسپی لگے تو میری تم سے کتنی۔ میں ہر وقت پر سخت تیرا
ہے اور روز رات کہے کہے جاتا ہے کہ آج میں کتنا آگے بڑھ گیا آج
میں نے کیا کیا۔ میں نے بغیر وہ کچھ نہیں کیا تھا۔“
”اور نام۔“
”خام نام؟“ ”وہ خوش لمبے میں بولی۔ اُن کا پس پہلے تو وہ مجھے اپنی
آنکھوں سے ایک لمحہ ہی اوجھل نہ ہونے دیں۔ سوئی کا یہ جوتہ دلا ہوا ہے
سب کچھ کیا کیا ہوا ہے۔ کچھ کہیں کے پڑے درازوں کے پڑے دلاؤں
کا رنگ مارا باغ بھی انھوں نے بدل کے رکھ دیا ہے۔ سب ہر طرف بھل ہی
نچھل کھلے ہیں۔ وہ روز کئی کھلے باغ پر صرف کرتی ہیں۔ بہت سیلختہ مند
ہیں بہت شانائے تھے ہر وقت یہ احساس ہوتا ہے کہ میری کئی بات انھیں
میری رنگ جانے کو کہہ بہت نازک ہیں کہیں کسی سنا رہا ہوں کہیں تو کچھ
جاتی ہیں پھر انھیں کچھ نہیں دیتی۔ میں نے اُن سے بہت کہا کہ خام نام
آپ مجھے بھی سنا رکھا وہیں میری ہر بات مانتی ہیں لیکن ایک ہی بات
نہیں مانتیں کچھ کھاتی تھی میں میں۔ پس والہ جادل میری ابھی لکھے
تم کا کمرہ۔ کتنی ہیں کہ کمرہ اور کچھ کھانے سے دو ٹاڑے ہیں۔ ایک تو
مراجہ لطیف رہتا ہے۔ دوسرے مڑا تھا۔ کتنی ہی ہر وقت آجائے تو اتنی
پریشانی نہیں ہوتی۔ جب مجھ سے غلطی باتیں کرتی ہیں مگر گہری ہوتی ہیں۔“
”زین نے تیل ہاتھ سے اتنی باتیں کی تھیں کہ میں اسے درمیان
میں ٹوکتا نہیں چاہتا تھا۔ کیا کہیں وہ کہہ جائے۔ وہ باتیں کرتے ہوئے
بہت اچھی لگ رہی تھی۔ شراہ کہہ کہے تھے اور لہجے میں ایک ہلکی سی
لڑائی تھی جیسے وہ ایک ساتھ سب کہہ دینا چاہتی ہوں۔ میں اُس کا چروٹک کا
تھا لیکن اُس کی نگاہیں میری طرف نہیں تھیں۔ ہر لہجے پر لہجے کا یہ رنگ
گئی۔ اُس کے کولوں کی کوئی شرح ہو گئی تھیں۔ کیا ہوا؟ ”تم ٹھکن گئیں؟“
”کچھ نہیں۔“ ”وہ جھینپ کر بولی۔ وقت بہت ہو گیا ہے۔“
”مہرے دے دو میرے لیے اب وہ میری کتنی ہے۔“
”وہ دونوں سے جاگ لہے ہو۔ کچھ دیر کے لیے سو جاؤ۔“
”تمہیں یہ کس نے بتایا؟“ ”میں نے حیرت سے پوچھا۔“
”زیر کو کہہ ہی تھیں۔“
”اور کیا کیا کہہ رہی تھی؟“
”اور کچھ نہیں۔“ ”وہ زیر لب بہت سے بولی۔“
”مگر میرے مڑانے سونے کا ذکر کیسے آیا؟“
”میں اُن باتوں میں۔“
”اتنی بڑی بات اتنی باتیں ہو گئیں؟“
”ہاں۔ بہت سی باتیں۔“
”خلا کیا کیا۔“ ”اندک تیا مانا تو لگن ہے؟“
”کوئی خاص بات نہیں۔“

”ماہ باتیں ہیں۔ مجھے نہیں بتاؤ گی؟“
”وہ اپنے لمبے میں خانان کے لمبے میں اور میں جہاں کچھ بار سے میں
ستاتی رہیں۔“
”میں نے ہنگامی جھری۔“
”وہ بہت خوب صورت ہیں۔ وہ وہ جس سے بولی۔“
”ہاں۔ میں نے کھوئے ہوئے لمبے میں کہا۔“
”مگر بہت اچھی لگیں۔“
”فلاکر کے تیل ہر مڑا تھا۔“
”کیوں؟“ ”وہ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔“
”اتنی دیر میں کسی کے لمبے میں کوئی رائے کیسے قائم کی جا سکتی ہے۔“
”مجھے یقین ہے۔ وہ ہر اہلکار سے اچھی ہوں گی۔ ویسے ہی بہت اچھی
لگتی ہیں۔ حل چاہتا ہے۔ میں دیکھنے سے ہر کوشش اُن کا بھی یاں دل لگ جائے
اور وہ بھی نہ مانیں۔“
”زین! مجھے تم اُن کو لگنے کے لیے کچھ ماننا تھا۔ میں نے مذہب کہا۔“
”اُس کی غرائیں انھیں چلے گئیں۔“
”گلاس کی ضرورت تو نہیں۔ میں نے غیر ضرور کے کہا۔ پھر بھی کہنے میں
کوئی حرج نہیں ہے۔ خام نام وہاں میرے کہہ دو اب یاں یہ لوگ آگئے ہیں
بات ہی کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ میں یاں لانے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ اُن کا ایک بڑا سا
گھر تھا۔ اتنا بڑا تو میں جتنا ہے۔ یہ لیکن بہت سے گھروں سے اچھا تھا۔ جہاں
پاس اس کے سوا چار و پانچ تھا۔ یہ لوگ اپنا گھر چھوڑ کے یاں آئے ہیں اور
صرف جاری دے رہے۔“
”یہ سب کہیں کہہ رہے ہو؟“
”اب زیادہ لوگ ہو گئے ہیں تو ایک۔۔۔۔۔“
”سوئی بہت بڑی ہے۔ خوب روٹی ہے۔ گی۔ وہ تیزی سے بولی۔“
”کاش ایسا ہی ہو۔“
”ایسا ہی ہوگا۔“ ”وہ سکڑنے لگی۔“
”ممکن ہے کسی وہ لہجے گھر دایں ملے جائیں۔“
”ہم نہیں جانے میں میں دس گئے۔“
”میں کوئی پہلو بدلنے کا گھر میں نہیں چاہتا تھا۔ مجھے زین
کو دایں بھیج دینا چاہیے تھا۔ میرے ساتھ جلا رہا تھا۔ مگر وہ جانے کے لیے کہہ
گئی تو میں نے اسے ہر دس لیا۔ مجھے بہت گئے۔ وہ دس ہی بھیج دے گئے
کہ تو میں نے اس سے کہہ دیا تھا لیکن اب پچھنا اور سا بڑا تھا کہ زین سے یہ
سب کہہ کہیں نہ لے گئے۔ کچھ بتایا ہے۔ اُس کے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ میری
اور ہر دفعہ وہاں ساتھ آئے ہیں۔ غلام رہے۔ کوئی ایسی ہی بات ہوگی جو ہم
انھیں یاں لائے۔ وہ نہ ہم کہیں اور بھی لے جا سکتے تھے۔ زین نے مجھ سے
کہہ نہیں کی کہ اُن کو لگنے کے ساتھ کیا ملا تھیں۔ اُسے تھے۔ وہ خود بھی

۱۰۲

دس باہر زندگیاں کھینچاؤ کے لوگوں کی آخوندی اور شعلہ
 ملامت خیال بھانک کر سلا اور جو کہ ساتھ بالوں میں اور جگر نری کے جانے
 سے دین گونے کا احساس ہی نہیں ہوا انکو نری کے جانے کے بعد یہی ہر چیز
 اپنی جگہ پر چلنے لگی۔ اور اندے نے باہر نکلتا شروع کر دیا تھا اور سنبھلا سنبھلا ہے

لگا کھٹا بیٹھنا جگر میلنے سے اُس پر غماخ افزا پڑا غنائیہاں جہاں گیسلا در
ترجوماں سیکے لیے رولی صامب اور مارٹر صامب بڑھانے آنے لگے تھے۔
بڑھاتی میں صوف بھرنے تو میں گھر سے نکل جاتا کبھی چوڑے کا ڈسے
کی طرف چلا جاتا کبھی بازاریوں میں گھومتا رہتا۔ ایک دن مجھے جس حویلی سے ماہر
نکلا یہ تھا کہ ارشد بھی سے پیچھے پیچھے آگیا۔ اُس نے میرا ساتھ چلنے کی
خاموشی کی۔ مجھے ایک اعتراض پر سنا تھا پھر عزم قائم دونوں ساتھ ہی چلے گئے۔
وہ بہت تم بات کرنا، کبھی پانی پیسے لائے کا انکار کرنا نہ گھر واپس
چلنے کی جلدی ہوتی جہاں جہاں میں جاتا وہ میرا ساتھ چلتا رہتا۔ کئی مرتبہ
بہرل میں، یا کراکس سے کراکرا کر چھڑے لیکن پھر اچھا نہیں لگا۔ اُس نے
خود کوئی ذکر نہیں کیا تو میرے لیے بھی مناسب نہیں تھا۔ راستے میں مجھ جگہ
پس آئے کے لوگ کھڑا تھے سندھ میں دولوں کو توبہ کے کسی بہرل
میں لے جاتے یا ناگھے میں میرے کر کے لڑائی کی باتیں بہت جیسے سننا
تھا۔ اُس سے کچھ جھپٹا نا بے کار تھا۔ اُسے یہیں رہنا تھا تو جلد یا بدیر سب کچھ
معلم ہری جانا تھا۔ سبیک دو بار میں اُسے جوڑ کے اڑے بھی لے گیا۔ اُنھے
کا ایک حقدور دشمن جاتو، بلکہ لالچی بازی وغیرہ کے لیے مخصوص تھا۔ میں
اس طرف کا تو لوگوں نے مجھے گھر لیا۔ اور مجھ سے بھی جاتو بازی کے لیے
اصلو کیا۔ میں نے ارشد کی وجہ سے نہیں ٹال دیا مگر ایک دن جب ہم وہاں
پہنچے تو جوڑ کے ایک ساتھی منمن نے مجھ پر اچانک چاٹو سے حملہ کرنا بدشدمنج
انٹھا۔ اُس نے مجھے جانے کے لیے جھپٹ کے لیے کہیں اُٹھنا چاہا۔ لوگوں نے
اُسے چھوڑ دیا۔ اُسی اثنا میں منمن کا بوجھ سے ماتھ میں تھا اور منمن ٹوٹ پڑا
تھا۔ اُسے کے تمام اُڈتے تھے۔ میں نے منمن کو چھوڑ دیا مگر ٹوٹ
کے اُس نے دوبارہ مجھ پر داکر یا نا صلا زیادہ تھا۔ مجھے منمن کا بڑھتا ہوا چاٹو
والا ہاتھ دیکھنا میں ہی ادھر آجھانے کا موقع مل گیا تھا۔ اُس واؤ میں فرودی
سہک کر اپنا اوڑھنا ہوا ہاتھ صلاح کی طرح اکڑا لیتا چاہے غیر انتہائی طور
پر متاثر ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے کپڑے کو کشش کر کے گلاب کر کے اس کشش
کے بجائے دوسرے کھلے ہوئے ہاتھ سے کام لیتا چاہیے یا سبک کر چھڑکا دے کے
پوری حفاظت سے پیچھے ہوتا چاہیے مگر یہ اُسی صحت میں ممکن ہے جب
داؤ کا جواب تفرق کے مطابق ہو۔ غفلت نہ ہو۔ میں نے توقع کے خلاف منمن
کا ہاتھ دیکھنا میں ہی چوکے اوڑھنا تھا۔ نتیجہ اُسے گھبراہٹ ملا۔ اُس نے
اپنا چاٹو والا ہاتھ زانو کوڑنے کی کوشش کی۔ میں نے اس وقت میں اُس کے
منادوں تک پر ہاتھ رکھ کے اُس کی سانس بند کر دی۔ منمن دو ایک گھوڑے اور
ٹالیں مجھے ارستا تھا۔ اُس نے میرے جڑے پر گھونٹا مارا۔ پھر ایک لاکھ
ہی مارا۔ کسان کی سانس گھٹ گئی تھی۔ میں نے اپنا ہاتھ اُس کے منہ سے
نیں چٹایا۔ چنانچہ اُس نے چاٹو چھوڑ دیا اور اس نے فوراً اُس کا منہ بعد میں
ارشد کو معلوم ہوا۔ وہ بہت تیز لپکا کر منمن نے فضل تفریق کے لیے مجھ پر مار
کیا تھا۔ پانی بھیس کے ساتھ کہ میں اُس سے بچ جاؤں گا۔ میں نے میرے چوکے

مجھ سے اپنی غلطیاں پوچھنے لگا۔
درد و زباں میں پھرتے اور مڑوں کا پتھر لگاتے لگاتے میل
جی اٹتا لگتا جس نے گھر سے نکلتا ہی ہم کو دبا اور اردن جڑ پڑے وقت مجھ
سے چلنے کیے گئے تہا تو میں اس سے معدت کر لیتا اور لا بُری میں آکے بیٹھ
جاتا خانم نے لا بُری بھی از سر نو ترتیب دی تھی پہلے بھی کئی مرتبہ میں
اس کے مجٹھا تھا کہ میں نے کبھی غور سے ان کتابوں کی طرف نہیں دیکھا تھا۔
اں کو دیر بھی چسکتی ہے کہ پہلے وہ الماریوں میں اس سلیف سے بھی بڑی
نہیں تھیں۔ تہیں کے خار سے غریبی پر قیضے کے بعد بہت سی کتابیں
کبوس میں بند کر دی تھیں خانم ہی نے آدی کو بلا کے اُن کی ترتیب دی
کرانی تھی ترتیب کا کام شہر کی پبلک لا بُری کے لا بُری نے انجام دیا
تھا، وقت گزرا اُن کے لیے میں نے چند کتابیں باہر نکال لیں۔ رفتہ رفتہ مجھے
المازہ ہوا کہ تہیں کے آپ کو فی عالم مختص تھے۔ اُن کے پاس مختلف
موضوعات کی کتب کا ایک بڑا ذخیرہ تھا۔ انگریزی کتابیں بھی خاص بڑی
تعداد میں تھیں۔ میل کے بعد کبھی کبھی قریب سے پڑھنے کا وقت نہیں ملا تھا۔
ملا تھا تو قریب میں لگتا تھا۔ بیہوش میں کرتا ہی کی کتابوں کے صفحے اُٹ
پلٹ کے میں الماری میں واپس لے کھ دیتا تھا۔ وہیں میں کرتا ہی کی بڑی
لا بُری میں اُن کے سامان کے ساتھ ذرا وقت کو دی تھی تھی سیر کے لیے مشغلہ نیا
تھا شروع شروع میں مجھے ایک کٹھ ہوئی مگو یہاں بہت سکون تھا میں نے
اپنی آنکھوں کو اُن کا عادی بنانے کی لہری کو کشش کی پھر کتا ہی میری
آنکھوں کے پیسے عادی ہو گئیں۔ مجھے بہت سی نئی نئی عجیب عجیب سی
باتیں معلوم ہوئیں۔

میرٹلی آنے والے دن میں بے مصروف نہ ہے۔ ہر دوسرے تیسرے روز
وہ زمینوں پر چلے جاتے۔ کبھی شام کو ٹھ آتے کبھی رات وہیں باہر کرتے
اور دوسرے دن شام کو واپس آتے۔ اردن جھیل کے پاس زیادہ بیٹھنے لگا تھا۔
جھیل کا بھی یہ تھا کہ جب تہا بڑتا، اردن کو پکارتا ہوا اند آجاتا۔ اسے ملنے
میں اپنے پاس بلا لیتا۔ جب جھیل جڑ کے اُتے ہے پوچھتا کہ کتنا اردن کبھی اپنے
ساتھ لے جاتا۔ جہاں گرو اردن کی عرف میں بہت فرق تھا مگر جہاں کیراں
سے نہیں کھینچے کے لیے اہل کار کو تہہ تیغ کر دیا۔ میں نے اس دوران میں بہت
سی کتابیں پڑھ لی تھیں۔ دن کا بیشتر وقت میں لا بُری میں گزارتا۔ وہاں
بہت کم لوگ آتے تھے کوئی آتا تو دروازے سے دیکھ کے چلا جاتا کہ میں
وہاں موجود ہوں یا نہیں باوجود پروردگار کے کھانے پونیاں اور جہاں نہیں
سے کوئی نکلے آ جاتا۔

ایک دفعہ میں لا بُری میں آکے بیٹھا ہی تھا کہ تہیں زہر کے ساتھ
وہاں آگئی اور اُن نے ہی کہنے لگی۔ ایک بات کہنی ہے۔
میں نے کتاب بند کر دی اور غیب سے پوچھا۔ کیا بات ہے؟
وہ دونوں سے سامنے کی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ تہیں مجھے بولے۔

تو میں اُس کی آہٹ فوراً پہچان لینا۔ وہ وزرات کو دودھ کا گلاس میز پر رکھ جاتی تھی لیکن اُس رات بہت دیر ہو گئی تھی اُس کے ہاتھ میں دودھ

”جو کچھ بھی آپ جان سکی ہوں۔ مثلاً آپ کے لیے یہ بات حیرت انگیز ہے۔“

”کتنی دلچسپ باتیں کہیں گے۔ اس کے باوجود میں یہ سب جاننے لگتا ہوں کہ تم جیسے نہیں ہوئی؟“

ہوتی ہے کہ ہوا اُسے کسی سے ملنا پسند نہیں تھا لیکن جو بھی آتا تھا وہ اُسے خوش اخلاقی سے ملتی تھی جب ہمارے گھر میں میٹھی ہرتی اور کئی آجائو تو لڑنا مٹھ

دیکھا ہمارے معلم تھا کہ دوا سی بات پر اس کے چہرے کا رنگ بدل
دوا سی بات پر اس کی آنکھیں سمجھ اٹیں۔
نورجو را کا راکا کہ رہی تھی میرے ساتھ پاؤں ٹھنڈے ہوئے
اور دل میں گس چکا رہاں سی چٹخ ہری عین پرست تھا تیرا سہ علم
بٹھے صاحب نے مولوی صاحب سے ارشد میاں کی بات کی تھی
ہائے میں تھلا دی اس نے کوئی بات نہیں ہوئی؟
ہاں ہوئی تھی، وہ جو کہکے لہلہ تئیں نے اس سے پوچھا
تھا کیا ارادہ ہے کہنے کی گئی تھی شادی نہیں کروں گی۔

جواباً کہ پہنچتے پہنچتے رات گہری ہو گئی تھی۔ چونکہ مارنے دروازے
 ہی پر تھے۔ تیار یا نہ تھا کہ کچل گئی بار کھجے پر لہجہ چکا ہے۔ میں لانے میں بیٹیا
 ترجمہ کر کے اڈے کے بہت سے آدمی دواں ہو کر دوڑتے۔ کہیں خاں اور محرو
 کچل کے ساتھ چونکہ یہ دواں ابیں مٹے ہوئے تھے۔ اڈے کا ایک آدمی

”ہم ہیں تھا“ میں نے تھپی سے جواب دیا۔
 اُس نے جھٹکے سے بری پٹھوڑی بڑکے کے ایک نظر مجھے لگا
 اور کترین فلان کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی بات جاری رکھے۔ کترین خاں کے
 پہلے میزبانوں میں رہا تھا۔ وہ بے لمحے میں اپنی بات دوبارہ
 چاہے تو وہ اُس کے لیے ایک سے ایک کینسین لڑکی فراہم کر سکتا ہے۔
 کوہ لڑکی داییں کو رہنی چاہیے پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اُس
 سوداگر کے آسے دوبارہ جرف کے حوالے کرے۔ جرف نے جواب میں
 ہی تھی کہ جھٹل نے ہاتھ اٹھا کے انھیں خاموش کر دیا۔ مکمل بچہ
 نے تڑپ سے کہا اُن گروں نے گھٹت کو کامنوس تو بیل دیا ہے
 لٹھے ہیں۔ وہ جھٹل کو آسے لے جانے آئے تھے۔ کترین خاں اُس
 فاس ٹھیل کو سترنل کے لیے ایک طواف باغ ترقی اورد جرات ادا
 ناچ گانے کی فصل جینے والی تھی۔ وہ جھٹل کو رننے دینے سے روک کر
 کہتے زیادہ ہرکما ہے۔ جھٹل کا شاہ پہلے سے جانے کا ارادہ پُر

میں نے ہر سے اچھ کے دروازہ بند کر دیا اور دیکر کے تلاشی لے رہے تھے۔
 وہاں اپنے مطلب کا کوئی خیلا نہیں ملا۔ میں نے ایک چادر میں اپنے
 چہرہ کو لپیٹ کر پڑے۔ لیکن اچھ کے ایک اور دیک کے ساتھ کاغذات
 لٹکے کاغذات میں بند کر کے میں نے امدادی میں ڈال دیے تھے۔ انہیں
 نکال کے میں نے صدر کی اندر فریج میں ڈال لیا۔ تھوڑی دیر میں
 ہاں چنڈی پر پڑے تھے جو اس روز بازار سے خریداری کے بعد بیچ گئے
 تھے۔ ہر دم بہت محنت کی تھی کہ کھانے کی شے سے بچنے کا سوال یہاں نہیں
 تھا۔ تاہم میں نے اسی پوتہ جمع کی کسکٹ نامی کے روپے خرچ کرنے کے
 لوگوں کی صورت نہیں تھی۔ وہ انھوں نے ہر مال سے ہی لیے چھوڑے تھے
 انہیں نے انھیں اپنے ذہن میں قرص سمجھا کر تیار ہی ہوتے اور میں ان
 سے اتنا تو رہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں بہت سے روپے محفوظ دیتے جو روپے
 بڑے مالک سے اتنے سے ہیں پانچ سو مل دو۔ وہاں اسکا تھا۔ وہاں اس کے ایک
 ایک داخل کرنے کے بعد میں چار دن انتظار کرنا پڑا۔ مجھ کو پس کی کہ نہ
 ملا۔ غل کے ساتھ سو کر کے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ سفر میں ہے۔ وافر
 مال کی آمد ضروری ہے۔ اس میں تم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ
 محصول چوسا نکالنا تھا۔

جب میں نے حویلی میں قدم رکھا تو وہ بے خوف گل افشان حویلی میں
 مڑنے میں ارشاد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے پہنچنے ہی آکھ کھڑا ہوا۔ لڑنے لڑنے
 پر کچھ کہنے سے پہلے ہی میں نے بھاری آواز میں کہا: "میں پلٹنے کا ارادہ
 نہیں ہے؟"

"کہاں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"کیا دوسری بیٹھا ہے گا؟"

"مجھے تو تم پر ہی آزماؤ مجھ پر حملہ نہ لگی۔"

"بیٹا میں نے سن کر ہل دیا ہے۔"

"کیا بول دیا ہے؟"

"پلٹنے کا؟" خند میں سانس لے کر بولا۔

"مگر کہاں؟ کہاں جاؤ گے؟" میں نے پوچھا کہ پوچھا۔

"پلٹے کھلتے دو چار روز کے لیے چلیں گے۔"

"بھرا۔"

ۛ چھکس اور نکل جائیں گے وہ کھڑے ہوئے لمبے ہیں بڑا۔
 مجھے تعجب نہیں آیا، نچھلنے مجھے تعجب دلانے کے کرشن بھی نہیں
 کی۔ وہ افسدے ساتھ زنان خانے میں چلا گیا جو کہ اڑے کے لوگ سب
 ابا فرخ سے تڑان کے زانی پتھلا کر نچھل آج ہی رات نکلے تار مارے۔
 صرف ایک دن دریاں ہیں تھا ہیں چھڑا نہیں گیا۔ دن چھڑا نے ہی ہیں
 رہا لیکن جاتے وقت وہ اب لوگ سامنے تھے سب کے نکھیں بڑھ رہیں
 میں نچھل سہلے عریلی سے باہر گیا۔ جہاں لوگ تار مارنے مل رہے تھے کہ ہیں
 چھڑنے آئے جو کہ اڑے کے نما آدمی دن بھر چڑھتے کہتے خانا اور
 من ڈالنے سے تھیں اترے گاڑی ملی تو مجھے پہل بار پتھلا کر وہ دنوں
 بھی تارے ساتھ نکلتے جا رہے ہیں۔

دوسرے کے سامنے بیٹھے ہیں۔ راجا ڈالنگ۔ ابھی کوئی ایسا مادہ چلاؤ کہ
ایک بھی جی تھامے پاس سے نہیں جا سکے۔ نادرا جانا ہے کہ اور ڈھنگ
جانے کے بعد ایک مومنٹ کے لیے جی این کا دل نہیں لگا۔
میں صرف کرکٹ کے ڈیگیا۔ مٹا جی اس کی پاں میں پاں ملا رہا
تھا اور اپنے چھوٹے چھوٹے ماتھوں سے میرے خٹکے دبا رہا تھا۔ تم نے
کون کے بالے میں کون نہیں پوچھا راجا؟ مجھے چپ بیکھ کے مائی مغرب
سے ہلا۔ وہ جڑیل کو خرش ہی سے کون کتا تھا۔

”جھک ہی ہوگی مائی؟ میں نے بھی ہوئی اڈر میں کما۔
”ہاں کون دلیے آل رات ہے راجا؟ اب ہم پرنیکٹ مائی پھل
لیے میں ہلا۔ پرمائٹل رتی ہے۔ روز میں اس کو سوریس اور دیکھتے
جاتا ہے کون اپنا پست ریگرو ڈکرتی ہے۔ اپنے ماتھ سے روز چائے
پلاتا ہے اور اور وہ...“

”اد جپا کا کیا حال ہے؟“ میں نے اس کی بات کاٹ کے پوچھا۔
”وہ این کی مدر کے ماتھ ہے۔ اور اپنی دودر ہے سبک کرن
کی مدد دوسری چپا۔ میں اور مٹا ریگرو لی اور جاتا ہے تو وہ گہیں اند
بلا کے جاتا ہے اور روز تھا لیے پوچھتا ہے۔ پو کون نے کھی اپن
سے ایک دوتیوں ہلا۔ تم بھتا ہے راجا! اس کی آنکھیں سے پوچھتا
ہے اور اپن روز جھوٹ بل دیتا ہے کہ راجا کا گمراہ ہے وہ سفر میں ہے
اد بال ٹوٹ فٹاس ہے۔ کون جاتا ہے کہ اپن جھوٹ بل رہا ہے۔
پراپن اور کیا رہا ہے؟“

”وہ اکمل پھلے جاتی ہے؟ میں نے ہنگل سے پوچھا۔
”وہی۔ ہر اکمل سے آکے گہیں بند جاتی ہے کھیں اور نہیں
جاتی اپن نے کتا نام مد سے ہلا کون رہا ہر نکار گہ میں بیٹھے بیٹھے سلا
زنگ گ جاتیں گا۔ اور کس کا نام کون چرچ بھی نہیں کیا کرسٹس ٹاٹ
پراپن کھی رات اس کے گھ پورہ کون نے کپڑے بھی نہیں پہنا دیں اس
دن پہلی بار کون سے ڈوٹے ڈوٹے ہلا، کون، مائی کو پورہ دھات از
وی ہیر؟ مائی تھا راسیلو ہے۔ ہمال کے ایدے سے اور دیکھا گیا کیا
اسا تھا وہ راجا! اپن سے نہ پوچھا اب لگا کہ مائی کو کچا تو مار کے چلا گیا ہے،
مائی کے سر پر جھوک کے چلا گیا ہے۔ مٹا جی اپن کے ساتھ تھا۔ بل مٹا
ماسٹو آیا تھا کہ نہیں؟“ مٹا دیا میں اپن لیتے دیتا رہا۔

میں نے اپنے کان بند نہیں کیے۔ جو وہ کہتے رہے۔ مندار۔ پھل
نے دجانے لے بیٹنی میں کون روک دیا تھا جب خانہ زیباں اور منیر علی کا
سارا گھر جلی میں ماسکتا تھا تو جلیں دیاں کون میں آسکتی تھی۔ جولی میں
اُن سب کو کھٹے میٹھا دھک کے کتنی ہی بار بیٹھے اس کا خیال آیا تھا۔ زوں سے
اُن کی خوب بچی۔ زوں میں طرح طرح زیباں خانہ و زہرہ کے آتے سے خوش
تھی جڑیل سے مل کے جی بہت خرش ہوتی۔ مجھے علم تھا کہ اُن کی

کے بالے میں اسی طرح کی باتیں کرے گا۔ دو مینے چلے جب زوں
بیک تیریں ملا تھا تو اُس نے اتنا کھنٹیں بتایا تھا کہ میں جاتا تھا
کیسں ہوگی اس نے کرنا جی کی وہ ہم بھی کو مادی تھی جو میں نے بہر
چلتے وقت آتے دینی تھی۔ مجھے سب اندازہ تھا لیکن مائی کی زرا
کا ذکر کون کے پر دل وہ بڑے لنگ میں نے مائی کو کوئی جواب
میرے ذہن میں اس کا ایک ہی جواب آیا تھا کہ آج باکل کسی دند
مزدو خط کھوں گا۔ اب مائی دیاں سے چلا آ رہا ہے۔ وہ سروا
لینے خود باز رجاتی ہوگی۔ مائی کے دروازہ ملنے سے کچھ اڑم آتے
تھناں ٹوس نہیں ہوتی ہوگی۔ جڑیل کا چوہ میری آنکھوں میں گھوم
مائی اور مٹا ویریک آئی کی باتیں کرتے رہے۔

کانٹے مجھے پکارتا ہوا اور گایا اور ہم نہیں کو جان دنی
کرے میں لے آیا۔ دیاں بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ چٹن پرو، ہاجو
اور جاسو سامنے دیوار سے کرکاتے ہوئے اُن کے آگے تھے۔
مٹائی کا ایک بڑا ٹوکرا لکھا تھا اور چائے کی بالیاں تھیں۔ غول اور
ٹوکری سے دوئے آٹھا آٹھا کے لوگوں میں تقسیم کر رہے تھے۔
پیر کے سامنے آگ مٹائی کا ایک کولہ موجود تھا۔ کرے میں تمام
بھری ہوئی تھیں اور ہر شخص اپنی اپنی بولی بول رہا تھا۔ میں نے یہ
بٹھکا جانا لیکن جڑیل سے آواز دے کے مجھے اپنے پاس بلایا
گروں میں ہاتھ ڈال کے چٹل کو کہنی کا حال سنا تا رہا۔ میرا خیال
کے کھانے سے چلے اُن میں سے کوئی نہیں لے گا لیکن مٹائی نے
اور چائے پینے کے بعد چٹل دفعہ آٹھ کھرا ہوا اور پیر کو لے۔
فلٹ میں چلا گیا جہاں بھی ڈول پھری تھی۔ اس کا زمینہ آفے۔
سبھی آؤ پر جاتا تھا۔ جامو جی اُن کے ساتھ تھا۔ انھوں نے مجھ
کو نہیں کہا حالہ کہ اُن کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ وہ مزدور کوئی خا
کرتے فلٹ میں گئے تھے فیض آباد میں بیٹھے بیٹھے چٹل کا جامو
کا اودہ کا رادہ پر کو کہنی کے پاؤں کے آؤ میں کے ساتھ کھٹے
بے سبب نہیں تھا میری بھیم میں اس کا آگے مجھے جاتے میں کیا
فیض آباد سے کھٹے کے طول سفر کے دوران چٹل مجھے بھی جو
تھا میں نے خامی دیاں کے پیچے آتے کا انتظار کیا۔ وہ منیر
میں نے مائی اور مٹا کو باہر چلنے کا اشارہ کیا۔

گل کے کٹو جی پو ایک کیسی کھڑی تھی۔ ہم تینوں اس
گئے ٹیکس والے نے نزل کا پتہ پوچھا تو میں نے اس سے کہہ دیا
جہاں چائے لے جائے میری جب میں چند روپے بڑے تھے
کھٹے کے بازار میں مزدور کوں پوچھتی رہی۔ مٹا اور مائی آتے
علا میں اور کائیں دیکھ رہے تھے۔ جدھر کچھ آؤی ہی آؤ
تھے میرا مقصد جی ہی تھا کہ وہ کھٹے دیکھ لیں، پھر شاید فرصت کا

لیا نہ ملے۔ پاک بیلری گھرانے لگا۔ مجھے ایسا عرس ہر اسیے ملا تین
اور کائیں کرکس میں کرے لگی ہوں۔ میں نے مٹے کے کو ایک طرف
ٹاکے باہر کھوکے دیکھا کیسی دالا مختلف راستوں سے گزرتا ہوا اس
ملاں میں آگیا تھا جہاں مولوی صاحب کا مدرسہ تھا۔ سب کچھ وہی تھا۔
میں کچھ انداز کے سید اور مدرسہ تھا۔ میں نے ڈاٹر کا کد کھانچو دیکھ
بہرے روک دیا جو وہ پوچھتی اور میں نیچے نہیں اترا تو مائی مجھے جھوٹے
ہنے پوچھنے لگا۔ کیا بات ہے راجا! سدا؟“
”کچھ نہیں مائی؟ میں نے ہڑا کے جواب دیا۔ کچھ نہیں۔“
”تم نے ایسی کیسی کرکسں ہالت کرو یا؟“
”میں ایسے ہی۔“

”راجا! تھادی آنکھ بھرا ہے۔ وہ بے مائی سے ہلا۔
”کچھ نہیں مائی؟ میں نے منہ پھریا۔ آگے چلو۔“
”ٹیکس والے نے کالری اشارت ہی کی تھی کہ میں نے اسے پھر
روک دیا۔ تم پھر مائی میں بھی آتا ہوں۔ میں جلدی سے اتر گیا۔
”کیا ر؟ کید راجا؟“

”میں بھی چلیں گا۔ مائی بھی باہر آنے لگا۔
”بہن تم نہیں بیٹھو۔ میں نے اس سے اتھاں۔
”راجا! کوئی فٹو لے کا بات تو نہیں؟“ اس نے سرکل پر چلاؤ کال لیا۔
”میرے پاس جی جا تو ہے مائی؟ میں نے تلخی سے کہا۔ مائی
نے نظریں جھکا لیں۔ میں اسے چند لمحوں میں واپس آنے کی تاکید کر کے
چلا گیا۔ مائی میں پیچا اور مد سے کا دروازہ چھانک کے سہ جادو فز میں
اُبل ہو گیا۔ سید کی ٹوٹی اور کھتر کے کرتے پاجامے میں میو بس دیاں
مونا ایک ادھیڑ آؤی بیٹھا تھا۔ مجھے لیں اندر آتا دیکھ کے اس کے
اُٹھے روٹھیں پگھلیں۔ جناب! میں نے اپنی مائیں تاباں میں کرتے
لے پوچھا۔ مولوی محمد شفیع کا کچھ پتہ چلا؟“

”مولوی محمد شفیع!؟“ وہ ذہن پرندو جیتے ہوئے ہلا۔ ”دوسرے
ہاں لے مجھے احساس ہو گیا کہ میں بے کار میاں رہ گیا ہوں۔ میں اس کا
جلب سے بغیر واپس آئے لگا۔ اس نے منٹ پتا ہے ہوئے لیے میں
بلجوا کا کیا نام ملو! دادو لے مولوی محمد شفیع کو پوچھ رہے ہو؟“

”ہاں ہاں انھی کو تم میں نے خبری سے جواب دیا۔
”تم اُن کے کون ہوئے ہو؟“
”میری بات کا جواب دیجیے کہ اُن کی کوئی خبر جو معلوم ہوئی؟“
”مجھ کو تو وہ قتل سے ہلا۔ تم شاید ایک بار بیٹھے ہی ہو؟“
”ہاں میں نے سنا ہوئی آواز میں کہا کہ کیا آپ کچھ جانتے ہیں؟“
”ماتھ بہتر جاتا ہے۔“

”وہ کیسی کجھی دکھائی نہیں دیتے؟“
”اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔
”اد اُن کا سامان؟“

”جہاں کا توں دکھانے گل گلایا ہوگا۔ میں نے مد سے کتے کوئی
احسان اسی صاحب سے کہا تھا کہ کسی غریب کو دے دیجیے، کسی کے کام
ہی آجائے گا لیکن وہ بیٹل آؤی نہیں مانے تم بتاؤ کہ اُن کے کون
ہوئے ہو؟“

”میں اُن کا ایک موزیر ہوں۔ میں نے ہزاری سے کہا۔
”بھلا کیا کشتہ ہوتا ہے آپ کا اُن سے؟“
”کوئی بھی نہیں اد تم اُٹھتے۔ میں نے شکستہ لہجے میں جواب
دیا۔ وہ جڑیل نظروں سے میری صورت دیکھنے لگا۔
”تم نے انھیں کہاں کہاں تلاش کیا؟“

”بہت سی جگہوں پر۔“
”وہی گورے کہاں؟ آخر قیص اُن کی اتنی...“ میرا کد وہ کہتا
ہوئے ہلا۔ ”اللہ کی رسی دن انھیں مزدور ملائے گا۔ میں اُٹھنے لگا تو
اس نے مجھ سے چائے کے لیے اصرار کیا۔ اگر اُن کا کوئی پتہ چلے
تو قیص کہاں اطلاع دی جائے؟“

”مجھے اس کی بات عجیب سی معلوم ہوئی۔ میرا پتہ۔ میں نے کھوے
ہوئے لیے میں کہا۔ میں کجھی اصرار کیا۔ مگر آپ مجھے...“
”میں نے اسے اپنا نام صرف باہر بتایا اور پتہ فیض آباد کا لکھوا دیا۔
”خدا کرے کوئی ایسی صورت پید ہو جائے۔“

”کیسں...“ کہیں آپ مجھ سے کچھ پوچھا تو میں نے بے ہوشی میں
لے اچا کھ لڑو آواز میں پوچھا۔
”اُحل ملا تو ت۔ ماں کیسی بات کرتے ہو؟“

”مجھے صاف کہ دیجیے لوں ہی خیال آگیا تھا۔ میں نے زلمت
سے کہا اور فوراً دیاں سے اٹھ کے باہر آ گیا۔ وہ مجھے آواز میں دیتا رہا۔
مجھے دیاں جانا اندک کا وقت پر اُڑکنا ہی نہیں چاہیے تھا لیکن مجھے
کسی کے وقت کی کوئی سختی بھی کا وقت خالی ہو رہا تھا۔ چٹل
کا ادہ جانے کتنے لوگوں کا جس طرح میرے پاس وقت ہی وقت
تھا۔ میں بھٹتا تھا ابھی میری طرح خالی بیٹھے ہیں میرے سروا تیاں
انھیں اندک کوئی کام نہیں ہے۔ مولوی صاحب اد اُسے خدا ہوئے
نورس سے زیادہ ہو چکے تھے۔ ہر دن ایک دن کا خالص اد پڑھ جاتا
تھا۔ اب تو میرا چوہی مولوی صاحب کو دیاں میں رہا ہوگا مجھے سامنے
دیکھیں تو شاید پوچھنا ہی نہ پائیں۔ لیکن بے وہ بھی بہت بل گئے ہوں
اد وہ مجھے بھٹانا ہی جانتے ہوں گے۔ میرا چوہا اپنی نظروں سے غلڑش
ہی کرنا چاہتے ہوں کہ گورے کے لیے جی اُن کی ہی کو خوش ہوگی مگر

اپنے لیے بھی شہر ایک جیسے ہیں پر کلکتے کی بات اور ہے۔
 اور کلکتے سے دور بھی جیتے ہیں۔ جتنا شکایتی لیے میں بول۔
 مانتی آپ کیست یا کرتی تھی۔ چھو یا اب بھی خاکین۔۔۔۔۔
 مانتی کہاں ہے؟ بھلنے نے اضطراب سے پرچھا۔
 آپ کو نہیں معلوم تودہ داداسی سے بولی تھاجاننا تھا بگلی گئی۔
 بگلی گئی ایک کیسے جانا؟
 روگ لگا گیا تھا؟
 کیا روگ؟
 بی آئے جانے والوں میں سے کسی ایک کا؟
 کن تھا وہ؟
 اسی شہر کا تھا؟
 بھل چند لمحوں تک خاکشیں کھڑا ہوا، پھر دھڑکی سے بولا۔
 نام بتاؤ؟

اب نام بتانے کے لیے ہرگا استاد مالنی والیں نہیں آجائے گی۔
 آپ جوتے نوٹا دیں گے کچھ پاتے آپ کا بابت ذکر کرتی تھی چھوڑ
 یہ بتائیے کاب جالوئیں رہے؟
 جالے ہیں جتنا جلدی ہی جانا ہے۔
 پھر حصار ہے؟
 ہاں جتنا تم سے ہی بولنا تھا آج رات بھی تم سے باتیں نہیں ہو
 پائیں گے۔ گلتا ہے تم پیچھے نرت اور مجھ کو چھانچتی ہری ہو رستی
 وصل نہیں کی یہی سب سے کچھ ہمان آئے تھے۔ یہ پرو دا ہے بھلنے
 پروں گدون میں ہاتھ ڈال کے آسے قریب کرتے ہوئے کلمہ
 جملنے پیر کو راداب کیا۔ کبھی آؤد میں آؤ یا پیر کو راداب بولا۔
 مکھے آئیں۔ اس شہرے بیرون میں بیڑیاں ڈال رکھی ہیں لیکن
 آپ بلانیں گے تو فرو آئیں گے۔ یہی دیکھنے کی حسرت ہے۔
 آؤ، فرقن سے آؤ، ہاں تم کا کہنا ابھی دکھائیں گا۔
 فرو آئیں گے۔
 آؤد بھی بھل بھل جانی کا ہے۔ لہٰذا اس کا غلام ہے۔
 تم جاہلوں کو خانہ خروغ رکھو پر ہم کو جانا ہے۔ بھل بولا۔
 آپ کے بغیر لطف نہیں آئے گا۔
 اور بہت سے دیکھنے اور سننے والے ہیں۔
 آج سال میرے میرے کینٹ پرگنی تھی۔ ٹوکرا کا منہ دیکھ لیا
 تھا۔ کانٹے تیج میں بولا۔ استاد جلد سے دو پیر کو دن جانا لیا کہ بائیں
 گے۔ یہی نے کانٹے کی تائید کہ بھلنے نے اصرار بھی کیا کہ اس کے اور
 چوندگوں کے نہ ہونے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ عرصی کا جی کا کھر
 گیا تھا کانٹے شریں کو ہدایت کہ کہہ آؤسے جا کے دوسری کانٹے

والیں کو دایں صبح سے جو چننے کے ناچ کے بعد یہاں آنے والی
 جنمائی بھی شول کے ساتھ چل گئی جن لوگوں نے بھلنے کی وجہ
 نہیں کیا تھا۔ ان کے سامنے تھانیاں اور پلیٹیں رکھ دی گئیں کہ
 کے دہان سب چپ چپ سے رہے۔ یہی طرح سب کو یہ جانے
 ہوگی کہ بھل کماں کا تھا، وہ کہیں آیا اور پھر آئے کماں جانا
 میں اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عرصہ گزر چکا کہ لقمے ٹوٹنا بارہ
 پیر دھبی زبردستی ہاتھ جالے تھے۔ دھیان کیں اور تھا۔ پیر
 تو میں دہان سے اٹھ جانا اور پھر کبھی ان کے سامنے نہ آنا۔ ایک
 وہ مجھے دھوکے پر بھلا کہہ کے چپ ہوجاتے۔
 تھوڑی دیر میں میلان خالی ہو گیا۔ بھل سب کے ساتھ آ
 آ گیا۔ آتے ہی اس نے کانٹے کے ذریعے فوڑا فوڑا تقریباً
 کو آؤسے پر سکنے اور اوپری منزل کے ایک کمرے میں بیٹھ جلا
 ان میں بیرو، ماچھی، ذرا، چھیرا، مارٹی، ٹنڈا، کھنڈا اور مشق
 بانو کانٹے سارے، شولی، لالہ، کڑا، وزیر، سولج، گجور، پلاکار
 بلٹو شال تھے بھلنے نے جن جن لوگوں کے نام کانٹے کو تائے
 ان کے سوا کوئی اور نہیں آیا۔ پیرا ان میں نہیں تھا۔ لیکن بھل
 ہوئے مجھے آؤسے پر آئے۔ جب سب بیٹھ گئے اور کمرے میں گ
 طانی ہو گئی تو بھلنے نے سٹے کے منہ سے جانی اور گجرتی ہوئی
 میں بولا۔ تم سے بولنے کی ضرورت نہیں تھی مجھ کو کہتے تھے تھا
 کیا ہوگا پرت تم میں سے ہر ایک کو میری طرف سے منع کرنے کے
 ہے جس کے آگے بچھے کوئی نہیں مجھ کو اس آدمی کی ضرورت
 بچھے کوئی دیکھنے والا نہیں ہے یا تھا۔ پیر کریں انکا ہوا ہے یا
 اور کھر ہے تو میرا دھیان مت کرو، ابھی انکا رول دھو کر کوجا
 اور لاڈلے کو دودھ مانا ہے اور اوپری شکل ہو سکتی ہے۔
 لمحوں تک سکوت تھا اور بائیں صاب منہ بظاہر لٹوں سے
 دیکھ لے تھے پھر سارے نے کھر سے ہو کے تیز لیے جن کما
 استاد کہہ رہا تھا؟

جنم میں چلنا ہے۔ بھل گرج کے بولا۔ تم کو اس سے
 واسطہ نہیں کہ کہہ رہا ہے میری بات کا جواب دو۔
 جواب کیا دینا ہے استاد۔ وزیر نے لیے لیے میں کہا
 وہ درختم ہلو گئے۔ چلیں گے۔ گجور کی جوشی آواز ابھی
 نہیں اچھی طرح سوچ سمجھ لو میں تم کو جیل جانے کو کہتا
 کہنے یا ڈاکا ڈالنے کو نہیں بول رہا میں کام دیا نہیں ہے
 تھا۔ رات بھر چلنا ہے۔ اپنے کو کھائے ہاتھ کی صفائی سے زیادہ
 کی صفائی چاہیے سب کچھ ادھر ہی چھوڑ کے چلنا ہوگا اور وہ
 ایک جھانک بھی نہیں مل سکتا ہے۔ چھوڑ استاد تم سے تمہاری جا

ہے۔
 اپنی جان تھلے پاس ہی ہے استاد! کانٹے سرچھک کے بولا۔
 چپ رہ۔ بھل نے اسے جھک دیا۔
 کانٹے ٹھک بولتا ہے استاد! ایک ماٹھی کی آؤریں گزریں۔
 کانٹے جو بولتا ہے ٹھک ہے پرتم کانٹے کے بولے پرت
 پرتم انکا کردار کے استاد اور زمانے تو سب مل کے استاد سے
 زمین لینا اور اس حرام کے کھر کو جوتیں کا رڈال دینا اس کے
 پھر کھک دینا ایسا میں اس لیے بولتا ہوں کہ پرتم جی مرنی کو اچھی طرح
 پک پک لہو یہ کوئی تھا۔ لا امتحان نہیں ہے میں نے بول دیا ہے کہ
 رہا ہے اور کام بھی بلا ہوا ہے۔
 حکم دوا استاد! سارے نے جا تو نکال کے بانگاریاں چاک
 پلاؤنگ لینے میں دھانسی لی۔ بیرو، جامو، کانٹے اور میرے سرا
 ہوں نے اس کی پیر کی۔ پھر سرنے اپنے اپنے جا تو بھل کے لگے
 لہ لیے۔

اٹھیں اٹھاوے بھلنے نے تڑپ سے کہا۔ گری مت دکھاؤ میں
 ہر سرتے کے لیے ایک پورا دن دیتا ہوں۔ اس نے پھر کھرا کر کہ
 کسی کوئی عہدی ہے تو وہ کسی غوث، جھک اور موت کے بغیر
 نہ جائے۔ اس کا یہ اصرار میری قسم سے بالاتر تھا۔ وہ ان سے کون
 ہوا انکا نام بھی بتا جاتا تھا۔ ایسا کام جہاں سے دایں چکل ہو
 تھے کئی باتیں میرے ذہن میں آئیں لیکن کسی کا کوئی مضبوط جواز
 پرت نہیں آتا تھا۔ کیا بھل نہیں ہندوستان کے مختلف حصوں میں
 ہر محلہ میں بھیجا جاتا تھا کہ ایک سے دو، دو سے چار بھلے ہوتے
 ہیں۔ زیادہ آدمی زیادہ مہاتما پر مہاتما ہیں۔ ہمارے پرتلے سے
 لک لڑا ہے ہوگی کہ مولوی صاحب کو دھڑلے کے مقامات پر تلاش
 ہائے غیر مرید جو پستان اور دوسرے پارسی ملاوٹوں میں جہاں
 ایک ایک نہیں پہنچے تھے اور فیض آباد سے میں نے بھی دہانے
 لارہ کیا تھا۔ بھلنے کی وجہ سے واپس آگیا تھا۔ کاش میں جلائی جا۔
 دن صاحب میلے سے کلکتے کے بعد پھر کسی دور افتادہ مقام پر
 لے گئے۔ سارا آباد اپنے لافاقیتوں سے دھوکے علاقوں میں
 لے گئے ان کی گورا اور آج بامان کی شکل و صورت عادات و اطوار کے
 لیے میں سب کچھ بھل کو بتا دیتا تھا۔ وہ ان کے متعلق تقریباً ہر بات
 ہاتھ میں آتی تھی۔ ان لوگوں کی صحبت میں دیکھتی تھی اس نے جب وہ کیں
 کہ میں بھل کو بھجھتا تھا تو مجھے زبان کھولنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔
 لارہ صاحب کھڑا رہتا تھا۔ بیڑی میں میری عدم موجودی میں مولوی
 صاحب کی بہت سی باتیں سننے جاتی ہوں گی لیکن اسے نہ پڑا اور ارشد
 علی آگے کہ معلوم کیا ہو۔ ایک ہی بات کچھ مجھ میں آتی تھی کہ

کلکتے میں مختلف آدمیوں کو رکھا کرنے سے بھل کا مقصد مولوی صاحب
 اور گوریا بابا جان کا حملہ تھا کہ ان میں جگہ جگہ بھگت برہمچرہ سب کا پناہ
 یا ناکام دایں کلکتے آسکتے تھے۔ ان کی دایں میں کیا انھیں پیش
 آسکتی تھیں اور بھل کو یہ لہو اور یہ انداز اختیار کرنے کی کیا ضرورت
 تھی۔ وہ ان سے لیں بھی یہ بات کہہ سکتا تھا۔ ضرور بھل کو کچھ معلوم تھا
 جو میں نہیں جانتا تھا۔

جو لوگ اوپری منزل کے کمرے میں موجود تھے۔ ان میں مارٹی
 گجور، بڑے اور میرے سوا سب کی عمر تیس سے اوپر تھیں۔ باگ
 بھگ، وزیر، پوسن، اسمول سے آگے تھا لیکن پہلے وہ کلکتہ بھی مل جتا
 تھا۔ بھل نے کئی سال پہلے اسے اسمول کے موتی استاد کے پاس
 بھیج دیا تھا۔ اب بھل نے اسے بھی تارے کے کلکتے بلا تھا۔ سب
 کا پھر ضرور دھکا نظر آتی تھی۔ وقت آنے پان کا جسم بھل کی طرح جک اٹھا
 تھا۔ کئی سال جیل میں روکھے تھے اور دہان انھوں نے وقت ضائع
 نہیں کیا تھا۔ جامع و شام غمت کرتے یا ایک دوسرے سے پنجہ آزمائی کرتے
 رہتے تھے۔ بھل نے انھیں اپنا فیصلہ کرانے کے لیے ایک دن کی حکمت
 دی تھی لیکن پھر اس کی حجت تھی۔ اسے معلوم ہوگا کہ وہ کل کیا جواب
 دیں گے۔ اس نے انھیں بتا کر دیا تھی میں دو یا تین دن تک کتے بول رہا
 تھا کہ کہہ دیجئے اگر کسی سے اس کا چرچا نہ کریں۔ مذہب نہ اس کے
 جانے کے بعد۔ انھیں اپنے طور پر خود فیصلہ کرنا ہے۔ جو بائیں بیٹھے ہیں
 وہ اس آپس میں مشورہ کر سکتے ہیں۔ باہر کسی آدمی سے نہیں اور وہ ایک
 ساتھ آکے آسے تانے کے بجائے الگ الگ اس کے پاس آئیں گے۔
 کوئی آدمی رو برو غدر پیش کرنے میں مجھک غصہ کرنا ہے تو وہ اچھی
 آدمیوں میں سے کسی کے ذریعے بھل کو بتا سکتا ہے اس نے آنے والے
 دو تین دہانوں میں انھیں آؤسے پر اپنے اس پاس لینے کی ہدایت کر۔
 اپنی بات بھل ہونے کے بعد اس نے سب کو دہان سے چلے
 جانے کی اجازت دے دی۔ یاد خود بھی پرت کے ساتھ اٹھ کے بچے آ
 گیا ہے۔ تھائی کا کوئی موقع نہیں مل رہا تھا کہ اس سے بات کروں اور
 پوچھوں کہ یہ سب کیا ہے۔ بچے کچھ دیر بیٹھنے کے بعد پھر پروادار ہوا
 گولے کے غلیٹ میں سمنے کے لیے چلا گیا۔ ماچھی، ذرا، چھیرا، مارٹی
 ٹنڈا، کھنڈا اور میں دوسرے غلیٹ کے دو دن کروں میں اس کے بتوں
 پیرلٹ گئے لیکن کسی کو فیض آباد میں آتی تھی انھوں نے ایش میل کے
 وقت گرداننا چاہا۔ اس میں ان کا جی نہیں گزرا تو وہ سب میری چارپائی کے
 ارد گرد بیٹھ گئے اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ کانٹے اور ان کی
 چارپائیاں میرے آؤد بازو تھیں۔ ٹنڈا اور ان کے پیرے پیروں کو کھیک
 بنائے سکڑا پٹا تھا۔ ان سب کی نگاہیں بار بار اچھی پر مرکوز ہوجاتی تھیں
 جیسے میں انھیں کچھ بتا سکوں گا۔ استاد بھل انھیں کماں بیٹھنے کا ارادہ

کھلے کانٹے نے اُن کی غلافی دودک۔ وہ اپنی اپنی چار پائی پر لیٹ گئے۔ باقی اپنے بستر پر چلا گیا۔ رات کبھی وقت کاٹنے لگا۔ کے چپکے سے میری چار پائی پر گیا اور گرشی میں بولا۔ مالک ماہے لالہ میری آنکھیں کھل ہوئی تھیں۔ کانٹے پر سے پلوں میں لیٹ کھسکے ہوئے لگا کہ وہ اس عدولن جوں کے ہاں دودو میں دن کے لیے جا چکا ہے مجھے صرف ایک ہی بار کا چتا تھا۔ وہ مجھ کا ہیرا لیے بہ انکھن ہو گیا۔ میں نے اسے نہیں بنایا کہ زرا اور دل کی زبانی مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے۔ وہ جڑیلن کی باتیں کرنے کرتے پوچھنے لگا کہ زبیل میں کیا حال ہے؟ مجھے کبھی پوچھتی ہے؟

”تمھارا بہت ذکر کرتی تھی۔ میں نے بد باتے ہوئے کہا۔“

”سچ؟“ وہ چمک کے بولا۔

”ہاں بہت زیادہ۔“

”وہ ضرور کرتی ہوگی۔“

”مجھ سے کہیں پوچھتے ہو؟“

”بہی سے ٹوٹ کے میں وہاں بھی گیا تھا۔“

”مجھے زبیل نے بتا دیا تھا۔“

”زبیل میں نے بتایا؟“

”مجھ بھل جانی سے نہیں کہا۔“

”میں کما ہوگا۔ میں نے منع کر دیا تھا۔ وہ میرے پلوں میں کسے بیٹھے بولا۔ لاٹھے، دل کرتا ہے کہ میں اس کے پاس ہی ہوں اور جوں کو کبھی وہیں بلاوں۔ وہ بہت اکیلے ہے۔“

”میں بھل جانی سے بات کروں گا کہ جوں کو کبھی اُدھر مالیں۔“

”ایسا ہر ماہ تو پھر کیا بات ہے؟“ کانٹے جوش میں بولا۔

”ایسا ہی ہر ماہ کا۔“

”اور پھر میں یہ سب کچھ دودوں گا۔ میں وہیں رہوں گا اور زری میں کی زمینوں پر ہل چلاؤں گا۔ چاقو کو راتھی نہیں گاؤں گا۔“

”پر چاقو تھیں نہیں چھڑے گا کانٹے۔“

”چھڑے گا کیسے نہیں میں اپنی انگلیاں کاٹ لیں گا۔“

”نہیں وہ دودوں اتنی اچھی گنتی ہیں؟“

”وہ کانٹے کی جان ہیں لاٹھے! بار و نیا میں استاد کو سوا کوئی نہیں ہے، وہ اب دوسری باتیں ہیں۔ جب بھی میں زمین آباد یا بہی، گئے کیا بولوں انھوں نے اپنے بھائی کانٹے کے لیے کیا کیا۔ کوئی ایک بات ہو تو بولوں۔ ایک دن بہی میں میری طبیعت ذرا اُنیں ہو گئی تو بولیں پریشان ہو گئی۔ گھر میں ڈاکو کو بلا لائی۔ رات بھر نگار میں میرے سوا نہ بھی رہا اور میرا چھڑے ہو کے بچتی رہی۔ اُدھر جب کبھی میں فیض آباد جاتا ہوں زری میں رہنے آئے نہیں دینی کوئی

ذکوئی اڑا لگا لگا دیتی ہے۔ اُدھر میں کھٹکتے میں زیادہ تر اڑا سالابا برنگو تو بول کا دروازہ اپنی طرف کھینچتا ہے۔ تو جانا نے کبھی جیل سے من نہیں ٹوڑا جیل جاکے کچنوں آدک کے اُدھر میری اُدھر میا اُدھے۔ پر میں جیل سے بچا کر اُدھی لاٹھے۔ اُدھے خیال آئے وہ دودوں میں ہیں اپنے بھائی کو خدا کانٹے کچھ بڑل ہو گیا ہے لاٹھے، اُن کا ماہ ہے؟ وہ مجھے مل کے پوچھتا ہے کہ ماہ ہے؟ میں ہوں بان کرنا دہ رات پھر اسے رات گزرنے کا احساس ہوا۔ وہ مجھے سوا ملنے کی تا دے دودوں اپنے چمک پوچھا لگا۔ وہ ایک پل کے لیے نہیں م کی لمبی لمبی سائیں رات بھر میرے کانوں میں سرسراتی رہیں۔ میں نصیب میں نے جب ہم سب کو ناسنے کے تودہ تینوں موجود نہیں تھے معلوم ہوا کہ وہ مزاج میرے اُدھے ہیں اودکے گئے ہیں کنا نہیں کونے میں وقت لگا۔ میں سے یہ پوچھنا لا حاصل تھا کہ وہ لوگ کس طرف کا کہہ کے دن گیا وہ کچھ ہم سب اُن کا انتظار کرتے رہے پھر باجی کلکتہ دیکھنے کی فراش کی تو کانٹے نے نیکیاں سنگا الیں ماہی زبیل دوسری اپنے ساتھ بھایا اور غلف اڈوں میں گھرے اُنے والوں کے لیے یہ سب دیکھی اُدشتیان کا سامان تھا لوگ اُن سے جوش و خروش سے بھل کر جوتے۔ ہر مکان کو مٹھائی، بکٹ، پھل اور شربات کا ڈھیر لگا جاتا۔ مروجہ اڈے پر ہم زیادہ دیکھتے۔ وہیں میں پتہ چلا کہ صبح کے پیر اُدھا ہوا کہ لوگوں نے اُدھر سے گزرتے دیکھا تھا۔ وہ سوا تھے اولان کے ساتھ سوت میں لوہوں ایک اپنی ہنسنے اچھی بہت سے ملا تے باقی تھے مگر ہم اسی حساب سے ہر لوگوں سے ملنے اُدھا جاتے دوسرے دیتے تو کسی دن لگا کھانے کھانے تک گئے تھے اُدھیں جلاز جلاز اڈے پورا چاہتا تھا میں نے ماہی سے کہہ کے کہیں کائے اڈے مڑوا دیا۔

”سہرہ کو ہم واپس پہنچے تو میں دروازے سے ہی پرہہ بھل اندر موجود ہے اور بچل منزل کے بڑے کمرے میں کھلا ہوا تھا لیکن ٹلوا دروازے پر میرے ہاتھ ہم نے اندر قدم بڑھا تے تو اڈے نے اکھ مار کے میں باہر ہی شہر اشارہ کر دیا اور چند لمحوں بعد دروازے سے بہت کے ہم بنا ایک صاحب بیٹھا ہے استاد باؤ ہے واپس آ گیا تھا، اُن کی آڈی اس سے ملنے کے لیے آچکے ہیں اسٹوڈنٹ کوئی نام لگیا ہے۔ مگر یہ نام کھٹکتے کا شہر و دولت مند تھا جس کے تو

ن شہروں میں چلتے تھے شام تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ شام ہی کو پرنی نام کا ایک آدمی ہاتھوں میں دو جاری قہیلے لٹکا لٹکا اڈے میں اُدھیں داخل ہوا نصیب میا نے اسے دیکھتے ہی نہوہ نگاہا۔ بڑا بے ہوش، کلمشی جڑا، آری میں نصیب میاں کا دروازہ درست تھا۔ مگر نام کے آدمی کی اطلاع سن کے باہر آیا تو اس نے ایک قہیلا میاں کی تحویل میں دے دیا اس قہیلے میں ضرور رہے ہوں گے۔ کی آمدنی کا نام حساب نصیب میاں ہی کے پاس رہتا تھا۔ نصیب میاں سے نبھالائیں جانا تھا مگر وہ اسے سینے میں ڈبوچے ہاں کھل گیا۔

”رات کو بھل نے دوبارہ اُدھی منزل کے مٹی کمرے میں اُن میں کھلب کیا بھیں کل رات اس نے ایک دن کی مہلت دی تھی ہے چلے جانو پیر اُدھا کانٹے کے سوا وہ سب باری باری اس بل کچھ تھے اور اپنا فیصلہ مانا کچھ تھے۔ تم نے میری بات پوچھا دیا۔ بھل نے بھل ہوئی راز میں کنا فروغ کیا۔ مجھ کو صرف بارہ لی جاہیں۔ میں نے اسی لیے کلمشی میں زیادہ کوٹھا تھا کہ ہر ایک ہاں کنا نہیں ہے۔ وہ نہیں ملے گا تو اس کو اس کا بدل مل جائے گا، اگر منع کرنے میں آسانی نہ ہوگی۔ شک ہے کہ تم سب جانا چاہتے ہو اسکتے ہو۔ پر میں سب کو نہیں لے جا سکتا۔ چار مہر دیکھتے ہیں۔ ردا، جامو، لاٹھلا اور میں۔۔۔ آٹھ کی اور ضرورت ہے۔ نو بھی ہو لے میں۔“

”ہم بھی تمھارے پاس بیٹھے ہیں استاد! کتنی خاں خند میرے لیے لہا۔“

”کتنی تیرا کام اُدھر ہے۔“

”اپنے کو ساتھ لے کے ہی چلو کتن کا چرو منج ہو گیا۔“

”اور اپنے کبھی استاد کانٹے چھلکتی ہوئی آواز میں بولا۔“

”نو بھی اُدھر ہے کہ کتن کے ساتھ تم دودوں جاؤں گا اڈے کے لہا لہا کر دے گا اُدھیں میں کون بولوں گا۔“

”ماوا لہا کا اُدھ سے غوازی کرنے کو مانگا تھا! باجی اشتغال لہا لہا لہا کا اُدھ میں ملنے والیں میں تھی کرو۔“

”ماہی کے ساتھ اُدھ لوگ بھی کھرے ہو گئے اور دلوں پر لگے۔ ٹا زوا، چھیل، بلاک، گورو، ذریعہ کا مطالعہ تھا کہ نہیں زچھڑا اُدھ صوف مارنے اُدھ متنا چپ ہے۔ پیر اُدھا جلاز نے ہاتھ اٹھا لہا لہا بیٹھے اور چپ لہنے کی ٹٹیں کی۔ وہ بیٹھ تو گئے مگر چپ نہ ہوئے۔“

”چھڑے ان کو کیا کہیں گے یا تھا جن کر لے مانا نہیں تھا۔“

”نہ کاٹا اُدھ اپنی اڈے کتن خاں کی طرف تھا۔ وہ کچھ اُدھ کنا چاہتا تھا

مگر قہیل کا اڈھا ہوا مگر اُدھو تو ہوئی انھیں دیکھ کے اُن کی بات سن رہی رہ گئی۔

”مخوفت کرو۔“ بھل نے جلا کے کہا۔ تم کیا بولنا چاہتے ہو؟ تم کو پتہ ہے، اُدھ کیا مانا ہے! ہم اُدھ تو کتنی دیکھنے جا رہے ہیں، اُدھوں ہلا ہے، تمھاری اماں کا ناچ ہو رہا ہے، سلسلہ نگر ہے۔ ہم مجھے شوبازی کرتے ہو مگر دلوں میں نے کیا بولا ہے۔ ہم نے سنا نہیں میں نے کیا بولا ہے۔ پیر نے اُن کے شانے پر آجنگل سے ہاتھ لگا کر بھل نے اپنے ہونٹ بند کر لیے مگر وہ جیسے سون گئے تھے۔ پھر کئی طرف سے کوئی آواز نہیں آئی۔

”چند لمحوں کے ساتھ پھر بھل ہی بولا۔ مجھ کو کسی سے میرے کیا! جو نہیں جاسکے گا، اُن کے کانک میں لگ جائے گا، اُن کا کام اُدھر ہے۔ اُدھ کس کو! اٹھ بار دیکھنا ہے۔ چار آنکھیں چار کان کھلے کھنا ہے۔ ہم ہلو گے تو میں لاٹھی ڈال لوں گا، پر کتن خاں کانٹے اور دوتا لاٹھی میں مثال نہیں ہوں گے۔ مجھ میں آئی! تم لوگوں سے ماں کا دودھ ابھی اچھی چھوٹا کیا!“

”ابھی تمھارے سلسلے یہ سب پتہ ہی لوگ ہے استاد! ویرو مسکرا کے بولا۔“

”تو کنا کون نہیں مانتے۔“

”میں۔۔۔ جیسا تم بولو گے، وہی ہوگا۔ کتن اس کے پیر کوٹھے ہوئے بولا۔ ہم کو صاف کر دے۔ جامو! استاد سے بول غصہ کھلیں۔“

”کتن! امیوں مت مجھ کو بھلنے نہ دے۔“

”کتن خاں نے اُن کے کہیں سے ہاتھ ہٹا لیے۔ پیر کے کہنے پر کانٹے نے آواز دے کے بچے سے چائے نکوا۔ چائے آنے تک سب تر کھکے بیٹھے۔ اُدھ بھل خد کو گروا مارا۔ ہاتھ کھٹکے کھٹکے سب سے پیچھے چلا گیا تھا مٹی سے مارنے نے مجھے کئی ماری۔ میں نے کنا میں اڈے کے دیکھا تو پیر واد لہے بھل سے بات کرنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ میری مجھ میں نہیں آیا کہ میں اس سے کیا بات کروں۔ خود پیر بھی اگر بھل سے کچھ نہ کہتا تو اس کی بات ضرور سنا، وہ پیر کا بہت لہا لہا تھا مگر شاید پیر اس موقع پر بولنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

”کیا مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے؟“ میں نے دبلے لہجہ میں باجی بھل کو مخاطب کیا۔

”نہیں!۔ اجازت! اگنا ہے تو نہیں ہے۔“

”بھل میں نے پھر کوئی بات نہیں کی۔ چائے خند ہی ہر دہی بھل نے ایک ہی گھونٹ میں پوری جالی ملن میں اڈیل لی اور کانٹے کو بچے کے کمرے سے قہیلا لانے کا حکم دیا کانٹے نور اڈا اڈا لہا دہی جی قہیلا تھا، میڈیک کی طرح جو آج شام کو پرنی نام کا دہی

اڑے پر دے گیا تھا۔ جھل نے اسے اپنے ہاتھوں سے کھولا۔ اس میں
 تھپے لکھے ہوئے تھے۔ جھل انھیں ایک ایک کر کے نکال رہا۔ ہم سب
 حیرت جری نظروں سے دیکھتے رہے۔
 "تم کو ان پر ذرا ہاتھ صاف کرنا ہے۔ اس نے سر لیے ہیں۔ کما۔
 اس سے ہاتھ بک جانے کا اتنا ڈر؟ کاتے مٹاتے ہوئے بولا۔
 "ہاں! پوچھا کہ یہ نام بدل گیا ہے؟
 "کسی تھوڑے یا زائد نے اس کو کیا ہے۔ کہیں خاں نے نیچا
 ہاتھوں پر اچھلے ہوئے کما۔ اتنا دیا میں نے اسے چلا لیا ہے لیکن
 تمہاری عمر وہ نہیں آیا۔
 "مزہ ملے رسلے گئے۔ وزیر بیچ میں لڑا۔ اسنول میں مٹی اُٹا
 نے بھی ایک لکھا ہوا ہے۔ آج تک ضرورت نہیں پڑی۔
 "خاں میں ٹھس۔ اچھی مزہ بگاڑنے لگا۔ تو درمینی میں اپن کر
 چلانے کا تین چار چائیاں لایا تھا۔ ہر لدا کو ہاتھ میں لے کے ایسا
 لگا بیٹھے اپن سالانہ پر گیا ہے۔ لنگو لا رہا ہے۔ یہ ان کے لیے
 ہے اتنا دین کے ہاتھ پر خشک نہیں۔
 "پوچھ کر نظر خشک ہے۔ جھل نے اونچی آواز میں کہا۔ اس کا
 کھیل اسی وقت جتنا ہے جب سامنے والے کے ہاتھ میں بھی یہ دھل
 ہو۔ ویسے بھی کام کی چیز ہے۔ سب کے پاس یہ ہو جانے کا تو کم کیا کو
 گے۔ جب تک چاؤ کھو لو گے، کام تمام ہو جانے کا۔
 "سب مرد عورتیں کیسے ہو جائیں گے؟ ستارہ! کہیں خاں تک
 کے بولا۔ ہاتھوں میں ہندی لگا کے یاد اچھا لگا۔ یہ سب سالانہ
 چوڑی والوں کا حرامی پن ہے۔ سالے شکل سے عورت گتے ہیں۔ جھل
 کو مہربانی آنے لگی۔ تمہی تاناؤ اتنا؟ کوئی مرد سالانہ گورا جٹا لال انگار پرتا
 ہے جتنے بندہ ہوتے ہیں۔
 "کھنٹوں ایک گورے لوندے پر کتنی خاں کا دل لگ گیا تھا۔ اتنا
 اسی لیے مل مل بائیں بول دیا ہے۔ لوندے نے اس کو کتنی کامیاب
 دیا تھا۔
 "تھپ لے۔ جھل نے جابر کو کر پوچھ پڑاتے ہوئے کہا
 اور میری طرف دکھا۔ لاڈلے! کبھی تو نے بھی جنم چلایا؟
 "بہنیں کو کراچی کے مل آٹھا کے کچھا تھا۔ میں نے جواب دیا۔
 "جیری نظر بڑی تیز ہے۔ چاؤ کا تانہ بچک جانے تو فرصت مل جاتی ہے
 سے کچھ بندھی رہتی ہے۔ چاؤ کا تانہ بچک جانے تو فرصت مل جاتی ہے
 ان کا تانہ بچکے تو رہا ہے۔ کتنی جتنے کتنے نہیں ملتا۔ ذرا کھانے
 ان پر لوں کر ہاتھ۔
 "کرے کہ تمام دروازے بند تھے۔ کھانے میں بند کر دی گئیں۔ دوسر
 بلب بھی بجلا دیا گیا۔ جھل کہیں خاں کاتے، پیر، ماچی، وزیر نیچا چلنا

غوب جانتے تھے۔ جھل نے اس کا سینہ سب کو کھول دیا۔
 ہی کرنا ہی ہے اور دیا میں اس میں خشکا کی زبانی تھوڑی بہت
 ہو گئی تھی۔ جیل میں بھی میں نے اس کے متعلق بہت سی باتیں سنی
 سینہ میں کیا تھا۔ چھڑا جھل کے جھری گھائی اور دیا میں خشکا
 پڑنا تھا۔ جھل نے اپنی جگہ سے ہٹ کے جانے کی خالی جالی کہا
 میں رکھ دی اور مجھے سچانے کے دودھ جانے کا اشارہ کیا۔ کورو غلام
 تھا۔ تانا دینا کچھ ایسا مشکل نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے چاؤ اچھا لے
 انار سے تنہا ایک طرف رکھا اور ہر طرح جانچ کے دیکھ لیا۔
 ماری تو جہاں پر مڑ کر تھی۔ ماسن سینے میں روک کے میں نے
 منہ کر لیا اور جھکے جھکے کھنکھار دیا۔ میں نے اپنی آنکھیں فوراً
 لی تھیں۔ اسی آن تیز چھٹا ہوا میری سانس چلنے لگی۔ یہاں کو پڑی
 ہو گئی تھی سب مجھے لپٹ گئے۔ جھل نے چھڑا دھانچے کے قریب
 کا بلاستر پر چاؤ کی روک سے اوجھڑ دیا اور مجھ سے بولا۔ لاڈلے
 گورے کرے۔
 یہاں بڑی تھی اس لیے تانا دینا آسان تھا۔ دوسری بار
 غلام ہونا پڑا۔ وہ ایک چھڑا دھانچہ تھا۔ اچھکے کے مانند۔ چاؤ ہر بار
 ہاتھ جوڑنے کا ارکان میں تھا۔ کمرے میں رشتی بھی اتنی زیادہ ہیں
 لیکن نشان زدہ جگہ پر حال نظر آ رہی تھی۔ میں نے نیچا دیا
 طاق کے میں مقابل کھڑا ہو گیا۔ مجھے کچھ ہمدردی ہو گئی۔ مجھے
 تعین کرنا چاہیے تھا۔ کھنکھار دیا ہے طاق میں وصل سی آؤ گئی
 طاق میں ہی گئی تھی۔ محرم لاشا سے سے نیچے تو ایک پر
 فاصلے پر اس سے پہلے کہ جھل مجھے کوئی وارنٹ دیتا میں نے جبراً
 چلانے کے لیے جبری گھائی سب کاتے ہو گئے۔ یہی گولی ہے
 غلطی کا کسی تدر اعلازہ ہو گیا تھا۔ نیچا چاؤ اس جگہ کہ میں نے
 تیرے پہلے سے کچھ اونچا کیا۔ دھماکا ہوا تو جھل طاق کی طرف دھلا
 کے پیچھے جبراً دھماکا ہوا تھا۔ جبراً تیزی سے لوٹ کے
 گایا۔ پھر میں نے سارا لاشا اس نشانے پر خال کر دیا اور گولی کی
 اس کی سیدھا ادھال اور کھانہ کا تانہ کچھ میری جھل آ یا دیا
 کا پتہ خال کا مل تو چاؤ کی طرح ہاتھ اور نظر کا اتنا دیا ہے۔ ہاتھ میں
 ہوا نظر تذبذب ہوا تھا۔ خشک بھی میں نہیں ملتا۔ اتفاق سے گنگ
 لوگ جانے۔ جھل نے کبھی مجھے کما خاں کا ہاتھ سے دیکھنے اور سننے
 ڈال دیا تھا۔ جھل نے کہا ہے، اس نے کما خاں کا ہاتھ کو کچھا ہوا جانے
 نظر آنے لگا ہے۔ اور وہ سننے بھی لگا ہے۔ اس کا مطلب ہاتھ انداز
 تانہ سے تھا۔ ہاتھ جھل نے جب نگاہ اجازت سے اس کا دکھانا
 تعین کر سکیں۔ ہاتھ سے سننے اور دیکھنے کی قوت پیدا کرنے کے لیے
 ہاتھ کی جھک پھوٹی پڑتی ہے۔ میں نے دو غلطیاں کیں، دوسری

متر۔ پانچویں بار تجربے کی غلطی تھی۔ تانا دینا ہوجانے کا ارکان بچاؤ فی
 مدد کو جھل کو گولی خراج کرنے کے بعد ہر بار ہاتھ بڑی حد تک نیچے پر
 دیا ہو گیا۔ جھل کے بغل پتھار کیوں میں آ گیا۔
 میں دوبارہ گولیاں بھرا جانا تھا لیکن جھل نے مجھے ہٹا دیا۔ میرے
 بعد جابو سارے مار فی زور، بلا کر، دھما، گورو، بلو، مینی، ڈرونے نشانے
 باندھنے شروع کیے۔ ان میں سے کسی بندق چلائی تھی چلنے کی بہت
 سی ہدایاں لوٹ گئیں کسی کا نشانہ چکا کسی نے پلے ہی لمبے میں ہالی
 توڑ دی۔ مگر ان سب کے لیے یہ کام کچھ ایسا دشوار ثابت نہیں ہوا۔ ایک
 دو غلطیوں کے بعد بھی خشک خشک جھک جھک گولیاں مارنے لگے۔ ہر ایک نے
 ایک ایک تنہا خال کیا۔ البتہ دوسرے نشانے پر ان کا ہاتھ خاصا بڑکا۔
 دیکھنے سے چھڑا گولیاں میں جا کر گولیاں خشک چلا کے سب کو تیرا دیا۔
 ہوتا تھا، تیرا پہلے سے تنہا چلا جانا تھا ہے۔ جان بوجھ کر چپ بیٹھا تھا۔
 مارنے کی تو دیکھ کر دیکھنے نے آج یہی جبراً سے ہاتھ لگا دیا ہے۔ اچھی
 دیکھ کر دیکھ کر ہاتھ کے سامنے کرے میں گھسنے لگا۔
 کوئی دھنکھنے تک بند کرے میں گولیاں کو گنتی رہیں جھل پر
 اچھی کاتے اور دیر ان گولوں کو کھینچا جاتا ہے۔ بے ہوشوں نے اسے
 پہلے استعمال میں کیا تھا۔ خود ہر بار اچھی نے بھی نشانے لیے۔ ان کے
 ہاتھ نے کوئی غلطی نہیں کی کسی نے رات کا کھانا نہیں کھا یا کاتے
 تمام نیچے پاس لے کے دوبارہ انھیں چیلے میں رکھ دیا اور جھل کے آٹھ
 جانے رکھانے کے لیے ہم سب نیچے کے چاندنی والے کمرے میں
 بیٹھ گئے۔ وقت کا پتہ نہیں جھلا سا ہو جینے میں تندرست باقی تھے۔
 جیساکہ ازلہ لاشا تھا، جھل کھا کھاتے ہی جبراً دھما کے ساتھ اوپر
 قلب میں چلا گیا۔ دوسری صبح وہ چورٹے پر چورٹوں میں تھا لیکن جلد
 واپس آ گیا اور ہم سب کو گھلتے گھلتے کوئی تیس تیس پرل دھماک بڑے
 باغ میں لے گیا۔ بچوں کا قبیلہ اس کے ساتھ تھا۔ باغ کے کوئی دارے
 تین بندوں میں ہیں وہیں مل گئیں اور اسی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ گھلتے
 کے ایک تیس گرو وال کی ملکیت ہے۔ وہیں ہمارے لیے دوپہر کے
 کھانے کا انتظام تھا۔ جھل زیادہ دوپہر میں کھانا کھانے کو بھڑکے
 ساتھ اسی وقت لوٹ گیا تھا۔ ہم سب نے جابو سے کچھ جانے کی کو یہ
 کی تو اس نے صاف سڑا دیا۔ جابو کی یہی عادت تھی۔ وہ دیران کی بات
 کبھی نہیں کرتا تھا یا صاف منع کرتا یا صاف اذکار کرتا تھا۔ ایک بار
 منع کرنے کو لاکھ واسطے دیے جابو نے وہ زبان کھول کے نہیں دیا تھا۔
 سہوہرک کا کاتے، اچھی اور وزیر ہم سب کو نشانے کی کشتی کراتے
 لیے۔ میں نے ان دن چل متر بندق چلا کے کبھی اور وہ مجھے نیچے سے
 زراہ مل گئی۔ جھل واپس نہیں ہوا۔ اذکار خاں کو باغیچے میں ٹوٹ رہی تھی
 بلے جانے کے لیے آگئی تھی۔ جھل اور وزیر وہیں دھل جابو دھان

نہیں دیے۔ اندھڑا ہونے کے بعد نصیب میں ان لوگوں کا آواز اس سے
 اڑے ہوئے ان کی آمد کی دھمک سنائی دی۔ سب بڑے کرے کو فروغ پر
 سستا ہے۔ تھے لیکن وہ ہمارے درمیان آتی دیر ہی بے ہوشی میں
 کھانا کھا یا جاسکتا تھا۔ پھر اوپر نعلیت میں ہمارے بندہ گرے۔ چلتے چلتے
 جھل نے کاتے کو لاکھ کر دیا تھا کہ وہ میں کیں جاکے کھائے یا لے
 کا مشورہ دیا کہ کاتے چلے کا کھا جائے رات میں کشتی کی میر کر پڑے
 مگر اچھی نے ناچ دیکھنے کی زندگی تو سب اس کی ہاں میں ہاں ملانے
 گئے۔ میں نے ٹھکان کا غدر کر کے اڑے ہی پر پیڑ سے رہنے کا لالہ ظاہر
 کیا تو اچھی زور، جھیل اور دیر نے میرے بغیر کیں جانے سے انکار کر
 دیا۔ کاتے نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی کہ لاڈلے میں تک مٹانے تو
 کوئی حرج نہیں ہے۔ جبراً دھما جو مرے تو وہ شاید ان کی بات مان لیتے
 لیکن وہ اڑ گئے۔ پھر مجھے بھی ان کے ساتھ چلنا پڑا۔ اڑے سے باہر مڑ کر
 پڑ کاتے میرے قریب آ کر سرگوشی میں بولا۔ لاڈلے! جی کو ابھکے کھانے
 میں نے اس سے کچھ نہیں کہا کہ دیا جانے میں مجھے کیا غدر
 سکتا ہے۔ وہاں میری ایک بہن ناچتی ہے۔ یہی میرا ایک بھائی چلا رہا
 ہے۔ اور اس پر تینیں ایک بیٹی میں تو اس دوسرے دیا میں جانا تھا
 کو کشتی کی طرح کوئی اور نہ مل جائے۔ مجھے یہ خوف بھی تھا اور میری نظریں
 ہر وقت ہر طرف ان کیسے چلتی تھیں۔ کتنی تھیں۔ وہ کیں بھی ملیں کمال
 میں کسی طور ان کی صورت نظر آجائے۔ یہی بہت ہے میری تندرست
 میں ان سے انھی جگہوں پر پڑنا دیا گیا تھا تو یہی سی۔ اس سے یہاں کا
 رشتہ تو نہیں لوٹ جانا تھا۔ مجھے نہیں معلوم، میں نے وہاں جانے سے
 کبھی احتراز کیا تھا۔ فنی کی مثال میرے سامنے تھی۔ مجھے تو بڑی جگہ
 جانا چاہیے تھا جہاں سے آرا گوروں کو کوئی ٹھکانا ملتا ہو۔ اتنا دشمن
 خیم خانے ٹٹ پٹھا، بالا خانے۔ کون اپنی مرضی سے وہاں جاتا ہے
 کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اچھی لوگ جاتے ہیں اور لوگ وہاں ہوتے ہیں
 کون جاتے کہاں کہاں سے آتے ہیں۔ انھیں زور دینے کے لیے ایک
 چھت تو مل جاتی ہے اور میں ایک اس تو نہی رہتی ہے کہ شاید کبھی
 دن پھر جائیں، ان کے پیچھے ہوسے مل جائیں۔ یہاں ان کے ان کے
 رنگ، الگ نقشہ، ان کے دل نہیں بدل جاتے۔ خاتم اور جابو اچھی
 جگہوں سے آئی تھیں۔ انھیں چھت تو مل گئی تھی لیکن گھر نہیں ملتا تھا
 جس کے دروازے پر کبکین کی حکومت ہو، راہ گوروں کی نہیں۔ لوگ کہاں ہیں
 جھکا کے اند آکر میں تر آٹھا کے نہیں۔ فنی بھی یہی جابو ہو کر کاش
 وہ کچھ ممبر کرتی۔ میں آئے کھانے جانا اچھو دیکھتی تو میں اسے
 سینے سے لگا کے لڑکی کی حویلی میں لاکھ مگر مجھے ہوش ملا۔ آئے۔
 موسم خشک تھا، جب ہم چلے تھے تو آسمان صاف تھا۔ اب گرا
 اندھڑا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلا رہی تھی۔ اچھی رات کا ابتدائی

پہر تھلگوں کا آنا شروع ہوا تھا۔ تمام گلیاں روئینوں سے جگمگاتی تھیں۔ چائے خانوں، پان، چول، خوشبودار دوسری دکانوں میں بڑے بڑے بلب بائیس کے بندھے مل رہے تھے۔ اب بالا خانوں کی کھڑکیاں جھججی، جھڑپوں پر رنگ رنگ کے پڑے ہوئے، کابل ترخی، تزیینات سے آراستہ لودکیاں اور دھڑکیاں بالوٹھی جھین یا کھڑی تھیں کیوں نہ تھیں۔ پڑوں کی آڑ میں کس ملین سے حمایتی ہوئی۔ میں نے چلنے کے ساتھ ہندوستان کا ایک بڑا حصہ دیکھا تھا اور ہم پرستی میں ان علاقوں سے ضرور گزرتے تھے۔ یہ علاقے ہر جگہ ایک جیسے ہوتے ہیں۔ دن بھر ناک آؤتی رہتی ہے، سرسراہٹ جراثیم مل آتے ہیں۔ دن جیسے میان کھائی نہیں ہے، جیسے جیسے اندھیرا بڑھتا جا رہا، گلیاں جگمگاتی ہیں اور دروازے کھل جاتے ہر رنگ کی برت تھی۔

ہم سب بنا دھوکے اندر پہنچے۔ کھانے کے آئے تھے۔ صرف مارٹی اور اچھی تیلوں پہنے ہوئے تھے، باقی سب کرنٹن، جاموں اور واسکٹوں میں لباس تھے۔ میں نے وہ کرتا پہن لیا۔ پناہ خازنوں نے اپنے ہاتھ سے ٹپا تھا، مفید مل اور بند گنگا کا پورٹھوں پر کھڑی ہوئی تھی، ندیوں نے میرے سامان میں بہت سے پڑے رکھ دیے تھے۔ شہر وادی بھی تھی، سیر شاہی، جرنیل بھی، گھوڑوں میں مختلف آؤں کے کئی آدمی ہیں۔ ریل گئے انھوں نے اس وقت تک ہمارا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک کھانے کی دکان پر جیم جیم نکلا دی اور دو دھکی دکان پر لے لیے گاؤں پہنچا۔ گلیوں میں اور بھی بہت سے لوگ کھانے سارے، پلاؤ، مینی وغیرہ کھا رہے تھے۔ بالا خانوں سے متعلق آؤں کی نظر بھی یہ کھانے پر پڑی، وہ کہتے ہوئے اس کی طرف آئے اور پوچھتے کہ کھانا ہے؟ وہ مٹوں کے نام لگے گئے۔ کوئی کھانا کھانے کا استاد آج کل خوشیدہ بیگم کا تارو چکر رہا ہے۔ کوئی کھانا، نامیدہ جب سے رام پور سے لوٹی ہے، گلے سے رکھ چکا ہے کسی کو کھانا تھا کہ بنگال کا جادو دیکھنا ہر ترم اس کے ساتھ چلے۔ انھوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہمارے ساتھ کھانا ہیں۔ مجھے بھی وہ کھانا ہی تھے جن کے اسی لیے ان کا املا بڑھ گیا تھا۔ کھانے ان سب کو مانا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ چلو پھلو گھوڑیاں کھانے والا دلا دلا ہوا چوڑی چھٹن صاحب چلایا اور مجھے بیٹھا تھا کہ کھانے کو دور سے دیکھ کہ ان نے کھانے کھا کر کیا اور دیکھ سکتے تھے۔ استاد آج بھی نہیں آئے۔ وہ فکرتی لیے ہیں۔

”آگے ہیں پر کام تھا۔ کھانے نے فقر جواب دیا۔“
”جاکے کھانا آتا تو سامنا چاہتا ہوں۔“ وہ آہیں ہر کے لڑاؤ میری طرف سے صرکار کو گھبراہٹ پیش کر دینا اور کھانا شروع کر لے تو پروانے جلتا نہ نہیں کہتے۔ کتنا کہ ہم بھی بہت دیر لے رہے ہیں۔ ہم بھی تمھارے سر کی قوم ایک دن...

کھانے نے بھٹ اس کا منہ بند کر دیا۔ ”نانا چھٹن صاحب! ابھی سے ایسی باتیں! ابھی تو تمھارے سینوں کے دن ہیں۔ تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ اور اس جھک چھٹن کا کیا ہوگا؟“
”مائے کائنات! جس کی کام لے دیا۔ وہ لڑکے لڑائی تھی جتنا دیکھ رہے ہو تمھارے اندر وہی استاد بولنا کہ جو کہ ہے۔ اس نے کھانے کا کال پیم لگا دیا۔ کھانے سے پہلے اس نے ہمارے کپڑوں پر خوشبو لگائی۔ جب میری بادی آئی تو وہ بگس پٹ پٹانے لگا۔ دن بت ہو گئے۔ وہ مجھے نہیں بولنا تھا۔ جیسے ہی اسے میرا چہرہ یاد آیا، وہ اچھل گیا اور دکان سے اتر کے اس نے مجھے تھیں فری سلام کیے۔ ”آہ! لاؤ لے لو اب! یہ بھی تو کسوں پر بازار کا رنگ آج پڑا۔ لا سا کیوں ہے اب کھانا کب تھنارے کے دم تھن کی رفتی ہے۔ سرکار کمال چلے گئے تھے؟“

”چھٹن صاحب! آپ غریب سے ہیں؟“ میں نے اس سے گلے ملنے ہوئے کہا۔
”لڑی کیا ہو چیتے ہیں۔ انتظار میں کٹ رہی جاتی ہے۔“
”کس کا انتظار ہے آپ کو؟“
”لوہہ بھی کہتے ہیں کہ بے رنگ دانا ہے۔ حیرت میں خوب ہے۔ میاں اپنے صید سے پوچھتا ہے کہ اسے کیا کم ہے۔“

چھٹن صاحب کالاب والہ وہی تھا۔ اس کی باتیں ختم نہیں ہوتی تھیں۔ کھانے نے مجھے کچھ کہے ان سے دور کیا۔ چھٹن صاحب نے ہم سب کے گلوں میں لاؤ لے۔ گاؤں میں طرکی جیریاں آکا میں اور اپنے ہاتھ سے سب کو گھوڑیاں کھلائیں۔ چھٹن صاحب میاں کے لیے کیلے کہ چوں میں گھوڑیاں الگ بائندہ کے دیں۔

اتنے لوگ کس کس کی ایک بالا خانے پر اکٹھا جانا مناسب نہیں تھا۔ کھانے نے دین دولوں میں تھوڑا سا ماسہ، کپت خان، ذریعہ طاہر اور مینی ذریعہ کو لے کر لگا ہوا۔ کھانے نے مینی سے آنے والوں کے ساتھ رطوبت سے دروازے بند تھے اور اندر سے ہلچلنے کے آوازوں کی آہری تھیں۔ لوگ جھروں سے اندر چلے گئے کہ کرش کر رہے تھے۔ ہم کئی گھنٹوں سے گولتے ہوئے ایک نسبتاً خاموش گلی میں داخل ہوئے۔ یہاں پر سے اور اونچے مکانات تھے۔ ایک جگہ ایک کمرے پر گلاب کا پھول کے گلے۔ پہلے تو میں سمجھا کہ غرض اتفاق ہے لیکن استاد ایسا مان تھا کہ میری نظریں ادھر ادھر نہ لگتی تھیں۔ بائیں طرف والے مکان کی پہلی منزل پر کھڑکی میں ایک مردہ عورت اور کئی بیٹھوئی کھڑی تھی۔ وہ میری طرح گھبراہٹ ہوئی تھی۔ میں نے جلدی سے مجھے آدب کیا میرے ہاتھ میں غراہی طوطا آئے جواب دینے کے لیے اٹھ گئے۔ دوسرے ہی لمحے وہ نکلا ہوں سے اور چل رہی تھی۔

پہاں لیا تھا، وہ شہر بارہ تھی کوئی ڈیڑھ سال پہلے جب میں چھٹن اور اس کے دوست اسٹول کے استاد موتی مچھلار کے آؤں کے گھوش اور کھانے کے ساتھ میان آیا تھا تو میں نے شہر بارہ کو دیکھا تھا۔ وہ مکان میں تھا۔ مجھے دوسری تھی۔ راجا استاد گھوڑی نے اندر سے میرا بازو پکڑ لیا۔ ”پن نے کیا دیکھا؟“
”بے پروا کی دیکھا۔ کھانے نے مارٹی کی بہوت آنکھوں کے سامنے آنکھیاں پھلتے ہوئے کہا۔ آسمان سے نہیں آتا تھا۔“
ہم سب وہیں بیٹھ گئے۔ کھڑکی پر چند شایین کے لیے مارٹی کے کھنے کے مطابق مختلف رنگوں کا ایک شعلہ مارٹھا تھا۔ شہر بارہ کو میری صورت یاد تھی۔ قیناس نے جان کے پھول پھینکا۔ ہر گاہ میں آگے بڑھنا چاہتا تھا مگر مارٹی نے مجھے روک لیا۔ راجا استاد وہ حاجت سے بڑا لڑائی ہی کے پاس چلو۔

”وہ اب ادھر کا بائیں گاتی۔ کھانے نے سرری انداز میں کہا۔“
”تو بڑا لڑائی کیوں ہے؟“
”ادھر ہی ہے۔ اب وہ صرف ایک غاس آؤں کیلے گاتی ہے۔“
”پن کے راجا سے زیادہ غاس آؤں اور کون ہو میں کاتم نے دیکھا نہیں۔“
”پن نے راجا کے آؤں پر پھول پھینکا تھا۔“
”پھینکا تھا۔ ہر اس کے لیے گاہ باندہ ہے۔ آگے چل بائیں آگے تیری آنکھ کے لیے اور سر رہے۔“

”میں کھانے ایک دو مینٹ اور ٹیو۔ پپس پپس نے رینٹ۔“
”میں ایک گارٹ پٹ کرتا پچھتو۔“ کھانے چھلا کے لولا۔
”آؤں کی بادی کھانے استاد، سالار زبان سلپ، ہوجا ہے۔“
کھانے نے دھکاتے کے چند ترم بڑھ گیا تھا۔ یک بالی ہمارا بائیں طرف کے مکان کا دروازہ تیزی سے کھلا اور شہر بارہ نمودار ہوئی۔ وہ گلی میں آئے تھے۔ جھک کر کھانے خود ہی جھپٹ کے اس کے پاس پہنچ گیا۔ پیچھے پیچھے ہم بھی گئے۔

”شارے! کیا بات ہے؟“ کھانے نے کسی ترم میرانی سے پوچھا۔
”لاؤ لے میان کب آئے؟“ شہر بارہ نے ترم آواز میں پوچھا۔
”پروں!“ کھانے نے میری جانب دیکھتے ہوئے پچھلے کے جواب دیا۔
”اند آئے۔ وہ مضطرب لیے میں بولی۔“
”امازت ہے؟“ کھانے نے ترم کر کے پوچھا۔
”آپ کارج کس ہے؟“ کھانے کو جواب دینے کے بجائے وہ چھٹن لائی آنکھوں کے ساتھ مجھ سے مخاطب ہوئی۔

”میں..... میں اچھا ہوں۔ میں نے جلدی سے کہا۔“
”ادھر سے گئے جا رہے تھے؟“
”مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ اب یہاں رہتی ہو۔“

”کھانے کی کوئی معلوم تھا۔ آپ نے پوچھا ہوتا تو کہتے۔“
”میں تباہی مانگتا تھا۔ اب بات کا بھی پتہ تھا۔ کھانے لولا۔“
”آپ کو کون روک سکتا ہے۔“
”روک تو کرنی میں سکتا ہوں۔ تمھارا خیال آجاتا تھا۔“
”نہ زیادہ کریں۔ ہر گاہ بہت دلیاں دیتی ہے۔“
”آپ نے بتایا میں کہ میں نے تپتی بار پوچھا ہے؟“
”جائے کیا کرتا میں نے تو پہلے بھالے ہیں۔“
”خیر نہ کہتے ہیں۔ اب اباجی کیا، کیا ہم اپنی مرضی سے ایک گھڑی کسی سے مل بھی نہیں سکتے۔“
”کریں گے۔ پوچھا ہوتا۔ اس دن انھوں نے میں کو مارا تھا۔ ہم لوٹ گئے غصہ زبنت آیا پوچھ کر ہم کچھ دھیان لگیا۔“
”اے اندر چلے۔ میں بھی تپتی باؤں ہیں اتنی دیر سے آپ گے۔“
”کو دروازے پر کھڑا کیسے ہوئے ہیں۔ اند آئے۔ آئیے۔“
کھانے نے اندر تپتیں لکھا۔ اسی دوران شہر بارہ کے پیچھے کریں آکھڑی ہو گئی۔ اس نے کھانے کو اشاروں سے سلام کیا اور ہم سب کو مضطرب انداز میں دیکھنے لگی۔ شہر بارہ کو اس کی موجودی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ یہ بھی آہیں گے۔ کھانے نے ہنستے ہوئے کہا۔
”میں دروازے پر آکے لوٹ جاؤں گے؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔
”جی نہیں جانتا پوچھ۔... پچھرسی۔“
”کیوں؟ آئیے۔“
”کھانے کی کوئی غیر تھوڑی ہی شہر بارہ پھرا جائیں گے۔ پیچھے سے کریں بیگم کو نرم آواز بھری شہر بارہ ایک لمحے کے لیے بدحواس سی ہو گئی۔ کریں کہہ رہی تھی۔ تھیں یا نہیں کیا وقت ہوا ہے۔“
”مجھے اب بے خبر، مگر باجانی یا ہمارے مکان میں۔“
”میں نے کچھ سنا تھا۔ میں نے کھانے سے کہا۔“
”نصیب! ہمارے دروازے پر ان کا ناخوش باعث ہے مگر تم...“
”میں نے شہر بارہ کو بل لیا ہے۔ کریں بیگم۔“ کھانے نے زور خند سے لولا۔ ہم کو پتہ ہے۔ یوں اس وقت ہے۔ تم کو زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں۔ کھانے بار! بعد اعطامت سمجھنا۔“
”انھیں میں نے ہی بلایا ہے۔ آجاتا یا کھانے کی ساتھ کھانا ہیں۔ تم بھول گئیں۔ یہ لاؤ لے میان ہیں۔“
”کریں نے مجھے ٹوٹا کھانے سے دیکھا۔ میں کچھ بڑا لایا تھا۔“
”لاؤ لے میان بہت دنوں بعد یہاں آئے ہیں۔ آئیے آپ لوگ اند آئے۔ آجاتا یا، ذرا فوسس کر لے کہ کھانا آئے ہیں۔ کریں کی پیشانی پر بکیریں پڑ گئیں۔ میں گاؤں کی نہیں۔ شہر بارہ نے لوٹی ہوئی آؤں میں کھانا آپ لوگ آئے کریں نہیں؟“

”آہاؤ کانتے جی! نہیں تھے تر شاہے اداس ہو جائے گی
کچھ دیر کے لیے شاہ کے ک خاطر ٹھہر جاؤ۔ مجھے حیرت ہوئی مگر یہ کہیں
بیچم ہی کی تاواڑ تھی شہ پارہ کے رخسار دیکھنے لگے۔“

شہر پارہ کے پہلے مکان سے بہت بڑا تھا اور باہر سے دیکھ کر کوئی نہیں کر سکتا تھا کہ اندر سے اتنا صاف تھا اور سجا ہوا ہو گا۔ دیا لگتا تھا جیسے کسی نواب کے دربار خانہ میں آگئے ہیں۔ کمرے کے چاروں طرف کئی مڑی چالیں کی ایک دوار تھی جس پر بچھت یک تریب قریب محرابی بنی ہوئی تھیں اور ان سب پر لیشی پرفے ڈوریں سے بندھے

ہدی۔ جسے اللہ جانی، ہمیں باہر پر وہاں سے مقابلہ کے لیے بھیجی ہو۔
 بت خوب صورت لگ رہی تھی اس کے کانوں میں آؤ نے جھول
 رہے تھے۔ ناک میں ایک بڑی سی تختہ شروع دھاگے سے کان تک بندھی
 ہوئی تھی اساتھے پر مجبور نگے میں نگہ بند کھانسیں میں نہری چڑیاں سر
 چکائی دو دہنا چوڑی دار با جامہ اٹھیا دھار جڑ باقی سارے کے پڑے کیکری
 رنگ کے تھے۔ پڑھ سال کی مدت میں وہ پہلے سے کچھ اور سن لڑائی

”میں بہت فوراً دوڑ گیا تھا۔ میں نے اُسے ہتھی سے کما۔
”کہاں کہاں؟“ وہ اشتیاق سے بولی۔

”کون کون سے شہر؟“
 ”ایک جگہ تو بتائیں مجھے اب اُن کے نام بھی یاد نہیں رہے ہوں گے۔“
 ”جیلر! اب بھی جانا ہوا؟“

.. وہاں بھی جانا ہوا وہ تجھ سے بولی۔

”وہاں بھی گئے تھے مگر کہیں تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“

مزارات گول کنڈی کے کا قلعہ فلک نما نہ جانے کیا کیا۔ دوکانیں عمارتیں

وہاں آپس سے ملے؟
مجھے شبہ ہوا کہ کہیں وہ خانم اور جہاں گیر کے بارے میں تو کچھ نہیں

سستی مئی: ہم رولیں ہی سرسری کئے تھے، بس کئے اور کئے۔ میں نے
سمسار کے کہا۔

”اتنا موقع نہیں ملا۔ کم و بڑا کس کس کو جانتی تھیں؟“
 ”بہتوں کو۔ وہاں دن بہت گزرا ہے ہں۔ بہت لوگ جانتے تھے۔“

میرے دل میں آیا، خانم کا نام لمبے کے کچھول لیکن اگر اُسے کچھ بھی
 علم تھا، حدیثِ نادر سے کہ آئے نہ ملتا کہ انسانی تہذیب و معجزاتِ حیات

یہی پتہ چل گیا ہوگا کہ خانم کن لوگوں کے ساتھ گئی ہے۔ خانم سے کہاں

اور انھوں نے ہمارے علیے بھی بتائے ہیں کہ اگر ایسے ایسے دواؤں

میں بھی جانتی ہوں، ہم دہاں ایک کام سے گئے تھے۔ ایک شخص

ہاں مل تو گیا۔

”ارے۔ وہ شرمائی۔ میں نے پہلے کسی کو دیکھا نہیں تھا اس لیے“
”ہم کو تو دیکھا تھا“

”آپ کی بات اپنی جگہ ہے۔“
”کس جگہ ہے؟“

.. چلو آج رات اپنے کو ٹھیک منہ
آب نہ تھامی، نہیں کہ آب کے

صاحب کیا یہ اسٹراٹھی ہے مبتدئ

امام کیا۔

ابن کیا بولے۔ سالانہ امتحان ہے۔

روک کے ہی بولتا ہوں کانتے داد

دیا۔ شہبہ پارہ کے اصرار پر یہیں کچھ

س کی گہری بھگی ہوئی سیاہ آنکھیں

یہ اند آئی، لکھ دیر بیٹھی اور ملی گئی۔
اُٹھ گیا۔ میں بھی کھڑا ہو گیا۔

یہ تھا کہ اگر اس کا نام نہ

ان لوگوں کو کچھ سنو ادیں۔ لاڈلے

”آپ بھی ملے جاؤ گے؟“

”وہ تو آجائیں گے مگر میں...“ میں نے تذبذب سے کہا۔

لیکن کریمین کی بات میرے ذہن میں محفوظ تھی۔ اُس نے دروازے پر

ہے۔ میں اسے یہ یاد دلانا چاہتا تھا۔ دُور کھڑی ہوئی کریم کا چہرہ صاف
 ٹھکانی کرتا تھا کہ اُسے میل بیٹھنا ناگوار لگ رہا ہے۔ وہ الجھی ہوئی سی

میں نے ٹٹول کے دیکھا، رُپے تھے۔ وہ سب چلے گئے۔ میں انہیں دیکھتا رہا۔ وہ گلیا اُسی لمحے کو رُمن نے شہزادہ کو مڑا کے کچھ کہا۔ میں نے سوجھا، جب

”کچھ نہیں۔ وہ ڈویتی موٹی آواز میں، لولہارت کوئی خام زہات نہیں ہے۔“

”نہیں۔ دے تابی سے بولی۔ وہ تو خواہ مخواہ کی فکر کرتی ہیں۔“
”کسے؟“

”انھیں میرے کئے پر اعتراض ہے۔ یہی بات ہے نا؟“

کوئی چیز اہم لگتی۔ یہاں ایک رئیس ہیں سیٹھ کم چند۔ انھوں نے

اُس نے انھیں میچ لیں اور کچھ توقف کے بعد بولی "میری

۱۔ اہل کائنات کو نصیحتیں بھارتی پابندیوں کو یاد دلاتے ہیں۔
کو منع کر سکتی تھیں۔

”وہی کیا؟“ میں نے سٹ پنا کے پرچھل
”پیلے جیسے“

”جیسے اب ہیں۔ اُس کے ہنٹا ہل کھلانے لگے۔ آپ سمجھتے ہیں؟“

”میں تجھ گیا پھر مجھے واقعی بیان نہیں پھر ناجا بیٹے“

”مگر میں کا تو نہیں جی رہی ہوں“

”یہ تو تم جھجکتی ہو“

”آپ کا دل بیان مجھنے کو نہیں چاہ رہا؟“

”میں نے تیری سچی کہانیاں میں سنا کر لیا۔“

”مجھے یقین تھا کہ آپ ایک دل مند فرد ہیں آپ میں گے اب

آپ اپنے دلوں بعد آئے ہیں تو میں آپ سے دو باتیں بھی نہ کر سکوں۔“

”یہ تو تم بہتر سمجھ سکتی ہو“

”آپ کے خیال میں کیا یہ انساں سب بات ہے؟“

”میں کیا کسوں میں سمجھتا ہوں تمہیں اتنا اختیار تو ہونا ہی چاہیے۔“

”آپ اپنا جی کتنی بڑا رہ پائی نگلنے کا اختیار کتنے ہیں انھوں

نے لے کر دیا ہے۔ وہ تھکے ہوئے لیے میں بولی۔“

”کتنا کراہے؟“ میں نے یوں ہی پوچھ لیا۔

”پتہ نہیں بہت ہی بڑا۔“

”تھیں نہیں معلوم؟“

”میں معلوم کر کے کیا کرتی؟“

”تو پھر وہ تھیں یہاں کیوں لکھے ہوئے ہیں؟“

”یہ تو ان کی اور آپا جانی کی مرضی پر ہے۔ وہ چاہیں تو لے بھی

جائیں ان کے پاس بہت دولت ہے۔ پورا پامانی نے شاید انھیں

منع کر دیا ہے کہ ابھی مجھے سمجھا سکی کہ تحویل میں دینا پانچ نہیں کریں

انھوں نے سوچ کر لے کر ابھی میری عمر ہے مجھے ابھی اور کتنا

ہے ابھی ان کا ایسا کوئی خیال نہیں وہ مجھ سے اور مجھے ابھی انھوں کے

سامنے دکھانا چاہتی ہیں۔ البتہ جاں نجات کے لیے بات ہے وہ مجھے

کسی ایک شخص کے لیے وقف کر سکتی ہیں۔ انھوں نے یہی کیا ہے۔ ہر

سکھانے کسی دن آنا وہ ہر ماہ میں اور بیٹھ جی مجھے یہاں سے لے جائیں

پھر ہمیں رکھیں اور میں اس انھی کے لیے محدود ہر ماہ میں یہ بھی ہر

سکھانے کے ساتھ جی ابھی آپا جانی کی منہ مانگی مراد قتل کرنے میں چکچکا

ہے ہوں۔ آپا جانی نے کچھ زیادہ ہی طلب کر لیا بڑا بڑا۔ یہ گھر بھی بیٹھ جی

نے لے کر دیا ہے۔“

”تھارا اپنا کیا خیال ہے؟“

”میرا خیال کیا ہے۔“

”بیٹھ جی کیسے ہیں؟“

”آدی ہیں۔ وہ مردہ ہر کے بولی اور ہر ایک چپ بیٹھی

رہی کرے میں میرے اندر اس کے سر کوئی نہیں تھا۔ اس کی آواز

بہت دبی تھی۔ جھنجھٹائی کہیں کھاتی مرنی۔ جی چاہتا تھا وہ بولتی ہے

کسی بات پر وہ خواتین تو تھوڑی سی تریب کو دھماکا پڑھا۔ بائیں

کوٹے کوٹے اس کے ہنٹ میسے میرے لڑتے تھے ہرے کا

رنگ اور لال ہر ماہ تھا۔ اس کا وہ بہت صاف نرم کسی مروج کی طرح

تھا لیکن پھر مجھے سے کچھ لچھا نہیں گیا۔ میرا گھر گھومنے سا لگا تھا۔

”آپ نہ مانے آپ نے اپنے اپنے میں کچھ نہیں بتایا؟“

”کیا بتاؤں؟“

”ایک بات پوچھوں؟“ وہ منشر آواز میں بولی۔ ”کبھی میرا چہرہ

یاد رہا آپ کو؟“

”ہاں! کبھی بار خیال آیا۔“

”سچ؟ اس کی چٹیاں جھلنے لگیں تھیں نے آپ کے بالے میں

بہت کچھ معلوم کیا۔“

”کیا کیا؟ تم نے کیا معلوم کیا؟“ میں نے دھشت کر کہا۔

”یہی کہ آپ کے ساتھ کیا گزری؟“

”تم کیا جانتی ہو؟“

”زیادہ نہیں بس اتنا کہ آپ نے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔“

”مجھے کھل کے بتاؤ۔“

”آپ اپنی ہی باتیں جاننے کے لیے اتنے بے تاب کیوں ہیں؟“

”شاید تم نے کچھ غلط سنا ہو۔“

”مگر میں نے آپ کو دیکھا ہی تو ہے۔“

”کتنی بار!۔“

”بعض اوقات تو ایک ہی بار کافی ہوتا ہے۔ وہ لڑیہ لہجہ

میں بولی۔

”ایک بار میں تم نے کیا سمجھا ہوگا؟“

”بہت کچھ سمجھ لیا۔ میں نے آپ کی آنکھیں دیکھی تھیں جو رگ

میں نے آپ تک دیکھے ہیں، آپ کی آنکھیں ان سب سے الگ

ہیں جن لوگوں کے ساتھ آپ آئے تھے ان میں بھی الگ الگ نظر آ

ہے تھے۔ میرا دل چاہتا تھا کہ آپ کو روک لوں مگر بہت نہیں پڑی

پھر میں آپ کا انتظار کرتی رہی کہ شاید آپ پھر آئیں۔ میں نے بہت

سی باتیں سوچ رکھی تھیں کہ آپ آئیں گے تو میں کیا لیکن اب کچھ باہری

نہیں آ رہا ہے۔ نہ جلائے کیا کر سچا تھا۔ میں اس چار دیواری میں بند

ہوں اور میرے بڑوں میں گھٹکھٹکوں کی زنجیر پڑی ہے۔ میں آپ کیلئے

کچھ نہیں کر سکتی اور میرے کرنے نہ کرنے سے ہوگا بھی کیا؟ ہر کے ٹوٹنے

کچھ نہ کچھ ہے۔ دیکھ مجھے اس پر کہ ایک عمل سی بات ہے

کوئی کسی کے دکھ میٹ سکتا ہے مگر مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے سامنے

اور کیا کتنا چاہیے۔“

”شاید؟ یہی آواز مجھ کو تم نے کیا کیا سنا ہے؟“

”اُس نے سنا تھا۔“ انداز زیادہ کر لیا تھا اور جتنا انداز تھا اُسے

انداز نہیں تھا کہ وہ اصل کا مشعر بھی نہیں ہے۔ وہ مرنے آتا ہی

جاتی تھی کچھ ایک طویل مدت قبل میں گورانی پڑی ہے اور وہاں

میں نے غلام بھی مل کر ہے کسی نے بتایا تھا کہ شاید اس دھن

میرے گھر والے بھسے کھ گئے ہیں، میں انھی کی تلاش میں شہروں

شہروں مارا مارا پھرتا ہوں۔ اسے خام اور جلاں گیر کی بابت کچھ علم نہیں

تھا لیکن وہ خام سے واقف ضرور ہوگی۔ نرسن پانچ ماہ میں موجود آؤ کاغذ

زین کا کام، فیض آباد میں اس کی حویلی پر سب کچھ اُسے معلوم تھا۔ بیٹی کے

چند واقعات بھی اس کے علم میں تھے۔ اس نے فیدہ کا ذکر نہیں کیا کہ کوئی

بعد میں کہ فیض آباد سے یہ بات کھلتے کھلتے گئی تھی۔ ہر آدمی کے آدمیوں

ہی نے اسے یہ ساری باتیں بتائی ہوں گی۔ یہاں طرح طرح کے لوگ آتے

رہے ہوں گے۔ شہر بارہ ان سے خود ہی پوچھا ہوگا اور انھوں نے اس

کی خاطر اپنا شاپ زبان کھ لے کر کوئی عرصہ نہیں سمجھا ہوگا۔ ہر مل

اسے کرا اور مولوی صاحب کے پاس سے کچھ پتہ نہیں تھا۔

”کیا یہ سب کچھ غلط ہے؟“ اس نے زبردستی سے پوچھا۔

”نہیں بہت کچھ درست ہے۔ تو کیا انھیں مجھ پر توں آتا ہے؟“

”نہیں۔ وہ پوچھتا ہے مجھے میں بولی۔ یہ تو نہیں ہے۔ آپ ایسا

کیوں کہتے ہیں مجب مجھے کچھ پتہ نہیں تھا تو میں نے کچھ ہی جانا تھا۔

آفاق سے بعد میں اس کی ناہمی میں رہی۔ اسے توں کہہ کے مجھے نام نہات

کچھ توں ترس اور غمزدہ ہوئے۔ یہ توں پوچھا جاتا ہے۔ ہاں مجھ پر آپ ضرور

خوس کھائے ہیں۔ میں آپ کی طرح آنکھوں اور دھڑا۔ آپ میں اور دھڑلے

آپ کو سچے سمجھنے کی صلاحیت عطا کی ہے۔ آپ کے بازو مضبوط ہیں

اور ابھی آپ کے سامنے ایک مڑ پڑی ہے۔ خدا آپ کو بہت زیادہ عمر

دے، بہت زیادہ اور آپ کی ساری ترادیں بڑا ہیں۔“

”شاید؟“ میں نے غالت سے کہا۔ تم نے گزری بات محسوس

کی ہے تو مجھے صاف کو وہ میری زبان تو اب میں نہیں دیتی۔ کتنا کچھ چاہتا

ہوں کل کچھ مانا ہے مجھوں نے دکھ سا ہے۔ دکھ ہی سمجھ سکتے ہیں تم

مجھے بہت دکھی گئی ہو۔ یقین کر ڈیٹل بھی جب میں یہاں آیا تھا تو

میں نے ہی محسوس کیا تھا لیکن میں تم سے کچھ کہ نہیں سکا۔ تم نے کہہ دیا

ہے میرے لیے تمہاری طرح اور لوگ بھی دھاک لے رہے پوچھ رہا ہیں۔“

”ہاں کیوں ہوتے ہیں؟“

”تم بھی تو اب اس نظر آتی ہو۔“

”ہاں کیوں کے ساتھ ساتھ ایک امید بھی ہے خدا کبھی تو سنے گا۔“

”سب یہی کہتے ہیں۔“

”کوئی غلط تو نہیں کہتے کیا دیکھنے دیکھنے لوگوں کی نصیحتیں نہیں مل

جاتیں؟ اتنا اندھ نہیں ہے؟“

”تم یہاں اس قید خانے میں بیٹھ کے یہ کہہ رہی ہو تو واقعی اندھیر

نہیں ہے۔ تمہارے دکھ بھی میں جانتا ہوں شاید، یقیناً ہی ہوں گے

جو یہاں بہت صاف کے ہوتے ہیں۔ بہت کم گم خوش رہتے ہوں

کے یہاں اور تم بھی لڑکی تو بالکل نہیں۔ میں نے اس سے یہ نہیں کہا کہ وہ

تمہی کی طرح مصمم ہے یا نہیں؟ جوں جوں ادنیساں کی بین گنتی ہے۔

”تمہی کا ناخا ہے۔“

”تم سب یہ پتہ نہیں کر رہیں نا؟“ اس نے گونجھکا۔

”مجھے یقین ہے کہ میں کچھ تمہاری اس ماں میں بھی نہیں ہوگی۔“

”اب تو وہ سب کچھ ہیں۔“

”تمہیں کہاں سے لایا گیا تھا؟“

”مجھے کچھ یاد نہیں صرف وہ خدا دھندلا سا ایک نقش ہے۔ میرے

پوچھنے پر اس نے ہر شکل تمام بتا کر وہ بہت چھوٹی تھی کسی نے اسے

حیدر آباد کے بازار میں پہنچا دیا۔ اسے صرف اتنا یاد ہے کہ اس دن گھر میں

بہت سے لوگ آئے تھے اور اس کے باپ کی ہسری کے گرد بیٹھے دوپٹے

تھے۔ لوگوں کی دیکھا کچھ وہ بھی نہ لگی۔ اسے حیرت تھی کہ اس کے

باپ کو کیا کہا گیا ہوگا، وہ بولنے لگے کہ میں اٹھنے کہوں نہیں اس

کا ایک بڑا سا گھر تھا بہن بھائی تھے۔ ان کی تشکیل اب تک اس کے

ذہن میں محفوظ تھیں جب اس کے ابا کو لوگ کندھوں پر آجھا کے لے

جانے لگے تو وہ بھی باہر آگئی کل میں بہت بڑا ہر تھا۔ لوگ اسے سینے

سے لگا کر پار کرنے لگے اور اس میں سے کسی شخص نے اسے گود میں لے

لیا۔ پھر جب اسے پرورش آیا تو وہ ایک دوسری جگہ تھی۔ حیدر آباد کے

بازار محبوب کی مہندی میں۔ وہ وہاں بی بی بڑھی۔ بعد میں کوئی بچہ کھلتے

سے حیدر آباد کی ترشہ پارہ اس کے سپرد کر دی گئی کوئی بچہ نہ عورت کے

ہاں اس نے پرورش پائی تھی کہ وہ کوئی بچہ کی تربیت میری تھی۔ سب ایک

خواب کے مانند ہے۔ اس کی آواز دھڑکا لے لگی۔ وقت کے

ساتھ یہ دھند بھی بگڑ جاتے گی۔“

”کبھی نہیں چھلے گی اور گری ہو جائے گی۔ آدمی یہی سمجھتا ہے کہ

وہ بھول جاتے گا لیکن بہت سی باتیں بھولنے کی نہیں ہوتیں۔ وقت کا

اُن پر اثر نہیں ہوتا۔“

”ہو جی جاتا ہے۔ کئی خالیں تو میرے سامنے ہیں۔ وقت نے

اُن کے زخم بھر دیے۔ انھیں اب کسی سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔“

”چہ نہیں؟“ اچھا بڑا لہجہ بڑا تھا۔

”اچھا ہی بڑا ہے۔ ہاں زندہ رہنا بھی ایک طرح وقت سے سمجھتا

کرنا ہے۔ وقت کے سامنے نرم کر دینا ہے۔ میں اس ہلانے کا شاید

رت بدل جانے اور کتنی کبھی بدل جاتی ہے کبھی نہیں بدلتی کسی کے لیے

بدل جاتی ہے کسی کے لیے میں اور آدمی تو میرا اس کے انتظار کے

فریب میں رہتا ہے۔“

کاش میں تم سے کچھ کر سکتا لیکن فضل باقیں کرنے سے کیا حال
 میری زبان کہتے کہتے رک جاتی ہے۔
 آپ کا انا کا نام ہی میرے لیے بہت ہے۔ اس کی آنکھوں سے
 شپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ مجھے احساس ہے کہ آپ اس سے زیادہ
 کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کبھی آدمی جھوٹ نہیں بولتا وہ اپنے اس کے دکھ جھوٹ
 ہوتے ہیں۔ دل پر بوجھ مت رکھیے گا میری باتیں سن کے آپ کا جی
 اور گراں ہو گیا ہوگا۔
 یہ ذکر کہ میں نے خود چھوڑا تھا خیار ہے! اپنے انسرو کو لڑی بھی تھی
 تو مجھے مزید ضبط کے لیے کہہ رہی تھیں۔ اب جاتا وہ ضبط کرنا کیا مشکل ہے؟
 وہ کچھ نہیں بولی۔ دوپٹے سے اپنے انسرو پر کچھ گرم شمس
 بیٹھی رہی۔
 ہم لوگ جا رہے ہیں خار ہے! کچھ نہ پائی کب ہوتی ہے
 لیکن جب بھی ہوگی میں ادھر ضرور آؤں گا۔
 چھ مارتے ہیں؟ وہ شکستہ لہجے میں بولی۔
 ہاں اور مجھے خود میں معلوم کر کس طرف جا رہے ہیں لیکن ہے
 جلدی آجائیں لیکن ہے بہت دیر ہو جائے ابھی وہیں نہ سکیں۔
 نہیں نہیں۔ وہ بے تلافی سے بولی۔ ایسی بد فائلیں منہ سے کہیں
 نکالتے ہیں۔ تھکے چاہا تو آپ کا کیا اب نہیں گئے۔
 کیا کیا جا سکتا ہے۔ میں نے یارو سے کہا۔
 میں آپ کا انتظار کر دوں گی۔
 اور تم مجھے یاد آتی رہو گی۔ میں نے دلتی ہوئی آواز میں کہا۔
 مجھے ہر دم تمنا ہے کہ میں آپ کا ہوں لیکن نہ اسکا تو تم
 تم... سب کچھ سے داغ ہیں لکڑی ہو گیا کہ میں اس سے کیا کانا چاہتا تھا۔
 آپ آئیں گے انشاء اللہ مدد واپس آئیں گے۔ یہ لڑکائی حاسن نہ
 کیجئے گا میں بیان بالکل ٹھیک ہوں۔ جو ملے سے جلدیے اور اپنی دلی
 بات لائے۔ وہ مجھے تسلیاں دینے لگی۔
 دیر ہو گئی تھی۔ ان کی کوئی دلی نہیں آیا تھا کہ میں کچھ ابا
 اس کے مل گئی تھی۔ شہزادہ میرے پاس ہی بیٹھی رہی۔ ایک لمحے کے لیے
 بھی اٹھ کے کہیں نہیں گئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ باہر جا کے کتنے دُورو
 کو خود ڈاکٹر کرنا چاہیے۔ مگر سامنے کے دروازے سے کہیں کچھ حواس
 باختہ ملازمین اندر داخل ہوئی۔ وہ آگے ہیں بکھرے ہیں اس کی لمبائی
 آواز گونجی۔
 کون آجائیا؟ شہزادہ نے آنکھیں پٹ پٹا کے پوچھا۔
 "کرم جی۔ وہ ادھر پڑھ رہے ہیں۔ سوئیے کچھ کھڑی ہے۔"
 تو آنے دیجئے۔ شہزادہ تھکے سے بولی۔
 میں چلتا ہوں۔ میں نے درمیان میں کہا۔

"آپ بیٹھے کہاں کا تھے جی کو ڈھونڈتے پھر گئے۔"
 "کیا یہ مناسب ہوگا؟" کرمین کڑے ہونے لگے میں بولی۔
 انھیں یہ پسند نہ ہو۔
 "میں نے نہ گھنگر دیا ہے۔ ہنر نگاری ہیں۔ یہاں ساڑھے دو بج رہے۔"
 "تم دوست کتنی ہو کر وہ عموں کر لیں گے۔ مجھے جڑا لیش تھا، وہی
 ہوا۔ وہ آگے۔ نامان کے طراز سے تم ہی طرح واقف ہو۔ وہ تھا سے
 معاملے میں کتنے خاس ہیں۔ میں ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ ہم پران کے
 احسانات کچھ ہم نہیں ہیں۔"
 "مگر آجائیا؟ شہزادہ نے احتجاج کیا۔ کیا بیان ہمارا کوئی حمان
 نہیں آسکتا؟ ہم بھڑکی دیر کے لیے اپنے کسی حمان کے ساتھ نہیں
 بیٹھ سکتے؟"
 "میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔ تم خود خود دار ہو۔" کرمین ناراضی سے بولی۔
 "کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ ان کے آنے ہی ہم اپنے حمان لکھا دیں۔"
 "تم مانو۔ وہ آ رہے ہیں۔"
 دروازے پر کسی کے آنے کی ہٹ ہوئی پھر چشم زدن میں سناؤلی
 رنگت درمیان دروازہ دھڑک کر ایک شخص برآمد ہوا۔ اس کی آنکھوں پر
 سنہرے نور کا شہر لگا ہوا تھا۔ کچھ بھڑکی بالوں کی موچیں سب سے زیادہ
 نمایاں تھیں۔ اس نے بند گئے کا ایک سکن کرٹ پہن رکھا تھا۔ دھونی
 سفید تھی۔ چہرے ہر سے وہ اچھا خاصا صفت شہزادہ تھا۔ بڑا
 موٹے موٹے، ناک ابھری ہوئی۔ کرٹ کے باہر گئے میں سونے کی
 ڈھیر پڑی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں کئی رنگوں کے چھوٹے کمرٹی ٹی ٹی ٹی ٹی
 تھیں۔ پہلے اس نے شہزادہ کو دیکھا پھر مجھے پھر کرمین کچھ کہی۔ اس کی آنکھیں
 بتا رہی تھیں کہ اس کے توبہ کچھ نہیں ہیں۔ شہزادہ نے کھڑے ہو کر
 اسے تسلیم کی۔ اس نے سر کو ایک خفیف سی میٹش دی۔ میں میں آٹھا
 تھا۔ یہ تشریف لائے کرم جی! شہزادہ نے فیصلگی سے کہا۔
 وہ آگے نہیں بڑھا۔ دروازے سے کچھ غافلہ میں پکڑا رہا۔
 "یہ لاٹھے میاں ہیں؟" کرمین نے مدلی سے کہا یہ اتنا بھٹل کے
 خاص آدمی ہیں۔"
 میٹھ کرم چند نے جواب نہیں دیا۔ شہزادہ اس کے پاس جا کے
 بیٹھے ہونے لگے۔ میں بولی کہیں؟ آپ بیٹھنے کیوں نہیں؟"
 "کرمین کچھ؟" اس کی بھڑکی ہوئی آواز ابھری۔ ہم اس کو کیا سمجھے؟
 "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"
 "تم مطلب خوب سمجھو گی کیا ہم ادھر دوبارہ نہیں آئے؟"
 "کون کون کتنا ہے۔ یہ گھر آپ کا ہے۔ آپ کو غلط فہمی ہو گئی ہے۔
 تھا اور خیال ہے ہم کچھ چہرے ہیں۔ ہمارا ادھر مارے بیٹھے کون
 آتا جا رہا ہے؟ انا کوئی آدمی نہیں جھوٹا ہوگا جو ہم کو بل
 لے کر آئے۔"

کی کوشش کیجیے۔ اس سے پہلے کہ بات طول کھینچے، میں منت کرتی ہوں
 کہ اپنے آپ کو تیار کر لیں۔
 "بات کو تو یہ سیدھ کرم چند کو ملے رہا ہے۔"
 "کرمین کچھ؟" کرم چند کتنی آواز میں بولا۔ چھوڑ کر سے بولو کہ
 یہ حال گھر ہے۔ ہم کرمین کے گھر میں ایسی بات برداشت نہیں۔ چلے
 جاؤ چھوڑ کر۔ وہ ہل بل براہ راست مجھ سے مخاطب ہوا۔
 "میں نہیں رہوں گا۔"
 "تم ادھر نہیں رہ سکتا۔"
 شہزادہ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ خدا کے لیے...
 اس سے دھڑک دھڑک رہا ہے جان! کرم چند نے چیخ کے کہا۔
 شہزادہ نے اس طرح میرا ہاتھ پکڑ لیا جیسے اسے ڈھک لگ گیا ہو۔
 "سیدھ کرم چند؟" میں نے نسبت پر سکون آواز میں کہا کہ حکومت چاہتے
 "ہم نے ادھر رکھ دیا ہے۔ وہ آنکھیں سے اشارہ کرتے ہوئے
 میری سے بولا۔ حکم کار کردار، دروازہ ہونو کھولو۔
 "ضرورت پڑی تو یہ کچھ کھول دیں گے۔"
 "اس کی ضرورت ایسے ہی وقت پڑتی ہے۔ ادھر خالی پہلی
 نہیں چلتا۔"
 "تم نے کتنا دکھ دیا ہے؟" میں نے مزے لے کر کہا۔
 "ادھر وہ لاکھ کرمین کچھ کی گامگ ہے۔"
 "ہم چار لاکھ دیں گے۔"
 "چار لاکھ؟" ہم چھ لاکھ دے گا۔
 "میں اسے دے گا کہ دیں گا۔"
 "پہلے ادھر لے آؤ۔ وہ خدات سے بولا۔ اور اس سے پہلے ادھر
 سے چلا جا۔ جب پیسے لے کے آئے پھر بات کرنا۔ دنگن ڈبیہ دے گا۔
 دیکھا ہے! آنکھیں بھٹ جائے گا۔"
 "آنکھیں تیری پھینکیں گی سیدھ کرم چند! ہم کو ایک پیسہ دکھانے
 کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں اسے بولی ہی تیرے سامنے سے لے
 جاؤں گا۔ پوچھ لے شہزادے سے۔"
 "مفت کا مال نہیں چھوڑے! بازار میں کھڑا ہے۔"
 "پوچھ لے شہزادے سے کہ وہ تیرے روپے کے ساتھ جانا
 چاہتی ہے یا میرے ساتھ۔ میری جیب میں اس وقت اتنے پیسے نہیں ہیں۔
 "ہا، بازار کا کتنا ہے... دن میں پن دیکھتا ہے، پوچھ لے۔
 پوچھ لے اور اپنے مغز سے یہ سچی ہی نکال دے۔"
 "یہ کیسی باتیں ہو رہی ہیں خدا کے واسطے کیفٹ گوند کیجئے۔
 کرمین کوئی انداز میں بولی۔ سیدھ جی! آپ ہی کچھ بڑے پن کا ثبوت
 دیجیے۔ یہ باتیں آپ کے نمایاں شان نہیں۔"

ابو تھان پر ہو گا کاک لگا تھی وہ تم نے نگاہی دی ہے کہ میں
 بیگم اب اور کیا چاہو ہر چوکے سے بلو کو چلا جائے وہ نہ ہم اس کو
 دھکے کے باہر نکال دے گا۔
 سیٹھ اٹھارہ عرصہ کا دیوان ہوتا ہے تم صرف زبان سے کہتے ہو،
 میں ابھی نہیں بیچے چھینک دوں گا۔

ادوہ اڈہ کرکین دونوں ہاتھ کان پر رکھ کے ملا لاکر لے گئی۔
 سیٹھ نے پھر کچھ نہیں سنا یہ حادثہ اڑنے کی طرف پلٹ گیا۔
 سمجھا وہ چلا گیا ہے نہ پڑے پھانچا کے اس نے تالی بجائی۔ اسی لمحے نے
 میں جلدی بھاری قدموں کی آہٹ گونجی کرکین بیگم دوا میں دیے گئی۔
 آنے والے دوا دی تھے، دوشدندے۔ پھلانوں کے مانند لباس سے زوی
 معلوم ہوتے تھے۔ دونوں کی کرے چڑے کی ایک ایک بیٹ بھٹی تھی
 اور سیٹھ کے خاں میں کاتوس ہرے ہوئے تھے۔ کدھوں سے پر لڑ
 کاب رہے تھے۔ چھڑے بھی بیٹی میں اڑے ہوئے تھے۔ دونوں کے

سینے چڑے سمٹنے ہوئے اور دھکے ہوئے تھے۔ ہوجھیں تو اس طرح
 کھنٹی ہوئی تھیں۔ سر پہ چھوٹی چھوٹی کسی برقی آٹن کی عروں میں زیادہ
 فرق نہیں تھا، ایک ایک چالیس برگی تو دوسرے کی تیس۔ رنگت فکلی تھی،
 جیسے جھڑی تھی۔ وہ اس طرح اندازے جیسے انھیں کسی چوکسی تلاش ہو،
 دیدے پھاڑے ہوئے۔ ان کی چھوٹی چھوٹی انھیں باہر نکل ہوئی تھیں۔
 آتے ہی انھوں نے چاروں طرف گھڑ کے دیکھا چہر ان کی نظریں گھبرا کے
 یک گئیں۔ اس کو اٹھا کے نیچے چھینک دوں۔ چند چمچے نہ لگائے ہو یہ کیا
 "یہ اتنا ذلیل کے آدمی میں کرکین سیٹھ کے سامنے لگئی۔
 "ان لوگوں نے بڑے بڑے استادوں کا لٹھ بھین کر دیا ہے کہ کرکین بیگم
 میں کتنی میں آپ انھیں روک لیجیے۔

"ہم ان کو روک کے لینے ہیں چوکے سے بلو، آخری موقع ہے۔
 ادھر سے دفع ہوجا۔ پھر کبھی اس گھر کی طرف نہ آئے گا۔ دیکھنا۔
 ملا لے مہاں! میں آپ کے آگے ہاتھ بڑھتی ہوں! اس نے
 اپنا ہاتھ برسرے آگے پھیلا دیا۔ سیٹھ جی اس وقت پرش میں نہیں ہیں
 کچھ مجھ میں ہے یہ ہیں لیکن تم پرش مت کھڑا۔
 دونوں آدمی مجھ سے ایک فاصلے پر آگے بڑھ گئے تھے۔ سیٹھ نے

میں نے قہری سے کہا ہاں دھکی دوسرے کا استعمال کرتے ہوئے
 "یہ بھی اپنا بازو دھکے دے چکا، اور کڑے کا بازو اور دھکڑا بازو ملائے
 بغیر نہیں آتا۔ بلو، جلدی فیصلہ کرو۔ ہم ان کو اٹھا کرے؟"
 "بس کرو، بس کرو، کرکین چلائے گئی۔
 "چپ ہو جاؤ، تم چند نے آتے ڈانٹ دیا۔
 "میل سے چلے جاؤ سیٹھ، میں نے ترسے ہوئے ہیں۔
 "ہم چاہتے؟" وہ نخرت سے لولا۔ چھینک دوسرے بیچے۔ اس نے

اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ وہ گھڑیاں کم نہیں چکے، بلے مجھے نظروں پر کرتے
 لیے۔ میں نے اپنے کندھے گرائے لیکن میری آنکھیں اٹھی پر کرکین
 کرکین اور شہ پادہ مرے آگے دھال بن کے کھڑی ہوئیں۔ میں نے
 انھیں دھکے کے خود سے دو دیکھا کم چند کے آدمیوں نے پھر نہیں
 نکالے۔ دونوں مجھے بازوؤں سے پکڑ کے دھکے ادا کھینٹے ہوئے زمین پر
 لے جانے کی تجویز ہیں جس کے شروع شروع میں وہ بھی کر سکتے تھے۔
 کرے کے درمیان ایک ستون سے سالا لے کے کھڑا ہو گیا۔ وہ آہستہ
 سے میرے قریب آئے جیسے مجھ سے دیکھ کر کھنا چاہتے ہیں کہ بہتر
 میں انھیں ہاتھ نہ اٹھانے۔ دونوں میں اپنی جگہ سے نہیں ہٹا، انھیں آتے
 شہ پادہ سکے ہی تھی۔ ان دونوں نے ہاتھ بڑھائے مگر اس سے پیشتر
 کہ وہ میرے بازو دھکے مجھے آگے دھکے۔ میں نے خود بھرتی سے چھینک
 کان کے ملا ہاتھ پیچھے سے پکڑ لیے اور دوسرے ہتھکا دیا۔ دونوں ایک
 ساتھ فرش پر گرے اور تالا باز کھائی گئے۔

ان کے لیے بہت غیر متوقع ہو گیا۔ میں نے ایک تانبے کے قندے
 میں کچھ پیچھے ہو کے اپنا رخ بدل لیا تھا۔ وہ آٹھ تو جلدی سے لیکن پھر
 انھوں نے مجھ پر حملہ کرنے میں جلدی میں کی۔ دونوں نے ایک دوسرے
 کو دیکھا اور استغناء میں سکرانے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ پھر فرار
 انھوں نے دوبارہ آگے بڑھ کے مجھ سے فاصلہ کم کیا۔ میں دوسری بار ان
 کے ارادے کا تعین نہیں کر سکا تھا کتنی باتیں ممکن تھیں۔ یا تو وہ آگے اور
 اس طرح پیش میں آئے مجھ سے چمٹ جاتے یا پھر نکال لیتے یا کچھ او
 کرتے لیکن وہ دوڑ کر دوری پر آگے پھیر گئے اور ایک چاک طوفان کو
 تیزی سے دونوں ادھر ادھر سے میلوں کی طرح اپنے تڑاگے کیے بہرے
 سینے پر حملہ آور ہوئے۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایک ایک کے
 دونوں کے ایک وقت زور کی تاب نہیں لاسکا کہ میں نے بچنے کی ایک
 گوشش کی تھی تاہم انھوں نے بہت جلدی کی۔ مجھے بھٹنے کا ڈر سا
 بھی نہیں دیا اور میرے ساتھ ہی گرے۔ وہ میرے جسم پر دباؤ ڈالے ہوئے
 تھے کچھ اس طرح کہ بے فائدہ مانگیں چلانے کے سوا میرے لیے باقی
 کو حرکت دینا مشکل ہو گیا تھا اب ایک ہی صورت مناسب تھی کہ یہ
 مزاحمت کے بجائے اپنا جسم دھکیلا کر ان کی طرح حلقہ طوفان کے
 ہاتھ مست پڑھانے کیونکہ ابھی اتنا تھی۔ پھلاؤ تھا انھوں نے اتفاق
 عمل کیا ہو گا۔ اپنے ذیل ذیل پر انھیں پورا اعتبار ہو گا اور سیٹھ کم
 کو جتانے کی بھی خواہش ہوگی کہ انھیں زیادہ ہاتھ پر میلانے اور
 کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ وہ مرث ایک جے میں مخالفت کر رہا
 لیتے ہیں چنانچہ مجھے یقین تھا، جلد ہی ان میں سے کوئی اپنے
 دوسرے سامنے کی جگہ کے پٹانے گا کہ وہ ایک کافانی ہے لیکن یہ سب
 فضل باتیں تھیں۔ کیا میرے پاس ان کی رعایت ملنے کے سوا اپنے کا

کا کوئی اور طریقہ نہیں رہ گیا تھا؟ ایسا نہیں تھا، ایک کی نسبت دوا وہاں
 سے نشانہ زیادہ آسان ہوتا ہے۔ ان دونوں میں اپنے عمل کی کیسانی ممکن
 نہیں ہوتی۔ سرچ میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ وہ پہلے سے کتنی ہی منصوبہ
 بندی کر کے مکر عارف کے غیر متوقع جوابی داؤ پر غور کرنے اور آپس میں
 ہلاک خیال کرنے کا ذہن نہیں ہوتا اور پھر ایک کو دوسرے کا ہر خیال
 دہشا ہے۔

میں ان کے پیچھے دبا رہا مجھے اپنے اداؤں کے جسموں کے میلان
 حرکت کے لیے ایک گناٹا شکر دھکا تھی۔ گناٹا انھیں دینی ہی تھی وہ نہ
 دیتے تو میں پیچھے سے زور کے انھیں ایسا کر کے پورے مجھ کو دبا دھکا ہوتا
 میری گناٹا شکر سے ان کا حرکت کرنا ناممکن ہو جاتا اور میں مجھے کوئی موقع
 مل جاتا۔ میری کوئی ہاتھ کھلا ہوتا تو میری رنگت میں ترچے ہاتھ سے
 ان کے کولہوں اور کمر پر ضرب لگا سکتا تھا میں نے کسی تشنگی کا اظہار
 نہیں کیا۔ انھوں نے میری کپٹیوں پر ضربیں لگائیں۔ وہ میری کرایہ اور
 جیمیں سننے کی آواز میں ہوں گے مگر میں جیسے بے دم ہلا رہا۔ مجھے
 بے مزاحمت دیکھ کے انھیں کچھ تردد ہوا۔ اپنی دانت میں انھوں نے
 ڈالسا اور اٹھ کے میرا بازو لینا چاہا۔ میں نے پھر بھی کوئی جھڑپ نہیں
 کی۔ نتیجتاً ان کی گرفت میں اور ذلیل چلا ہوئی اور انھوں نے گرا اپنے
 طور پر لے کر ایک کاب مجھے اٹھا کے زمین میں چھینک دیا۔ مجھے جیسے
 ہی ان کا دباؤ کم ہوا وہ میرے جسم سے کسی تڑاؤ پر پڑے، میں نے زبانی
 لے سینے کے بل پوری طاقت کے ساتھ پیچھے سے زور کیا۔ وہ منتشر
 سے ہو گئے۔ ایک میری دانتوں سے چمٹ گیا۔ میں نے دوسرے کا خیال
 ترک کر کے پہلے اسی کے منہ پر کھٹنا مارا پھر بے دلیع مانگیں چلائے
 ہوئے کم از کم اسے چند لمحوں کے لیے دوڑ کر دیا۔ دوسرا جس کی عزتاً
 تھی نصیحت میں گیا تھا۔ آگے مجھ سے پٹا ہوتا تو میری دوسرا
 جانا بھڑکاس سے پل لپکی طرح مجھے اپنا سر دھک کر دیا میری مانگیں نکلی
 ہوئی تھیں اور وہ میرے کولہوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے مارنے کے

سبب میرا ایک ہاتھ بھی آزاد ہو گیا تھا۔ دوسرے کو اس نے دبا رکھا تھا۔
 میرے لیے اب زیادہ دشواری نہیں تھی۔ میں نے کوئی نکل ضائع کیے بغیر
 کھلے ہاتھ سے اس کے منہ پر پونچھ مارا۔ وہ بڑبڑا کے پیچھے ہٹا، اس طرح
 ہر دو ہاتھ مجھ کی کھلی گئی۔ چپٹیں نے ادھر ادھر کودتے بولنے کے
 انداز میں اپنے جسم کو زمین پر جھکوا دیا۔ اس عمل سے میری مزاحمت
 وہ اور تذبذب ہو جائے حالانکہ میں اس کی دونوں پر ایک ترجیحی ضرب
 لگا سکتا تھا لیکن مجھے خیال تھا کہ انھیں اپنے پیروں سے پیچھے جانا
 چاہیے۔ انھیں کدھوں پر اٹھانے کے موڑ تک لے جانے میں اور انھیں
 ہلکی جس طرف میں کودتے ہلنے کا ارادہ ظاہر کرنا تھا، اسی طرف وہ بھی
 داؤ ڈالتا تھا۔ وہ میری تیزی کا ساتھ نہیں دے سکا جو تھیں ترس میں

میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اب پیش قدمی مجھے کرنی پڑے گی۔
 اتنی دیر میں میں ان کے کس بل کا بڑی مددک بن گیا چکا تھا۔ وہ
 زور میں کم نہیں تھے مگر انھیں اپنا بازو مختلف طریقوں سے آزمایا تھا۔
 تھا جیسا کہ بل خیال تھا، ہلاؤ اور میرے آٹھے کے دھالانے دوا ہر چوک
 لینے کے لیے پر زور دیا تھا۔ میں اٹھ گیا تو اس نے احتیاطاً سب کچھ
 دونوں کی پگڑیاں آڑ میں انھیں دبا دے بل بھڑے ہوئے تھے۔ ان کی
 آنکھوں سے خون اُبل رہا تھا۔ ان کا۔ دھالانے میں بے بہت سہولت
 تھا۔ دونوں ہاتھ پھیلائے ایک دوسرے کے کچھ فاصلے پر کھڑے ایک
 ہر حال ایک دواؤں میں دھالانے ایک ساتھ آگے سے تھیں ایک ایک
 مجھ سے چمٹ گیا، وہ دھالانے میں بے بہت سہولت تھا۔ وہ میری کرایہ اور
 جیمیں سننے کی آواز میں ہوں گے مگر میں جیسے بے دم ہلا رہا۔ مجھے
 بے مزاحمت دیکھ کے انھیں کچھ تردد ہوا۔ اپنی دانت میں انھوں نے
 ڈالسا اور اٹھ کے میرا بازو لینا چاہا۔ میں نے پھر بھی کوئی جھڑپ نہیں
 کی۔ نتیجتاً ان کی گرفت میں اور ذلیل چلا ہوئی اور انھوں نے گرا اپنے
 طور پر لے کر ایک کاب مجھے اٹھا کے زمین میں چھینک دیا۔ مجھے جیسے
 ہی ان کا دباؤ کم ہوا وہ میرے جسم سے کسی تڑاؤ پر پڑے، میں نے زبانی
 لے سینے کے بل پوری طاقت کے ساتھ پیچھے سے زور کیا۔ وہ منتشر
 سے ہو گئے۔ ایک میری دانتوں سے چمٹ گیا۔ میں نے دوسرے کا خیال
 ترک کر کے پہلے اسی کے منہ پر کھٹنا مارا پھر بے دلیع مانگیں چلائے
 ہوئے کم از کم اسے چند لمحوں کے لیے دوڑ کر دیا۔ دوسرا جس کی عزتاً
 تھی نصیحت میں گیا تھا۔ آگے مجھ سے پٹا ہوتا تو میری دوسرا
 جانا بھڑکاس سے پل لپکی طرح مجھے اپنا سر دھک کر دیا میری مانگیں نکلی
 ہوئی تھیں اور وہ میرے کولہوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے مارنے کے

سبب میرا ایک ہاتھ بھی آزاد ہو گیا تھا۔ دوسرے کو اس نے دبا رکھا تھا۔
 میرے لیے اب زیادہ دشواری نہیں تھی۔ میں نے کوئی نکل ضائع کیے بغیر
 کھلے ہاتھ سے اس کے منہ پر پونچھ مارا۔ وہ بڑبڑا کے پیچھے ہٹا، اس طرح
 ہر دو ہاتھ مجھ کی کھلی گئی۔ چپٹیں نے ادھر ادھر کودتے بولنے کے
 انداز میں اپنے جسم کو زمین پر جھکوا دیا۔ اس عمل سے میری مزاحمت
 وہ اور تذبذب ہو جائے حالانکہ میں اس کی دونوں پر ایک ترجیحی ضرب
 لگا سکتا تھا لیکن مجھے خیال تھا کہ انھیں اپنے پیروں سے پیچھے جانا
 چاہیے۔ انھیں کدھوں پر اٹھانے کے موڑ تک لے جانے میں اور انھیں
 ہلکی جس طرف میں کودتے ہلنے کا ارادہ ظاہر کرنا تھا، اسی طرف وہ بھی
 داؤ ڈالتا تھا۔ وہ میری تیزی کا ساتھ نہیں دے سکا جو تھیں ترس میں

میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اب پیش قدمی مجھے کرنی پڑے گی۔
 اتنی دیر میں میں ان کے کس بل کا بڑی مددک بن گیا چکا تھا۔ وہ
 زور میں کم نہیں تھے مگر انھیں اپنا بازو مختلف طریقوں سے آزمایا تھا۔
 تھا جیسا کہ بل خیال تھا، ہلاؤ اور میرے آٹھے کے دھالانے دوا ہر چوک
 لینے کے لیے پر زور دیا تھا۔ میں اٹھ گیا تو اس نے احتیاطاً سب کچھ
 دونوں کی پگڑیاں آڑ میں انھیں دبا دے بل بھڑے ہوئے تھے۔ ان کی
 آنکھوں سے خون اُبل رہا تھا۔ ان کا۔ دھالانے میں بے بہت سہولت
 تھا۔ دونوں ہاتھ پھیلائے ایک دوسرے کے کچھ فاصلے پر کھڑے ایک
 ہر حال ایک دواؤں میں دھالانے ایک ساتھ آگے سے تھیں ایک ایک
 مجھ سے چمٹ گیا، وہ دھالانے میں بے بہت سہولت تھا۔ وہ میری کرایہ اور
 جیمیں سننے کی آواز میں ہوں گے مگر میں جیسے بے دم ہلا رہا۔ مجھے
 بے مزاحمت دیکھ کے انھیں کچھ تردد ہوا۔ اپنی دانت میں انھوں نے
 ڈالسا اور اٹھ کے میرا بازو لینا چاہا۔ میں نے پھر بھی کوئی جھڑپ نہیں
 کی۔ نتیجتاً ان کی گرفت میں اور ذلیل چلا ہوئی اور انھوں نے گرا اپنے
 طور پر لے کر ایک کاب مجھے اٹھا کے زمین میں چھینک دیا۔ مجھے جیسے
 ہی ان کا دباؤ کم ہوا وہ میرے جسم سے کسی تڑاؤ پر پڑے، میں نے زبانی
 لے سینے کے بل پوری طاقت کے ساتھ پیچھے سے زور کیا۔ وہ منتشر
 سے ہو گئے۔ ایک میری دانتوں سے چمٹ گیا۔ میں نے دوسرے کا خیال
 ترک کر کے پہلے اسی کے منہ پر کھٹنا مارا پھر بے دلیع مانگیں چلائے
 ہوئے کم از کم اسے چند لمحوں کے لیے دوڑ کر دیا۔ دوسرا جس کی عزتاً
 تھی نصیحت میں گیا تھا۔ آگے مجھ سے پٹا ہوتا تو میری دوسرا
 جانا بھڑکاس سے پل لپکی طرح مجھے اپنا سر دھک کر دیا میری مانگیں نکلی
 ہوئی تھیں اور وہ میرے کولہوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے مارنے کے

سبب میرا ایک ہاتھ بھی آزاد ہو گیا تھا۔ دوسرے کو اس نے دبا رکھا تھا۔
 میرے لیے اب زیادہ دشواری نہیں تھی۔ میں نے کوئی نکل ضائع کیے بغیر
 کھلے ہاتھ سے اس کے منہ پر پونچھ مارا۔ وہ بڑبڑا کے پیچھے ہٹا، اس طرح
 ہر دو ہاتھ مجھ کی کھلی گئی۔ چپٹیں نے ادھر ادھر کودتے بولنے کے
 انداز میں اپنے جسم کو زمین پر جھکوا دیا۔ اس عمل سے میری مزاحمت
 وہ اور تذبذب ہو جائے حالانکہ میں اس کی دونوں پر ایک ترجیحی ضرب
 لگا سکتا تھا لیکن مجھے خیال تھا کہ انھیں اپنے پیروں سے پیچھے جانا
 چاہیے۔ انھیں کدھوں پر اٹھانے کے موڑ تک لے جانے میں اور انھیں
 ہلکی جس طرف میں کودتے ہلنے کا ارادہ ظاہر کرنا تھا، اسی طرف وہ بھی
 داؤ ڈالتا تھا۔ وہ میری تیزی کا ساتھ نہیں دے سکا جو تھیں ترس میں

میں نے فیصلہ کیا تھا کہ اب پیش قدمی مجھے کرنی پڑے گی۔
 اتنی دیر میں میں ان کے کس بل کا بڑی مددک بن گیا چکا تھا۔ وہ
 زور میں کم نہیں تھے مگر انھیں اپنا بازو مختلف طریقوں سے آزمایا تھا۔
 تھا جیسا کہ بل خیال تھا، ہلاؤ اور میرے آٹھے کے دھالانے دوا ہر چوک
 لینے کے لیے پر زور دیا تھا۔ میں اٹھ گیا تو اس نے احتیاطاً سب کچھ
 دونوں کی پگڑیاں آڑ میں انھیں دبا دے بل بھڑے ہوئے تھے۔ ان کی
 آنکھوں سے خون اُبل رہا تھا۔ ان کا۔ دھالانے میں بے بہت سہولت
 تھا۔ دونوں ہاتھ پھیلائے ایک دوسرے کے کچھ فاصلے پر کھڑے ایک
 ہر حال ایک دواؤں میں دھالانے ایک ساتھ آگے سے تھیں ایک ایک
 مجھ سے چمٹ گیا، وہ دھالانے میں بے بہت سہولت تھا۔ وہ میری کرایہ اور
 جیمیں سننے کی آواز میں ہوں گے مگر میں جیسے بے دم ہلا رہا۔ مجھے
 بے مزاحمت دیکھ کے انھیں کچھ تردد ہوا۔ اپنی دانت میں انھوں نے
 ڈالسا اور اٹھ کے میرا بازو لینا چاہا۔ میں نے پھر بھی کوئی جھڑپ نہیں
 کی۔ نتیجتاً ان کی گرفت میں اور ذلیل چلا ہوئی اور انھوں نے گرا اپنے
 طور پر لے کر ایک کاب مجھے اٹھا کے زمین میں چھینک دیا۔ مجھے جیسے
 ہی ان کا دباؤ کم ہوا وہ میرے جسم سے کسی تڑاؤ پر پڑے، میں نے زبانی
 لے سینے کے بل پوری طاقت کے ساتھ پیچھے سے زور کیا۔ وہ منتشر
 سے ہو گئے۔ ایک میری دانتوں سے چمٹ گیا۔ میں نے دوسرے کا خیال
 ترک کر کے پہلے اسی کے منہ پر کھٹنا مارا پھر بے دلیع مانگیں چلائے
 ہوئے کم از کم اسے چند لمحوں کے لیے دوڑ کر دیا۔ دوسرا جس کی عزتاً
 تھی نصیحت میں گیا تھا۔ آگے مجھ سے پٹا ہوتا تو میری دوسرا
 جانا بھڑکاس سے پل لپکی طرح مجھے اپنا سر دھک کر دیا میری مانگیں نکلی
 ہوئی تھیں اور وہ میرے کولہوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے مارنے کے

قدموں سے جھڑپ ہاتھ چلاتا ہوا آگے آگے مجھے معلوم تھا کہ زینے پر وہ مٹ جائے گا، وہیں میں ایک ہاتھ کے بیچ کے اور دیکھنے والے کو ترسے گراں کے زینے میں ٹوٹ دوں گا۔ اسے ڈب کا ڈاکو کہتے ہیں۔ سانی دیکھ کر مجھے اپنے سامنے کے آدمی کی ضربیں اور برداشت کرنے دینا چاہیے تھا لیکن زینے کے پاس میں متعز پر میں نے اپنا اوروہ بدل دیا۔ ایک مرد ایسا آگیا تھا کہ میں اچھل کے پیچھے والے کی ٹانگوں کے دسیاں ایڑی مارا کرتا تھا۔ میں نے آہستہ سے ہانگ آٹھا لی اور بیڑی قات سے اپنے پیچھے کے آدمی پر مارا کرتا تھا، ماری۔ وہ شیر نہیں سکتا تھا بلبلانا ہر ایرے بازوں میں جھول گیا۔ اپنے ساتھی کی ہل ناک جیغ سن کے دوسرے کے ہاتھ سٹ پٹا گئے اور وہ بدحواسی میں مجھ سے جھٹ گیا۔ میں نے اس کا جسم زینے کے دروازے سے محروم دیا۔ گشت سے اس کے سر پر گہری جوت لگی ہوگی۔

میں نے زینے سے کچھ اندر کرے میں آگیا کہ میرے پیچھے والے کو بھی دیکھنا تھا۔ اس کے پاس پنچا ہوا تھا اور غریبی میرے انداز سے ضرب میں کوئی کمر نہیں رہ گئی تھی چھری ایک بار سے غور سے دیکھ لینا بہتر تھا۔ وہ فوٹ پر ڈھل پڑا کر رہا تھا۔ اس کی آواز گھٹی ہوئی تھی۔ اس کے جلد حرکت میں آنے کا کوئی امکان نہیں تھا بلکہ یہ نہ ہو نہ کا امکان زیادہ تھا۔ میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کے احتیاطاً چانو باہر نکال لیا۔ سامنے والے کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور بعد میں تھا کہ وہ آخری حربے کے طور پر پنچا یا چانو نکال لے۔ میرے پیچھے ہونے اور اس کے ساتھی کو دیکھنے کے دوران اس نے سنبھلنے میں چند لمحوں کے بعد گھسے۔ میں نے غصے کے اس کی طرف دیکھا تو وہ منہ باہر نکال چکا تھا۔

”نہیں! یہ کہ میں شہید پارہ کی سسکتی ہوئی چیخ گئی۔ وہ کرم چند کا بازو پکڑے فریاد کر رہی تھی۔ میں نے چانو کھول لیا تھا۔ اس نے جلدی سے چرخی گھائی اور پنچا مجھ پر پڑا۔ اسے وہ دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ آج سے ڈیڑھ دو سال پہلے کرم چند کی گیم کے بالا خانے پر ایسی ہی صورت پیدا ہو گئی تھی میں وقت سیٹھ کشمی داس نے ہم پر پنچا نشان لیا تھا۔ موتی نے اس کے اسی ہاتھ پر سنی جاک دستے سے چانو لیا تھا کہ سیٹھ دیکھ کر لگا تھا۔ منہ کے سامنے میرے لیے بھی موتی کی ترکیب پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اس نے بھی دیکھ لیا تھا کہ میرے ہاتھ میں چانو ہے۔ مجھے ایک ہی بدختر تھا کہ چانو کھولیں اور نہ لگ جائے۔ میری ہمت سے بندھی اسے اچھا لیا تھا میری نظر اس کے چہرے اور انگلیوں سے بندھی تھیں۔ آدھ کھٹکے دبانے کے لیے اس کے اچھے ہنسن اور انگلیوں میں مٹن ہوئی، اور میں نے بجلی جیسی سرعت سے بائیں طرف ہر کے چانو چھینا کہ میرے گری کا تیر دھماکا ہوا۔ ساتھ ہی پنچا اس کے

ہاتھ سے گر گیا اور خون کی قلی جھوٹ پڑی۔ چانو چھینتا ہوا گڑا تھا اور اس کے سر سے کچھ دھماکا لگتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں جھول رہی تھیں۔ میں نے جھاک کے اس کو پنچا آگیا تھا کہ جیب میں ڈال لیا اور اس کی بیڑی سے غریبی محال کی۔ دوسرے کو کھڑو مار کے میں نے اس کے دونوں ہتھیار قبضہ میں کر لیے۔ ان دونوں کو ان کی حالت پر چوڑ کے میں دوڑ چلا۔ آتشبار پارہ اور کرم چند کی گیم واریسے پاس آگے میرے ہاتھ اور شانے ٹوٹنے لگے۔ میں نے غصے سے میرے ہاتھ پر مارا۔ کرم چند نے اپنے دوپٹے کے پورے آگے صاف کر دیے۔ کرم چند نے اپنے ہاتھ لپائی اور ملازمہ بڑا سا انگال دان لے آئی۔ غراسے کرنے سے خون کچھ لگا لگا لیکن ہرٹ کسی جگہ سے بچھن گئے تھے۔ کرتے پر خون کی بوندیں گر رہی تھیں۔ شہید پارہ نے ایک چھانکری سے منہ میں ڈال دی اور میرے گال اور گردن سے پیدہ خشک کرتی رہی۔ کرم چند بھلنے لگی۔ میں نے اسے رک دیا۔

کرم چند ساکت و جاما کھڑا تھا۔ زینے پر اس کے آدمیوں کے آئنا دار بھڑ پڑا اور ہونے کے بعد صرف چند منٹ صرف ہوئے ہیں کہ عکسہ چند منٹ بہت طویل تھے۔ اسے اپنے کاہستے اور سکتے ہوئے آدمیوں کا کوئی پرکشش نہیں تھا۔ وہ دھتھری ہوئی کجاہوں سے مجھے کھتا رہا۔ میں نے سوچا، جا کے اسے ایک طمانچا ملاؤں مگر میں نہیں کیا۔ میں نے وہیں سے وہیں آواز میں اسے غائب کیا۔

”کرم چند! اس کو آٹھا لو۔“

میری آواز اس کے اس نے ایک بھڑ پڑی لی اور فائرسش ہوا۔ اپنے دونوں آدمیوں کو سنبھالنا اس کے لیے مشکل تھا اور اس کی نشان کے خلاف بھی مجھ کو میرے اشارے پر کرم چند کے تمام ملازم اور ملازمے ہٹا لیے۔ دونوں آدمی اس قاتل نہیں تھے کہ نیچے جاسکیں پہلے والا تو فریاد مٹا ہے ہرکش ہو گیا تھا۔ وہ اسے پانی پلانے، جھونکنے اور مالش کرنے لگے۔ دوسرے کی انگلیوں پر کپڑا باندھ دیا گیا۔ اس کا کھلی امکان تھا کہ سیٹھ کرم چند پیچھے جاتے ہی پولیس کا ہتھ کرے۔ پھر میرے لیے پولیس کو سنبھالنا آسان نہ ہوتا کرم چند پہلے ہی انھیں بھڑوتا اور میرے پیچھے لپکا کر ڈکے باعث سارا الزام مجھ پر پڑا۔ کرم چند شہید پارہ پولیس میں اس کے خلاف گواہیاں دیتیں تب ہی دیکھ کر وہ گھبرا جاتی۔ مناسبت ہی تھا کہ کرم چند پولیس تک جانے کی جہت ہی نہ کرے۔ ایک اور اعتقاد بات میرے ذہن میں آئی کہ میں یہاں سے فرار ہو جاؤں اور آؤے پر جا کے چھپ جاؤں پولیس آؤے پر پہنچ کر تو کھیل میں سے فرٹ لے گا۔ جیسے اسی وقت پہلے کھیلوں گا جب سفر کے لیے روانہ ہوں گا کرم چند نے اپنی آنکھوں سے میری دیکھا تھا کرم چند نے اس کے سامنے کھل کا حوالہ بھی دیا تھا۔

اسے کرم چند کی ایک بات یاد آ رہی ہوگی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ وہ کرم چند کی گیم کے سامنے سے بچنے کے لیے پولیس کو درمیان میں نہ لائے لیکن اس نے پہلے ہی کرم چند شہید پارہ کی فرامیوں پر کان نہیں دھکے تھے، اب کیا ضمانت تھی کہ وہ باز نہ کرے گا۔ ساری بات وقت کی تھی۔ وقت کم تھا۔ میں جلدی سکتے سے روانہ ہونا تھا۔ ایک اور تدبیر بھی تھی کہ کرم چند کا ہاتھ کھٹکے اور کھٹکے خوردہ کر کے بھیجا جائے کہ اس کے پولیس تک جانے کی نوبت ہی نہ آئے۔ میں نے ایک باز نہ سے کہا کہ کائنات جہاں کہیں بیٹھا ہو اسے بلا لاؤ مگر میں نے اسے خود ہی منع کر دیا۔ وہ کرم چند کا پردہ بھی ہو سکتا تھا۔ اسی گھر کے کسی آدمی نے ہمارے بیان آنے کی خبر اسے پہنچائی تھی۔ کرم چند! اب اپنے لیے تم نے کیا سوچا ہے؟“ میں نے اپنی آواز میں نہیں بولنے دی۔ تھیں یہاں کھڑے سے پیچھے چھینک دیا جائے یا پتالے اور کرم چند کی شہادت پر پولیس کے حوالے کر دیا جائے یا یہ منتخب کرم چند کی ہی موٹی میں اسے پر لے جائیں جہاں تم تینوں کی بڑیاں بھی نہ مل سکیں؟“

”ٹھیک ہے۔ وہ گہری سانس لے کے بولا۔ ہم جاتا ہے۔“

”اور کھٹکے نہ لیں۔ اسے لیے۔ تم یا تیار کر کوئی آدمی یا گھر میں زینے پر چڑھنا دیکھا گیا تو وہ دوسری زینے سے نہیں جائے گا۔“

”ہم سمجھتا ہے۔ وہ آہستہ سہلی سے بولا۔“

”نہیں! کرم چند میں کوئی کسر نہ رہی ہو تو تم اور میں دونوں یہاں موجود ہیں۔ تم کو اپنے ادا ہاؤسی گارڈوں کو بلانے کی اجازت ہے۔“

”اب ان تمام زائدوں کو دیکھ کے کیا کرے گا؟ وہ باہر سے بولا۔“

”جو ہم بولنے ہو وہ سب ٹھیک ہے۔ تم غور فرماؤ۔ مجھ تو ہم ایک بات بولے۔“

”بولو۔“ میں نے نرمی سے کہا۔

”ہم تمہارے گلے میں اپنی زنجیر ڈالنا چاہتا ہے۔“

”جاؤ۔ اجازت میں نے اسے دھککا دیا۔“

”ہم ٹھیک دل سے بولتا ہے۔“

”زیادہ باتیں مت کرو۔ دفع ہو جاؤ۔“

شہید پارہ نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے محل کی التبا کی جس آدمی کی انگلیاں لٹ گئی تھیں وہ دیوار سے ٹیک لگا کے بیٹھ گیا تھا۔ اس کے چہرے سے ظاہر تھا کہ اسے شدید تکلیف ہے۔ سامنے آئے کچھ اچھل پھل رہے تھے۔ دوسرے دم اچھا لیا سامنے آئے پیچھے لے جانے کے لیے آٹھانے لگے۔ میں نے انھیں پھرنے کو کہا اور خود بڑھ کے دروازے پر اس آدمی کے پاس پہنچا جس کا خون تپتی ہاتھ کے باوجود دینے نہ کرنا تھا۔ غشی کا کپڑا سارا لال ہو گیا تھا۔ میں نے سامنے

کرم چند کی کچی کھولنے کی ہدایت کی۔ شہید پارہ اور کرم چند کی گیم کے آگے پیچھے نہیں۔ اندر سے کھانگرا کے میں نے اس کی دیوار میں کچی جھولتی ہوئی انگلیاں بدھی کر کے انھیں ملجوڑ پٹی سے باندھا اور خون ڈکنے کے لیے کلائی پر ایک اور پٹی کس دی۔ پھر میں نے اس کا سارا ہاتھ لپیٹ دیا۔ میں نے رانڈر دیر لگائی تھی۔ کرم چند کا کوئی جھڑپ نہیں تھا کہ کچھ چلے اس کے دماغ میں کیا آجائے۔ وہ بال بازی بھی کر سکتا تھا۔ پٹی سے منٹ کے میں دوسرے آدمی کی طرف متوجہ ہوا کہ کرم چند کھڑے لانے کے لیے میری تدبیر کا لکڑی ہوئی۔ اسی دوران زینے سے ان لوگوں کی آوازیں آنے لگیں۔ نیچے آنکھوں نے موڑ دیکھ لی ہوگی اس لیے ان کی رفتار تیز تھی۔ سب سے پہلے کائنات اندر داخل ہوا اور جھونکنا سار کے کہے کی انفری دیکھنے لگا۔ ناٹھ لے! وہ بولکھانے ہوئے۔ میں نے بولایا۔ یہ کیا ہے؟“

”ہاں کرم گہرا گہری ہوئی۔ میں نے مختصر جواب دیا۔“

”گہرے اپنا منہ پیچھا کر لیا؟“

”ہاں ہو گیا کائنات۔“

”ہر۔ کائنات نے چھینکا کے بولا۔ کرم چند! اپنے کو بولو یہ سب سالا کیا ہے؟“ اس نے کرم چند کا کھلا دھج لیا۔

”ساتھ ہی ماچھی دھاڑا۔ اپن کے لاؤ لے پر کس حوالے کے جنے نے ہاتھ اٹھایا؟“ اس نے کلائی کے پوچھا اور سیٹھ کرم چند کو گریبان سے اٹھا کے فرش پر پٹ پٹ پٹ۔

”مٹھو۔“ میں نے جیج کر کہا۔ بات ختم ہو چکی ہے۔“

”اپن کیا دیکھ رہا ہے لاؤ لے! رانڈی نے بھی چانو کھال لیا تھا۔“

”یہ دو آدمی ساتھ لے کے آیا تھا۔“

”اور تمہارے کوئی دیر لگ لاؤ لے؟“ کائنات غصے سے بولا۔

”دیر ہی لگ گئی۔ میں اسے کیا بتا کر میرے ہاتھ تک لے تھے۔“

”کیا ہر سوار کے پیچھے تیرے کچھ گئے تھے؟“

”کائنات! میں نے بڑاری سے کہا۔ جاتے ہے۔“

”کیسے جاتے ہے؟ وہ سیٹھ کے منہ پر آٹھ ہاتھ سے طمانچا پانے ہوئے بولا۔ کرم چند! اسے اس جوبے کی اولاد کو بولا نہیں کہ لاؤ لے کون ہے؟“

”بتا یا تھا خدا کی قسم بتا یا تھا۔ کرم چند کو گڑو گڑو نے لگی۔“

”پھر یہ سالا نہیں مانا، ہاں میں مکن ہے یہ تو کا پتھا؟“

”یہ سیٹھ کرم چند ہیں۔ کرم چند سہمی ہوئی آواز میں بولی۔“

”یہ ہے وہ سالا!۔ کائنات نے فرش پر بھٹک کے کہا۔ کھٹکے میں نایا آگیا تھا۔ شرقی کرنے کھٹکا تھا۔ اور ہر پٹا باجی اپنے کو بولو یہ نہیں آؤ۔ لاؤ لے نہ تو تیرا دیر کی مال کے بائیں کا دھان لیا۔“

میں نے جا کے کانٹے کا ہاتھ پکڑا۔
 "اتنا کے سامنے کیا یہ سوجا ہوا منہ لے کے جانے کا؟ کانتے
 ی سے بولا۔ وہ کیا بولے گا؟
 "کچھ نہیں بھئی جانی نہیں کے تو کچھ نہیں کہیں گے؟
 "پر لاٹے! پہلے اچھڑ کر جواب دے تو کچھ نہ کہیں گے؟
 "بست سی بالوں کا خیال تھا درد کا یاد دلا گئی تھی۔ میں نے جھلا کے کہا۔
 "وہی تو میں پوچھ رہا ہوں لے!"
 "بتا دوں گا تیری بھئی میں اس وقت کچھ نہیں آئے گا۔
 "امان سے اپنی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ وہ سر جھٹکے لگا۔
 "میں جانتا تھا کہ انھیں اٹھا کے شلے جانا پڑے۔ تجھے یاد نہیں
 ہیں آگے جلدی جانا ہے۔ میں نے سر کوئی میں کیا۔
 "لالوں کے بھوت تیری بالوں سے ان جاتے تھے جو تو رہتا ہے
 پڑھا لکھا ہے۔ مجھ کچھ بات ہے۔ میری گندی یہ لڑا ساتھ نہیں دیتی۔
 نئے اونچی آواز میں بولا۔
 "ان کو سچے بچپانے کا انتخاب کرو۔
 "زیلے پر ٹوٹ دینا ہوا۔ اسے آپ چلے جائیں گے؟
 "کوٹھنے کو تو میں بھی ٹوٹ سکتا تھا۔
 "یہ تو میں بل رہا ہوں۔
 "اور یہ بات تیری تھی میں نہیں آ رہی ہے۔ مجھ کو کچھ آگے
 چلے جا کر بکھش نہیں۔ تو چپ رہو۔
 "کرم چند اونٹ کے آدمیوں کو اپنے چھوٹے وہ اوپر آئے تو
 رے گردا کچھ ہو گئے۔ کمرے میں کچھ دیر تک سکوت طاری رہا میں نے
 ان میں کھول۔ اچھی کر میں سے سوالات کرنے لگا۔ جب تک کہ میں نے
 میں ایک ایک بات نہیں بتادی، ان کی تسلی نہیں ہوئی۔ سازندے
 کیے ہوئے کڑوں سے خوں کے دھبے شانے کی کرکشن کو
 چھے۔ ایک طالع چانے لے آئے۔ شہزادہ نے چلے دوڑھا وہ جی
 اس کے مہرب کرکشن کی رات بہت ہو گئی تھی۔ کانتے اٹھا، اس
 نے اٹھ جانے پر بھی اٹھ گئے لیکن میں بیٹھا رہا۔
 "کیوں لاٹے؟ کانتے تڑپتی سے بولا۔ تو نہیں چلے گا؟
 "مجھے کرکشن ہیگ سے ایک بات کہنی ہے۔
 "کیا بات ہے لاٹے! میں! بندی سے کوئی غلطی ہو گئی ہو تو
 حاف کر دینا کرکشن مضطرب آواز میں بل اور میری شکل دیکھنے لگی۔
 "کرکشن ہیگ! اٹھ اٹھ کر آئیے اب دیکھیں گے کہ کیا ہے؟
 "کرکشن کے ہونٹ لڑکے رو گئے۔
 "تم نے بیٹھ کر کم چند سے دو لاکھ کو کاٹھا، وہ میں تم کو فے
 دل گیا۔ میں نے اس کے جواب دینے سے پہلے تیری سے کہا۔ شاپاے

اب میری بے ماس کا تم سے کوئی واسطہ نہیں، ابھی میں سفر پر جا رہا ہوں۔
 تم کو بچپن ہزاروں بچے کل کانتے کے وسیلے مل جائیں گے۔ باقی رقم
 میرے آنے پر ملے گی جب میں شاپاے کو بیاں لے لے جاؤں گا
 لیکن اس حوصے میں بالا خانہ بالکل بند نہ ہو گا۔ کانتے تمہارے ساتھ نہ پڑاؤ
 کے قرضے کے لیے پانچ سو روپے ہمارے دیتا رہے گا منظور ہے؟
 شہزادہ کی بے تاب نظریں میرے چہرے پر چل رہی تھیں،
 کرکشن نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا کہ میں سوچی بھی گئی تو آواز آیا
 جاتی۔ وہ سب مجھے عجیب لگا ہوں سے دیکھ رہے تھے جیسے میں پاگل ہو چلا
 ہوں۔ شاپاے تمہارے پاس میری امانت کے طور پر لے گیا اور میں
 تمہیں صاف بتا دوں گا مجھے یہاں سے کسی اور بالا خانے پر نہیں
 لے جاتا ہے۔ مگر تم اس سے کچھ بھی مروتی کہتی ہو تو میری بات مان
 لو گے اور میں بھی کہہ شاپاے کی مرضی کے مطابق ہے۔ بولو، تو جانا کیا
 جواب ہے؟
 "تم حواس ہو تو ہوا لاٹے میاں! بکریہ کانتے لے جے میں بولی۔
 "میں بالکل حواس میں ہوں۔ میں نے اپنی آواز ضبط نہ پاتے
 ہوئے کہا۔ تمہیں آج میں توکل شہزادہ کو کسی دیکھی کے حوالے کر رہی ہوں
 ہے تو میرے حوالے کرنے میں کیا حرج ہے؟ یہ تمہارے ساتھ اٹھنے
 دن دی ہے، کچھ تو اس کی منشا کا خیال کرو۔ اگر تم نہیں مانو گے تو میں اسے
 یہاں سے اٹھا کے نہیں لے جاؤں گا لیکن میں تم سے کہتا ہوں ایک دن
 پھر دو گھنٹہ گھنٹہ کے مہربانے کی خدمت کچھ ہو تو مجھے بتا دو۔ بیچنے
 مجھ سے یہی کہا تھا کہ تم نے دو لاکھ مانگے ہیں وہ دو لاکھ پر آمادہ نہیں تھا
 وہ نہ پہلے ہی دے دیتا۔
 "چھ کسی وقت بات ہوگی لاٹے! میں! تم جا کے آرام کرو۔
 "بات اسی وقت ہوگی۔ کیا تم مجھ پر یقین نہیں کرتے؟ کیا تمہیں
 شک ہے کہ میرے پاس رقم نہیں ہے؟
 "میں تم پر شک نہیں کر رہی ہوں بہتر ہو گا کہ تم آنا تمہیں سے
 پوچھ لو۔
 "ان کی بات بے حد بے جا تھی۔ پلے تم بتاؤ کیا تمہیں کوئی انکار ہے؟
 "میری عقل بولن۔ چکہ میں کیا جواب دوں۔ جھپکے ہیں
 من لیا ہے۔ اگر تمہیں یہ مرضی کا انا پاس ہے تو مجھے کچھ سوچنے اور
 سمجھنے کا موقع دو۔
 "اس میں سوچ نہ سمجھنے کی کیا بات ہے۔ تم نے ہزاروں ماس پر
 غور کیا ہو گا۔ تم نے شاپاے تمہاری بیٹی نہیں ہے۔ تم نے بھی
 اسے خریدا ہے۔ یہی سوچ کے فریاد ہے کہ کل تمہیں اس کے منہ مانگے
 پیسے مل جائیں گے۔ ایسا ہے کہ نہیں؟ پھر تمہیں کا ہے کہ اپنی پیش پتہ
 یہ وقت ہے کہ شہزادہ میرے پیٹ سے پانچ نہیں ہوتی تھیں

یہ میری بیٹی کی طرح ہے پوچھ لو شاپاے سے کہ کیا میں نے کبھی اس سے
 اونچے لیے ہیں بات کی ہے؟
 "لیکن کوئی ماں اپنی بیٹی کو لوگوں کے سامنے نہیں کر دیتی۔
 تم اسے بیٹی تو کہتی ہو مگر ماں کی طرح اس کا خیال نہیں کر رہی ہو۔ مجھے
 نہیں معلوم کہ خود کیسے یہاں آئیں تھیں۔ تم ایسے ہی لائی گئی ہوگی جیسے
 شاپاے کو لایا گیا۔ بیچتم کیوں شاپاے کا دکھ محسوس نہیں کرتیں؟ اور اگر
 تم شروع سے یہاں ہو تو میں تم سے کچھ شاپاے کی ایک ہفت ہونے کے
 ناتے تمہیں میری بیٹی کی پڑو دینی چاہیے کہ کوئی نہیں شاپاے کے لیے
 تم سے ہزار بار دیکھتا ہوں۔ میں اس کے لیے غلط نہیں سوچ رہا ہوں۔
 میں سمجھ کر مچھ نہیں ہوں۔
 "میاں! وہ تندر لے میں بولی۔ کیسی باتیں کرتے ہو۔ ماشاء اللہ
 ابھی چڑھتی جوانی ہے، خون گرم ہے۔ زندگی کی اونچی بچی سے واسطہ
 نہیں پڑا ہے۔ یہاں ساری عمر کو گزرا دیکھتے ہوئے میت گئی ہے۔ کتنے
 لوگ آئے اور چلے گئے۔ آدمی کا پوچھ سمجھنا مناسب سے شکل کام ہے
 خصوصاً اگر بے کے ڈھیر پچھے ہوئے آدمی کا۔ آٹے کپڑوں پر بیٹھے
 بڑھاتے ہیں۔ آدمی کو تو سنبھال لو گے۔ نگاہیں نہیں سنبھال جائیں گی۔
 کہیں تنکے چھوئے ہو سکتے نصیب کا ہی بیاں رہنے کو چاہتا ہے پو
 جو کھا ہے؟ اسے کوئی کچھ نہ سنا سکتا ہے۔ زین پر بیٹھنے والے کو زمین
 ہی کی طرف دیکھنا چاہیے، دم توڑی ملاقاتوں میں شاپاے کے عزیز ہو
 گئے اور حواس کے ساتھ مدت سے ہے۔ اسے اس کا مڑا بھلا سوچنے
 کے لیے تھوڑا وقت دینے کو تھا جہاں نہیں ہو رہی کم چند کی بات تو
 کیا تھا اور خیال ہے میں شاپاے کو ہمیشہ کے لیے اس ہرجائی کے حوالے
 کر دیتی؟ مجھے معلوم ہے کہ کب تک اس کی آنکھ سمیٹ رہی تھی۔ شاپاے کو پھر
 ایک دن یہاں آنا تھا اور پھر میں... میں شاپاے کو جڈا کر کے یہاں
 کیا خاک چھانکتی۔ میری پوچھ شاپاے کے سوا اور کیا ہے؟
 "مجھ ایسی باتیں کرنے ہیں۔ میں جانتا ہوں سوچنے کا وقت
 مانگنا عالم ٹول ہے۔ جلد یاد کا بازار بند نہیں ہوا ہے۔ تمہارے پاس
 پیسے ہوں گے تو تم ہی لو کیا ان اور لے آؤ گے۔ پہلے یہاں ایک پری ہیگ
 بھیجی، اب نظر نہیں آ رہی ہے۔ وہ کہاں گئی؟ رقم زیادہ درکار ہو تو
 بتا دو میں سوئے باز میں کروں گا اور تم۔ تمہیں یہاں بیٹھنے کی کیا
 ضرورت ہے تمام اللہ اللہ کیوں نہیں کرتیں۔ اگر تم یقین رکھتی ہو کہ
 اللہ میاں یہ باتیں ناپسند کر لے تو اسی کا احساس کرو اور جاہو تو
 شاپاے کے ساتھ ہی رہو۔ تم آنا دیکھو یہ لے کے کہاں جاؤ گی؟ کیوں
 اتنی ہو سکتی رہی؟
 "زیادہ آدمی مت کر دو کرکشن! کانتے اسے چپ دیکھ کے ناراضی
 سے بولا۔ لاٹا اتنی باتیں بل رہا ہے۔

"جھپکے ہیں! تم یہاں! تم جیسا کہتے ہو وہی جھپکے ہے۔ خاصی بڑے
 بعد کرکشن نے جھپکے ہوئے زبان کو مل سے سفر سے واپس آ جاؤ۔ میرا دم
 ہے شاپاے تمہاری رہے گی؟
 شہزادہ اس کے بازو سے جٹ کے پکٹنے لگی کرکشن نے اس کے
 مڑے ہاتھ رکھا خود اس کی آنکھوں میں بھی آنسو جھپکے آئے جہاں کوئی
 آواز میں بولی۔ قسمت کو یہی منظور ہے تو کون اسے بدل سکتا ہے؟ پتا چلا
 "کیا تم حرج نہیں ہو شاپاے؟" میں نے جرات سے پوچھا۔
 اس نے ڈیڈا بانی نظروں سے مجھے دیکھا اور کرکشن کو جھوٹے
 میرے پردوں سے لپٹ گئی۔ اس کی چپکلیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اسے اٹھانے
 کے لیے اس کے نالے تھانے وقت میرے ہاتھ بھی لکھیا نہ لگے۔
 جب میں نے اسے کھڑا کیا تو اس کا سر میرے کندھے پر ڈھک گیا۔ وہ
 کہیں لہری ہو؟ "میں نے اسے پچھڑاتے ہوئے کہا اور اپنے دامن
 سے اس کی آنکھیں خشک کرنا چاہا لیکن مجھ سے بھی آنسو نہیں روکے
 جاسکے۔ جتنا میں روکنے کی کوشش کرنا تھا، آنسو اتنی ہی آٹا ٹاٹ
 کے چلے آتے تھے۔
 کانتے میری کمر پچھپکیاں دیتا رہا، پھر شاپاے اسی نے کچھ کہنا تو
 کرکشن ہیگ نے اسے شہزادہ کو تمام لایا اور اسے مجھ سے جڈا کر کے دور لے
 گئی۔ میرا دل اسے ایک لے کے لیے وہاں چھوڑنے کو تیار نہیں تھا
 لیکن میں اسے ساتھ بھی نہیں لے جاسکتا تھا۔ جیسا خواہش تھی اور
 سبھی کی آنکھیں جھری ہوئی تھیں۔ کانتے کا سارا چہرہ جھپک گیا۔ وہ
 اسے فیض آباد میں چپا ہیگ کے بالا خانے کی بات یاد آئی ہوگی۔
 میں نصحت کرنے کے لیے شہزادہ کو ڈیڑھ گھنٹہ کے ساتھ ہی
 آئی اور مجھ سے زریب پوچھنے لگی کہ اب میں لب آؤں گا؟
 "اگر میں کہیں دیکھ کے کسی وقت آنے کی کرکشن کوں گا چلے گئے تو
 پھر کچھ کچھ ملاقات ہوئی ہے میں کانتے کو سب سمجھا دوں گا وہ سارا انتظام
 کرنے کا تم کسی چیز کی حکومت کرنا کوئی ایسی دلی بات ہو کہ کانتے کو
 بلا کے کر دینا میں جلد واپس آنے کی پوری کرکشن کروں گا اور اگر نہ
 آسکا!... شہزادہ نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔
 کرکشن ہیگ میں پاس ہی کھڑی تھی۔ باہر نکلتے سے پہلے میں نے
 اسے تالیکر ناخود سے سمجھا۔ میں اگر آسکا تو کانتے اس میں شرم سے جوج
 ہے۔ رقم اسی کے پاس ہوگی۔ یہ تمہیں ادا کر کے شاپاے کو اپنے ساتھ
 لے جانے کا تم جہاں ہو کر کانتے تمہارے اور شاپاے کے لیے کسی
 اچھی جگہ مکان کا بند و بست بھی کرنے کا لیکن اچھی طرح سن لو تم نے
 وہاں میں کوئی چال چلی یا شاپاے کو کسی اور کے پڑو کیا تو پھر مجھ سے لینے
 میں اسکا نہیں ہوں۔
 "زبان سے کچھ ہوں میاں! کرکشن خند ٹی سانس جھکے بولی۔
 سے بولا۔ لاٹا اتنی باتیں بل رہا ہے۔

میں نے شبہ پاؤں کو ایک نظر دیکھا اور ڈوڑھی سے باہر نکل آیا۔
اُن کی ٹٹائی انھیں دولاک میرے ساتھ چلتی تھیں۔



گلی سسنان بڑی تھی۔ ٹٹاؤں کے باہر کھجے کی روشنی میں
چور کھیل رہا تھا۔ اُنسی نے بتایا کہ جھل پر بڑا دھماکا اور پلٹ میں ایک
چھری پھینک دی گئی تھی۔ میری آنکھیں غماز پر ڈھکی ہوئی تھیں۔
اُنکے چہرے پر ایک سوکھ کے دوسرے بالائے بالائے گئے تھے۔ کانٹے نے
وہ کسی آدمی کے ذیلے ان سے ملوا دیا تھا کہ وہ ہمارا انتظار نہ کریں
گا۔ کانٹے کے بعد وہ اُسے پر پہنچ جائیں۔ کتنی خاں! اُس نے ہنسا ہوا
تھا۔ ٹٹاؤں لٹکتے والی تھیں۔ ٹٹاؤں لٹکتے والے اُسے تھامے کہیں کو
ٹٹاؤں لٹکتے والے کانٹے کے سینے پر سر رکھ کر ڈھکی ہوئی تھیں۔

سینکل کتن! ہر وقت مخری اچھی نہیں ہوتی، کانٹے ترشی سے بولا۔
کتن خاں! ایک ٹٹاؤں سیدھا ہو گیا اور کانٹے کو گھولنے لگا۔
وہ شور مچاتے ہوئے آئے تھے۔ پر ہم میں سے کسی نے اُن سے کچھ
نہیں کہا تھا۔ کانٹے! کتن خاں! وہ گنگاؤں کے بلاتے تیری ماں سر
گئی ہے کیا؟

ہاں کتن! کچھ ایسا ہی جان لے۔
کیا بات ہے جانی؟ مکتی خاں نے اُسے بازوؤں میں بھر لیا۔
کتن! اس وقت کچھ بات مت کر، کچھ سوچا، کانٹے اُنکے ہاتھ
جائے گا نہیں تو نیند نہیں آئے گی کتنو!

معلم نہیں کانٹے نے کتن خاں کو بتایا۔ میں اُن کے درمیان سے
بہت کے اوپر چلا گیا۔ پُر کے لیٹ گیا۔ کتنو کی ہنسی۔ مکتی نصیب
میاں نے میرے پر کچھ اٹھوٹا ہاتھ پڑا تو میری آنکھ کھلی تھیں۔ اٹھوٹا
سوئے والو کہ میں اچھی ہوں۔ وہ آہستہ آہستہ اُٹھنے لگا۔ اڑا ہوا تھا۔
دھوپ نہ پڑی تھی۔ نیچے شہر کے کانٹوں پر لٹا ہوا تھا۔ میں ہڑوٹا
کے اٹھ بیٹھا نصیب میاں! کچھ کہے تھے۔ دھوپ میرے سارے جسم
پر پھیلی ہوئی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر کے میں نیچے آیا تو سب پر انتظار کر رہے
تھے۔ سب کی نظریں مجھ پر مرکوز ہو گئیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ رات والی بات
جھل کو معلم ہو گئی ہے لیکن نہ جھل نے مجھ سے کچھ کہا۔ نہ کسی اور نے۔
اٹھنے کے بعد میرا دل کانٹے کو ٹیک کے جانے کا تھا۔ چلا گیا گاڑیاں

اچکی میں۔ کل کی طرح آج بھی جھل نے ہم سے کرو دیال کے باغ میں
جائے کو کہا۔ دناں سے واپسی شام کو جھل اور ایک بندہ ہوتا تھا۔ میں ہی
اچھا ہوا کہ جھل اور ہر دو ہمارے ساتھ نہیں گئے، نہیں تو مجھے باغ سے
ٹٹاؤں کے آواز پر ہوتا۔ راتے میں ایک ٹٹاؤں اُٹھ کر اُنوں سے گاڑیاں لگوا
میں اور کانٹے کے ساتھ عمارت میں داخل ہو گیا۔ میں نے کانٹے کو نام
دلا لاکھ روپے کا ایک جیک لکھ کے اور اس کے اکاؤنٹ کا نام بھر

منجھ کے سامنے پیش کر دیا۔ وہ اپنی بڑی رقم کا جیک دیکھ کے نہ بڑب
میں پڑ گیا۔ میں نے اُن کی تسلی کے لیے جھل کی رقم کی رسیدیں
دکھادیں۔ ہم سے پوچھ بیچ اس نے ہمارے لیے سو ڈالہیں کی گھنٹی
تولیں لانے کا حکم دیا۔ میں اٹھا کر نہ رکا رہا۔ وہ دینا اور مجھ سے پوچھنے
لگا کہ کیا میں ہمیں یہ رہتا ہوں؟

کتنی ہنسا تھا مجھے چلنے کی ملدی تھی سو میں نے غصہ بات کی۔
کیا کاروبار ہے جناب کا؟
کوئی خاص نہیں ہے۔ میں نے سرسری جواب دیا۔
زیر دار ہوں گے؟ وہ سکرا کے بولا۔
ہاں ہی سمجھیے۔
اب ادھر کھلتے ہیں بیٹے کا ارادہ ہے؟
کچھ کہا نہیں جاسکتا۔
کھلتے ہیں رہیں تو مجھے خدمت کا موقع دیکھیے گا۔ میں نے

سر ہلا کے مانی بھری۔
مردی کا فائدہ کی غدا پڑی کے بعد سب سے بڑا حمل کانٹے
کے فارم کی تصدیق کا تھا۔ تصدیق دی شخص کر سکتا تھا جس کا اکاؤنٹ
منک میں ہو۔ ڈھوڑنے سے ایسا آؤں مل بھی جا تا مگر وقت نہیں
تھا۔ میں نے میٹر کی منت کی کہ وہ خود ہی تصدیق کرے۔ وہ بچھا یا میں
چیک اور فارم میرے اٹھالیے، میں اُنھیں پھاٹنے میں دلا تھا کہ میٹر
نے میرا ہاتھ پڑ لیا۔ آپ تو نالام ہو گئے؟ یہ غدا پڑی کچھ مردی ہوئی
ہے۔ وہ مذہب لیے میں بولا۔ لائے میں ہنسنے لگا۔

مختلف فارم پر مخط کرانے کے بعد اُن نے کانٹے سے
کہا کہ وہ تین چار روز میں جیک ایک لے جائے۔ وہ آیا تو فاک سے
بھیج دی جائے گی۔ کانٹے نے اُسے کے بجائے گل کے ایک کٹ مت
دکان دار کا پتہ لکھوا دیا تھا۔ میٹر میں عمارت کے باہر سبک پہنچا لے آیا۔
کانٹے سے ضبط نہیں ہوا۔ باغ میں تانے بازی کی کشتی کرتے
ہوئے وہ پوچھ پچھا لے لاؤ لے ایک بات بول ایتیرے پاس اتنی
دولت کھرے آئی؟

مجھے شبہ تھا، اُسے سب معلوم ہوگا، مہربانی میں جھل میں اچھا
نے شاید اُسے بتا دیا ہوگا۔ گلاس کا مطلب یہ تھا کہ جھل نے میری نظر
سے اپنے نام کو شہناجی کی آؤجی رقم کا جیک ملے اور کوٹا نے کا
کوئی ذکر اس سے نہیں کیا تھا۔ آؤجی میں نے کھوئے ہوئے لیے
میں کہا۔ آسمان سے گری تھی۔

مجھ کو پتہ ہے لاؤ لے، اُنورے زری بن کی جھل اور میٹوں کے
کاغذات جھو کے بھی نہیں دیکھے۔ مجھ سے بولنے کی کوئی عرصہ ہے کیا؟
نہیں کانٹے! اچھا ہے مجھ کو پتہ ہے کہ یہ سب بہت عزت کا

نہیں ہے۔ اس کا ایک ایک پیسہ میرے لیے لاکھ روپے کے
ہے۔ اس سے چل موت ایک بار اس میں سے کچھ رقم نکال
جی نے جانے سے پہلے اپنی تمام جائیداد نقدی میرے نام
پر شہناجی کو لٹو کر جانا ہی ہے۔

فوں نے اُسے وہ انھیں پھاٹ کے بولا۔ میں نے اُن کی تصدیق
پرے میں دیکھی تھی۔ وہ راز دار ہے۔ پھر ڈالتی ہے۔
ہی تھے، جھل کو بھی وہ بہت پسند تھے۔ اور مجھے اپنا بیٹا
ایک ماں کے سوا اُن کا کوئی نہیں تھا، اہاں ہی مگر میرا
نے نکلا۔

ہاں ہی جھل کے وہ مجھ سے کشتی جی کی باتیں سناتا رہا
اب فساد نہیں لیکن اب بھی کتنی کسی لمے اسیا عرصہ ہوتا
شہناجی کسی کشتی میں چھپے کھڑے ہیں اور مجھ کو دیکھ لے
ماہنگ میرے سامنے آجائیں گے۔ باغ میں گر لیاں مل ہی
سب تانے لگا ہے۔ میں اُن کانٹے چوک دار کی پارٹی
نے کشتی جی کی باتیں کرتے رہے۔ وہ پھر کو بڑا اور جھل باغ
ہاں ہے ہی انھوں نے ایک ایک آدمی سے تانے لگا کر
بھی کے اٹھنے میں اور بند توں پر وراں ہو گئے تھے۔ ڈوڑھے
میں ہی تیر تھا۔ اُس نے ایک آؤٹے ہوئے پر پڑے کر گولی
اڑاں کے باجوہ جھل نے اُسے ساتھ لے جانے سے متا

ی رات جب ہم اُٹے والیں نیچے تو جھل نے ہم سب کو
لے کرے میں لاکے اپنی روانگی کا اعلان کر دیا۔ ساتھ جانے والوں
لے کرے اُن نے لیے اُن میں پیر، جامو، زور، مانی، ڈوڑھے
لڑھکی، مکتی، میاں پٹو، جھل اور میں شامل تھے۔ ہاؤس
میں اُن سے اچھی کامیابی میں لیا تھا۔ کتن خاں اُن کانٹے
میں وہ پہلے ہی منع کر چکا تھا۔ اچھی کامیابی لگا گیا۔ جھل کو
سماں تھا۔ وہ ماہی کے کندے پر ہاتھ کر کے زری سے
میں ساتھ ہی رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے اُدھر پہنچی ہی رہنا
مردی میں نہیں ہے۔ میں نے رائے بدل دی ہے۔
طاہر مارا فٹ فٹ کر کے آیا ہے کہ ستاؤ، پیر واداسے
لاؤ لاسی سے بولا۔

پڑا کشتی میں ہی ہے کچھ کو ادھر سے اتنی دیر وہ نہیں
ہم کو اُن میں دیر بھی لگ سکتی ہے۔
مردی مکتی اُن نے تو پہلے ہی بول دیا تھا۔
ماتے میں سب سے پہلے بول دیا تھا۔
بلکہ کو اُن نے زبان میں کھول اور اچھی نے بھی پلانی

کی تھی جھل خود کہتا تو اچھی بھی بڑب رہتا۔ جھل بھی جی جاکے راٹے
کو دیکھ گا۔ جھل نے فیصلہ کر لیے ہیں کہ۔ مکتی بھی ان دونوں کے ساتھ
اُدھر ٹٹاؤں جانے گا۔

اب ان روز سب کی مہربانی کریں گا۔ مکتی اچھل کے بولا۔
ادھر سر اور بدن کھلا کر کتنے کی نوبت آئے تھی تو لیا کرے گا
مکتی اچھل نے بڑھل آواز میں کہا۔ مہربانی کے جولی کی خبر نہ رکھنا۔
رات آگے بڑھتی جا رہی تھی اور جھل کے جلد اٹھنے کے آثار
نظر نہیں آتے تھے۔ اگر میں بیچ میں کسی بلانے اٹھ جانا تو سب کو مضمون
ہونا کیونکہ جھل سب کو مختلف برائیتوں سے رہا تھا۔ جیسے اس کے بعد ہم
لوگوں کا پھر کھانا ہونا ممکن نہیں ہوگا۔ جھل آج ہی رات بالکل منع روانگی
کا ارادہ رکھنا تھا۔ میرا وہاں بیٹھنا فردی تھا۔ میرے لیے جھل کے منہ
سے نکلنے والی برائیت جسٹس اچھی تھی۔ ساری باتیں کسی نہ کسی طرح
سفر سے متعلق تھیں مگر کسی نے پوچھا تھا، نہ جھل نے اب تک بتایا تھا
کہ وہ کون سی سمت کا رخ کرے گا۔ اس کے لیے سے ایک بات تو مکتی
نایاب تھی کہ ہم کسی آسان سفر میں نہیں جا رہے ہیں اور سب ساتھ ہی جا
لیے ہیں۔ اب ایک نہیں، جیسے کہ ایک بار میرے ذہن میں آیا تھا۔ اُس
کے لیے میں یقین کی کسی تھی۔ کانٹے اور کتن خاں کو اُس نے برائیت کی
کہ وہ اپنے ہاتھ پیر اور لڑاؤں کی باتیں سمجھنے ہی کیوں۔ اچھی سے جی اس
سے یہی کچھ کہا تھا۔ وہاں کھلتے کے دوسرے آؤں کے چوکوں پر جڑتھے
اور ہر ہمارے ساتھ نہیں جا رہے تھے۔ اُن سے بھی وہ کچھ اسی قسم کی
باتیں کر رہا تھا۔

اس بار ہمارے کھلتے آئے کے بعد صورت حال وہ نہیں تھی
جو پہلے تھی۔ کانٹے کی زبانی اشارے مجھے معلوم ہوا تھا کہ ماوس کی زیادہ
مختی کی وجہ سے کچھ عرصے تک تو شہر کے آؤں میں کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی
مگر روز بروز گول اُٹھنے لگے۔ ایک افواہ میری شہر تھی کہ ماوس نے جھل
کو کسی بڑی مصیبت میں پھنسا دیا ہے۔ اس لیے اُس کانٹے والوں کا مشکل
ہے جھل کی ماوس کو کوئی گورہ رہی ہے، جھل بڑھا ہو گیا ہے اور اب
اُسے سے جھگڑنا چاہتا ہے۔ میرے اور اُس کے تعلق کے بارے میں بھی
قسم قسم کی افواہیں پھیلی ہوئی تھیں۔ مثلاً یہ کہ جھل کی کمزوری لاؤ لاسی وہ
سب اسی کے ساتھ رہنا چاہتا ہے۔ ان افواہوں کے نتیجے میں کئی آدمی
اُٹھ گئے اور میں اُن کا میں نہیں چلا تو نوامی علاقوں میں جا کے
اٹا کر گری کرنے لگے۔ جھل چھ واپس جا رہا تھا۔ کسی وقت بھی یہ لوگ زور
پکڑ سکتے تھے۔ اُدھر کانٹے اور کتن خاں کے لیے اُنھیں کھڑی کر سکتے تھے۔
ان میں زیادہ تر جوہر کے بڑے آدمی تھے۔ اُس کے ختم ہونے کے بعد
وہ بظاہر جھل کے ساتھ ہو گئے تھے۔ مکتی باطن ساتھ نہیں تھے۔ مکتی
کی مثال سامنے تھی جھل اگر کھلتے میں رہتا تو شاید اُن کا رد یہ نہ ہوتا۔

نصیب میان نے بھی دے لیے ہیں مجھ سے جامو کے سلسلے میں بات کرنی چاہی تھی میں نے توجہ نہیں دی تو نصیب یاں چپ ہو گئے وہ ایک طرح کی شکایت ہی تھی۔ میں نے سوچ لکھا تھا کہ فرصت ملی تو کسی سے کہنے بیڑان کروں گے پاس مالوں کا ہمارا انھیں پہل جانے کہ چھل کی دھکیں نہیں ہیں۔ ایک مرتبہ میں گھوٹنی کو بھی چھل کے پاس بچو کے لایا تھا، چھل نے میرے کہنے پر اسے معاف کر دیا حالانکہ اس نے اس وقت کہہ دیا تھا کہ یہ چھر کینڈن کر کے گا۔ کاش چھل میری بات نہ سندا۔ ہمارے جانے کے بعد گھوٹنی چھر بدل گیا اور جامو کو اسے آفری نرادی پڑی۔ جامو کی بھی کوئی غلطی نہیں تھی۔ وہ سختی نہ کرنا تو اب تک تو آدمیوں نے ناہی ملا توں میں ہی اسے ہمارے تھے زہر زہر شہر میں جہاں غلطی تو میری تھی کہ میں سب کچھ جاننے کو بھجنے کے بارے چھل کے ساتھ گیارہ ماہی لکے اس نے مجھے ڈھونڈ لیا تھا مگر اس کے بعد بھی کئی مواقع مجھے اس سے دودھ ہونے کے طے تھے البتہ اب دودی کا کوئی امکان نہیں تھا۔

مگر اس وقت چھل نے یہ بتا کے سب کو دنگ کر دیا کہ نواحی علاقوں میں جیسے والے تمام اڈے شہر کے دوسرے اڈوں کی طرح گاتے اور کین خاں کو سسل جھٹا پہنچا کریں گے۔ میں اس سب کو دیکھ چکا ہوں ان لوگوں نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ چھل نے میں بتایا ہر موت کاشی پور میں ایک سلطان باقی رہ گیا ہے آج رات مجھے کسی کو دیکھا ہے۔ میں سلطان کا ذکر کانٹے سے سن چکا تھا۔ ایک رواداس سے جل میں ملا بھی تھا کسی زمانے میں وہ چھل کے اڈے سے منتقل تھا پھر تن سے ایک مصلے میں اسے چار سال دلی جیل میں کاٹنے پڑے۔ تاہن آیا تو چھل نے اسے اپنے ساتھ نہیں رکھا۔ وہ پہلے اوہ اور دھڑ تیار ہوا اور بعد میں جودا کے اڈے سے مل گیا پھر جب موجد کے تمام اڈے چھل کی تحویل میں آگئے تو اس نے سلطان کو نہیں نکالا سلطان لیے تھکا ایک پھر تھلا آدمی تھا عرب کوئی تیس سے اوپر ہوگا۔ چاقو بروں کی گرفت مضبوط تھی چھل ہی نے اسے چاقو تھا سنا سکا تھا۔ وہ بلند شہر کا رہنے والا تھا اور چھل کے پاس بیچنے میں آگیا تھا۔ دیکھ میں سلطان نے اپنی عادت سے مجھ پر ہر دو گم مانی شروع کی تھی جامو نے اسے تنبیہ کی مگر وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا نتیجہ جاسو نے اس سے اتفاق میں لیا اور اسے کلکتے سے مکمل جانے کا حکم دیا۔ وہ شہر کی ایک نواحی سٹی کاشی پور میں چلا گیا۔ وہاں اس نے اوہ اور دھڑ سے آدمی لکھے کرنے شروع کیے۔ پھر ایک دن کاشی پور کے استاد ملکر کوہے فل کر خود اڈے کا مالک بن بیٹھا۔ کاشی پور آزادی کا علاقہ نہیں تھا اور پھر سلطان شہر کے اڈوں سے چھڑ چھاڑ بھی نہیں کرنا تھا اس لیے جامو نے اسے ڈھیل دی مگر خود جامو کو اس سے

نہنے کے لیے کسی مناسب موقع کی تلاش ہوگی۔ جامو کرنے کے لیے کھلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ جامو کو شہر سے فرصت نہیں ملتی تھی۔ چھل کی زبان سے سلطان کا نام کے کان کھڑے ہوئے۔ رات کا کھانا ہم نے خاصی دیر سے آؤٹ فیلٹ میں جانے کے بجائے مجھے چڑا جامو کا اور اچھی کو لے کے اڈے سے باہر نکل رہا تھا۔ جامو نے جاپنا ہوگا۔ وقت گزر جا رہا تھا۔ مجھے اور دھڑ شہر پرانی نے دن بھر مڑا انتظار کیا ہوگا۔ میں اب بھی دھڑ کو وہاں وہ کھڑی میں کھڑی پرانے جانے والے کو نکلتی ہوگی۔ ڈا آہٹ پہاڑ کے کان لگے ہوں گے اور بار بار اسے کرپ نظروں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ بیٹیس ہزار روپے کا بیکہ رکھا تھا جو میں نے بینک میں ہی رکھ لیا تھا لیکن دن میں مجھے دونوں کو وقت نہیں ملا۔ ہم میں سے کوئی ایک ہی رہا تھا میں نے نصیب یاں کی بابت سوچا تھا کہ انھیں بچا بھیج دوں گا لیکن ان سے کتنا مناسب نہیں لگا۔ اڈے سے کاشی پور کا فاصلہ دس میل سے کم نہ ہوگا

تو سلطان اپنے آدمیوں کے ساتھ اڈے کی نگلی کے پتھر پر کی محنت پہلے سے آجھی تھی، رنگ کھیل رہا تھا۔ دوسراں کا تھا اب جو بھاری پڑنے سے وہ کچھ ادا تو ادا لگتے لگاتے پڑتے ہی اس نے تن دی ہے اسے سلاک ادا اس کے اس کے ساتھ کے بھی آدمیوں نے اس کی تقلید کی لیکن کسی آدمی نے نہیں سلام نہیں کیا۔ اس کے انداز سے کہ اسے چھل کے آنے کی خبر تھی۔ چھل ہی نے کھلوا کر لے اس کی تصدیق بھی ہوگئی۔ اس نے چھل سے پوچھا۔ "ہاں بے راست ہوا ہے۔ چھل نے بھاری لیے سلطان ہیں اڈے کی عمارت میں لے گیا۔ عمار بڑی نہیں تھی لیکن صاف تھری تھی جس میں تخت پر بیٹھا تھی۔ اس نے چھل کو وہیں بٹھا دیا اور خود کھڑا رہا۔ چھل بھی تیار تھا شروع شروع میں وہ کچھ گھبرا ہوا نظر آتا تھا کہ چہرے پر ایک پھیلا ہوا ہوگا اور وہ اپنے آدمیوں کے ملازمت کے حکم دیتے لگا۔ رہنے سے۔ مجھ کو جلدی ہے۔ اسے منع کر دیا۔

"کیسے میرے جگ کھلے، استاد عرب کی جھونپڑی لکھ دارا اور میں بولا۔ مجھ کو ملا لیا ہوتا ہے۔" "مجھ کو دیکھنا تھا سلطان نے تو نے کیا تیرے لیے ہیں تیرے کیا؟ وہ کندھے اچکا کے بولا۔ جیسے کاہنار لایا۔

فل سلائے لگا۔ "پراب کیا تیرے سر میں ہے؟" "اڈا دھڑ بھی سے بولا۔ کیا تم ہی کہنے آئے ہو؟" "ہاں وقت نہیں ہے سلطان نے کہ میں تجھ سے لمبی باتیں کرنے اور کاشی پور میں استاد ملکر دیکھا تھا اور اپنی مسجد کے بارے میں کچھ لکھا تھا۔ تو نے ملو سے اڈا لے لیا کیا یہ سمجھ کے دیکھا ہے؟" "سات مانا استاد! اب سب ہی کہتے ہیں کہ استاد تو ہو گیا بات دومری تھی لیکن اپنے کسی ادا کی تابع دلدی کرنی ادا دھڑ جامو نے خود ہی جھکیں کی بار بار ہانک اڑا نا تھا۔ تاہم اس کے سامنے اپنے کو بے عزت کیا۔ بیچھے پیچھے نہیں اپنے کیا ہوں۔ ہم نے بھی سب تمہارے ہاتھوں سے سیکھا ہے۔ کچھ کچھ بتاتا ہے۔ نئے نئے آدمی آتے تھے اسے سرے پرانے سالے اور پیچھے چلے گئے۔ کبھی تم نے نہیں پوچھا۔ تیرے منہ میں کے دانت ہیں، خواہ کین پھر رہا ہے۔ مجھ کو بھول کر لگی میں جانا پڑا میں ملکر اب بھی کاشی پور سے نہ ہو سکا طرح بلانا۔ اپنی بھی کوئی عزت ہے اور یہ بھاری لاتی ہے۔

فل سب ستار رہا۔ جامو اس کے پیچھے کرنے میں گردن لیا تھا۔ اب اندھ کچھ بولنا ہوتا بول لے۔ چھل نے تھی ہونی لایا۔ "دیکھ لو! اسے سب سمجھتے ہو۔ وہ بگڑے بولا۔" "اڈا دھڑ گیا ہوتا پھر اس نکال لے۔" "ہی پلے ہی ایسے کہنے کا موقع دیتے سدا پھنکارا ہے میرے بھائی کوئی نا مانیں تھا میں نے بھی پھلنا حتیٰ کہ لیلہ جی استاد! ہاں تو میں زندہ ہوں سلطان نے، اتنے بڑے مرنے کے بعد کرا کر اپنے پوچھا ہے تو ساری بات بتا دی ہے ہم سارا زندہ ہو رہا تھا اور دشمن ہے۔"

"بے چھل جرم لیے ہیں بولا۔ تو نے کبھی دھیان نہیں دیا تیرے سر پر کیوں چڑھ بیٹھا۔" "ہم نے وہ بات نہیں ہوئی ہوا اور لوگ تمہارے ساتھ کرتے تھے تو اپنی زبان میں جھپٹی ہوئی ہے ہاتھ بھی اپنے کو بڑا مت امان بولتے ہیں۔"

"ہات تین۔ اڈا کسی کے باب کی جاگ نہیں ہوتا اور اگر کوئی ایسا ہوا تو مار کر زلیہ دیکھ نہیں رہتی۔ اڈے کا بھوارا، ماں آپ ہاں میں ہوتا۔ اسی کو ملے جس کا سارا دھڑ ہاتھ پر کاٹنے آئے ہیں جو اس کا بوجھ اٹھا کے ادا جس کا ہاتھ چھیک

ہو تیرا ہاتھ پہلے ہی سے خراب رہا ہے۔ تیرے ہاتھ میرے جاتے ہیں سلطان! چھک چلا چلا پچھاڑی دکھانے لگا ہے۔ مجھ کو تو منہ کھولنا نہیں آتا۔" "تمہارے ہی ساتھ رہا ہوں۔" "میرے ساتھ رہو کہ بھی میرے ساتھ نہیں رہا سلطان! ورنہ جوتی میں مارتا میں لے! میں پھر عار رہوں گا تے اور کین کو جامو کی جگہ چھڑ کے تیری رائے کیا ہے؟"

"آج میری رائے پوچھنے کی ضرورت کیسے ہوگئی۔ وہ زہر خن سے بولا۔ اس لیے کہ بعد کو تو اپنی کھال میں ہی رہے۔ اتفاق بھی ہوتے ہیں اسے کیوں لاڈلے؟ وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ میں چپ رہا۔ وہ کہنے لگا۔ میں کاٹنے اور کین دونوں کو لایا ہوں اور بھی لوگ ہیں لپٹا حق جتانے تو جامو کو کھول کے جانے اور ایک بار پھر ذرا غور سے دیکھ لے کہ لوگ کین میرے سر پر بیٹھے ہیں۔ نکال لے اپنی حسرت ان کے ملنے چاقو کھولتے ہوئے تھے لاج آتی ہے تو ادا بھی ہیں اور میں بھی ہوں۔ دیکھنا ہوں تیرا ہاتھ کتنا کھلا ہے۔ ویسے ڈیل تو تو نے بیل کی طرح پھیلا لیا ہے۔"

"کیا تم اسی رائے سے آئے ہو؟" "میں نے تجھ سے کھلایا تھا۔ تیرے خانے میں بھیجا ہوتا تو میرے پاس خود آ جانا مگر تو نے میرا دھڑ انتظار کیا۔ کاشی اور ادا یا تو یہ رکھا ہے۔ بول اس کو دوس؟ فیصلہ کر لے کہ کس کا حق ہوتا ہے۔ پھر تو ٹھنڈک پڑ جائے گی۔ تیرے کلیے میں؟ بھوارا اسی طرح ہوتا ہے۔ تیرے تار کٹنے کی ضرورت ہے تبھی شہر سے نکلیں گے۔ سلطان کی آنکھیں پچھنے لگیں۔ "میرے ذکر بات بہت ہوگئی ہے۔ تو نا بھی ہے۔ میں بولتا ہوں مارا کلکتہ تیرے تیرے باپ کا ہے۔ ہم سب اور سہ پنا پور یا ایسٹ ریٹ کے چلے جائیں گے تو اور دھڑ متی کرنا۔ جامو کو ہی اٹھالے یا جسے تو چاہیے اور بھی لوگ اور اڈے پر پڑے ہیں۔ تو بولے تو ان میں سے کسی تیرے جوڑی دار کر لیا لوں؟"

"سلطان نے کوئی حرکت نہیں کی بڑت کی طرح کھڑا رہا۔" "کہوں گا ہے جھک کر آتا ہے۔ اٹھا ہتھیار۔" "سلطان مامو سے آئے سنا رہا۔" "جب تک میری آنکھیں کھلی ہیں سلطان نے میرا واسطہ مجھ سے ہے۔ میں گنیا کے چلے کوئی کیوں نہ اپنی نگہ بٹھا جاؤں، تو اس کو چاقو دکھائے گا، پر پیچھے تو پلے کے ہیں کھڑا ہیں، بٹھا تو میں نے اسے ہے ادا کھ دھیان کر کے ہی بٹھا یا ہوگا اس سے مجھ کو اس سے نہیں مجھ سے ہے ادا مجھ سے تو غم اس وقت تک تیرے لیے بند ہے جب تک میرے پاس چاقو ہے اور میرے ہاتھ کرے سنا لیا آتا ہے اور میں

کوٹ کوٹ کے آثار ہل گامیرے بعد تو جس سے چاہے زور کر کے دیکھ لینا اب ان کے پیچھے تو ہیں ہوں۔

سلطان نے اپنا چادر نکال لیا۔ چند لمحوں تک وہ انھیں بند کیے اور ہونٹ جیسے کھڑا رہا۔ پھر اس نے چھپتے ہوئے انداز میں اپنا چادر اور شیش کے پردوں میں ڈال دیا۔

جھل نے اس کے بال چرم کے کچھنے شروع کر دیے سلطان ہنسنے لگا۔ اکیلا چادر تو کچھ نہیں ہوتا اسے اچانا ہوں تیرا کھڑے غلبہ ہے۔

پرموت ہاتھ جی نہیں چلنا، کچھ اور بھی چلنا ہے اور اس میں تیرے کمرے پرے ہیں۔ چلی میرے ساتھ۔

جھل نے اسے اٹھا لیا وہ بیٹھنے سے عجز کیا۔ جھل اسے اڑے ہی پر لے آیا پھر جوار اور پردے کے ساتھ اوپر پلیٹ میں لے گیا۔

رات کے ڈھانی بجے ہوں گے۔ اب شہر پاؤں کے پاس چلنے کا کوئی سوال نہیں تھا۔ میں یا کانتے اتنی رات گئے۔ دروازہ کیے کھٹ کھٹے پیچھے پیچھے اور رات ہوجاتی۔ ہم دونوں بستر پر پلیٹ لگے مگر حیرتی نہیں مانا میں نے آخر کانتے کو جھجھڑا۔ وہ جاگ رہا تھا۔

کانتے اسے بھی نیند نہیں آ رہی ہوگی۔ جاکے یہ چیک دے آتے ہیں لے اس کی منت کی۔

صبح بے آہن گئے لاڈ لے وہ غمزو لہجے میں بولا۔

صبح اگر پھر وقت نہ ملا جیسے آج...

ابک دو دن دیر بھی ہو جائے تو کیا عرج ہے۔

وہ کیا سمجھے گی، مجھے اس کا خیال نہیں آتا؟

کانتے نے کچھ ہی دیر سوچا پھر ہم دونوں نیچے آگئے۔ باہر سے دروازہ بند تھا۔ کانتے نے طوا کو جگا کے دروازہ کھولا اور اس کی دھونڈنے میں اور وقت گزور گیا۔

ہاں گیوں میں لنگ لنگ کا ڈوڈا کھل ہوئی تھیں۔ سیاہی گشت کر رہے تھے بعض بالا خانوں پر بھی روشنی تھی مگر کسی طرف سے گانے بجانے کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ کمرن بچہ کا سارا گھر اندیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں ڈوڈو کی بجائے باہر نوبک ہی ایک جگہ لگا گیا۔ کانتے نے مجھ سے بھی چلنے کو کہا لیکن میں آگے نہیں گیا۔ شہر پاؤں چلے روک لیتا اور اس کے سامنے کمرن بچہ کو چیک دیتے ہوئے بھی مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کانتے نے اسے میں دیر لگا دی حالانکہ دروازہ کھلنے میں دیر نہیں ہوتی تھی۔

کیا ہوا؟ اس کے آتے ہی میں نے بے چینی سے پوچھا۔

دے دیا وہ ہانپتے ہوئے بولا۔

کمرن بچہ ملتی تھی؟

وہ بھی تھی۔

کچھ کتنی تھی؟

کتنی کیا چھانٹا ساندے گئی کوئلے چٹاکے بولنے لگی۔

ضرورت نہیں ہے۔ لاڈ لے لیاں جب بھی آئیں اس کے اشارے میں۔ میں نے چیک اس کے آگے ڈال دیا اور چلا آیا۔

پھر تجھے اتنی دیر کیسے ہو گئی؟

ڈوڈو میں بننا پس نے مجھے روک لیا۔ تیرا خیال؟

وہ جاگ رہی تھی۔ دروازے پر دو تین ہی لمکھٹا گیا۔ پوچھا پوچھتی رہی کہ لاڈ لے کیوں آئیں یا میں نے بولا لاڈ لے کو پوچھا کیسی تھی وہ؟

بہت خوش تھی لاڈ لے! میں نے چاہے کو کتنا دیکھا۔ مجھے دیکھتے ہی گال جھل کی طرح کھل گئی۔ بس جانی! میں مجھ سارے پیسے وصول ہو گئے۔ تیرے آنے میں اگر میں اسے پیسے دے کے لاڈ لے کا ادب نہیں سے جولی کا ہلاؤں گا۔ استاد نے آگزی کی تو اس کو بھی دیکھ لیں گا۔

ابیا ہوجائے تو کیا بات ہے کانتے! جتنی ہلڑی میں سے نکال لے! چھاپے مجھ پر بڑا احسان ہوگا۔ کانتے زور سے تھپتھار مارا اور گلے لگا لیا۔

میں آگے سو رہا۔ اس دن نصیب میاں نے اٹھا یا! کچھ کھل تو دن کھل آیا تھا۔ نیچے جھل موجود نہیں تھی لوگ نہیں تھے نصیب میاں نے مجھے بتایا کہ جھل دوسرے آدمیوں کو اسٹیشن پہنچانے گیا ہے۔ مجھے نہ نشتہ کیا نصیب میاں کو اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں تھا پھر ہر چنچلا کردہ دونوں ہلاکو، مینی پلٹو، زور اور دیر کے ہر دروازہ پر بچے ہیں۔ ان کی سمت کی خبر لو کہ بھی نہیں تھی نا۔ خطا باقی ان کے ساتھ سامان زیادہ نہیں تھا سوچتے سوچتے چھپتے سا لگا۔ ہزاروں دوسرے ذہن میں گورکش کر رہے تھے۔ پہلے سے روانگی کے باعث مجھے اپنا بے اندازہ دست اندر کر جھل انھیں مختلف مقامات پر بھیجے گا اور وہ رکھنا ہے۔ وہ ایک ساتھ گئے ہیں آگے کسی مقام سے جدا جدا بھی ہو۔ وہ ہیں سے دو دو جا سکتے تھے اور اس میں پردہ پوشی کی بات تھی۔ کسی کو کچھ خبر نہیں تھی یا وہ سب مجھ سے چھپا دیا۔ جھل کی یہ اعتبار بے سبب تو نہیں ہوگی۔ جب میں ما تھا تو بتا دینے میں کیا کاروت تھی اور نہ بتانے میں کون کیا دن کے باقی حصے میں وہ اڑے سے غائب رہا۔

منق کر لیتے نہ جانے کہاں کہاں گھر متا رہا۔ رات کو اس کی



میں نے بالکل محکمہ رکھا تھا کہ آج اس سے ضروریات کروں گا لیکن پھر اس کی صورت دیکھ کر میری حیرت بہت ہو گئی۔ وہ بہت تھکا ہوا غما تھا۔ چہرے پر کٹھنیں چڑھی ہوئی تھیں رات کا کیا ماحول اس نے میں کیا ہاں میں منق اور سلطان کوٹھولنے کی کوشش کی تو ان سے اس کے سوا کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی کہ وہ بازار میں خریداری کرنے ہے اور جھل انھیں باہر چھوڑ کے شہر کی کئی دکانوں میں گیا۔

لیٹ میں اوپر سوئے کے لیے جاتے وقت جھل نے میں جلد اٹھنے کی تاکید کی اور بتایا کہ صبح ہم گروں کی روانگی ہے مجھے کسی دکان سے ہوا ایک رات کی بات اور بھی مگر رات بھر ایک پل کے لیے میری آنکھ میں کئی صبح سے بے چل میں بیچے گیا۔ نانشہ کرتے ہی جھل نصیب میں اور دوسرے لوگوں سے گلے مل کے اڑے سے چل پڑا۔

اسٹیشن پر وہیں وضعت کرنے کے لیے بیٹھ نہیں تھی کانتے تھا، لیکن خلیں ماحول سلطان، چھیدا اور مڈا اس وقت بھی جھل کر دیکھنے رہے جب اس نے سلطان کو گاڑی سے نہیں اترنے دیا، اپنے ساتھ ہی بٹھا رہا۔ میرے سلطان اور جھل کے علاوہ ڈبے میں سارے منق اور رانی بھی تھے۔ کانتے اور لیکن خاں مجھ سے لیٹ کے رونے لگے اور نہ جانے کیا کیا کہتے رہے۔ جب تک گاڑی نہیں چلی تو دیر میری ہانگوں سے چپکا کھڑا رہا۔

میری آنکھوں پر پتی نہیں بندھی تھی میں گولتے ہوئے تمام اسٹیشنوں کے نام صاف پڑھ سکتا تھا۔ جیسے جیسے گاڑی آگے بڑھتی گئی میری حیرت بڑھتی گئی۔ ہم جگال عبور کر کے آسام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان علاقوں سے کبھی ہرگز نہیں ہوا تھا۔ جھل درمیان میں کہیں نہیں بٹھرا۔ دوسرے دن ہم شمال آسام کے ایک بڑے قصبے ایک چھوٹے شہر ڈوبروگڑھ میں آ کر گئے۔ جیسے ہی گاڑی رکن سامنے لیٹ فلام پر مامو کو دیکھ کر میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ مگر وہ ہمارے قریب نہیں آیا، وہ دور کھڑا ہمیں دیکھتا رہا۔ میں نے اس کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا تو جھل نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ مامو مہنبیں جیسے انداز میں ہماری جانب سے گزرتا ہوا اسٹیشن سے باہر نکل گیا۔ اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا۔ وہ شخص کھلتے میں چلنا مانان کے اڑے سے نکلن رکھا تھا۔ میں اس کا نام انو نہیں جانتا تھا لیکن صورت آشنا تھا۔ صورت بھی مجھے یوں یاد رہ گئی کہ اس کے خط و خال پر مہنوں اور مہنبوں جیسے تھے۔

مفر کے دوران کہتے ہی موقع آئے کہ میں جھل سے کچھ پوچھ سکوں مگر میں یہ سوچ کے ہر بار خود کو روک لیتا تھا کہ اب جلد ہی سب کچھ خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ جھل کب تک خاموش رہے گا۔ ڈوبروگڑھ کے لیٹ فلام پر قدم رکھتے ہوئے میں ان گروں میں سن نالے لگا تھا۔

شہر میں بچہ مکانات کم، گاڑی اور ان کے گھر کثرت تھے۔

میں نے بالکل محکمہ رکھا تھا کہ آج اس سے ضروریات کروں گا لیکن پھر اس کی صورت دیکھ کر میری حیرت بہت ہو گئی۔ وہ بہت تھکا ہوا غما تھا۔ چہرے پر کٹھنیں چڑھی ہوئی تھیں رات کا کیا ماحول اس نے میں کیا ہاں میں منق اور سلطان کوٹھولنے کی کوشش کی تو ان سے اس کے سوا کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی کہ وہ بازار میں خریداری کرنے ہے اور جھل انھیں باہر چھوڑ کے شہر کی کئی دکانوں میں گیا۔

لیٹ میں اوپر سوئے کے لیے جاتے وقت جھل نے میں جلد اٹھنے کی تاکید کی اور بتایا کہ صبح ہم گروں کی روانگی ہے مجھے کسی دکان سے ہوا ایک رات کی بات اور بھی مگر رات بھر ایک پل کے لیے میری آنکھ میں کئی صبح سے بے چل میں بیچے گیا۔ نانشہ کرتے ہی جھل نصیب میں اور دوسرے لوگوں سے گلے مل کے اڑے سے چل پڑا۔

اسٹیشن پر وہیں وضعت کرنے کے لیے بیٹھ نہیں تھی کانتے تھا، لیکن خلیں ماحول سلطان، چھیدا اور مڈا اس وقت بھی جھل کر دیکھنے رہے جب اس نے سلطان کو گاڑی سے نہیں اترنے دیا، اپنے ساتھ ہی بٹھا رہا۔ میرے سلطان اور جھل کے علاوہ ڈبے میں سارے منق اور رانی بھی تھے۔ کانتے اور لیکن خاں مجھ سے لیٹ کے رونے لگے اور نہ جانے کیا کیا کہتے رہے۔ جب تک گاڑی نہیں چلی تو دیر میری ہانگوں سے چپکا کھڑا رہا۔

میری آنکھوں پر پتی نہیں بندھی تھی میں گولتے ہوئے تمام اسٹیشنوں کے نام صاف پڑھ سکتا تھا۔ جیسے جیسے گاڑی آگے بڑھتی گئی میری حیرت بڑھتی گئی۔ ہم جگال عبور کر کے آسام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان علاقوں سے کبھی ہرگز نہیں ہوا تھا۔ جھل درمیان میں کہیں نہیں بٹھرا۔ دوسرے دن ہم شمال آسام کے ایک بڑے قصبے ایک چھوٹے شہر ڈوبروگڑھ میں آ کر گئے۔ جیسے ہی گاڑی رکن سامنے لیٹ فلام پر مامو کو دیکھ کر میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ مگر وہ ہمارے قریب نہیں آیا، وہ دور کھڑا ہمیں دیکھتا رہا۔ میں نے اس کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا تو جھل نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ مامو مہنبیں جیسے انداز میں ہماری جانب سے گزرتا ہوا اسٹیشن سے باہر نکل گیا۔ اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا۔ وہ شخص کھلتے میں چلنا مانان کے اڑے سے نکلن رکھا تھا۔ میں اس کا نام انو نہیں جانتا تھا لیکن صورت آشنا تھا۔ صورت بھی مجھے یوں یاد رہ گئی کہ اس کے خط و خال پر مہنوں اور مہنبوں جیسے تھے۔

مفر کے دوران کہتے ہی موقع آئے کہ میں جھل سے کچھ پوچھ سکوں مگر میں یہ سوچ کے ہر بار خود کو روک لیتا تھا کہ اب جلد ہی سب کچھ خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ جھل کب تک خاموش رہے گا۔ ڈوبروگڑھ کے لیٹ فلام پر قدم رکھتے ہوئے میں ان گروں میں سن نالے لگا تھا۔

شہر میں بچہ مکانات کم، گاڑی اور ان کے گھر کثرت تھے۔

میں نے بالکل محکمہ رکھا تھا کہ آج اس سے ضروریات کروں گا لیکن پھر اس کی صورت دیکھ کر میری حیرت بہت ہو گئی۔ وہ بہت تھکا ہوا غما تھا۔ چہرے پر کٹھنیں چڑھی ہوئی تھیں رات کا کیا ماحول اس نے میں کیا ہاں میں منق اور سلطان کوٹھولنے کی کوشش کی تو ان سے اس کے سوا کوئی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی کہ وہ بازار میں خریداری کرنے ہے اور جھل انھیں باہر چھوڑ کے شہر کی کئی دکانوں میں گیا۔

لیٹ میں اوپر سوئے کے لیے جاتے وقت جھل نے میں جلد اٹھنے کی تاکید کی اور بتایا کہ صبح ہم گروں کی روانگی ہے مجھے کسی دکان سے ہوا ایک رات کی بات اور بھی مگر رات بھر ایک پل کے لیے میری آنکھ میں کئی صبح سے بے چل میں بیچے گیا۔ نانشہ کرتے ہی جھل نصیب میں اور دوسرے لوگوں سے گلے مل کے اڑے سے چل پڑا۔

اسٹیشن پر وہیں وضعت کرنے کے لیے بیٹھ نہیں تھی کانتے تھا، لیکن خلیں ماحول سلطان، چھیدا اور مڈا اس وقت بھی جھل کر دیکھنے رہے جب اس نے سلطان کو گاڑی سے نہیں اترنے دیا، اپنے ساتھ ہی بٹھا رہا۔ میرے سلطان اور جھل کے علاوہ ڈبے میں سارے منق اور رانی بھی تھے۔ کانتے اور لیکن خاں مجھ سے لیٹ کے رونے لگے اور نہ جانے کیا کیا کہتے رہے۔ جب تک گاڑی نہیں چلی تو دیر میری ہانگوں سے چپکا کھڑا رہا۔

میری آنکھوں پر پتی نہیں بندھی تھی میں گولتے ہوئے تمام اسٹیشنوں کے نام صاف پڑھ سکتا تھا۔ جیسے جیسے گاڑی آگے بڑھتی گئی میری حیرت بڑھتی گئی۔ ہم جگال عبور کر کے آسام کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان علاقوں سے کبھی ہرگز نہیں ہوا تھا۔ جھل درمیان میں کہیں نہیں بٹھرا۔ دوسرے دن ہم شمال آسام کے ایک بڑے قصبے ایک چھوٹے شہر ڈوبروگڑھ میں آ کر گئے۔ جیسے ہی گاڑی رکن سامنے لیٹ فلام پر مامو کو دیکھ کر میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ مگر وہ ہمارے قریب نہیں آیا، وہ دور کھڑا ہمیں دیکھتا رہا۔ میں نے اس کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا تو جھل نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ مامو مہنبیں جیسے انداز میں ہماری جانب سے گزرتا ہوا اسٹیشن سے باہر نکل گیا۔ اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا۔ وہ شخص کھلتے میں چلنا مانان کے اڑے سے نکلن رکھا تھا۔ میں اس کا نام انو نہیں جانتا تھا لیکن صورت آشنا تھا۔ صورت بھی مجھے یوں یاد رہ گئی کہ اس کے خط و خال پر مہنوں اور مہنبوں جیسے تھے۔

مفر کے دوران کہتے ہی موقع آئے کہ میں جھل سے کچھ پوچھ سکوں مگر میں یہ سوچ کے ہر بار خود کو روک لیتا تھا کہ اب جلد ہی سب کچھ خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ جھل کب تک خاموش رہے گا۔ ڈوبروگڑھ کے لیٹ فلام پر قدم رکھتے ہوئے میں ان گروں میں سن نالے لگا تھا۔

شہر میں بچہ مکانات کم، گاڑی اور ان کے گھر کثرت تھے۔

آبا جان ہومل میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے ساتھ گھر کا کوئی فرد نہیں تھا۔ میں نے آبا جان سے متعلق ایک ایک

نے ارشد سے مدد لی اور شیلانگ کے محل وقوع کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ یہاں تک کہ اُس نے نقشہ بھی منگوا کے دکھا۔ ہم آج جان کی

متعلق معلومات حاصل کیں۔ اُس نے چائنا ٹاؤن کے اوڑے کے ایک

خیال سے وحشت ہو رہی تھی کہ اباجان ان علاقوں میں آگے کسی بڑی

دو کمان کمان اٹھیں چھپاتے پھر لہے ہوں گے۔ جہانگ تھیلے کے کسی آدمی کو ان کی ہوا گئی تو... میرے سہم پر پکچھی سی ہلادی ہو گئی تھی۔ جھل میرے کان چھڑنے لگا۔

تیسرے دن ہم ڈبرو گڑھ سے تن سکیا روانہ ہو گئے۔ راستے میں تن سکیا پہلے آتا تھا مگر جھل کو کھلتے میں لوگوں نے شور و ہوا بنا کر وہ پہلے ڈبرو گڑھ آئے وہاں سے آئے ایسے آدمی مل سکتے ہیں جو چرک پرست کے بجائے کسی اور راستے سے تبت کی سرحد پار کر ادر کے منجی باشندے درنا ہرے اور شہر شغل ہوتے بہتے ہیں۔ ہمارے چہرے ان جیسے تھیں تھے نہم ان کی زبان سے واقف تھے۔ دو دن تک سہل ڈبرو گڑھ میں کام کے آدمی ڈھونڈنے کی کوشش کرنا رہا۔ ہڑل میں مختلف قسم کے چند لوگ ہم سے ملنے کے لیے بھی آئے۔ کچھ تازہ چڑا لینے آئے تھے اور کچھ کو سولہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ انھوں نے بڑا درخت جھل سے ملے ہوئے ملبہ ہات کی سبک کر لائے تھے یہی قسم کے ہم آگے جانے کا راہ دکھ کر کہ اپنے سامان تجارت کا سودا دیں کر لیں، یہاں بھی میں خاصے اچھے پپے مل جائیں گے۔ روانہ ہونے سے پہلے کھلتے میں جھل نے بہت سامان غریبہ تھیں انھیں چھوٹے بلیڈ، گرٹ، تباکو، خالیں، ریشمی کپڑا، گونا گونا گویا، مفر، مکین پرلے کرٹ، خراب کرٹیں وغیرہ وغیرہ مارٹی کو ٹھیک جھڑی تھی۔ یہی سہم اپنے ہرے ہڑا تھیں انہی سامان لایا تھا۔

جھل نے کئی دوسرے میں دو لوگوں میں مقیم کر دیا تھا۔ اتنے زیادہ آدمی ایک ساتھ کہیں آتے جاتے دکھائی دیتے تو کھک کا نشانہ نہ کھتے تھے۔ تاہم کھک ڈبرو گڑھ میں کوئی بہتر صورت حال پیدا ہونے کی امید نہ ہندے۔ پہلا ایک دوسرے سے الگ ہی رہنا مناسب تھا۔ جھل کو بتایا گیا تھا کہ اگر اسے آسانی سے پروا نہ راہ داری نہ ملا تو بعض خصوص مقامی باشندوں سے اسے رابطہ قائم کرنا ہو گا۔ یہ لوگ نوراہوں کو غرب ٹوٹے اور طرح طرح پریشان کرتے تھے۔ دو الگ الگ خانوں کی صورت میں ان کے ہتھ کنڈوں سے بڑی مددک محفوظ رہا جاسکتا تھا۔ اس طرح ان سے روئے بازی کرنے میں بھی آسانی دیتی۔ ایک خانہ خانہ میں باشندوں کی بڑے معاوضے کی پیش کش قبول کر لیتا تو دروازہ کھلا کرتا۔ دوسرے کو بھی ساتھ لے جانے کے لیے نتیجہ انھیں کچھ پر آمادہ ہونا پڑتا۔ اس تدبیر میں اور بھی بہت سے متفکرات تھے۔ ایک خانہ دوسرے کا بھانجرا نہ تھا۔ کوئی افواہ پڑنے کی صورت میں ایک دوسرے کے لیے ڈھال بن سکتا تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ دونوں خانوں پر ایک ساتھ آفات آتی۔ یہیڑ کو پہلے ڈبرو گڑھ بھیجے میں جھل کی یہی صیقل تھی۔ اس کے علاوہ اسے آئینہ کی کردہ شاہ معاملہ کے کے ہی رکھیں اور ہر جھل کر کھلتے میں سفر کے لیے معائنہ بعض اور لوگوں سے ملنے کا ایک دن مل جائے۔

ہم دونوں گروہوں کا تعلق رسی تھا، بعض مسافرانہ ملاب باہمیہ ایک مقصد کے مسافرا جاکر کھل میں جاتے ہیں اور آپس میں دیکھی لیں شروع کر دیتے ہیں مگر اس ناخوش سے ہیں کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا پڑا۔ گڑھ میں ہیں اپنے مطلب کے آدمی نہیں مل سکے۔ جھل کھلتے میں لوگوں کے لیے جوئے بعض تو ہیں یہ بھی کسی سبب تہم تہم پر سرحدی منتقلی اور پابندیوں کا فائدہ دیتے تھے۔ یہی میں سلمان تم تھے لیکن ہم نے امتیاز ان کے شکاروں پر اپنا جان کے ہالے میں بھی پوچھ کے پکڑ لیا۔ کسی سے کوئی کارآمدات نہیں معلوم ہو سکی۔ ہم تھیں تھیں بل بھیجے ہو تھے تن سکیا آگئے۔ تن سکیا اور ڈبرو گڑھ کے راستے میں گئے جھکات تھے۔ کہیں کہیں ہیں وہاں باقی بھی دکھائی دیے۔ دونوں بستیوں کے درمیان دریائے برہم پتر کی ایک بڑی شاخ ہے جسے اسٹیر سے پکڑنا پڑا ہے۔ تن سکیا سے ہم اوپر کی طرف آگے بڑھ گئے اور قصد دی اسی میں آگے ملایا۔ یہاں ہندوستان کے پولیٹیکل ایجنٹ، اسٹیٹ جینس افر اور ڈیپارٹمنٹ وغیرہ کے دفاتر تھے۔ دری ای میں بھی سولہ نامہ نامہ گنگا۔ جھل کے پاس کھلتے کے بڑے آدمیوں کے کئی معاشی خطوط تھے۔ وہ خطوط دکھانے کی زبوت نہیں آئی۔ میں پروا نہ راہ داری میں پیش آنے والی دشواریوں کا ابتدائی میں علم ہو گیا تھا۔ پولیٹیکل ایجنٹ کے پاس جا کے ہم خواہ مخواہ اس کی نظر میں آئے۔ دری ای کے بعد ہم نے کچھ اور فاصلہ طے کر لیا اور دینگ ایک پہنچ گئے، دینگ ایک سے تھ مال پاک، وہاں سے ماربا قصد ماربا خاصا پر قصد تھا۔ یہاں بازار بھی تھے اور تبتی قلمی جگہ جگہ موجود تھے۔ ہم سارا باہیں ایک بہری ٹھہرے ہوں گے کہ قصد ہو جی ما سے کوئے ہونے قصد تارا میں آگے۔

ساربا سے ناربا تک کا راستہ ہم نے کرائے کی مہینوں سے طے کیا تھا اور یہاں اب ہمکے سفر میں سب سے مشکل راستہ تھا۔ ماربا میں کھل محفوظ تعدادوں میں لیے ہوئے تھے۔ ایک ڈیڑھ آدھ بھی تھا۔ سولہ نامہ کے وقت میں ایک ایسہ ہو گا۔ لے گیا۔ جہاں جنگی نقص ہو رہا تھا۔ ڈیڑھ آدھ میں ایک اسکول بھی تھا۔ آخری اسکول۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھ ماربا سے تھے ہر روز تبتی خانہ قاتی کسی تھا پر کھانے کے لیے ٹھہ جاتے تو ہم بے گنا۔ ہم نے ابھی تک یہی ظاہر کیا تھا کہ ہم سرحدی چوکی والنگ پر اپنا سامان فروخت کرنے جا رہے ہیں، ایسا عوام ہونا ہوتا تھا اس لیے تھیں گا تو اس اور گزرنے والی بستیوں کے باشندوں نے ہم پر غیر ضروری توجہ نہیں دی۔ یہ ہندوستان تھا اور ہم آخری سرحدی چوکی والنگ تک کسی روک ٹوک کے بغیر جا سکتے تھے۔ مارا سے مات میل ڈبرو قصد جنگ و تی تھا۔

یہ وہ ہیں متعدد نقلی مل گئے۔ ان کے ساتھ ان کے چڑھ بھی تھے۔ ان چڑھوں پر لاد دیا گیا۔ ہم نے گاڑا ٹھیکوں کی معیت میں بیل اوپر چڑھنا شروع کیا۔ نقلی ایک منزل سے دوسری منزل تک جاتے تھے پھر ہم منزل پر نقلی بدلے رہے۔ جنگ تھی کہ بعد کا راستہ اور کھلی بہر طرف بڑے ہات کے دریا گھاٹیاں، آڑھی چوٹیاں، کڑے کڑے ٹکڑے ٹکڑے تھیں۔ میں تھیں اور گاڑا بیلوں کی مدد زلفی تو شاہد جاگے جاگے جانا نا ممکن ہو جاتا۔ یا تو ہم کسی خانے کے انتظام میں پڑے ہوتے ہوتے آئے اور قاتلوں کے ساتھ ہم اسی صورت میں ہو سکتے تھے۔ ہمارے پاس ان کی طرح اعزازت نامہ ہوتا۔ ادھر دھاتی کو تیز جگہ پاتا تھا۔ جہاں تک نہ پڑا، وہ چلتا رہا۔ تھیلوں نے اسے چند بوٹیاں لادی تھیں۔ اس سے ہمارے ہونے کے بجائے اور بڑھ گیا۔ ہم نے آٹا چھڑے کر لیا اور ادا کے رستی باندھ دی اور جنگ تھی سے آٹھ لک دھاری پر خود زنگھا سے گھری ہوئی بستی نہ راہگ میں آگے پہنچی طیب کو دکھا یا۔ لائی کی وجہ سے میں ایک دن کو نہ راہگ تھا کہ پڑا کرنا۔ اس کی طبیعت کچھ سنبھلی تو ہم پھر آگے بڑھنے لگے۔ راہگ کے کچھ ہی دور بعد دو ٹنگ اور ساتی نامی دو بستیوں سے ہمارا پروردہوں میں دوسری شہریت کے لوگ رہتے ہیں جو زرفی تبتی چڑھ تبتی ہندوستانی۔ بیل چلتے چلتے ہلادی ناگیں اٹھنے لگیں۔ پاؤں میں تپے پڑے تھے۔ لیکن کوئی بھی دالیں جانے کو راہ نہیں تھا۔ ایک منزل سے دوسری منزل کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن میلانی علاقوں کی نسبت یہی علاقوں میں ایک بیل کا فاصلہ کئی میل کے برابر ہوتا ہے جب ہم لے گئے تو اور تیز چلنے لگے۔ پہاڑوں پر رفتار پہاڑوں کی تابع ہوتی آدی کے نہیں۔ ڈبرو گڑھ سے ۱۴ دن کی مسافت کے بعد ہم آخری دی چوکی والنگ کے قریب پہنچ گئے۔ باقی سب دور بڑھ رہے۔ یہاں اس اور جھل سولہ کے ساتھ بستی میں داخل ہوئے۔ والنگ ہندوستانی ب و وقتن کا آخری دروازہ ہے۔ یہاں بہت سی چیزیں آخری ہوتی ہا آخری گھڑی ہوں سے وقت کا اندازہ ہوتا ہے آخری ہندوستانی غریزی اخبار آخری چاکلیٹ آخری ہندوستانی سکر جو گے نہیں چلتا، ناگزری اور مینز آخری تحریری قانون۔ آگے لگاواؤں کے غیر تحریری خان حکومت ہے۔ والنگ میں ہیں کئی تبتی خانے دکھائی دیے۔ ہمارا بڑھ بھکشوں کے بھکشوں کے تبت میں داخلے پر کوئی مدد نہیں ہوئی لیکن ان کے ساتھ سامان مختصر ہوتا ہے ایک آدمی فروٹیاں کی مددک۔ میں نے جھل کو مشورہ دیا کہ کہیں ترہم بڑھ شہنوں کے لباس میں تبت میں داخل ہوں۔ سامان ہمیں بچ دیں۔ ہندو لوگوں کہیں رک دیں جو اسے پیچھے رہیں اور دالیں ڈبرو گڑھ کے ہالا انتظار کریں۔ جھل جیاد نہیں ہلا تین دن ہم والنگ کی خاص

بستی کے نزدیک خبر لگائے بڑے لیے۔ پہاڑوں پر ہوتی ایک راستہ نہیں ہوتا۔ معمول بھی اس کی ٹائید کرنا تھا کہ پہاڑوں سے اور راستے بھی نکلتے ہیں مگر میلان کا فرق پڑ جاتا ہے۔ انھیں مخائی تھیلوں کے تعاون کے بغیر عورتیں کیا جاسکتا۔ چونکہ وہ عاگزرو گاڑا ہیں میں ہیں اس لیے نقلی شاہ دادی یہ تیار ہوئے ہیں۔ مارٹی کی طبیعت پوری طرح میں سنبھلی تھی۔ میں بھی آدھ مسافر لایا تھا۔ ہرنزل پر ہجوم کر مزید بیلوں کی ضرورت پڑتی تھی۔ ۱۴ روز بعد والنگ میں میں تین دن بھر کے کو طے تو مصاحب میں کسی قدر توانائی محسوس ہوئی۔

تیسرے دن سامان اور نقدی کی بڑی پیش کش اور ایک ہندو کے عرض چند تبتی تھیلوں کا ایک گروہ میں دوسرے راستے سے آگے لے جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ لیکن ہم ہندوستان کی سرحدی چوکی والنگ سے براہ راست تبت میں داخل ہوتے تو تبت کی پہلی سرحدی چوکی ساما سے فاصلہ کم سے زیادہ نہ ہوتا۔ ان میں میلان کی مسافت میں دو دن صرف ہوتے ہیں۔ ہم نے ایک طویل اور دشوار گزار راستہ منتخب کیا تھا۔ درمیان میں تیز باد کے دریا بہتے تھے۔ ان دریاؤں کو عبور کرنے کا بہتوں کے کہنے کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ گوج کی پہلی رستیاں ہٹ کے یہ بڑی رستی بنائی جاتی ہے اور اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ قافلے اس پر سے گزر جاتے ہیں۔ دور تیاں ایک ساتھ ملتی ہیں اور انھیں کساں دوسری پر آپس میں باندھ دیتے ہیں اور درمیان میں کھتے ہاؤں سے مجبور ہوتے ہیں بعض لمبے صرف ایک رسی کے بنتے ہیں۔ دو پہاڑوں کے بیچ میں تاریک طرح رستی ختمی رہتی ہے۔ ان علاقوں میں پہنچنے والے انھیں کچھ بچو کے آسانی سے درمیان کا فاصلہ عبور کر لیتے ہیں خصوصاً عورتیں کر کے بچو باندھ کے دھانی سے گزر جاتی ہیں انھیں بچے جیتے ہوئے پر شور دیا ہے بھی خوف نہیں آتا۔ ہم نے ان تھیلوں پر دیا کا ہات طے کرنے کا خطرہ مول نہیں لیا۔ دلیہ بھی سامان کی وجہ سے ہم انھیں استعمال نہیں کر سکتے تھے۔

تبت کی پہلی چوکی سامکے نزدیک ہم نے تھیلوں کو باقی آدھا معاوضہ دے کے زحمت کر لیا اور اسے نقلی تلاش کیے۔ سلا میں شدید سردی تھی۔ ہماری انگلیاں جھنے لگیں۔ ہرنٹ پھٹے جاتے تھے۔ ہوا تیز ہوتی تو چہرے پر چاٹو سے چلنے لگتے۔ کئی کئی غلطیوں سے ہم نے اپنا سر اور گردن ڈھانپ رکھی تھی پھر ہم سردی کم نہیں ہوئی تھی۔ سامے آگے رات کو سردنا شکل ہو جاتا تھا۔ رات کو نقلی کو دیاں ٹوکے الاؤ روشن کر دیتے۔ الاؤ سے ہم کچھ مرارت آتی۔ دن کے درمیان تھیں میں کچھ بچو سوئے پھر چلنے لگے۔ ذریعہ نے تجویز پیش کی کہ ہم میں سے آدھے لوگ بھکشوں کا لباس پہن لیں اور آدھے نامزدوں کا روپ اختیار کر لیں تو بہتر ہوگا۔ بھکشوں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے تبتی ہر جگہ ہمارا لحاظ

کریں گے اور ہم ان کے ملک سے بھی محفوظ رہ جائیں گے۔ چہ بکشت
 دنیا جو ہر تبت آتے ہیں، ان کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ بخیر زبان
 سے بھی واقف ہوں، نہ کہ تمہا کو قبا میں کے نزدیک جھٹکنا یا کسی
 گم ہند کا ٹوٹ پیچھے جانے میں جھیل کو نہ دیکر یہ جو زبیر پسند تو آتی
 لیکن اس نے عمل نہیں کیا۔

رات میں قلی تبت کی کمانیاں نہانے لگتے تھے، سولہ آن کا خرچہ
 کو دینا یا قلی گانے لگتے، کبھی سلطان مارٹی، منٹن اور زبیر بھی ان کی ہارن
 سے الٹ پٹ آواز سن ملانے لگتے، سیر بہر کہ جیسے ہی وہ صبح نہم پٹتی
 ہاڑوں پر درخت و درخت پر چھانے لگتی اور آگے کا راستہ دکھانی دینا
 مشکل ہو جاتا، دن میں تو کچھ نہیں ہوتا لیکن شام ہوتے ہی ہارن بھرنے
 لگتا۔ اندر سے ان کو بچے ہاڑوں کے سامنے دیکھ کر مجھے خوف سا
 لگتا تھا۔ جان تک نہ پڑتا، شام کو بھی ہم چلتے رہتے، جب نامکس ہو
 جاتا تو ہاڑو ڈال دیتے۔ اب تک بتیاں قریب قریب آتی ہی تھیں،
 والٹک کے بعد قریب آباد ہاڑوں کی وجہ سے ہمارے کھانے پینے کا سامان
 کم ہونے لگا۔ ہر چند کہ ہم پہلے ہی خاما و زفرہ ساتھ لے کے چلے تھے۔
 نتیجتاً ہم اپنی بند دھن کا پیڑیں مشکار کی دہان کوئی کی نہیں تھی۔
 چونکہ بھی ہم دن میں مارنے، رات کو لاڈ بھجوں لینے، نتیجی قلی بھی
 زفرہ ہار اٹھا کر کیا ہوا جھنڈا گوشت کھا کے خوش خوش رہتے تھے۔

برہنہ قلی کھا ڈی اور تظارا سے ہر قدرت منع ہوتا تھا۔ ایک
 یا بھیر کی آدن کا لباس، چڑے کا جوتا، کانوں کی بس چوڑی آونی
 ڈھنی ان کا عام پہنا ہوا تھا۔ بتیوں میں اہر لوگ فر کے کوٹ، مسک کی
 چادر اور اپنے مخصوص مغلوں میں لباس پہنتے تھے۔ سما کے بعد جن
 چھوٹی چھوٹی بتیوں میں ہم جاتے اور بتی کے لوگوں کو ہمانوں کی کم
 کے مطابق مخالف پیش کرتے تو وہ اپنے گھر کے دروازے ہمارے
 لیے کھول دیتے، دروازہ کھلنے کے لیے کھانے ہی شرط نہیں تھے، ساغر
 جس دروازے پر چلا جاتے، ہمان بھی جاتا ہے۔ وہاں میرزاں اور
 ہمان کو بند تبدیل کر کے دوستی کا اظہار کرتے ہیں اور ہمارے پاس
 گوبند کی ایک وافر تعداد موجود تھی۔ ہمانوں سے میرزاں کی کوئی قیمت
 طلب نہیں کی جاتی سارے راتے ہیں کوئی ملے نہ نظر نہیں آتی۔ گو
 ہم ساما کے بعد دو دن ہی گھروں میں بہت مختصر وقت کے لیے ہمان
 ہوتے لیکن میرزاں نے اس مختصر وقت میں بھی ہماری تواضع میں
 ایک کا دو دھ، اندر سے، جتنی شراب پیش کی، بھونک اور تک ملی ہوئی
 چائے میں پلائی چائے کے بغیر وہ نایاب زندہ نہیں ہو سکتے، مولیٰ کی وجہ
 سے ان سے بات کرنے میں ہمیں زبان کی کوئی وقت نہیں تھی۔ وہ
 لوگ مغل منہ ہاتھ نہیں دھوئے، پانی سے ان کا جسم کٹنے لگتا ہے۔ ان

لوگوں کی طرح ہم نے بھی ساما میں اپنے جسموں پر روغن کی بات کر لی
 قلی عام طور پر ایک گیت سناتے تھے جس کا مفہوم کچھ اس طرح
 تھا: تو اپنے باہر سے نہیں اندر سے ہے۔ تیرا غنا ایک دھوکا ہے
 تیرا اصل تیرا اصل ہے۔ تیری اہمیت میں تیری اندر مٹی شخصیت
 ہے، سو اسے پاک صاف رکھ۔

ہر گز تہی اسی پر عمل کرتے تھے، باہر سے بہت گندے عکار اور
 سے دھلے ہوتے۔ ہم نے کسی تہی کو روکنے ہونے نہیں دیکھا۔ ساما
 قلعہ بتیوں میں ہوتے ہوتے تبت کے سب سے پہلے شہر زاپل
 میں داخل ہوتے ہی ہم نے چند معززین کے گھروں سے جا کے سب سے
 مخالف پیش کیے۔ زاپل دیا ہے روٹھو اور دیرلے سوکھ کے سنگم پر
 ایک گدا شہر ہے۔ اس کا ایک دوسرا نام شنگا تھا، جی ہے۔ تھیل
 میں بتایا تھا کہ یہاں تبت کا ایک قلعہ زاپل اور فرہ پتا ہے جس کا قلعہ
 ہے زانگ یوں (سول گورنر) زاپل میں اگر ہم دو دن آرام کر
 تو آگے نہیں مل سکتے تھے۔ چوٹی بھی اسی تبت سے مل رہا تھا۔
 گ گئی تھی اور کئی بار تیرا چکا تھا۔ میرے پیر، جھل اور زوراک
 سولہ سہی باری باری بیان پڑھتے رہے۔ ہر دو سہی کھانے لگا تھا۔ ان
 کچھ چہ نہیں لیکن ہرگز نہ پڑھے ان کی کھن میں مغلن جتنا محسوس ہوتا
 رات کو جب ہاڑوں پر دھند چھا جاتی اور زاپل ہونے لگا تو میں لازم
 اور کوکھیں ڈال دیتا، روختی سے مجھے کچھ سکون ملتا تھا۔ کتنی ہی بار
 نے ان سے لگا داپس چلیں۔ یہ سنتے ہی پرہیز گھوٹے مارنے اور نشتے
 لگنے لگتا۔ صاف اندازہ ہوتا تھا کہ وہ معذوری تھیں گدا رہا ہے۔

ہندوستانی ہر سہی چونک والٹک اور تہی ہر سہی چونک کے سوارانے
 میں پڑنے والی تمام ہندو خاتوا ہوں اور مندروں میں ہمارا لیا نامک معمول
 تھا۔ والٹک سے ساما تک ہم ایک طویل پتھر کاٹ کے پہنچے تھے اس
 وہاں کی خاتوا ہوں اور مندروں میں نہیں جاسکے۔ زاپل میں سہی کے لگا
 نے ہماری بہت خاطر کی۔ زاپل سے آگے چھوٹی چھوٹی بتیاں تھیں،
 نے اتنی ہی دیر وہاں نیا کیا جتنی میریں کھانے پینے کا سامان اٹھا کر
 سکتے تھے اور نشتے قلیوں کو دھو نہ سکتے تھے۔ زاپل کے بعد ہر تبت
 ہاڑوں کا ایک انتہائی سلسلہ تھا۔ دن میں ہر تبت پر وہوب کی جگہ سے
 انھیں دور کرنے لگتیں اور ہماری صرف انھیں کھلی ہوتی تھیں۔ ہاتی
 چروائی تو بیٹوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ بات کرنے کے لیے بے پس تو ہمار
 سرے آدھ کر پڑتیں، بتی کی ای کا گمب سے چند میل بعد دیرلے پڑا
 پر واقع ایک بتی ڈور و آگہا ہے اس سے کچھ آگے تصد ساری
 ہر وہاں پہنچے تو آٹھائی سے سالانہ مقدس میل لگا ہوا تھا۔ تبت کے سوا
 چھوٹے لاا مدان موجود تھے اور بکشتروں کا ایک بڑا اجتماع تھا۔ جیلا

یہ ہم دونوں کے لیے وہاں تک گئے اور ہم نے اپنا بیشتر وقت
 یہاں ہی گزارا۔ راتے میں قلیوں کے دوسے میں چند مٹی لفظ آگے تھے۔
 ہاڑے پاک بو کی، ان کی باڑ، ڈور، غوب، تہم، تہم زبان ابھی
 درج جاتے ہو۔

• لوگ نہیں۔
 • پاک روشنی کی ڈور، ابھی درج نہیں۔
 • آگس سوتلے ہے۔ میرانی، آپ کا شکر ہے۔
 • پاہ لانگ۔ آٹھ جاؤ۔
 • مرتی بار۔ آگ روشن کرو۔
 • چار لوگ۔ جاے بناؤ۔

جو قبل جتنی ہندی پر ہوتا تھا، اتنا ہی معزز سمجھا جاتا تھا جو متنا
 ہندی اتنا ہی بے عزت۔ اس اعتبار سے ہم بچے کی نسبت زاپل و تبت
 بتیوں سے گور رہے تھے۔ ساری سے ہم چادر استوں کے سنگم کو گئے
 ان کے مقدس مقام پر آگے گئے۔ یہاں بھی ایک ہاڑا تھا۔ گھرنے
 ان کے سامنے چادر چھوٹ کر ہمیں کوئی مکان نہیں ملا۔ تمام رات ہندو
 ہاڑوں کھا نہیں کھائی تھیں اور چھوٹے بڑے دھانی سے ہو کے کھانا
 یہ تمام قدم پر نہیں کے بل بعض صرف جانوروں کے لیے اور بعض
 زاپل کے لیے مخصوص۔ بیشتر نشیب ہونے کے سبب یہاں ہر موسم میں سیلا
 ہے۔ ان کے گھنے لٹ اور ساوا چوڑی کا سا علاقہ ہمارے تصور سے
 بعید تھا۔

ڈورہ مینے کی مسافت کے بعد ایک دن جب قلیوں نے
 میں بتایا کہ آگے چند میل کے فاصلے پر جاگ قلی کی سہی ہے تو کسی
 لہجہ میں آیا اور پانی کے باوجود ہماری رفتار تیز ہو گئی۔ وہ کرا لاٹوں
 خدا جاگ قلی کی سہی پر چند رکھتے ہوئے میرے پیر کو لگانے
 لے کرا انھی استوں سے ہو کے گئی ہوگی تو اس میں اسی ہی تبت
 کی، ایسا عزم تھا۔

ہر سہی کے ماند جاگ قلی کے لوگوں نے ہماری آمد پر
 نشیب نفروں سے دیکھا ہم نے کیں اور جانے کے بجائے میرے جاگ
 قلی کے سروا کے ڈور ہوا، ہو کے آگے چند مخالف پیش کیے، مولیٰ نے
 ہادی تو جانی کی۔ سروا نے ہمارے سفر کا قصد تجارت جان کے سر رہا،
 فونہ دلا اور اس طرح ہم نے کچھ کے اور اس سے کچھ نئے بغیر رہا تھی
 ملازمین چند دن دروگہ بتی میں رہنے کی اجازت حاصل کر لی۔

جاگ قلی کے لوگ عاتبتیوں کے مقابلے میں شرح و مسد
 ملائے چڑھے تھے۔ چھوٹے چھوٹے رات چٹکی ہوتی تیرا انھیں نہیں
 بہت خوب صورت تھیں، ان کے بال لمبے اور نشتے ہوتے تھے۔
 نرل کی زانی میں معلوم ہوا کہ قلی کا موجودہ سروا ماضی ہے ہر سروا

کو ملت دی جاتی ہے کہ وہ گیا، جیسے کے عرصے میں کھوئے ہوئے
 ہر ایک کا غذات حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ بالائی کی صورت میں
 آگے یا تو قلی بد کر دیا جاتا ہے یا مار دیا جاتا ہے۔ بستی کئی ہاڑوں پر
 پھیل ہوئی تھی۔ قلی کا شخص عورتوں میں ڈوبا ہوا، پریشان اور گھبرا
 ہوا تھا۔ اتنا تھا۔ یہیں ابتدا میں محسوس ہو گیا تھا کہ وہ ہماری نقل حرکت
 کی پوری نگرانی کر رہے ہیں۔ ہم نے پیر، وزیر، پلٹو، زور، سارے
 جینی منٹن خان اور ہار کو بتی سے دو ایک فاصلے پر رکھ دیا تھا۔
 جھل نے انھیں ہدایت کی تھی کہ وہ چادر زبیر بستی کا رخ کریں۔ ہم
 صرت باجی، جھل میں جاو، مارٹی اور سلطان بتی میں داخل ہوئے تھے۔
 ہم بھی ہر طرح محتاط تھے۔ نیچے ہم نے اپنے کوڑوں کی مسیوں میں کھ
 لیے تھے۔ تین دن تک ہم بستی کے لوگوں سے نہ مل سکے، اپنے کی کوشش
 کرتے رہے مگر کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ قلی کے لوگ صبح و شام عبادت
 کرتے تھے، تھے شخص جن دساکہ ہم مہمان تھے، اس نے جو قلی رات زبان
 کھولنا اور ہمیں بتایا کہ قلی کے لوگ برسوں سے ایک عذاب میں مبتلا ہیں،
 وہ ان ہر ایک کا غذات کے اہن میں لپے ہوئے ان کے قلی کے لیے
 باعث افتخار تھے۔ ہم نے کوئی تصدیق کے بغیر صرف دکھ کا اظہار کرنے
 پر قناعت کی۔

دوسرے دن جب ہم اور گرو کے ہاڑوں سے واپس بتی میں
 اپنے میرزاں کے مکان پر پہنچے تو سامان پر ایک نفرا ڈالتے ہی ہمیں
 آواز دے ہو گیا کہ اس کی تلاش کی گئی ہے۔ انھوں نے کوئی چیز چوری
 نہیں کی تھی اور تمام چیزیں جوں کی توں ترتیب سے رکھی تھیں۔

بستی سے چند میل کی دودی پوچھوں کی چھوڑ سے ہی موٹی
 ایک بڑی خانقاہ تھی۔ ابھی پیر اور دوسرے لوگ ہر خانہ دن گھرانے
 کے باوجود بستی میں نہیں آئے تھے۔ تھینا کوئی بیار پڑ گیا ہوگا یا انھیں
 کوئی اور آفتا پیش آگئی ہوگی۔ ہم ان کا بے چینی سے انتظار کر رہے
 تھے۔ پانچویں دن ہم نے خانقاہ کی طرف جانے کا فیصلہ کیا۔ جب ہم
 وہاں پہنچے تو رابرت گم بھ کی ایک بڑی موتی کے سامنے عبادت
 کر رہے تھے۔ ہم بھی وہیں بیٹھ گئے۔ ہم سب کی نظریں اچھا دھڑک
 رہی تھیں۔ عبادت ختم ہونے کے بعد رابرت منشر ہو گئے اور مختلف
 جگہوں پر بیٹھ گئے۔ ہم وہاں سے واپس آ رہے تھے کہ ایک مندر کے
 نزدیک سے گزرتے ہوئے میری سانس سینے میں اٹکنے لگی۔ ایک بوڑھے
 رابرت کی شکل مجھے کچھ مانی پہچانی محسوس ہوئی، اس کا چہرہ سیاہ اور
 سرخ ہوا تھا۔ گالوں کی زبان کلی ہوئی تھیں۔ وہ ہمیں ہند کے رابرت
 میں مصروف تھا۔ میں نے جھل کا بازو زور سے پکڑ لیا میری سسکی
 نکلی گئی۔ جھل نے مجھے سرزنش کی اور میرا ہاتھ جھیک دیا میں انھیں
 اس جگہ میں بھی پہچان سکتا تھا۔ وہ ابامان کے سوا کوئی نہیں ہو

وہی ان کی بی ناک تیلے پتلے ہونٹ وحشی ہوتی انھیں جاری چروا۔ ان کا رنگ زرد پرگ تھا۔ یہ خارودہ سکون سے پلکیں موندے بیٹھے تھے لیکن ان کی پستانی پر سلیمیں پڑی ہوتی تھیں۔ قتل نے اپنے پیچھے میرا تھکویا تھا۔ میری بھی ہوتی انھیں اچھی پرکڑ تھیں۔ وہ میرے آبا جان ہی سے مولہ ترہ سال تک صبح و شام براہ راست میں نے نہیں دیکھا تھا۔ ان کے چہرے کا ایک ایک نقش میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ میں نے قتل کے چہرے سے اپنا ہاتھ چھڑانے کی طرف بڑھنا چاہا لیکن قتل نے میرا بازو کھینچ لیا۔

منزل کے اطراف آبا جان سے دور نزدیک ہاڑیلوں پر انھی کی طرح دوسرے راہب اپنے آپ میں گم بیٹھے تھے میرے سر چکر رہا تھا۔ قتل نے بھی ہوتی آواز میں مجھے بھرے دینے کی ہدایت کی اور آبا جان کو گھورتا رہا میرے ہاتھ پر یوں میں باکل دم نہیں دے رہا تھا۔ قتل کی سرگوشی کی جھلک شاید آبا جان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی تھی کہ انھوں نے ایک باگی پلکیں اٹھا کر سرری نظر سے جاری جانب دیکھا ہم سب ان سے کچھ فاصلے پر سامنے ہی کھڑے تھے۔ دوسرے لے انھوں نے انھیں بند کر لیں مگر پھر فوراً کھل دیں۔ ہم سب نے قتل کی بیرونی یں ان کے آگے سر جھکا دیے۔ آبا جان کے کپاتے پر ہونٹوں پر ایک خفیف سی سکہاٹ نہوار ہوئی۔ ان کی نظر میری بھی پڑ آئی۔ ایک لمحے کے لیے میرے سارے جسم پر چڑشا طاری ہو گیا اور مجھے اپنی آنکھوں کی دھند میں ایسا دکھائی دیا جیسے ان کی پلکیں چٹکی ہیں اور ان کا منہ کھل گیا ہے لیکن یہ میرا وہم تھا۔ انھوں نے بس نگاہ ہیر کے ہم سب کو دیکھا ہوگا اور ہاتھ اٹھا کے ہمیں جواب دیا ہوگا کہ پہلے کے مانند قہر کی طرح مجھ ہو گئے۔ قتل جلد لمحے وہیں کھڑا رہا۔ پھر میرا ہاتھ تھا جسے ایک طرف چل دیا۔ میں نے مزے کے پیچھے دیکھنے کا کئی بار ارادہ کیا لیکن قتل کے خیال سے کب ڈوڈی پر گزرتا ہوں اس کے ساتھ ساتھ حصار بامیری ناہیں لڑدی تھیں اور دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ ہم زیادہ دھند نہیں گئے۔ قتل قریب ہی ایک ہاڑی پر آکے بیٹھ گیا۔ حصار بامیری، سلطان اور شولم کی مضطرب سوالیہ نظریں بار بار میری اور قتل کی جانب اٹھتی تھیں۔ قتل کا چہرہ مختار رہا تھا۔ لاڈلے اتیری آنکھیں ٹھیک ہی لول دی ہیں نا؟

میری سسکیاں بھل چلیں۔ قتل نے پھر مجھ سے کچھ نہیں بولا۔ پھر جھکا کے کچھ سوچا رہا۔ کیا بات ہے اسے؟ کچھ اپنے کو بھی بولا۔ حصار نے بے چینی سے پوچھا۔ کیا بولیں گے؟ قتل نے گری سانس بھر کے نئی سے کہا۔

”کون ہے وہ؟“

”وہی ہے جس کے لیے اودھرائے ہیں۔“

”نہیں، حصار میرے سے اچھل پڑا اور لڑکھا۔ جھگڑا؟“

”تو ٹھیک کہتے ہیں کیا؟“ وہ صٹ پٹانے سے بولے۔

میں نے اپنا چہرہ چھپا لیا۔

”لاڈلے لاڈلے آ جا میرے ذہن سے دوسرے دہریے لوگو۔“

سلطان اور شولم بھی مجھ سے محبت گئے اور مجھے پاک کرنے لگے۔

”کپڑے مت بھاڑو۔ قتل تندی سے بولا۔ تو بھی بھاڑو۔“

”وہ تو ٹھیک ہے پر قتل جانی!۔۔۔ جاو کچھ کہتے کہتے؟“

”بیٹھا رہو۔ قتل انکار ہی سے بولا۔“

”تم سے اپنے کو قتل نہیں آتا۔ قتل نے جواب نہیں دیا۔“

”تیری نشانہ بنے پانچے گلوں کیا؟“

”تم تو قتل میں بگڑ رہے ہو حصار موندنا نہ لگا۔“

حصار کے ساتھ سلطان مارنی اور شولم بھی میرے پاس آ گئے۔

”دور آبا جان، تم مجھ سے گوانے کے چہرے کے بدلے کر۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

”ہم آسانی سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔“

کھلانے لگتے تھے۔ سپہر کو دھوپ ڈھلنے کے بعد ہم نے سامان صندوقوں میں واپس رکھنا شروع کیا تو سلطان وہاں سے اُٹھنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ جھل نے اُسے ڈانٹ کے اُٹھا یا۔ وہ بار بار یہی کہتا تھا: استاد! سلطان واپس نہیں جائے گا یا دھر یہی سنی کر لو کہیں کے اٹھوں میں چڑھیں۔ سننا، جھور سنا اور آئینہ دکھانا ہے گا۔

اُس وقت بھی اُسے سہی میں واپس چلنے کی جلدی تھی۔ جیسے ہی
جھلنے لہتی ہی اُس نے اُس کے لیے قدم بڑھائے، سلطان پگ وڈمی پر
فلاحی بن بھرنے لگا۔ آخری سر میں ایک پھولوں جگہ اُس کا بائیں ریشٹ
گیا اور پر بن موج اگنی جھل راتے بھراے چمکا تارا پگ کھلف کے جو
سے سلطان سے چلا میں بار بار اُسی ایلے میں سہی واپس پہنچنے میں ہو
برگنی اور اندھڑو گنگا لوگ اپنے اپنے گھروں میں جا چکے تھے۔ بند
مکان کی دروازوں سے کہیں کہیں مدھم مدھنی جھوٹ دہی تھی اور
ہماڑوں میں ہوا میں سائیں کر لہی تھی۔ سردی اتنی زیادہ تھی کہ اگر
ہم کچھ ویراود پاؤں پر بیٹھے بیٹے تو ہمارے جسم اور کھانے، آج بے پہلا
دن تھا کہ میں اپنے اس پاس آگے پیچھے گھرائی کے لیے کوئی دکھائی
میں دے رہا تھا۔ پچھلے دنوں وہ جلدی نقل و حرکت پر نظر رکھ بونے
تھے اور اپنے خیال میں یہ سمجھ لے تھے جیسے ہم اس سے بے خبر ہیں۔
جہاں جہاں ہم جاتے، اُن کی نگاہیں ہمارا پیچھا کرتی رہیں، عذر سے ہم
گولتے، لوگ ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے۔ وہ ہم سے کچھ
کہتے تو نہیں تھے لیکن اُن کی معیت ہوتی، انھیں ہر لمے میں اپنے چروں
پر غصوں ہوتی تھیں، اپنی کے مکانوں کے درمیان تنگ راستے سنان
پڑے تھے جہے جہے ہم آ رہا تھا، پھر تک چوک کر قدم لکھتے بونے
بہی میں داخل ہونے کسی وقت بھی کچھ ہر سکتا تھا۔ جھلنے نے سب کو
منع کر دیا تھا کہ وہ تہائی میں بھی ہر ضروری اُتاروں اور بھروسے سے انتخاب
کیں۔ وہ خود بھی بس ضرورت کے وقت بولتا تھا۔ آگے ہمارے ایک کامل
اور چوراہہ جگہ ہیں، اندھیرے میں چند لمے روٹکے نظر آئے، شاید پولے
بتی میں جلد پہنچنے کے وجہ سے انھیں تقویت ہوئی تھی۔ قریب جانے
پر پتہ چلا کہ وہاں کئی بونوں اور لوٹھے آدمی موجود ہیں۔ ہماری آہٹ اُن
کے وہ چپ ہو گئے اور یہیں گھولنے لگے۔ اندھیرے میں اُن کے چہرے
دھندلے دھندلے تھے، کچھ کہہ کر میں جا سکتا تھا کہ وہ اسوج لپے ہیں
کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ہماری تلاش میں ہیں کھنے والے تھے۔ اُن
میں ہمارا بڑی جان و سماجی تھا کسی نے ہم سے کچھ پوچھا نہیں۔ جن و سما
سب پہلے آگے بڑھا اور سلطان کی مالیت دیکھ کے خشک گیا۔ کچھ
کے سنے فیوہ وہیں ایک طبیب کے پاس لے گیا۔ طبیب نے جڑی
بوٹیوں کے تیل سے سلطان کے پی کی دھڑک دہی اور لپکے کہ پتے ہاندھ
دے۔ روڑے سلطان کا بڑا حال تھا مگر دیکھتے دیکھتے اسے آفات ہوئے لگا

چوں دسانے گھر آئے اُسے گھر کپڑوں میں لپیٹ کے خوش گلاب
کوئی ایسی نشہ آور چیز کھلا دی کہ سلطان گدی پر بند ہو گیا۔
مجھے اندیشہ تھا کہ سلطان کی چوٹ ہمارے کسے اُڑے
پھر ایک رکاوٹ بن جائے گی یہ یقین بھی روز کوئی دن رکاوٹ
اور ماری رفتار میں فرق آجاتا خاموشی میری سمجھ میں اب نہ
آتی تھی کہ قتل کی کتنے گتے رکھنا ساتھ لانے کی کیا ضرورت تھی میرے
کاؤں میں اتنی ہی جگم بہتیں اور جھڑوں نے سلطان کو کہیں سا بھرا
کہ سسل تنبیہ کے باوجود دین دن سے سلطان اونگھیں اونگھیں کرتے
بالکل بچوں کی طرح خند نہ لے گئے تاجش افادت تو مجھے اس کی
خفا چن دیا کہ نوری توجہ سے سلطان کی شکل پر حال دُور دُور
دیر سے آنے کا جواز بھی پیدا ہو گیا۔ مجھے یقین تھا کہ رستی میں
کے بعد قتل کے ذہن میں اب آجائے کہ شعل کوئی مہ پر جزو
ہاں کو دیکھ کے یوں دیاں سے کوٹے میں سکتا تھا کہ نہ
ہر پانچ ہواؤں سے کوٹے بغیر کوئی چارو بھی نہیں تھا۔ میں
میں واپس آتا ہی تھا مجھ پر آتے تو ہماری تلاش میں وہاں
بیچے ہوا سامان بھی پٹائی اور دین بھی ابھی اور بچانے کب تک
دوایاں دینا تھا جاگ قیلے کی ایک ہی تپتی تپتی جلی میں
ہوئے تھے، قریب قریب کے پھاؤں پر قیلے کی اور بھی بڑ
چوں دسانے میں بتایا تھا کہ مندرس کے اس پار بھی قیلے کی
مشرق مغرب پہنچا تو مندرس کے پھاؤں پر قیلے کی اور بھی بڑ
پھیلے ہوئے تھے شمال کے پھاؤں میں سال کے ہر پھینے
تھی اس لیے دس کی انسانی لپٹی کا قیام اب نامکن تھا چن د
بالوں میں یہیں بیٹھا دیا بھی فریادی بھی تھا کہ لپٹوں کے
اور مردار کے احکام جلد منتقل کرنے کے عہدہ انخطاں
چوں دسانے غلط کیا کہ جوگا جاگ قیلے دوسر
نسبت زیادہ خوش حال اور مذہب تھا یعنی میں چند کا
صاف تھا حق پر مارا تھا اور باس کے رکنا کو کے ساتھ
کے رکناات بھی سے ہوئے تھے۔ ہر شخص ہر وقت سک
پاس ایک خنجر کو تالوار میں لازم تھا مگر ان کی نالی بھی لک
پر نری تھی۔ اور آقا یا کسی بیٹی میں تھا آئے تمام بیٹیوں میں
مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ ایک تو یہ کہ وہ مندرس کے منتقل
تھی۔ مردار اور اس کے رخصا بھی یہیں لہتے تھے۔ یہاں
اور سی لیے راتے بھی پھاؤں پر واقع دوسری بیٹیوں کے
قد کٹاؤ تھے۔ بیٹی کے دویاں سے ایک تیز دی کوئی
کلاں پر قیلے کے رنگ چھوٹی موٹی کا شرت کرتے تھے
رادیوں دردنگ کی مرکزی بیٹی کے متعلق مشہور تھیں۔

مگر عربوں سے سخت ہوا ہے۔ میں نے ہی ہمارے پاس وہ
نیل سے لے کر اچھ کا کہیں سے حجت کی تھی جنکی خیلے کے معزز
میں میں مخالف بھی میسر کیے تھے تاہم ایک ذیلی لغزش
نیاطو فلک میں مل سکتی تھی۔ ہم وہاں انہیں تھے امد جاگ
کے کہ تہو سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ انہیں کے معاملے
پاس ہیں کبھی تو انہیں علم ہوتا تھا جیسے وہ ایک دوسرے کو
بچاؤ سے دیکھتے ہیں۔

میں کو علم دے کر میں نے ان کے بعد چن دیا میں اپنے مکان
برے بڑے کمرے میں لے آیا امد یہ ہے دیکھ کے دنگ رہ
پہلے سے چند آدمی موجود تھے۔ باج کھڑے آئی ہیں کے زرد
ہے چرے آتش وان کے شعلوں کی روشنی میں چمک رہے تھے۔
میں کی وجود ہی ہمارے لیے حیرت کا سبب بنی۔ مالا کہ فوراً
نے بے تپا کے جاری اچھن نوکر کرنے کی کوشش کی کہ آج جاگ
انے پر اس نے بتی کے چند معزز لوگوں کو روک لیا ہے اور
بالاضطرر تھا ہم نے قبیلہ کی روایت کے مطابق انھیں سلام
لے لیا تھا ہی کوشش پر بیچہ گئے۔ ان میں سے تین آدمیوں سے
نے تھے اور انھیں تعارف سے کچھ تھے۔ ان کی دواں موجود تھی
ہو اب یہ بات طے تھی کہ حجب کا وہ موجود تھا، ہم
میں جا سکتے تھے۔ ہم کبھی بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ سوچ کے
لوگوں کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا میرا دل ڈوب جانے لگا۔
ابا جان کو دیکھا تھا طرح طرح کے خیال آ رہے تھے۔ اپنی
رہائے آجا آنا تھا۔ لگتا تھا جیسے ہر کل کی بات ہے۔ نئی
رکانیں ہیں جنہے لگے تھے ادا ان سب کے چہرے فرخ،
ہم اکر پڑے تھیں کوں کہاں تھا، ابا جان انھیں کس کے پلے
تھے۔ شاید اب کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں لڑا تھا وہ وہ
اسے میان کیسے بیٹھ رہتے۔ پڑا ابا جان کا حوصلہ بٹا تھا۔
جل کر گھوم گئے۔ میں گھر سے نکل گیا اور دہلیس نہ جانے کون
ان کے حوصلے میں فرق نہیں آیا۔ انھیں یہ سب دیکھنے کی
ملی تھی۔

نہا ایک کن آسیہ آدمی تھا لیکن مجرم کی مضبوط ساخت کی
باقی عرصہ بھی تو ابا اور سرخ نظر آتا تھا۔ خیل میں اسے
مافی دوسرے امیر لوگوں کی طرح ایک ہمارے نگہ پر اس کے
لگا ایک چٹخ مکان تھا جس کی دیواریں چھت اور ستون چھپر
بدلی دروازہ لٹکری کا تھا۔ جی میں ہم ہی لوگوں کے باہر اس
لست تھے۔ ہر وار نے اسے ہماری ہمانی کے لیے خاص طور پر
نہا پلے وہ دن تک تر وہ غما غما دار پھر پھر رفتہ رفتہ اس

ان کو علمدار کرے جن رٹانے کے بعد چرن و سائیں اپنے مکان
برے بڑے کرے میں لے آیا اور ہم پر دیکھ کے دنگ رہ
پہلے سے چند آدمی موجود تھے۔ باج کورٹھے آئی۔ جن کے زرد
ہے چرے آتش وان کے شعلوں کی روشنی میں چمک رہے تھے۔
ان کی وجودی ہمارے لیے حیرت کا سبب بنی۔ مالا کھ فوراً
نے یہ بتا کے ہماری آنکھن نوکر کرنے کی کوشش کی کہ آج جاگ
انے پر اس نے بقی کے چند معزز لوگوں کو روک لیا ہے اور
بالاضطرر تمام نے قبیلہ کی رواجیت کے مطابق انھیں سلام
رہا تھ ہی کرکس پر بیچہ گئے۔ ان میں سے تین آدمیوں سے
نے کہا وہ انھیں تعارف دے سچے تھے۔ ان کی دواں موجودی
ہو اب یہ بات طے تھی کہ حسب کار وہ موجود تھے۔ ہم
میں جا سکتے تھے۔ ہم کبھی بھی نہیں کر سکتے تھے۔ یہ سوچ کے
لوگوں کے ساتھ بیٹھنا پڑے گا۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔
ابھان کو دیکھا تھا۔ طرح طرح کے خیال آ رہے تھے۔ اپنی
رہائے آجا آنا تھا۔ گنا تھا۔ یہ سب ممکن کی بات ہے۔ نئی
رکانیں ہیں۔ جیسے لگے تھے۔ اعلان سب کے چہرے فرخ،
ہم۔ اگر آپ نہیں کوں کہا تھا، ابھان انھیں کس کے پلے
تھے۔ شاید اب کوئی ان کے ساتھ ہیں۔ رٹا تھا۔ وہ
اسے میان کیسے بیٹھے۔ پتہ ہے۔ ابھان کا حوصلہ بہت بڑا تھا۔
ہل کر گھوم گئے۔ میں گھر سے نکل گیا۔ اور وہیں نہ جانے کون
ان کے حوصلے میں فرق نہیں آیا۔ انھیں یہ سب دیکھنے کی
بھی تھی۔

نہاں ایک کن سید آدمی تھا لیکن جس کی مضبوط ساخت کی
قوی عریض ہڈیوں اور دھڑکتے نواں تھا۔ قبیلے میں اسے
عامی دوسرے امیر لوگوں کی طرح ایک جبار سنگ پتھر کے
ٹکڑے کا ایک پختہ مکان تھا جس کی دیواریں چھت اور ستون چھپر
بلدی دروازہ ٹکڑی کا تھا جس میں ہماری لوگوں کے باہر اس
انتہی تھے۔ سردار نے اسے ہماری ممانی کے لیے خاص طور پر
نہاں پٹل و ہون کی ترقہ غناو عمارت اور پھر پختہ رفتہ اس

یہ سب اس کے اداواروں کا بیچڑ و بڑاں رات اس سے حاصل ہوا تھا۔
خدا ایک کا ٹھکانا ہو کر گشت پھاڑوں پر کاشت کی ہوئی اُبی مٹی پر مٹی
یا ک کا گین گھن، اور تو تم کی چیزیں موجود تھیں۔ ہم نے اپنی جانب
سے اس کی خدمت میں دلائی خراب کی بوتل پیش کی، بوتل دیکھ کے
چن وسا اور اس کے بڑے ساتھیوں کی آنکھوں میں چنگاریاں سیلکنے
لگیں۔ چلے چلے وسانے یہ خوفزدہ کر لیا تھا لیکن پھر کہتے ہوئے واپس
کر دیا کہ اتنی قیمتی چیز کا صل حق وار قبیلہ کا سروار ہے۔ بھیل نے اُسے
یقین دلا یا کہ سروار کے لیے اس کے پاس اور بوتلیں ہیں جو اس نے
چلتے وقت اُسے پیش کرنے کے لیے طلب ہو رکھی ہیں۔ چن وسا
نے بوتل کھارے کے ساتھ بول کر دی اور میں بتایا کہ قبیلہ کے بزرگ پر وکر
نے عرصہ ہوا کسی عہد کے بیخود ہی اپنے لیے خراب ممنوع قرار دے
رکھی ہے لیکن بھیل کے ارادہ پر انھوں نے چند گھنٹہ ملنے سے اُتار لے
اور سے چن وسا کی آبی مٹی اُنھوں کو دی کر دیا میں نے جو ان خادمہ گرم گرم
گوشت لاری بھی، ایک ادیٹر عرفام دلا دے کے پاس متعدد کھڑا
تھا۔ وہ صبح کھا لکھا ہے، تھے اور خراب پی رہے تھے، بھیل کو یہ
یاد نہیں رہا تھا کہ اُسے کوئی اور بھی کام ہے۔ پہلے بار وہ اُن سے پرانے
واقعہ کاوس کے مانند باتیں کر رہا تھا۔ مجھ سے نہ کچھ کہا گیا، نہ مانگا۔
میرے ہی میں اُتار تھا کہ گھنٹا نکل کے اُن سب کو گرلی مار دوں یا خراب
کی لڑی بوتل ملنے سے رات لوں انا سروار سے بھڑولوں۔

کو گروہ تھا۔ روشن دلیں بھی بند کئے تھے۔ گئے ایک طرف کرنے میں
کوہاں مل رہی تھیں کبھی کبھی کوئی کڑی زور سے شیخ اعظمی تھی چھت سے
اُپر آگ کا دھواں نکلتے گا یا فادہ اُٹھتا تھا۔ کمرے کے دریاں دری جیسا
ایک نوا پڑا بیچا ہوا تھا۔ بک کھانے کے اطراف وارو بنائے ہوئے
بیٹھے تھے اور ان سب کے چہروں کے کھلے ہوئے تھے۔ آگ کی روشنی میں
لال ہو رہے تھے۔ فجل جن وسا کی باتیں نہایت توجہ سے سن رہا تھا اور دل
کے ذیلیہ بیچ بیچ میں کوٹا جاتا تھا۔ جن وسابت میں باتیں بھی پہلے ہی
بتا چکا تھا۔ ایک بعض ہمارے لیے نئی تھیں میرے کان بھی کمرے ہو گئے
چن صلہ کے باہن کے طالبیہ میں ایک بار وارو قبیلے کی تمام بستیاں میں
جاتا تھا اور بیٹنے میں ایک بار باہنگ قبیلے کی ہرستی کے لوگ مندر میں
اکٹھے ہوتے تھے۔ ہر بار بیٹنے بعد ایک ہستی دوسری ہستی کو دو دن دروازاں
کے لیے ہمان کے طور پر ہر کوئی قہقہے کی ایک طرف کا میلا ہوا تھا۔ قبیلے کی
نوجوان لڑکیاں اور لڑکے زلیلا ہوتا تھا۔ ایک لڑکی میں جاتے تھے اور
وہیں رہتے طے ہوتے تھے۔ گروہ کوئی لڑکی بہت سے لڑکیوں کو مطلوب ہوتی
تو قبیلے کے ہر گروہ ان میں سے ایک سے دوسرے کے لیے اپنا مطالبہ
تکرار کرنے کی درخواست کرتے۔ بصورت دیگر گروہ ڈال لیتے تو سب پر
میں لوگ آہادہ ہوتے تو ان کے درمیان مختلف قسم کے تبادلے ہوتے۔

جو تھا بوجہ تاجا، وہی اپنی مطلوبہ کر کے رہا تھا پھر لوکی سے یہ کہا جاتا کہ وہ اپنی طرف سے اپنے امیدواروں کے لیے خطیں مانگے۔ لکھا۔ عوام اور بیسی تین مگر انھیں کوئی اختیار، اپنا ہذا انورہ ہر ایک پر غفلت نہ کر میں مگر انہیں ہر ایک کا نصیب سب سے زیادہ پسند ہوتا۔ اس کے لیے وہ نہیں نرم رکھنے کا فائدہ اڑھتی تھیں، اس وقت زیادہ وقت پیش آتی جب ایک لڑکا، بہت زیادہ امیدوار ہوتے اور ایسا اکثر ہوتا تھا، اگر کوئی انہیں ہر نو تو اسرا قبیلہ اس کا امیدوار ہوتا تھا وہ تو ایک شہزادی تھی جاگ قبیلہ کی ہر والدی ملک میں نہ ہی مناسے نہیں پوچھا کہ کیا اس کے لیے بھی اسی طرح امیدوار کھڑے ہوتے مگر کورا ان میں سے کسی کو پسند نہ کرتی، اس کا رشتہ تو شروع ہی سے ہر ساتھ ملے ہو گیا تھا، وہ کہتی تھی کہ اس نے ہر سے ملنے سے پہلے مجھے دیکھ لیا تھا۔ کلکتے میں جب ہم ایک ہٹل میں بیٹھے ہوئے تھے اور میرے ہاتھ پر اس کی انگلیاں سرسرا رہی تھیں اس نے مجھ سے ہی لکھا تھا اور میں نے اسے چل پل گیا اسٹیشن پر دیکھا تھا تو مجھے بھی اس کا چہرہ مانا چہا نا عروس پر اٹھا جیسے وہ مجھ سے کبھی بچھڑ گئی تھی۔ جیسے ہم دونوں ایک دوسرے کو ڈھونڈ رہے تھے۔ بدھ گیا میں اپنے سابق اہلین کے قتل ہونے کے بعد وہ کسی اور جگہ پناہ لینے کے لیے نہیں گئی، یہی میرے گھر آئی تھی۔

چن و سا کہہ رہا تھا کہ پہلے یہ رسم وہم وہام سے منائی جاتی تھی مگر اب مدت ہوئی، وہ جو شرف و خوش و خوش نہیں رہا ہے۔ لوگ ملتے ہیں تو عبادت کرتے ہیں۔ قبیلے کے بہترین لوگ ہر سال اپنے بہترین کاغذات کے حصول کے لیے بستی سے نکل جاتے ہیں کبھی واپس آجاتے ہیں کبھی نہیں۔ قبیلہ مانگ کر اپنے محل وقوع، اپنے ارضی قاعدے مذہبی عقائد، برتر جسمی خصوصیات کے اعتبار سے دور دور کے تربت حاصل تھی جن و سا کے قبول ان کا یہ اعزاز قائم نہیں رہ سکا کیونکہ وہ مقدس امانت کی حفاظت نہیں کر سکے۔ ان کی سرفرزائی ان سے چھین گئی اور وہ برسوں سے مذہب میں مبتلا ہیں۔ بچل نے بوجھل لیے ہیں پوچھا کہ آفریبا کیوں ہو گیا؟ اس کے انفسار پر چن و سا کی آنکھوں میں ویرانی چھا گئی، اس نے اضطراب آمیز انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا، وہ گویں جھکے تھنڈی تھنڈی سانسیں بھر رہے تھے۔ چن و سا کی آنکھوں میں آنسو جھپکنے لگے اور آواز گویں ہو گئی کہ ان کی زبان پر کول کا نام آتا تو میرے کان میں سناتے لگے چن و سا بتا رہا تھا کہ خدا نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا، وہ آسمانوں سے آخری ہوئی کوئی پری تھی وہ ایک نیک اور بار بار و سا کی جی تھی مرنار بے وقت مر گیا قبیلہ والوں نے اپنے محبوب مراد کی جیوتی اور اکوئی کی جیوتی کی مخالفت میں کہ اسے کھو بیٹھے۔ اسے اپنے باپ کی میت کے مطابق قبیلہ کی رانی بنانا تھا لیکن ابھی اس کی عمر تھی۔ اس کے چلنے کے اس کے ساتھ ظلم کیا

اور قبیلہ کی سربراہی کے لالچ میں اپنی جیوتی کا حق غصب کر لیا۔ یہی تو وہ یقیناً اسے زندہ رہنے دیتا۔ اس لیے اس نے اس واقعہ اور بزرگ اناہن کے قبیلے سے وصال لے لیا اور اپنا دستاویز بھی لے گیا۔ لکھا۔ مجھے میری بائیں خود کرانے جانی تھی میں ایک ہشتکو سے میرے گلے میں کورا کی دی ہوئی لالہ بھر چھڑ گیا تھا اور میں نے اسے جیسے میں ختم کر دیا تھا تو کچھ کاٹنا۔ لکھا۔ میرے بعد مراد نے میرے باقیہ دیکر ہر مراد اور پانچواں ہٹل لے کر وقت قبیلہ کے سامنے عذر کرتا متبول و ستاویز واپس لاکے قبیلہ کو شاد کام کیے گا پھر ہوجائیں گے کا نام ہونے پر وہ خود کئی کر لیتا ہے قبیلہ موت کی سزا دیتے ہیں۔ کوئی مرنے کو توڑا تو اسے قہرور کر دیا جاتا ہے۔ قبیلہ والے شفق ہو کر اپنے لیے نئے مراد کرتے ہیں یا پھر کسی شخص خود مراد کی لیے آگے آتا ہے یا جاتے ہیں رفد و عا میں مانگی جاتی ہیں۔ ہر مراد سننے اور دھڑلہ دھڑلہ کرتا ہے۔ قبیلہ والوں کے فیصلے کے مطابق، کامیاب ہوگا، وہی ہمیشہ قبیلہ کا مراد رہے گا وہ بائیں چن و سا کی آواز بیک بیک چھٹنے لگی۔ وہ کہنے لگا کہ تھے۔ پلا لالہ قبیلہ کے اور بہت سے نوجوانوں کی طرح یہ ہم چلا گیا کہ وہ اپنی متبول امانت کا کھوج لگائے کی کوٹے گا۔ وہ آسمان سے اٹھ رہا تھا کہ وہ مارا مارا پھرتا رہا پھر ایک دن اس نے مارا یا میری رگوں میں خون چھنے لگا۔ مجھے ایک ایک بیس چن و سا پر بارہ راست مجھ سے غائب ہے اور مجھ کو رتا یہ سب کچھ کہہ رہا ہے۔ میں نے اپنی پٹھری ہوئی نظروں اس مجھ سے چن و سا کا بھینکا ہوا انچھوڑا چھوڑا دیا۔ چن و سا کا لفظ میرے سینہ کاٹ رہا تھا۔ میں نے ان کے درمیان سے چلنے کا ارادہ کیا لیکن میرا راجہ سم پرٹ کا تو دل گیا تھا۔ میں نے خود کو ان سب کی نظروں سے چھپانے کی کوشش بنایا پھر باچن و سا کہہ رہا تھا کہ اس کے پیچھے کی آٹھان تھی۔ وہ ایک بے باک بے جگر آدمی تھا۔ یقیناً وہ اس شخص فروریٹ گیا ہوگا جس کی تحویل میں قبیلہ کی امانت تھی۔ چھ کے بعد اس کا دوسرا مراد بنا دیا گیا اور اس کا شریک بن کر مرادوں کا ہوتا رہا ہے۔ لکھا۔ میرے اپنے مدت پوری کر اس نے خود کئی کر لی اس کا تمیز لپٹا اپنے بڑے بھائی ہندوستان چلا گیا۔ دو سال سے زیادہ ہو گئے ہیں، وہ بارہ اس کے تینوں بیٹے بہت بادل اور بھیلے تھے۔ انھیں اپنے عزت کا بہت پاس تھا۔ اب اس کے پاس صرف ایک بچی

ہوئی اپنے دونوں بیٹوں کا صدر برداشت نہ کر سکی، پھر تیسرا بھی چلا گیا۔ وہ مرنے میں نے سہرا، چن و سا سے کہوں کہ اس کا بیٹا خود ہی میرے آڑے گیا تھا۔ میں نے نماز اتورہ مجھے مار دیا اور میرا سے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مجھے تو یہی میری جیوتی تھی کہ وہ کن ہے میں تو خود اس سے کورا کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا اسی لیے میں نے اپنی مالا لڑکوں سے باہر نکالی تھی۔ چن و سا کے دوسرے ساتھی بھی رو رہے تھے اور چن و سا بتا رہا تھا کہ ان کے بیٹے بھی اسی طرح ان سے جدا ہو گئے ہیں۔ انھیں کون بتانا کہ اور بھی لوگ ہیں جن کے گھر اڑے ہیں، کاش کہ وہ کاغذات اپنے ساتھ نہ لائی انھیں وہیں چھوڑ کے آ جاتی۔ پھر بزرگ اس کی تلاش کرتے، نہ آجائیں یوں گھر سے بیگانہ ہوتے، نہ ان کی زمین نہ گھر بچا۔ ہم دونوں گھر سے نکل جاتے تب بھی گھر تو موجود رہتا۔

بچل جامو مارا فی اور مولم ان کی صورتیں تک لے رہے تھے۔ میرا دم گھٹ رہا تھا۔ بچل نے مولم کے ذریعے کوٹے چھوٹے نظروں میں ان سے اپنی جہولہ کی افکار کیا۔ چن و سا نے کاغذات میں غرائے سے متعلق کسی بات کا ذکر نہیں کیا تھا مگر اس نے اشارہ بتا کر کہ وہ کسی کچھ بوجھ کے آدمی کی تحویل میں آگئے ہیں تو وہ شاید کبھی اس طرف ضرور گئے گا میری توقع کے خلاف بچل نے اس سے اس کا سبب نہیں پوچھا۔ چن و سا نے خود ہی کہا کہ اس رات بدھ گیا میں ان کے قتل کے بعد کورا کے کاغذات لے کر فرار ہو گئی تھی۔ اسے ان کی اہمیت و اداوت ان کے تقدس اور عزت کا پورا اندازہ ہوگا اور وہ زندہ ہو کر تو کاغذات بھی محفوظ رکھیں گے ممکن ہے وہ کسی شخص کو یہاں بھیجے یا کوئی شخص خود ہی یہاں آئے۔ ہم اس شخص کے انتظار میں ہیں۔ سالوں گزرنے یہاں سے سو گروں کا ایک خانہ گزرا تھا۔ قبیلہ والوں کو شک ہوا، انھیں انوس چنے شک میں وہ مارے سو اگر مارے گئے۔ ان کے پاس سے کچھ برآمد نہیں ہو چن و سا اس کا محل میں ہمیں یہ پیش بتانا چاہیے تھا مگر غائب ہی سب بتانے کے لیے اس نے آج کی رات غنچ کی تھی۔ چن و سا کے نرم نظروں کے نیچے منیبہ و تاکید کی سختی صاف عکس کی جاسکتی تھی بچل کے کان میں جیسے جیسے۔ بدھ جس آئینہ انداز میں چن و سا کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ ہمارے غائب میں سامان کی تلاش کے لیے ہی چھے چن و سا نے بھر کی باتیں کر چکا تو لالہ قبیلہ ان کاغذات کے عزم زور جو بھر کے انار دینے کے لیے تیار ہے۔ جو بچل ان کے تصرف میں ہے سب ٹا کر دیکھ گئے۔ قبیلہ بہت سی شرطیں پوری کر سکتا ہے۔ مرن ایک اس شرط پر کہ کاغذات انھیں واپس کر دیے جائیں۔ ہندوئس دستاویزات مانگ قبیلہ کا اعزاز ہیں۔ وہ ان کے پاس آجائیں گی تو قبیلے سے یہ محسوس ہوگا کہ وہ خود بخود ہمیں کی۔ جو کچھ وہ ان کے عزم

صرف کریں گے۔ ان کے طفیل دوبارہ جلدی حاصل کر لیں گے۔ ہندوئس دستاویزات مانگ قبیلہ کی فضیلت ہیں۔ جس کی فضیلت ہے، وہ اس کے سرور کو دینی چاہیے معلوم نہیں بچل جامو مارا فی اور مولم نے کیا سمجھا ہو میں نے اپنے طور پر یہی مانا کہ سرورست چن و سا کی یہ پیش کش ہمارے لیے ہے اور قبیلہ نظروں میں یوں نہیں ہے کہ انھیں ہم پر کاغذات کے امانت دار ہونے کا عمل یقین نہیں ہے اور یہ پانچوں جہاں ویدہ بڑھے آج رات بے سبب ہمارے سامنے آگئے ہیں ہوتے ہیں۔ ان کا مقصد کچھ اور ہے۔ کوئی نتیجہ اخذ کرنا کوئی رائے قائم کرنا، اپنے مراد کو ہمارے بارے میں کئی کچھ سن دینا۔ ان کی آنکھیں ترازو کے پلڑے ہیں اور انھوں نے یہ باتیں دانستہ چھپڑی ہیں۔ ان کا کونجیت نہیں نہیں تھا۔ اس میں عاجزی بھی تھی۔ تو یاد بھی تھی چن و سا ایک بڑی ہی جھلکتی تھی یا سب میرے دماغ کے ہیرو لے تھے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

رات بگ بگ وہ نہیں اٹھے۔ آٹھ دن میں کوئی کچھ ہو جاتا ہے تو کوئی بھی کئی کوئی ان کی جھلک دیتا۔ انھوں نے بہت کم شرب پانی تھی۔ آٹھ دن میں صرف آٹھ بولٹ خالی ہوئی تھی۔ کاغذات کے ذکر پر چن و سا کی آواز کبھی جھٹکتی لگتی، کبھی اس پر باسیت غالب آجاتی۔ آجائیں ہیں قریب تھے۔ اچھا ہوتا۔ وہ بھی اس وقت جائے درمیان ہوتے اور اپنے کانوں سے چن و سا اور اس کے ساتھیوں کی باتیں سن لیتے۔ یہ مسروں سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹ رہا تھا۔ آجائیں کی صورت ایک لمحے کے لیے میری نظروں سے دور نہیں ہوتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ بچل کے پاس اسی کوئی ضمانت تھی ہے کہ آج رات قبیلہ کے لوگ ان تک نہیں پہنچ جائیں گے اور آج رات آجائیں یہاں سے کہیں دور کسی اور طرف نہیں نکل جائیں گے۔ جو سکتا ہے انھوں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہو اور مانگ قبیلہ میں۔ ان کا آخری دن ہو بچل کے پاس اسی جی کوئی ضمانت نہیں تھی کہ مرندوں میں سے کسی نے میں آجائیں کے سامنے ہو چکے ہوتے نہیں دیکھا ہے، جاگ قبیلہ سے متعلق جو شکوہ مسئلہ یہاں پہنچے ہیں وہ بھی جہاں طرف نظر لگتے ہیں گے لیکن ہم میں سے کوئی بھی یہاں سے نہیں اٹھ سکتا تھا، کوئی بھی نہیں۔ جامو نے کئی بار جامو بیاں لے کے اپنی ٹھکان اور آکا ہٹ کا اظہار کرنا چاہا۔ انھوں نے توجہ نہیں دی۔

پھر رات کو کسی وقت چن و سا کے پانچوں بڑھے سب تھی تو لوں اور کیلوں سے اپنے ہم و ثواب کے کسمارے ہوئے اچانک اٹھ کھڑے ہوئے۔ شاید اب ان کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں ہو گیا تھا۔ انھوں نے دمی انداز میں ہم سے عہدت چاہی اور باہر نکل گئے۔ بچل بچوٹے سسلے لگا۔ ان کے جاتے ہی جامو نے کچھ کہنا

چاہا مگر جھل نے اٹھائے سے اُسے روک دیا تیرے ساتھ ایسا ہڑنا
 نے جا مسکتا وہ تھکی ہوئی آواز میں بولا: "ان لوگوں نے ہم پر
 بھروسہ کیا ہے سو میرے گردلوں کوں کر لینا۔ ابھی رات باقی ہے۔"
 اور اس وقت جھل کے لیے اور اٹھائے سے مجھ پر یہ قدر
 کسی حقیقت کی طرح آشکار ہوا کہ ان میں سے کوئی ہندوستانی سے اُفت
 ہو سکتا ہے جاو میں سمجھا اس نے جنت کی تو جھل نے اُسے ڈانٹ
 دیا جانتے ہوئے جن دوائے ہم سے کچھ نہیں کہتا اس لیے ہم اُنسی
 کو بھی نہا کرے میں لٹ گئے بہت دیر بعد جب مکان میں ہوا ہٹ
 معدوم ہو گئی تو جھل میرے قریب کھسک آیا اور میرے کان میں سرگوشی
 کرتے ہوئے بولا: "شہزادے! بدن کو پیچھے ہی رکھنا۔"
 "نہ جانے مجھے کیا ہو رہا ہے۔ میں نے پانی پیتے ہوئے کہا۔
 اُس نے مجھے اپنے بازوؤں میں کھینچ لیا۔ یہ کھینچنے پر بندھا
 وہ لا ڈالے!"

"میرا جی اُڑ رہا ہے۔"
 "جی کو بیان میں ہی پہنچے دے۔"
 "میرا سب کیا ہو رہا ہے؟" میں نے ذوقی آواز میں کہا۔
 "جھل کی ہر بات پر ہوا ہے جانی وہ سمراتے لیے میں بولا۔
 "میرا دماغ چٹ جائے گا۔"
 "تو اتنا بوجھ کس اٹھاتا ہے؟ میں نے انھیں کھلی رکھ۔
 "کاش میری آنکھیں بند ہو جائیں!"
 وہ مجھے کھینچنے لگا: "اپنا پس تو دوسروں کے ہاتھ پر لگا ہی حیاں کر لے۔"
 "ہم یہاں بیٹھے ہیں، میں نے دھت سے کہا۔
 "پوچھت کے پیچھے ہیں۔"
 "فون کو دکھا اگر آج ہی وہ دواں سے نکل گئے تو؟..."
 "اُس سے بھلا اور کیا ہوگا ہے؟"
 "لیکن پھر۔۔۔ پھر۔۔۔"
 "پھر بہت سا منہ ختم ہو جائے گا۔ پر ایسا تو کھتا نہیں ہے۔"
 "مگر تم نے سوچا کیا ہے؟"
 "اُس نے انھیں سچ لیں اور چپ نہا۔"
 "مجھے بتانے میں کوئی حرج ہے؟"
 "کوئی حرج نہیں۔"
 "تو پھر زبان کیوں نہیں کھولتے؟"
 "زبان سالی اینڈ ہی ہے۔"
 "مجھے معلوم تھا، تمہارا جواب ہی ہوگا۔"
 "تو کس کیوں مارتا ہے؟ وہ دھت سے بولا۔
 "ایک بات کہوں؟" میں نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

"ہاں۔۔۔!"
 "باقی سب لگا کر دواں کر دو۔"
 "میرا گھڑا مال خیر نہیں بل ہا ہے۔ اس نے زور سے میرے
 بال پکڑ لیے۔"
 "تمہارا تو ٹھیک چل رہا ہے۔"
 "ہاں ہے۔ یہ تمہارے وہ ٹھیک کے بولا۔"
 "میں نے پھر اس سے بات نہیں کی لیکن دوائے نیند آئی،
 مجھے ہم دونوں چپ پڑے۔ اُسے تھے۔ جاو مارنی اور سولہ تھوڑی
 دیر بعد ہی سو گئے تھے اور جگہ خواتے لے رہے تھے۔ شاہزادے
 منٹ اور گریوے ہوں گے کہ دفعہ جھل آٹھ کے بیچہ گیا اور میرا بازو
 ہلا کے کھینچ لگا۔ لا ڈالے! ڈرا گھڑی دیکھ۔"
 "ہم میں سے صرف مارنی کے پاس گھڑی تھی۔ میں نے مدد سے
 اُس کے بل میں ہاتھ ڈال کے چپ ڈھونڈنی جا ہی۔ مارنی بڑا اٹھا۔
 "ہاں! تانے مارنی! میں نے اُسے ہتھی سے کہا۔
 مارنی گھبرا گیا۔ میرا ہاتھ اُس کے منہ کے قریب ہی تھا تاکہ اگر
 وہ زور سے بات کرے تو اُس کا منہ بند کر دوں۔ مارنی کا ہاتھ چھا
 میری گردن پر آیا تھا لیکن دوسرے لمبے وہ پھیر گیا کیا بات ہے راجا
 استاد؟" وہ جھلنے سے بولا۔
 "بات مت کرنا تمہارا پتا ہے۔"
 مارنی کی گھڑی میں تین بجے تھے۔ میں نے جھل کو بتایا تو وہ
 تیزی سے کھڑا ہو گیا۔ مارنی کو اس نے اُٹھنے میں دیا جن دواں ہا
 جاتے ہوئے دروازہ پھیر گیا تھا اور ہم نے معمول کے مطابق اندر سے
 کھڑی نہیں لگائی تھی۔ جھل جبوں کے بل لپکا ہوا دروازے کی طرف
 بڑھا اور چند لمبے وہیں ٹھٹکا کھڑا ہوا۔ دروازے کے باڑ کوئی ہٹ
 نہیں تھی۔ جھل نے اُسے کھڑی ہو کر آہستہ آہستہ کھڑا کر دیا۔
 کو اندر کی طرف کھینچا۔ میں نے اُسے ہٹنے کی کوشش کی تھی مگر اُس
 نے میرے سینے پر ہاتھ مار کے مجھے پیچھے ہی پہنچے دیا اور خود کو اُٹھنے
 دیا، اُس کی تاثیر سے مجھے اُٹھیں ہو رہی تھی۔ دروازہ ڈرا کھٹا ہوگا
 کہ ایک ہلکی پھر لہٹ کی آواز آجری اور مرد ہوا کہ ایک چھپر ٹپا رہے
 گالوں سے مڑا ہوا۔ مجھے جھری آگئی۔ جھل بھی رگ گیا۔ دروازے کے
 کھلے ہوئے حصے سے اُس نے انھیں لگا کے باہر دیکھا، باہر اندھیرا
 تھا۔ نہ جانے جھل کو کیا ہوا کہ اُس نے ارادہ بدل دیا اور کڑا کھسکا
 کے بجائے انھیں ایک دم کھول دیا۔
 ہم کسی ضرورت کے تحت بھی رات کو اپنے کمرے سے نکل سکتے
 تھے۔ یہ قید خانہ نہیں تھا، ایک مکان تھا جہاں ہم ہمان تھے جھل گھر
 کے کسی لیکن کو اپنے کمرے سے باہر نکلنے کی جگہ نہ تھیں جہاں تھا مگر

جہاں دروازہ آواز کے بغیر نہیں کھل سکتا تھا۔ وہ دیر بہت ہر جاتی۔
 جن دواں کے گھر کی مکانت سے ہم بھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ وہ
 کوئی چھپر ڈرا ہوا مکان نہیں تھا۔ قبیلے کے عام مکانوں کے لونا
 سے بڑا شہروں کے مکانوں کی نسبت سادہ۔ ایک طرف دو کمرے بنے
 ہوئے تھے جن میں سے ایک میں ہم تھے دوسرے میں سلطان مان
 کے آگے پختہ چھت کا ایک مختصر سانیان۔ سانیان بائیں طرف بھی
 انگریزی حوت بل کی طرح چار دیواری تک چلا جاتا تھا۔ جہاں
 کو کھڑیں میسے چھوئے ہوئے کمرے بنے ہوئے تھے جن دواں اُس
 کی بیٹی اور ملازم انھی میں رہتے تھے۔ سانیان کے بعد ایک کٹا ہوا
 تختہ چارے کدوں کے پچھلے اُسے بھی ایک تنگ سانیان کے ساتھ
 تھوڑا سا مین خا۔ ہر طرف دھت اور مختلف پودے لگے ہوئے تھے۔
 پتھر کی ایک چھوٹی موٹی اور اونچی نیچی دیوار اسے کان کا احاطہ
 کرتی تھی۔ زمین نسبت ہمارا تھی۔ میں نسل خانے وغیرہ کے لیے سانیان
 صحن کی طرف کھٹنے والے دروازے سے نکل کے پیچھے جانا پڑا تھا۔
 کدوں میں صرف ایک ہی دروازہ تھا اور مغربی دیوار پر روش دان کے
 مانند ایک کھڑکی تھی جو مڑا نہ بند ہوتی تھی۔ چھت کے ساتھ دیواروں
 پر ایسے ایسے ہی موٹے بنے ہوئے تھے جہیں دھت کی چھال یا کس اور
 قسم کے پتروں سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔
 جھل نے مارنی کو ہاتھ کے اشارے سے جاگتے دیکھنے کی ہدایت
 کی اور باہر نکل آیا۔ بہت جلد سانیان میں جی خاموشی اور قریباً اندھیرا تھا۔
 قریب دو کدوں کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی۔ باہر کے اندازہ ہوا کہ ہمارا
 اچھی خاصی تیز ہے۔ میری آنکھیں کھینچنے لگیں۔ پیروں میں ہم آؤنی
 جلا میں پہنچے ہوئے تھے۔ میں نے جھل کا ہاتھ تھما لیا۔ ہمارے اندھوں
 کی طرح ہاتھ جھیلانے ٹھٹکا ٹھٹکا کے سانیان کے فرش پر قدم رکھ
 لیے تھے۔ پہلے رات کو کسی وقت باہر نکلنے کا اتفاق ہوا تو ہم نکل
 تھے۔ ہماری رات سانیان کے ایک کونے میں جھل جاتی رہتی
 تھی آج وہ جی نظر نہیں آتی تھی جن دواں کے ساتھ جاتے ہوئے اُسے
 اپنے ساتھ لے گئے ہوں گے۔ جھل کی جب میں بیڑی بھی ہو گئی لیکن
 بیڑی اُسے استعمال نہیں کرنا پڑا ہے۔ ہم نے قدموں کے اندازے
 سے سانیان کا فاصلہ کیا اور پھر پڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ پیچھے
 صحن میں اُترنے کے لیے بیڑیاں تھیں۔ ہم تمام کے ساتھ چپکے ہوئے
 نیچا اُتر گئے۔ پہلے جھل چھپوں کے پڑوں کے باوجود صحن میں قدم کھینچے ہی
 ایسا محسوس ہوا جیسے ہم ٹھنڈے پانی میں اُتر گئے ہوں۔ میری سے ہر
 ہونٹ چھپ کر گئے تھے۔ پھر کچھ میں کتنی ہی بار میں نے سر کو جھٹکا دیا۔ یہ
 گمراہ اندھ کر کی وجہ سے تھا۔ بائیں بستر پر پہلے ہی دو چار قدموں میں
 مجھے اندازہ ہو گیا کہ باقی فاصلہ طے کرنا آسان نہیں ہے۔ میں جھل سے

کھینچنے کے لیے کٹا ہی جاتا تھا کہ وہ اور آگے چل پڑا۔ بیڑی اُس نے
 اب بھی روشن نہیں کی تھی۔ ہم تقریباً ایک ایک دو دو دفعہ کھینچے ہوئے
 چار دیواری کی طرف بڑھتے گئے۔ ہم دونوں نے اپنے چہرے پوری
 طرح ڈھانپ رکھے تھے۔ صحن کے درختوں سے پیچھے ہوئے ہم کسی دوسری
 طرح دروازے تک پہنچ گئے۔ دیوار چھپوں کی تھی اور زیادہ اونچی نہیں
 تھی۔ ہم کدوں کے بھی مکان کے باہر ہو سکتے تھے۔ میں ایک موزم قسید
 کے سارے ہی جھل کا ساتھ سے رہا تھا کہ شاہزادہ دیوار کے کس پار
 ایسا اندھیرا نہ ہو جھل نہ جانے کس وجہ سے چپ تھا نہ گالیاں تھیں۔ یہ اور
 کرانے کے لیے کہ میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں اور دیکھ لوں
 سے کچھ کہنے کے لیے میرا منہ نہ پڑے۔ مکان میں کوئی شخص نہیں جا کھتا
 ہماری چائیں صحن میں ایک عدد درخت ہیں۔ کدوں کے پتروں پر ہر دیکھا
 کے ہم دونوں نے ایک ساتھ اپنے سر اُپر کیے۔ جھل دیوار پر چڑھ گیا تھا
 کہ میں نے اُس کے سر پر کھڑے ہوئے۔ ہم نے اُس میں بات کرنے سے پرہیز
 کیا۔ چار دیواری کے باہر نام نہاد نظریات کی چیز نظر آتی تھی۔ بس دھت
 پیسے ہوتے سیاہ دھواں اٹھ رہا ہوا اور ساری ڈھانچا گیا ہو آگ
 آؤنی چائیں تھیں اور آؤنی تھیں چپ ڈھانچا ہمارے پتروں سے
 ناماوس سانس ہم کسی طرف جھک جاتے تو ہمیں کبھی کوٹ نہ پاتے۔ یعنی
 سے مندرجہ کا خلاصہ اتنی دور نہیں تھا پھر وہیں سے ہم نہیں تھے
 اور ساری کی ساری چڑھائی تھی۔ بیڑی بھی ساتھ نہ دیتی۔
 سانیان تک ہم رینگتے ہوئے واپس آئے لیکن سانیان میں آ
 کے ہم نے اپنی رفتار معمول کے مطابق کر لی۔ جھل نے بیڑی جلا دی تھی
 پیسے اپنی آنکھیں واپس لیں۔ سانیان میں بھی دھت تھی اور بیڑی اُس
 روشنی میں اُس میں دھت لگتی تھی۔ ہر حال اب گھر کا کوئی مکن جاگ جاتا
 ہیں اتنی نگرانی تھی۔ ہمارا کہہ سامنے تھا۔ جھل اندھا جانے کے بجائے
 سلطان کے کمرے کی طرف منو گیا۔ اُس کا خیال ہوگا کہ باہر نکلے ہیں تو
 ایک نظر سلطان کو بھی دیکھ لیں۔ سانیان کے میں حوالا سامان رکھا ہوا
 دروازہ بند تھا۔ ہمارے اندر سے کھڑی نہیں گئی ہوگی۔ جھل نے دروازہ
 پر ہاتھ رکھ کے اُسے جھٹکا تو وہ ایک ہلکی آواز کے ساتھ کھل گیا
 کمرے میں مدھم روشنی تھی لیکن اندر کا منظر دیکھ کے ہماری آنکھیں نہ
 ہو گئیں۔ کمرے میں ایک اونچی جگہ سلطان لیٹا ہوا تھا اور کوئی اُس
 پہنچے ہوئے دروازہ تھا۔ دروازہ کھلتے ہی ایک گھٹی ہوئی سکی بند ہوئی
 وہ جلی کی طرح سلطان کے سینے سے اُٹھ کے چھٹی پہلی آنکھوں سے ہم
 دیکھنے لگی۔ جھل نے بیڑی کی روشنی اُس کے چہرے پر پھینکی تو اُس نے
 پھر لیا اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھایا۔ میں اُسے پہچاننے میں
 نہیں آئی۔ وہ جن دواں کی لڑکی تھی۔ گھر میں آتے جاتے بار بار ہمارا اُس
 آنا سامنا ہوا تھا۔ ایک لمبے کے مذہب کے بعد جھل نے بیڑی

دی اور دروازہ بھڑکے اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔
 سلطان کو اپنی سڑھ پر ہین بھی چن واک نورجان لوک تشا
 کا ترانس کے سینے پر لکھا ہوا تھا جسے اپنی بیانی پر شبہ ہوا نہیں کی
 بھی ہی حالت ہوگئی۔ دجانے ہم نے کیا دیکھا تھا۔ روشنی میں تشا کا
 رنگ چمک رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھا تھا وہ ایک شریں
 اور ناگ سی لڑکی تھی۔ اس کے بال کوڑا کے بالوں کی طرح اتنے لمبے
 تھے کہ کھوں تک آتے تھے۔ چہرے کا مندر رنگ دکھاتا تھا۔ کوئی
 بھی ایک بار اسے دیکھنے کو تیار ہوا دیکھنے کو چاہتا ہوگا۔ اس کی آنکھیں
 بڑی بڑی اور شریں تھیں۔ بچل نے اسے چند منٹ دیکھے دیے تھے تو اس کے
 گالوں پر شریں چھائی تھی۔ اس وقت سلطان نے اپنے ہاتھ سے اسے
 چوڑیاں بنائی تھیں مگر یہ چارہی دن پہلے کی بات تھی۔

کوڑا تھا تو چارہی نظر سے پہلے دانی پر پڑی۔ وہ دروازے کے
 پاس ہی کھڑا تھا، ہاتھ میں کھٹا ہوا تھا۔ بچل نے اس کے گال اور کان تھپ
 تھپانے اور اس دانی کی پھول میں چھو جسے مارنے لگا۔ دانی نے اس میں
 ہلکا اور گولیاں ڈال دیں۔ بچل کی ہڈیوں کا ہاتھ تپتا رہا چہرے کا چپ چاپ
 بیٹ گیا۔ نہ اس نے مجھ سے کچھ کہا نہ میں نے اس سے مگر مجھے معلوم تھا کہ
 وہ کیا سوچ رہا ہے۔

مجھے توجہ تھی کہ میں ہوتے ہی بچل باہر نکلے میں جلدی کرے گا لیکن
 ایک تودہ دیر میں بہتر سے اٹھا، چاروں ہی خاکوش بیٹھا تھے گولیاں روایت
 پھلانگتے تھے کہ کھٹا عمل کی دس دانتے کے دوران ہمارے درمیان موجود
 نہیں تھا اس کے خاتمے کے بتا کر وہ سر پر سے کسی کام سے باہر چلا
 گیا تھا اور اسے بدلت کر گیا تھا کہ مائل کا خیال رکھنا۔ روز کی طرح منہ ہاتھ
 دھونے کے لیے گرم پانی تیار تھا چن واک خادوم دودھ ایدھن میں گند

ہوئے ہوا کے آٹے کی گرم روشیاں، اجار اور جاگ قیلے کا مخصوص
 مال لارہ تھی، ہم سب نے کسی بھی پالیاں چائے پی۔ خلاف معمول
 ج نشاں بھی ہمارے سامنے نہیں آئی تھی۔ دانتے کے بعد خاما وقت گزار
 کے شعل سلطان کے کمرے میں گیا۔ سلطان بہترین دیکھا ہوا چائے پی لیا تھا
 اس کے چہرے پر تازگی تھی اور بالکل ظاہر نہیں ہوا تھا کہ رات اسے گری
 چوٹ لگ ہے۔ بیٹس کھلی ہوئی تھی۔ سنی کے ایک کوڑے میں آگ لگ چک
 تھی، آگ اور سلطان اچانک پریشان رہا تھا۔ بچل نے اس سے رات کے تعلق
 کوئی بات نہیں کی، نہ ہی زیادہ دیر وہاں ٹھہرا جب ہم اسے چھوڑ کے جانے
 لگے تو سلطان بے چینی سے ہلا تاب میں چل سکتا ہوں استادا

بچل نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ پلٹ کے اسے دیکھا اور پھر
 ہوئی آواز میں ہلا ایک دن ادھار تالے سے، جسے دن بیٹھے بھی غم
 دکھائی دیتے ہیں۔

سلطان پکس بھڑکے لگاتے تھے۔ کیا... کیا... وہ بھڑکے لگتا۔
 شہک ہی بل بل رہا ہوں سلطان شاہ۔
 تم مجھ سے کھٹا کھٹے ہوئے ہو لگتا ہوں اچھا ہو گیا۔
 خانا تو تم سے کچھ ہو گیا ہے سامن؛ خیل مریجے میں ہلا۔
 مجھ کو بتاؤ سلطان مریجے کو بلا لیکن چرائی کی آواز خود بخود مانتا پڑ
 گئی اور وہ جتر سے ہوئے لیے میں ہلا۔ سلطان نے کھٹا کھٹا مانتا پڑ
 خیل کے ہونٹ کچھ کھٹے کے لیے کھٹا ادا بند ہو گئے۔ وہ موت
 مریجے کے دے گیا اور مجھے چلنے کا اشارہ کیا۔ جاؤ مسلم اور مارنی حیرت سے اس
 دوران کو تک لپٹے تھے۔ جاؤ وہیں تک گیا۔ دروازے سے کوڑے پڑے
 خیل مریجے ہلا۔ جاؤ سلطان استاد کے بدن میں مجھ کو کچھ چیزیں بھی
 ہوتی تھیں۔ ہم سب کے توان کچھانتا ہے۔ استاد کو شاید چہرہ رنگ دکھائی
 دینے لگے۔

استادا۔ خیل جانی! سلطان بنیانی انداز میں ہلا۔
 خیل اس کے کمرے سے چلا آیا اور مجھ سے باہر اسے سلام ہو کر اس
 نے سامان کے لیے خادوم کو قتل کرانے بھیجا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ
 آج چہر خیل کا بازار لگانے کا ارادہ ہے۔ بازار سے واپس آتے آتے وہ چہر
 ہو جائے گی۔ چند گھنٹے تو وہاں گزارنا ہی پڑیں گے۔ اس نے صحت دہننگ
 سامان اٹھوا لیا تھا۔ ہم تھکوں کے پیچھے چلنے لگے تو جاؤ بھی اندر سے آگیا۔

اس کے چہرے پر سنجیدگی چھائی ہوئی تھی، اسے دیکھ کے خیل کے ہونٹوں پر
 سکڑا کرتے رہے۔ اسے مارے راستے جاؤ مریجے بھڑکے چلتا رہا اور
 دلوں کی طرح بازار میں خوب چل پھل پھیلتی تھی۔ ہم نے سامان نکالا تو دیکھتے
 دیکھتے جھڑپیں ہو گئی۔ خیل نے آج بھی کوئی رعایت نہیں کی۔ وہ بہ ظاہر
 چڑوں کے کام تیار رہا تھا لیکن اس کے لیے میں تیزی اور سختی میں تھی۔
 بھی دام اتنے اٹل ٹٹل تیار کیا کہ بعد میں توجہ دیکر پرتی میں اس سے
 الگ تھک ایک گوشے میں اپنے آپ کو بیٹھے بیٹھا تھا۔ میں نے نہ
 کسی گاہک سے بات کی نہ سامان کو دیکھا گیا۔ تھوڑی سی چیزیں بھی
 ہوں گی کہ اس نے کیا کیا سامان چہرے پر ٹھونس میں بھرنے کو کہا اور
 تھووں کو اسے گھر بیٹھانے کی ہدایت کی۔ تیری رگوں میں میں نہایت ہونے
 گی۔ اس وقت خیل کا ادھر چانے کا ارادہ ہو گیا اور پراگیا مان موجود ہیں مگر
 کیے؟ میں جتنا سوچتا، اتنا ہی میرے دماغ میں اندھیرہ پڑنے لگتا۔ آج کو ہم
 میں کوئی غیر معمولی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ آج کا بدن میں کل کی طرح خالی سی
 خیل کے اچانک آٹھ جانے کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا تھا
 کراس کے ذہن میں کوئی بات ضرور آئی ہے۔

آج چھاندا تھا۔ چہرہ، زور، ناس، منہ، میاں، پلٹو، ہلا کو مینی اور
 ذریعہ میں سے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ ان سب کو ایک ساتھ ہی آنا تھا۔
 خیل نے ان سے اپنے جانے کے چارہ ذرا بعد یعنی کالچ کرنے کو کہا

تھا۔ وہ بتی سے زیادہ دل نہیں تھے مگر وہ جگہ جاگ قیلے کی مدد میں
 نہیں آتی تھی جہاں ہم ان سے مل رہے تھے۔ وہ اگر راستہ کھنڈ کے نہ
 آتے تو زیادہ سے زیادہ وہ پھر گئے، کوئی ایسی بات ہوگی ہوگی کوئی بھی
 بات ہو سکتی تھی، اور جنگلی بیابان تھا۔ قریب کرنی بستی میں نہیں تھی۔ ہم
 نے جان بوجھ کے ان کے پڑاؤ کے لیے ایک سناں جگہ منتخب کی تھی۔
 یاں آنے کے بعد جہاں ان سے کوئی رابطہ نہیں ہو سکتا تھا۔ نہ ہاں
 سے کوئی جاگے ان کی جگہ لے سکتا تھا اور نہ ہاں سے کوئی اس کے نہیں
 ان کے نہ آنے کا سبب بتا سکتا تھا۔ ایک دن کی دیر ہو سکتی تھی مگر اب
 وہ دن گزر گئے تھے۔ انھیں خود میرے جلد ہم تک پہنچنے کی تھوڑی سی
 کہیں قیلے میں ہم پر کوئی افتاد نہ پڑ گئی۔ ہم انھیں اس حقیقت کا بخبری ہاں
 ہوگا کہ بستی میں جہاں قیامتی کے باشندوں کی مرضی پر منحصر ہے۔ ہم اپنے
 تمام کوٹوں دینے کا کوئی نہ کوئی معقول مندر انھیں ضرور پیش کریں گے
 لیکن اسے قبول کرنے نہ کرنے کا سارا وار ملنا قیلے کے لوگوں اور اس کے
 مرد پر ہے اور انھیں یہ بھی احساس ہوگا کہ ہمیں مقصد کے لیے اسے نہیں
 قیلے میں جاگے کی انھیں جہاں اس سے سامنا پڑ سکتا ہے۔ خیل نے سامان
 پراگیا کے رکھا تھا تاہم قیلے کے لوگوں کے خیال میں یہاں ہمارا قیامتی
 اعتبار سے سود مند ثابت نہیں ہو رہا تھا تو ہمیں جلد ہی اسے کہیں اور چلے
 جانا چاہیے تھا۔ ہم بھی غراب نہیں تھے کہ اسے فکر کرنا نامکن ہو۔

چہرہ کے نہ آنے سے اب تک اس کی کوئی کمی محسوس نہیں ہوئی
 تھی بلکہ ایک لحاظ سے یہ اچھا ہی ہوا تھا۔ ہم قلعے میں کچھ دیگر سے نو
 تھادی قافلوں کی آمد کو قیلے کے لوگ اتفاق سمجھنے میں آکر رہ
 کرتے۔ گو ہماری پوری کوشش ہوتی کہ ہم یہ آکرہ دھڑکریں۔ جہا
 ہونے سے پہلے ہی میں دو بار ہونے کے متعلق ہمارے سامنے خیل نے
 چہرے سے ربات صاف کر لی تھی۔ اس وقت کچھ لوگوں کو دور روک دینا
 ہی مناسب تھا۔ ایک ساتھ اتنے لوگوں کا بستی میں داخل ہونا موجود
 صورت کے مقابلے میں کسی کو بھی بہتر نہیں ہوتا تھا۔ ہم آگے کے بار
 میں بہت کچھ جانتے ہوئے بھی کچھ نہیں جانتے تھے۔ اسی صورت میں
 کچھ لوگوں کا پیچھے آنے کے لیے یا رہنا اور پیچھے رہ جانے والوں
 کے لیے آگے چند لوگوں کا پیش قدمی کرنا ہی ٹھیک تھا۔ جاگ قیلے
 کی مختلف بستیوں میں چارہ داراں کھیتی ہوئی تھیں۔ کوئی بھی شخص
 یہاں آجائے تھا۔ چنانچہ بستی کے کہیں پہلے پہنچنے والے انھیں سے
 فوراً ہی کوئی رعایت نہ کرتے۔ انھیں ان کی آمد کا مقصد پچھاننے میں کچھ
 وقت ضرور لگتا کہ اتنی دیر میں دوسرے لوگ پہنچ جاتے۔

آخری منزل میں ہم نے قلعہ کی آلیے منتخب کیے تھے جو آگے
 جانے کے بجائے پیچھے واپس ہوجائیں۔ چہرہ سے آگ ہو کے
 جاگ قیلے میں داخل ہونے سے پیشتر ہم نے ایک اور منزل پر پڑاؤ کیا

تھا اور وہاں بھی قلعہ بدل دیے تھے۔ ہمارے سفر میں ہم قلعوں سے یہی
 کتے آتے تھے کہ ہم وہ قافلے جن لوگوں کی خبریں مختلف ہیں۔ جہاں
 تک منزلیں یکساں ہیں، وہیں تک ساتھ ساتھ چارہ پیر کے آجانے کے
 بعد ہم کھل کے قیلے والوں سے یہ اعتراض کر سکتے تھے کہ ہم ایک دوسرے
 کے لیے امبی نہیں ہیں۔ ہم نے سفر کا ایک بڑا حصہ ساتھ کاٹا ہے۔ بعد
 میں انھیں کسی ذریعے سے ہمارے سفر کی رفاقت کے سلسلے میں خبر
 مل جاتی تو آپس میں شناسائی کے اس اعتراض کے بعد اس خبر کی حیثیت
 ان کے لیے انکشاف کی نہ ہوتی اور یہی بستی میں آگے انھیں یہ کہہ کر خاموش
 کر سکتا تھا کہ اس کا بیشتر سامان دوسری بستیوں میں فروخت ہو چکا ہے۔
 باقی کے لیے اس نے جاگ قیلے میں اپنی نعمت آزمائے کا فیصلہ کیا ہے
 جس کا اس نے دوسری بستیوں میں بہت شہہ سنا تھا اور اسے معلوم تھا
 کہ ایک اور قلعہ بھی اس طرف سامان لے کے گیا ہے۔ غرض میں نہیں تھا کہ
 قیلے میں سب پہلے ان کی مدد پڑے گی۔ ہر وار وہیں انھیں یہ بتانے
 کا موقع مل جائے کہ وہ کسی قسم کی بات کریں قیلے والوں کے سامنے ہم انھیں
 کے رہ رہ رہ ہونے پر پیر و کار و عمل خیل کے طرز عمل سے شرط ہوتا کہ
 ایک دوسرے سے کسی حد تک واقفیت کا انھما کریں۔ یہ جانچنے کے لیے
 پیر کو چند ہی لوگوں کی مہلت دے کر جا رہی۔

انھیں بہ صورت اب آجائے جا رہے تھے۔ چلتے چلتے ہارٹا اور جاؤ
 کی نظریں اپنے ارد گرد ہارٹاوں پر پڑنے لگتی تھیں۔ ابھی چند لمبے ہونے
 ہمارے پیچھے تھی میں اچانک شور اٹھا تھا۔ سب ہی سمجھ کر وہ آگے نہیں
 لیکن پھر چلا کہ ایک برفانی ریتھی تھی میں گھس آیا ہے اور اس میں چھپ کے
 بیٹھ گیا ہے۔ بستی والے اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ اندیشہ ہے کہ
 وہ قیلے کی کسی عورت یا بچے کو پکڑ کے نہ لے جاتے۔ جتنا وقت بیت
 رہا تھا، طرح طرح کے دم آرہے تھے۔ من میں ان کی حالت دیکھتے ہی
 شہک نہیں تھی۔ مذہبی بھی بار بار پڑ چکا تھا۔ وہ راستہ بھی بھٹک سکتے
 تھے۔ ممکن ہے انھیں قلعہ کی دل سے کہیں۔ ان کے ساتھ بڑی تعداد میں
 سامان تھا۔ قافلے قزاق بھی ان کے آگے آ سکتے ہیں کچھ بھی ممکن تھا۔
 ابھی ہم جہاں ہیں تھے کہ راتے میں خیل نے ایک دروازے آوی
 کورک کے چن واک سے شعلت دریافت کیا۔ تھوڑی سی گنگ دو کے بعد
 چن واک سوار کے مکان کے قریب ایک عمارت سے باہر آتے ہوئے
 ہیں لگ بھگ مسلم نے خیل کی توجہ کی۔ خیل نے کہا تھا کہ وہ اپنے معزز
 حمان کی وساطت سے قیلے کے سڑارے ملنا چاہتا ہے۔ یہ سن کے
 چن واک کچھ متذنب سا ہو گیا اور کوئی جواب دینے پر عمارت کے اندر چلا گیا۔
 ہم باہر ہی بیٹھ کر رہے۔ چن واک واپس آیا تو کہلا نہیں تھا۔ ایک شخص بھی
 اس کے ہمراہ تھا۔ دونوں نے جواب طلب نظروں سے نہیں دیکھا لیکن
 کوئی سوال نہیں کیا اور کسی تیز رفتاری سے ایک سمت چل پڑے۔

میری آنکھیں سن ہو گئی تھیں یا میسے میں چلتے چلتے سو گیا تھا۔
تجمل نے ٹوکا مارا کہ مجھے چونکا دیا، ہم ٹری عمارت کے بیرون سڑکوں
تگڑے رہے تھے چن و ما اور اُس کا ساتھی ہمیں عمارت کے باہر کھڑے

”ہر لوگ سو گرا، میں سو گرا کرتے پھرتے ہیں۔ چن دسانے بلا ہے کرا دھرتی نیلے کے لوگ بہت فلوں سے پریشان ہیں۔ اگر کائنات نیلے کو مل گئے تو قبیلہ اپنا سب کچھ جو کچھ جس اس کے پاس ہے اللہ اپنے سے الگ کر سکتا ہے، سوال کرنے لگا۔ ایسا ہے کہ نہیں ہے؟“

”ایسا ہی ہے۔ مراد کی آواز پکٹنے لگی۔ کیا تم... ہم اس سلسلے کے کچھ مانتے ہو؟“

چیزوں کا نہیں جان کا ہے۔ ہم سے اس معاملے پر بات کرنا ہے تو ایک

105

کو مرتے وقت اکیلے مانا نہیں بتایا گیا۔ کوئی ٹیڑھی بات ہوئی تو بچھتا تھا اور لاکھ ہوگا، اپنا پسینہ ہم کو اور تھوڑی جگہ پر اذانیں جمانا ہے اور ہمارا تھا کہ کوئی پورا پورا بھی نہیں ہے اور نہ ہم سے کوئی پیشگی ہونکر ملک ہے یہی سب سے میں جانیے ہو رہا اور! ابھی طرح سوچ رہا تھی ہم اور تھوڑے عرصہ میں!۔

”تھوڑی باتوں سے پریشان نہ ہونا ضروری ہے کہ جانتے ہو؟“
”ہم نے بول دیا ہے ابھی ہم نہیں جانتے پر لگ رہا ہے بھی تو جب تک ہم نہ جانتے تھے کہ ہمیں جان سکتے تھے۔ اتنی باتیں بولنے کا مطلب یہ ہے کہ تم سے کچھ آگت نہ ہو جائے۔“

سروا کے ہم کاما خون اس کے چہرے پر پھرتا رہا تھا اور وہ بیٹھے بیٹھے لیٹ چکے لگتا جیسے اس کے پیروں میں کوئی چھو گھس گیا ہے۔ سولہ نے یکساں اور دواں زبان میں جھل کی تمام باتیں آئے نقل کی تھیں جھل کے منہ پر ہوجانے پر سردار گون جھکا اپنے اپنی اگلیاں دھڑا رہا۔ ہم سب اپنی نگاہیں پر سالت بیٹھے ہوئے تھے یہ سارا شی کا کوسو چنے کا نام نہ دینے جھل نے سولہ سے کہا، اس کا بلکہ ابھی نقل نہیں ہوا تھا کہ ایک گھنٹہ سردار سخت سے آٹھ کروڑ روپے جھل کے سامنے آگے بڑھا رہا گیا اور اس کی آنکھیں میں آٹھ گھنٹہ سے لگا لگا اس کا سر جھل کے کندھے پر آ رہا تھا۔ جھل کی پلوں میں جنشیں ہوئی تھیں اس کی آنکھیں سردار کی آنکھوں کی طرح ترش نہیں تھیں۔ جھل اور بھی ہوئی سی تھیں۔ یکا یک سردار نے اس کا گریبان چڑھ دیا۔ جانو نے اور چہرہ قو نہال یا تھا، اور غصہ کے پلہ میں کھڑے ہوئے سردار کے آدمی نے بھی جھڑپا لیا تھا جھل کا ہم بے حرکت لپکا ہوا سردار نے اپنے ہاتھ پھیلائے تو جھل کے ہاتھ بھی پھیل گئے۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ زور سے پکڑ لیے۔

”تمہارے تالے قیلے میں مجھ کو سب سے اچھے گتے ہیں۔“
”مڑا کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا ہوگا کیونکہ سولہ کا خوش کھڑا جزیرہ نظروں سے ان دونوں کو پکڑ رہا تھا۔ سردار کے چہرے پر اس کا آدمی جھگانا ہو کر رہے سے باہر چلا گیا۔

جب ہم سردار کے مکان سے باہر آئے تو دو چوہے اتر رہی تھی۔ دو چوہے کا کھانا ہم نے سردار کے ساتھ ہی کھا یا تھا۔ اس کے کچر پر کرے میں کئی غلام اور غلامیوں جمع ہو گئے تھے جنہوں نے ہمارے آگے جھل بستی میں بنی ہوئی تھیں اور سردار کے لیے خاص طور پر پکا کئے ہوئے کھانوں کا ڈھیر لگا دیا تھا۔ ہمیں سے آئی ہوئی خوشبو دار چائے سب سے خوش رائی تھی ہم نے ایسی چائے پلے کبھی نہیں کی تھی۔ مسلسل وہی پتہ ہے۔ جھل اور سولہ وہیں وہ گئے تھے میں مادی اور

جاہلو تھیں وہاں چھوڑ کے اٹھنا نہیں چاہتے تھے غرض جھل ہی رہا جس میں باہر جانے کو کہہ دیا تھا۔ اور وہ چہرے کا گھوٹا اور گھوٹا ہونے کے بجائے ہم وہیں ایک پاؤں پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرتے رہے۔ آج کا دن بھی گزرا جا رہا تھا۔ اب آپ اور مندوں کے علاقے میں جانے اور اندھ لڑنے سے پہلے واپس آنے کا کوئی امکان ہی نہیں تھا۔ دھوپ ہواؤں پر چڑھ رہی تھی۔ ہم تینوں کی نگاہیں سردار کے مکان کے آگے دو دروازے پر لگی ہوئی تھیں اور شاید ہم ایک ہی بات سوچ رہے تھے کہ اگر جھل اور سولہ کچھ دباؤ آئے تو نہ... لیکن سوج غروب نہیں ہوا تھا کہ دروازے پر ایک ساٹھی آدمی باہر نکلتے دکھائی دیے ان میں وہ دونوں بھی تھے جن دواں اور تھیلے کے کئی لوگوں کے درمیان ہم نے تقریباً جھگڑا کرتے ہوئے جھل کی طرف جانے والے راستے پر اختیار جالیا اور جھل کا چہرہ دیکھ کر ہماری چھوٹی ہوئی سانسیں ٹھہر گئیں۔ جی کے سر کی غصہ پر باقی تمام لوگ مشتر ہو گئے صرف جن دواں ہمارے ساتھ رہ گیا۔ راستے میں نہ جانے کیوں جھل بار بار آسمان کی طرف دیکھتا تھا۔ ہمیں بھی دن نکل جانے کا احساس ہوگا۔ مجھے معلوم تھا، اب ہم اور کہاں جا سکتے ہیں۔ دروازہ جن دواں کی لود کی تاشاف نے کھولا مگر میں خائب دیکھ کر اس کا سر ہلکا کرنا پڑا۔ وہ جلدی سے دروازے کی آؤ میں سرٹ گئی تھی کہ جھل نے جھٹ ہاتھ بڑھا کے اسے اپنے بازو میں گھسٹ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی ٹھوڑی آٹھا کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ وہ اور کنگو گئی جن دواں کو اس نے لگا اور اپنی زبان میں پتہ نہر کیا کیا کہنا کہ ہم ہم بوسہ ہی ہیں رانی، ”جھل اس کا سر جھٹ پھلاتے ہوئے بول رہا تھا۔ سولہ نے فوراً توجہ کر دیا تاشاف نے ایک پل کے لیے بھی اپنی تھوڑی تھیلی میں اس آٹھا میں۔ اس کے ہاتھ بڑی طرح پکڑ لیے تھے اور خزاں کا سر جھل رنگ جھل ملانے سا لگتا تھا۔ جھل سے ہاتھ پھڑا کے وہ سر جھٹ بھاگتی ہوئی آٹھا آٹھا کہیں اور چل پڑی۔ بالکل لونی گولی ہے بغیر صاف کی، ”جھل نے ہنس کے کہا اور مادی کی گون پکڑ کے جھٹلے دینے لگا جو بہت سا لگتا تھا۔ ہم سب مدھے سلطان کے کمرے میں آگئے۔ وہ آنکھیں مڑے مڑے تیرے آرا کر رہا تھا۔ ہماری آہٹ پر وہ آٹھ کے پیچھے گیا۔ جھل نے تین چار باد اس کا پیچھے بڑا اور مڑو دیکھ دیا۔ اب اسے کوئی خاص کیفیت نہیں معلوم ہوتی تھی لیکن اس کے پوٹے مڑے ہوئے تھے۔ جیسے وہ بھر پور رہا ہو۔ وہ گردن ڈالے ہوئے تھیں ہاں میں جھل کو جواب دیتا رہا۔ جھل اس کے پاس چند منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہرا ہوگا کہ جاہلو اور مادی کو اپنے واپس آنے تک گھر میں لینے کی بات کر کے پھر سائیاں میں آ گیا اور جن دواں کو اس کے اس منہ مندوں کے علاقے میں جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں جھل کی جھل جن دواں کو لے لینے کے لیے ایسا کہہ رہا ہے۔

خام ہو رہی تھی اور اب رہا جھل تھا۔ چن دواں نے دلے دلے میں وقت زیادہ ہوجانے کا غور کر کے رکھنے کی کوشش کی لیکن جھل اس کی بات مستی آن کی کرتا ہوا دروازہ کھول کے باہر نکل آیا۔ سولہ کو بھی اس نے ساتھ لے لکھا تھا۔
”آپ جانے کے خیال سے میا دل ایک لم دھڑوٹھڑا نہ لگا تھا۔ میں نے سوچا، جھل کو منع کروں۔ پھر اسے آجماں کے سامنے میں جایا جائے گا، میں نوٹن کے سامنے کھڑا بھی رہ سکوں گا، میں اسے کیا کہوں گا میری زبان سے ایک لفظ نہیں پھوٹے گا اور انھوں نے اگر کچھ کا تو مجھ سے سنائیں جائے گا۔ مجھے ان کی آنکھوں سے شروع ہی سے ڈر لگتا ہے۔ اسی لیے میں کو کر لے کے گھر سے نکل گیا تھا۔ میں نے پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ وہ وہاں لے گئے تو مجھے اور اسے ہر وقت ان کی نگاہیں کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر ان کے منہ سے کوئی ایسی ویسی بات نکل گئی، وہ کچھ خیال ہی نہیں کہتے تھے، جہل میں بڑا تھا، فوراً کہہ دیتے تھے اور انھیں لے کر کچھ بھی دیتا تھا۔ اگرچہ جلدی نہ کرنا اور میں چار دن گھر میں اور کچھ جانا، ان کی خوشامد کر لیا کہ وہ کرا کر لوپس کے حوالے نہ کریں تو کہیں تھا، اس دوران وہ کرا لائے ہوئے کا غناظ پر نظر ڈال لیتے اور شاید کرا سے ان کا دیتے بل جاتا۔ وہ آئے محفوظ کر کے رکھتے مگر پھر وہ اس سے جلد سے جلد چھٹکا رہا بھی حال کرنے کی کوشش کر سکتے تھے کیونکہ کرا کا گھر میں ہونا ایک مسلسل خطرہ تھا۔ میں نے جھل کی ہی کیا تھا۔ میرے پاس اس کے پورا کوئی صورت نہیں تھی کہ میں اسے لے کے دو کھل جانوں۔ میرے سینے میں شہر سا ہورہا تھا۔ ایک ایک بات یاد آ رہی تھی۔ جھل آؤ پر بڑھتا رہا۔ ہم پہنچیں کہیں نہیں رکے تھے محروما دھارستہ طے کیا ہوگا کہ بڑا باندی ہوئے لگی اور پھر برط وہی اندھ لڑ چھلنے لگا جس سے مجھے بہت دشت ہوئی تھی۔ تمام ہونے ہی پاؤں پر پھوٹا کاسا ملادی ہوجانا مجھے دو تیاں سب مر گئے ہیں اور ہمارا ان کے سنگ میں خاموش کھڑے ہوں کچھ پتہ نہ ہوگا۔ اندھ لڑ سڑی سڑی سا رہا۔ گک ڈنڈاں نظر آتی تھیں۔ آؤ پہنچتے پہنچتے سر سر دھندل جھل ہوئی تھی۔ اور کی وجہ سے چارہ بھی جھپا ہوا تھا۔ ہمارے تین بھی اور دھندل بھی ابھی بہت تھی۔ ہماری آنکھوں میں اتنا اندھ لڑ نہیں تھا اور جھل نے ہمارے جی روشن کر دی تھی۔ ایک دوسرے کو جیتے ہوئے ہمیں جھل جھل کے کم اور جھلوان زمین پر پیر کر رہے تھے۔ جانے سے پچھلے کسی کی چپ نہیں تھی۔ جیسے وہی سے مندوں کے علاقے میں جھلوکتی ہوئی شعلوں کی روشنی دکھائی دینے لگی تھی۔ لگتا تھا کہ خا صلا بہت کم و گیا ہے لیکن یہ نظر کا دھوکا ثابت ہوتا تھا۔ کاش تیز ہوجاتی تو مارے پڑے جھگ جاتے۔ یہاں کوئی سا بھی نہیں تھا۔ جی تین اندھ لڑوں

کے درمیان ایک بڑا علاقہ تھا اب اس لیے خال دکھا گیا تھا کہ مندر پر سکون رہیں۔ اور جانے کے لیے کہیں کہیں پاؤں پر پڑھیاں ہی ہی ہوئی تھیں۔ ہم نے اپنی ڈگر میں جھوٹی اداسی اسٹایلا کا نتیجہ یہ نکالا کہ کم بہت جلد مندوں کے علاقے میں پہنچ گئے اور زمین تلک پڑی تھی۔
”تمام بڑے اور چھوٹے مندوں میں شعلیں روشن تھیں کھلے آسمان کے نیچے کوک بڑھ کر دینا مات موتی کے سامنے ایک بڑا آؤ دک رہا تھا اور غصہ تو دواں راہب ہم گم گم بیٹھے ہوئے تھے۔ سب سے بڑی عمارت کے اندھ لڑ وہی روشنی ہو رہی تھی اور وہ داری میں راہبوں کی پہل پہل تھی۔ گونے ہوئے چند ہی راہبوں نے رخ پلٹ کے ہیں دیکھا ہوگا۔ ہمارے کپڑے خاصے جھگ گتے تھے۔ ٹھنڈے جسم نے جا لیے تھے۔ سولہ تو رات ٹھیک ٹھیک رہا تھا اس لیے ہم موتی کے سامنے راہبوں کے ساتھ آؤ کے گرد بیٹھ گئے۔ آگ کی پشش سے ہم میں کسی توجہ و حرکت غموں ہوئی مگر میرے ہاتھ بیروں کی پکیبی دُور نہیں ہوئی۔ ہم ان آنکھوں سے دواں موجود راہبوں کے چہرے سوز سے دیکھتے رہے۔ ان راہبان میں اندھ لڑ نہیں تھے۔ راہبان میں اندھ لڑ نہیں میں نظر نہیں آئے۔ مندوں میں کسی نے ہماری موجودی پر اعتراض نہیں کیا تھا جس وقت ہم بڑے مند کی پڑھیاں ملے کر کے وہیں آگے مادی کی جگہ پر بیٹھے تو کھانا تیسرے ہورہا تھا۔ ایک بڑی عمارت تھی۔ بڑے بڑے ہالوں اور کونوں کے اطراف چوڑے اور لمبے خمیں پر مچی ہوئی راہ داری تھی۔ اندھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے ایسی ہی تنگ اور کشادہ گلیاں تھیں شعلیں ہر کونے پر سب تھیں لیکن روشنی اتنی زیادہ نہیں تھی۔ کھانا تیسرے کمرے ہوئے ہماری جب ہماری جانب آئے تو ہم سے پوچھ پچھ کر کے ہمارے آگے مٹی کا پالہ رکھ دیا، دوسرے نے اس میں تیل ڈال اور میری کا ایک ایک بچا چاؤں دیا۔ تیسرے نے مٹی میں تیل چھانی پر رکھ دیں۔ راہ داری میں ہر طرف راہب قطار سے بیٹھے ہوئے تھے۔ جہاں تک ہماری نظر پڑتی تھی، راہبان میں تھے۔ جھل اور سولہ نے میرے ہونے کا کھانا کھایا۔ میرے ملنے سے ایک لکڑی میں میں اتر رہا تھا۔ کھانے کے بعد راہب مندر ہوئے گئے۔ ہم نے عمارت کے گرد دوری راہ داری کا پچھڑ لگا کے دیکھ دیا لیکن مندوں میں رہنے والے تمام راہب صرف ہمیں نہیں تھے اور بھی عمارتیں خالے خالے پر بنی ہوئی تھیں۔ چند کوک میں ہاں آنے سے پہلے ہی دیکھتے آئے تھے۔ ہمارا یوں بر عمارت میں نکلا اور کچھ دیر ٹھہر کے واپس آ جانا مناسب نہیں تھا پھر بھی ہم مختلف مندوں میں جاتے رہے۔ باہر نکل ہوئی نگاہوں پر آکا دکھا راہب دنیا دیا۔ ماسا سے بے خبر اپنے آپ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ انھیں سڑی بھی نہیں لگی تھی۔ اندھ سے میں ان کے خط و فعال صاف نظر نہیں آتے تھے مگر ان میں راہبان ہوتے نوٹن کا جگہ ہم ملے ہوئے

پہچان سکتے تھے اور وہ ایسی شفقت کے مادی نہیں ہوں گے۔ انھیں
میلان آئے ہوئے وقت بھی زیادہ نہیں ہوا تھا یا شاید وہ مادی ہوں بھی
کون کبہرے کا تھا کرتے عرصے انھوں نے کہاں کہاں وقت گزارا ہے۔
چلتے چلتے مادی رنگیں کارٹن لگی تھیں۔ کئی عمارتوں میں ان کا
کوئی نشان نہ ملا تو ہم دو بار بڑے مندر میں آ گئے۔ اب ایک ہی صورت
وہ گئی تھی کہ راہبوں کے آشرم کا رُخ کریں جہاں ان گنت لکھیا میں بنی
ہوئی تھیں۔ ہم نے اب تک مارے آشرم میں جانے سے اسی سبب
پیلوٹی کی تھی کہ ابھی رات زیادہ نہیں ہوئی تھی۔ راہبوں کی ایک بڑی
تعداد مندر میں موجود تھی۔ بڑے مندر کی عمارت میں وہی دینی سرگوشاں
گونج رہی تھیں اور آبا جان کا دودھ دوسرے نہیں تھا کہیں وہ چلے دنگے
ہوں۔ مجھے بار بار یہ خیال آتا تھا حالانکہ میری سبب بات تھی۔ جس دن
ہم نے انھیں دیکھا تھا۔ انھیں اسی دن یا اس کے دوسرے ہی دن روانہ
ہوئے تھے۔ انھیں دیکھا کہ وہ چلے ہی گئے ہیں۔ مجھے چاہے وہ نہ لیں،
پھر سے کیسے کھو جائیں مگر کسی طرح میں سے دودھ جو میں بیل لے لے
کے لیے ہی دعا کر رہا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہوں گے۔
نہا کرے وہ کامیاب ہی لوٹے ہوں وہ نہ پھر زندہ نہیں رہیں گے۔
اتنے عرصے کوئی بھی اپنی امتدین نام کام ہونے پر زندہ نہیں رہتا۔ ایک
میں ہی بے کس تھا۔

خجل اور سولم ابھی یاروں میں بیٹھے تھے۔ راہبوں سے مندر خالی
ہونے لگا۔ شعلیں ہم کو بونی گئیں اور ایک سوگرا رنگت عمارت کے
دو دروازے پر سٹھ ہو گیا تو ہمیں روک کے خجل عمارت میں گھونٹنے چلا
لیا۔ وہ چھپتا چھپتا آگیا تھا اور غامضی دیر بعد واپس آیا۔ واپس میں اس
کی چال ہی سے مجھے اس کی ناک کا اندازہ ہو گیا تھا مندر میں چند راہب
و گئے تھے اور وہ سب کے سب راتوں میں کھوٹے ہوئے تھے۔ کئی
بجاری ہیں وہاں بیٹھا ہوا دیکھ کے جھجکتے ہوئے گزر گئے۔ ان کا فطرت
ہیٹنا مندر کے انتظام سے ہو گیا۔ پھر ایک مگر بجاری نے آکے زم لیے ہیں
ہم سے پوچھا کہ ہمیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ چاہے بجائے تو سولم نے
جواب دیا کہ ہم ایک رات گزارنا چاہتے ہیں سو ہی سے اس کی آواز مٹھ
ہی تھی بجاری نے ہم تینوں کو رتم آہر بڑا ہوں سے دیکھا اور شورہ دیا
پر ہم مارے چلے جائیں، وہاں ہم رات آرام سے گزرا کیسے گے لیکن
خجل مارے جانائیں جانتا تھا غرض فری نہیں تھا کہ آبا جان اپنی کتاب سے
اہر ہوں ہم ہر کتاب میں جہاں جہاں تک کے بھی نہیں دیکھ سکتے تھے تاہم
میں مندر سے اٹھنا ہی چاہا۔ ویسے بھی ہم وہاں ساری رات گزارنے کا
کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے۔ وسندہ رشتی بجاری تھی۔ اس سے میں عازل
کے درمیان آنے جانے میں آسانی ہو گئی کیونکہ فطرت حرکت چند گز کے فاصلے
ہی تک وہیں جا سکتی تھی۔ یہاں سے وہاں اس جگہ سے اس جگہ مسلسل

چلتے سوتہ میں رات کا بڑا حصہ بیت گیا تھا۔ سولم اور خجل کی فدا میں
پہلے میں تیری نہیں رہی تھی میری ناچنگ تو پہلے ہی شل تھیں۔ ناچار
ہم مارے میں آ گئے۔ یہاں نکل جھانکا جھانکا چھوٹوں کی کتابوں کے
بیشتر دروازے بند تھے۔ پہلے ہم دودھ دیکھنا چھوٹوں کے درمیان دھکے کھونٹے
راستوں کے پھر لگاتے رہے۔ وہاں بھی ان کی کوئی ٹنگ نہیں مل تو مارے
کے ایک وسیع و عریض ہال میں چلے آئے۔ سالاد میبلوں کے درمیان اس
ہال میں گنگھی رہتی ہوئی، اب وہاں پڑا تھا۔ اندر کسی مدیک گئی تھی
لیکن یہی بھی نہیں کہ کسی قسم سے کمر کا کے زات گزار دیں۔ بڑے
مندر کے دروبت نے کہا تھا کہ مارے میں ہیں بہتر مل جائیں گے۔
یہاں کوئی شخص جاگا ہوا نہیں تھا کسی تعلق آدمی کو ڈھونڈنے کی کوشش
میں سولم کو ہال کے آئینہ میں گرے میں ایک شخص سوتا ہوا مل گیا۔ سولم
کسی جھجک کے بغیر لے ہو گئے۔ وہ پڑ پڑا کے اٹھا اور میں دھکے
کے دو کھلا گیا۔ حواس بجا ہونے پر اس نے ہال میں ایک جانب بنی
ہوئی کوشن لیں کی طرف بڑھنا ہی انداز میں اشارہ کیا۔ وہاں بیٹوں کا کانا
لگا ہوا تھا۔ اسی شخص نے ہمیں کھلی ہوئی کتابوں میں جانے کی صلاح
دی تھی مگر ہم ہال کے کاناے دروازے کے قریب بہتر لگا کے
رات بھی میسر ہوئی سے کاناہی تھی اور خوشنکی ہوئی بیت
رہی تھی۔ خجل اپنا جسم کیوے لمبی لمبی سالیں پھینچ رہا تھا۔ سولم بھی
کرو میں بل رہا تھا۔ بہتر سوتے۔ رفتہ رفتہ وہاں سے ہم کی حرارت
سے گرم ہونے اور ان میں بلان کی ایک کو بھی لمبی ہوئی تھی لیکن ہم کسی طور
انھیں اپنے جسم سے جدا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ بلکہ ہمارا پس
چلتا تو انھیں اپنے اندر جذب کر لینے تاکہ ہم ہال میں کچھ اندر نہ لگتے
تو شاید اپنی خند غصوں نہ ہوتی۔ کاناہے پر ہونے کی وجہ سے بجائے برا
ہالے ہالوں پر طالعے ہادی گوردی تھی۔ ہم تینوں میں سے کسی کو بھی نیند
نہیں آئی۔

رات کا آخری حصہ ہو گیا کہ ہم نے کسی کی آہٹ منی سب سے پہلے
خجل چوٹک کے اٹھا پھر میں۔ کنگھ دروازے کے سوتوں میں ہمیں
کوئی سایہ مار گیا۔ برا نظر آیا تھا۔ اس سے قبل کہ وہ دور چلا جاتا اور وسندہ
میں اوچل ہو جاتا، خجل بہتر سے اوچل کے خجل کے کہیں کے مل جاتے لگا میں
نے اور سولم نے بھی بہتر ہوئے تو قریب جا کے خجل خشک کے رک
گیا۔ وہ کوئی راہب تھا۔ تمام جسم کھیل کے سے لہاے میں پٹا ہوا مارا
منہ مفلوں میں جیسے ہوئے۔ اس نے بھی جاری چاہ کن کی تھی بلکہ
کے جاری طوف دیکھا۔ خجل فوراً اس کے آگے آگیا اور اس سے پہلے
کر رہا اب اس سے کچھ پوچھتا، خجل نے اس کے منہ پر ہاتھ رک کے غطر
نیچے نیچے یا اور بڑی کی روشنی اس کے چہرے پر پھینکی میرے دل کی
حرکت بند ہوئے گی۔ وہ آبا جان ہی تھے۔ روشنی سے ان کی آنکھیں پڑ جا

گئیں اور انھوں نے اپنا منہ پھیر کے بڑھائی انداز میں پوچھا کیا ہے؟
انھوں نے تپتی زبان میں کہا تھا۔
”وہاں ہمارے ساتھ آؤ بڑے صاحب! خجل نے پٹری جھکا کے
مرگو کشی کی۔

آبا جان نے بہتر تپتی زبان میں سرکاری سے کچھ کہا۔
”بڑے صاحب! ہم کہتے ہیں آپ ہندوستانی سمجھتے ہو۔ میا
میں بول رہا ہوں دیکھا ہی کرو۔ خجل نے زنی سے کہا۔ ہم کہتے ہیں آپ
کچھ بات کرنا ہے۔“

”میں... میں ہندوستانی سمجھتا ہوں۔“ آبا جان نے لڑیہ لیے
میں کہا۔ ”مگر آپ کو کچھ سے کیا کام ہے؟“
”کچھ کام ہی ہے پر مجھ کو لگنے کے لیے خجک نہیں ہے۔“
”آپ کون لوگ ہیں؟“

”اپنے ہی میں ہیں۔ ہوتا ہوں گے اور نہیں بڑے صاحب!“
”مگر آپ، آپ کیا چاہتے ہیں؟“
”آپ کا بھلا ہی چاہتے ہیں؟“
”کیسا بھلا! میں... میں ایک“

”ادھر میں بڑے صاحب! خجل نے قتل کے کہا۔
”کچھ کرنا؟“ آبا جان نے کسی قدر ناگاری سے پوچھا۔
”جہاں آپ آچھا بھجو کسی کتاب میں چلو“

آبا جان کی آواز وہی تھی، کردہ مرگو کشی میں بات کر رہے تھے
لیکن ان کے لہجے میں وہی بھاری بھر پور تھا، وہی کوئی گنجی تھے
بت ڈانگ رہا تھا کہ میں خجل کی زبان سے کچھ نہ جانے نہیں
غصہ آئے ہیں زرا بھی دیر نہیں گنتی تھی۔ خجل نے جب ان کے چہرے
سے غطر کھینچا تھا تو وہ بہت گھبرا گئے تھے۔ ان کا سارا وجود لرزے رہا
گیا مگر انھوں نے بہت جلد اپنی آواز پر قابو پا لیا اور تپتی زبان میں
بات کرنے کی حجت بھی نہیں کی۔ میرا خجل خشک ہو گیا تھا۔ آئے طالعے
لمحوں کے خیال سے براؤں گھٹا مارا تھا۔

”آپ کو کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔“ آبا جان نے ملائت سے کہا۔
”ہو سکتا ہے بڑے صاحب! پر اسے دودھ کرنے کے لیے اپنا ساتھ ملاؤ۔
آبا جان نے زیادہ تال نہیں کیا اور خود ہی کتابوں کی طرف بڑھ
گئے۔ میں میرے پیر کھینچے رہی تھی خجل نے پشت سے میرا کوٹ
پکڑ لیا۔ ہم آہستہ آہستہ سے چلتے ہوئے کھلی ہوئی کتابوں کے وسط کی
ایک کتابیں آ گئے۔ وہ زیادہ لمبی چوڑی نہیں تھی۔ زمین پر خشک گھاس
پھٹی ہوئی تھی اور اندر گرا دیا تھا۔ سولم کو ابراہن نے کی بدلت کے خجل نے
دراز نہ بند کیا۔ چھوٹوں کی ان موٹی دواڑوں سے ہماری آواز باہر نہیں جا
سکتی تھی۔ آبا جان باکل ساکت بیٹھے تھے۔ خجل نے دیکھا سانی جلا کے چراغ

روشن کر دیا۔ کتابیں لڑتی ہوئی روشنی پھیل گئی۔ بڑے صاحب! زیادہ
بات کرنے کا وقت نہیں ہے۔ ہم آپ کی تلاش میں بہت دور سے
آئے ہیں۔“

”میری تلاش میں! آبا جان نے تعجب سے کہا۔
”ہاں جی آپ کی تلاش میں اور کم کوسب پتہ ہے۔ آپ ہم
سے کچھ چھپا نامت۔ ورنہ تاہم برابر ہو گا۔ پہلے میں بول دوں کہ ہم لوگ
آپ کے بغیر نہیں ہیں۔ اپنے دل سے ایسے تمام خیال نکال دو۔“
”میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ آبا جان کی آواز ٹھٹھکی سی تھی۔
”آپ کی سمجھ میں سب آجائے گا۔ کل بھی ہم نے ادھر آپ کو دیکھا
تھا۔ پر آپ سے اتنے لوگوں کے سامنے بات کرنا خشک نہیں تھی۔“

”آپ اپنا مقصد... آگے بات کریں۔“
”کیا بات کر رہے صاحب! سوچتے ہیں کھرے کر لیں خجل
کسمائے ہوئے بولا۔ آپ سن بھی سکو گے باتیں۔“

”میں سب سن رہا ہوں۔“ آبا جان نے بے چینی سے کہا۔ مگر میں
آپ سے پھر کسمائے ہیں آپ کو کوئی بڑی غلط فہمی ہو رہی ہے۔“
”آپ مفرد خال صاحب نہیں ہو!“

”اپنا نام سن کے آبا جان کے ہونٹ چڑھنے لگے۔ میرا
نام۔ میں ایک بھکسو ہوں اور میرا نام مفرد خال نہیں ہے۔“ انھوں نے
”تیزی سے کہا۔

”اب تو کچھ بھی نہیں، پر پہلے کبھی تھا۔“ خجل کی آواز بھی ہی ہی۔
”میں کیا شرمیں آپ کا پتہ بھی بولوں کیا؟ بڑے صاحب! آپ اپنا
تعلیق بدل سکتے ہو تو نا تو نہیں۔“ آبا جان نے دہرایا۔
”مگر میں آپ سے کیا کہہ رہا ہوں۔“

”میں جان رہا ہوں بڑے صاحب! میرا نام کا فیصلہ پھر کر لینا۔ ادھر
دیکھو یہ کرن چھاپا ہے۔ یہ کون چھاپا ہے۔ اس جہاں کا نام آبا ہے۔ یہ سب
آپ کو ایسا کوئی نام!“

”اب۔۔۔ آبا جان! آواز گھٹ گئی۔
مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ آبا جان مجھے بھی پہچاننے سے انکار کر دیں
گئے۔ نفی اور جان گیر کے مڈا ہو جانے پر انھوں نے پیچھے ہٹنے میں
دیکھا تھا۔ خجل کی زبانی میرا نام سن کے ان پر سکتا سا طاعن ہو گیا۔ وہ
بھنی ہوئی آنکھوں سے مجھے دیکھتے تھے۔ خجل نے میری خوشنکی آواز پڑا
کے بڑی کی روشنی دکھائی۔ ”کچھ میان پڑا ہے۔ بڑے صاحب؟“
آبا جان کی پٹلیاں پھیل گئیں تھیں اور ان کے چہرے کا رنگ سفید
پڑ گیا تھا۔ میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں لیکن میری سسکیاں نکل پڑیں۔
”میں۔۔۔ میں۔۔۔ آبا جان کی دہلی ہوئی آواز ابھی۔
”روشنی اور کوس بڑے صاحب؟“

آبا جان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں نے اُن کے قدموں پر سر رکھ دیا اور پھر مجھے نہیں معلوم کیا بول چلے صرف اتنا یاد ہے کہ زمانے کب ان کی لاقوتی ہوئی سرد انگلیاں مجھے اپنے بالوں میں سرسختی محسوس ہوئیں میری پچکیاں بندھی ہوئی تھیں جب آبا جان نے میرا چہرہ اپنے استخوانی ہاتھوں سے سامنے کیا تب میں انھیں بچھو کر مٹاؤں کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے جھپٹ کے میرا چہرہ اپنی گود میں دھجک لیا۔ ابرا! اُن کی دھڑکتی ہوئی آواز جیسے کہیں دور سے آ رہی تھی۔ یہ تو میری ہے برادر!

میری زبان پر نالغ کر گیا تھا۔

”تو کمان چلا گیا تھا؟“

”اس سے کچھ مدت پرچھوڑے صاحب! ہاتھ پر دیکھو۔ ٹھیک سلامت ہیں۔“ فحش نے کہا۔

”شاہدیں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں میرے داغ میں نہ جانے کیا کیا... اُن کا گلزار مندہ نگاہ لیکن میرا دل کتنا تھا، میرا بار کبھی مجھ سے ضرور ملے گا۔“

وہ منہ ہی منہ میں معلوم کیا کیا کہتے رہے۔

”ادرا اس کا دل بھی ایسا ہی بولتا تھا۔“

”وہ میرے خدا میرے خدا! وہ میری پشانی اور انگلیاں استخوان چومنے لگے۔ اُن کے ہاتھوں کو رزاق نہیں تھا کبھی وہ میرا چہرہ مٹاؤں گے، کبھی باز کبھی میری پشانی کو بوسے دیتے کبھی آنکھوں کو۔ انھیں یقین نہیں آتا تھا کہ میں اُن کے سامنے ہوں اور یہ بھی میرا رب ایک تصور مالکِ دل تھا۔ دیر ہو گئی، وہ مجھے اپنے سینے میں چھپنے آہیں بھرتے رہے مگر کون تو یہاں تک کہیے آگیا؟ انھیں ایک دم خیال آیا۔“ میں آگیا بڑے صاحب! فحش نے کہا۔ ہم نے سوچا کہ آپ جس چیز کی تلاش میں ادھر کمر بوندے ہو، ہم راتے ہی جاکے آپ کو اس سے بڑی خبر دے دیں۔“

”آپ... آپ کا آبا جان خفائی انداز میں بولے۔ کس چیز کی تلاش!“

”بڑے صاحب! ایسے وقت میں کچھ کو آپ سے کچھ بولنا نہیں چاہیے تھا۔ بارات بھاگ رہی ہے۔ سو براہِ رونے سے پہلے ہم کو ادھر سے دفع ہو جانا چاہیے۔ ایک تو ہم کو اس کو دکھانا تھا چہرہ ایک بات اور لہجہ بھی۔“

”کیسے؟ آبا جان بے قراری سے بولے۔“

”آپ بہت بڑے خطرے میں ہو۔“

”آپ کا کیا مطلب ہے؟“

”میری بات پہلے پوری طرح سن کر بڑے صاحب! یہ فیصلے

لوگ زماں میں کٹ کٹے ہوئے ہیں۔ ان کے سر کا کوئی جھڑا نہیں ہے! کس وقت آلت ہو جائے۔ اپنے آپ پر بھی شک کرتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہو کہ آپ یہاں محفوظ ہو۔ ادھر بھی ان کے لوگ آپ بیٹے پر ہرپ ہیں ہوں گے۔ ادھر آپ ایکلے ہو بھی اب آگئے ہیں۔ پرچہ انھی کی ہے اور راتے ہی بڑے نہیں ہیں۔ ان کی آنکھیں کوئی دن پرچہ اور کس دن زیادہ دیکھنے لگا اور ایسا کرتی ہے جو ان کی امانت اپنے ہاتھ رکھتا ہے تو جھگڑنے والے یہ لوگ جنگل کی بولی بولیں گے ابھی ٹھیک طرح بات کرتے ہیں تو ٹھیک ہے! آبا جان نے بیچ میں دخل دینے کے لیے لب کھولے۔ فحش نے انھیں روک دیا۔ آپ کتنے رہو! جھکو پتہ ہے آپ کیا جواب دو گے پر بڑے صاحب! سوچ کچھ کے بولنا! اُٹھ جواب سے کام آتا ہو جائے گا۔ آپ یہاں سے فوراً لوٹ جلاؤ ابھی آپ کو یہ شیر برسنہ زبردل گیا ہے۔ یہ بھی آپ کے لیے دولت ہے۔“

”آپ کس امانت کی بات کر رہے ہیں؟ آبا جان دشت سے بولے۔“

”وہی جو اس زارت لڑکی آپ کے پاس چھوڑ گئی تھی۔ بڑے صاحب! ہم کو سب پتہ ہے۔ ہم کو ٹول کے نام اکارت مت کرو۔ وہ اپنے کاغذوں کے لیے سینگ نکالے چھ رہے ہیں۔ میں نے اُن سے بولا ہے کہ میں اُن کو دے دوں گا اور اس کے بدلے وہ ہمیں دولت دیں گے۔ آپ وہ ساری دولت لے لینا۔ پہلے لے لینا، بعد کو کاغذ اُن کے ہتھ مارنا۔ وہ کچھ نہیں سمجھیں گی۔“

”میرے پاس اپنے کوئی کاغذات نہیں ہیں! آبا جان نے نفی سے کہا۔ بڑے صاحب! ہم پر چھوڑا کرو، ہم کچھ نہیں چاہیے۔ ابھی دیکھو ادھر ابھی تھکے سامنے ہے۔ اُدھر چھوٹا جہاں گیر بھی ہم کو مل گیا ہے۔“

”جہاں گیر دُعا، وہ کہاں ہے؟“

”وہ میرے باپ کے ساتھ ہے۔ فحش نے نفی کا ذکر نہیں کیا۔ میرے منہ پر اس کا نام آتے آتے وہ گلیکین میں نفی کے ہاتھ میں اُن سے کہتا بھی کیا ہے کیا ہے بتا کر وہ مجھے کہاں نظر آئی تھی اور کتنی دیر کے لیے! ادھر آپ کے دو بیٹے ہیں۔ اس کے پاس بھی بہت پیسہ ہے نقدی سونے جاگیر پر ٹھہراں کھا میں پھر بھی بچ جائے اور یہ سب مذہبی بونا تو ہاتھ پر کاٹا ہوا ہے مڑا اس کا آئیں ہے۔ یہ پورا راسو نے کا ہے۔“

”منا کیا ہے؟ آبا جان رشتہ زدہ آواز میں بولے۔“

”منا ایک دم ٹھیک ہے۔ پڑھتا ہے۔“

”وہ کہاں سے ملا؟“

”انجی جگڑا۔ فحش نے تندہ لہجے میں کہا۔ آپ میری بات کا جواب دو، یہ سب بعد میں وقت ملے تو پوچھنا۔“

”آپ کیا پوچھ رہے تھے؟“

”میں کاغذ کی بات بول رہا تھا۔“

”مگر میرے پاس کوئی کاغذات نہیں ہیں۔“

”بڑے صاحب! زماں سے آپ رات دن کیا کھوج رہے تھے؟ آپ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ ٹھیک ہے آپ کے پاس وہ نہیں ہیں تو آپ ہمارے ساتھ واپس جلاؤ ابھی ہم ادھر تک نکل سکتے ہیں۔“

”میں... میں ابھی یہاں سے نہیں جاسکتا۔“

”آپ کو چلنے کا ہاتھ ہے بڑے صاحب!“

”مجھے یہاں سے جانے میں کچھ عرصہ اور ملے گا۔“

”وہی میں بول رہا ہوں آپ اس عرصے کو جہنم میں ڈالو سب چھوڑ کے ہمارے ساتھ چلے پلوں۔ ہماری بات مان لو نہیں تو لاڈ لے سے پوچھ لو میرا نہیں تو اس کا بھی بھروسہ کر لو۔ اس کا خون سچا ہے تو یہ آپ سے بر نہیں کرے گا۔“

”میں نے آپ سے کیا کہا ہے میں ابھی واپس نہیں جاسکتا۔“

”کوئی بھی اتنی قدرت خدا دھوپ کرنے اور ادھر دُور آنے کے بعد واپس کوئی نہیں ہوگا۔ چھو پتہ ہے آپ بھی انکار کرنے پر ہو گے۔ بڑے صاحب! میں نہیں بولتا کہ آپ کے کاغذ میں جو کچھ ہے، وہ سب اُس سے بٹھیں نہیں جئے اس سے بہت بڑی ہو سکتا ہے۔ پو۔“

”سب بچتے رہے۔ آپ کو گام بچونے میں اتنا وقت لگا ہے۔ لگام اب بھی چھوٹ سکتی ہے۔ آگے! استرا تا صاف نہیں ہوگا اب تک آپ دواؤں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پرا دھو کر دواؤں میں ہے۔ واپسی کا راستہ مشکل ہے۔ کہیں پرالیت ہو گیا تو دوبارہ جانے کا موقع نہیں ملے گا اور اٹھانے والا بھی ادھر کو نہیں ہوگا۔ تھوڑے کے کو بہت مانو۔“

”جناب! میری آپ سے درخواست ہے کہ آپ اندرا کو کم اس مسئلے میں کوئی دخل مت دیجیے۔ آپ کے بقول میں نے اتنی گناہ

دو کی ہے تو میں ہی نہیں کی ہوگی۔ میں بیان تک ان کے پیچھے نہیں جا سکتا۔ اندرا میرا ہی مجھے معذور سمجھے۔“

”لیکن بڑے صاحب! ہم تو معذور نہیں ہیں۔“

”میں نے درخواست کی ہے۔“

”وہ دوڑ دھوپ اور تھی بڑے صاحب! یہ اور ہے۔ مجھ کو بچ

میں بولنا نہیں چاہیے۔ پر ساری زندگی اپنا کام ہی رہا ہے۔“

”دیکھیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے۔“

”آپ ہم کو نہیں جانتے ہو۔ آپ کو ہمارے کہنے پر شک ہے۔ نا۔“

”باہرے گھلا پڑا ہے۔ اس کے پاس جانا تو بھی ہے تنہا بھی۔ دونوں کو

چلا نا بھی آئے۔ میں اس کو دکھا کے آپ سے کچھ مانگنے نہیں آیا ہوں۔ پیسہ اپنے کو بھی اچھا لگتا ہے، یہ اپنے سے زیادہ نہیں۔ آپ

کے پاس پیسہ ہوگا، اپنا کچھ نہیں بچو گے گا۔ پر ہم کو یقین ہو کہ آپ کا جی کچھ نہیں بچو گے گا تو ہم ادھر سے چلے جائیں گے۔“

”میرے ذہن میں بدگمانی نہیں ہے۔ جانا زماں آپ کی مرضی

پر منحصر ہے! آبا جان نے قرعہ روتی سے کہا۔ آپ کا یہاں آنے

سے صرف ایک ہی مقصد تھا تو مجھے افسوس ہے اور میرے پاس لفظ

نہیں کہ باہر کے سطلے میں آپ سے کچھ کہہ سکوں جس کے لیے کسی معجزے

سے محم نہیں ہے۔ میں مجبور میں لوٹ نہیں سکتا۔ مٹنا آپ مار لو کریں

گئے مجھے شرمندگی ہوگی۔ میرا یہاں کچھ ہو جائے گا تو اس کا زماں میں

خود ہوں گا۔ اگر اب بھی آپ کے دل میں ہے کہ میرے پاس کوئی

کاغذات ہیں تو ایسا نہیں ہے۔ میں اتنی بڑی مٹلی نہیں کر سکتا تھا کہ

انھیں اپنے ساتھ لانا۔“

”پھر کو ایسا ہی لگتا ہے۔ ایسا ہے تو بہت اچھا ہے۔ بڑے صاحب!۔“

”بھی سمجھے۔“

”آپ بولتے ہو تو میری سمجھ لیتے ہیں۔ پو۔ آپ سے ایک بات

اور پوچھنا ہے کہ آپ یہاں آگے کتنا آگے بڑھے ہو؟“

”میں اس بات سے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔“

”بڑے صاحب! ہم ادھر آکر ادرا جان بوجھ کے آپ کو کیا بلا

نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم کچھ نہیں صرف آپ کی ضرورت ہے۔ ہم کو بولو کہ

آپ کے راتے میں ابھی کیا دوا ہے۔ آپ کو بل دینا چاہیے۔“

”کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ آبا جان جھمکتے ہوئے بولے۔ اگر آپ کی

مرا دیری دے رہے تو مجھے کسی دیکھ ضرورت نہیں ہے۔“

”آپ پوری بات نہیں سمجھ رہے ہو بڑے صاحب! اتنی باتیں

سن کے بھی اپنے آپ کو دھوکے لے رہے ہو۔ ہم بولتے ہیں کہ ہم

حصہ لینے نہیں آئے ہیں۔ جانے کا حصہ جو مان گیا ہے۔ اُسے آپ

نہیں روک سکتے ہو۔ دیکھ کا بھینچا پھر سکتے ہو۔ پر وہ خود ہی آپ سے

کچھ نہیں بول رہا ہے۔ معاملے کی بات ہو تو اتنی دیر دنگی۔ آپ کے

پاس کاغذات نہیں ہیں۔ پو۔ آپ تو ادھر ہوا اور آپ ہی بتاؤ یہ جانتے

ہوئے کہ کوئی ادھر بھی ادھر آگیا ہے۔ آپ آگے ٹھیک کام کر سکتے ہو؟

وہ چاہے تو آپ... آپ۔“

”فحش جانی! میں نے پہلی بار زبان کھولی۔ فحش کی آواز میں

نکلت آگئی تھی۔ مجھے اس کی آواز کی خوب پہچان تھی۔“

”لاڈ لے! تو چوب رہ، پھر کو بولنے دے۔“

”آبا جان۔ میں نے اُن کے پرچہ پڑا لیا۔ فحش بھائی کے منتقلی

غلامت سمجھی۔“

آبا جان کے پیراں سر دھری میں پسینے سے جھیکے ہوئے تھے۔

”میں کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھ سے کچھ حاصل ہو جائے گا؟ وہ بچنے

ہوئے لیے میں بولے۔
 "آپ کو بھی کچھ نہیں معلوم ہوگا کسی کبھی نہیں ہوگا۔
 "وہ آپ کوئی معاملہ کرنا چاہتے ہیں؟ آبا جان نے نہ بڑبڑا کر کہا۔
 "نہیں بڑے صاحب! ہم نے پہلے منع کر دیا ہے۔"
 "یعنی آپ صاف....."
 "جی ہرے صاحب! آپ کو اندازہ ہی مل کی تک نہیں ہوتی۔"
 "میں آپ کو نہیں جانتا۔"
 "بارہ کے ہونے ہوئے ایسا مت بولو میرا جانتا ہے۔"
 "لیکن میں.... میں آبا جان کی زبان لڑکھٹانے لگی۔
 "جھیل بھائی سب آپ کی بستی کے لیے کہہ رہے ہیں۔
 "ماٹھ جوڑ کے ان سے فریاد کی۔ آپ ہمارے ساتھ لوٹ پھرتے ہیں۔
 "نہ پر طرف ہے۔ آپ کو اب کچھ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔"
 "اب کبھی آپ کے پاس سے میں نہیں جاؤں گا۔"
 "برو!" آبا جان ہرے سرے اضطرابی انداز میں ماٹھ پھینے
 لے "برو!" میں جلدی دالیں آبا جان لگا۔ تجھے دیکھنے اور نہنے کی خبر
 خنے کے بعد ایک لمے کے لیے مایوس بیان نہیں لگے گا مگر تو
 بھتا میں ہے میں تجھ سے کیا کہوں! پس آتا جان لے کر ادبی ہرے
 تیار میں نہیں ہے۔ اتنی دودھ کے میں اب واپس نہیں ہو سکتا۔
 بری منزل قریب ہے، بہت قریب اور کوئی نصرت نہیں کر سکتا کہ
 وہ سب کیا ہے۔"
 "لاڈلے! تو اُدھر سے چلا جا میں خود ہی بڑے صاحب سے
 ت کر لوں گا۔ ابھی ذرا وقت ہے۔ باہر دے کے بلاناظر کر۔ اُدھر
 لم بھی کھلے میں کھڑے کھڑے جم گیا ہوگا۔"
 "جھیل بھائی! میں نے اس سے انجان کی۔"
 "جلا ڈالے! تو با بڑے صاحب تیرے ہی ہوا ہیں۔ مجھ کو نہ تھا۔"
 "ن سے اتنی ہی باتیں بولی ہیں کہ اور ادا رہا۔ ایک بار دوسری لے ہوگا۔
 صاحب نے مل ٹھنڈا میں کیا ہم لوٹنے کو لول ہے میں۔ کاغذ وہ اُدھر
 با کے جلا دیں۔ جہاں آتا ہوں۔"
 میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کروں۔ جھیل کی بات مان لوں یا نہیں
 جہاز ہوں میری دواں سے نہ آٹھنے کو جاتا تھا نہ بیٹھے کر میں ہیں بیٹھا
 یا تو جھیل نے میرا کندھا چکے کہ مجھے آبا جان کے پہلو سے جاکر دیا پھر میں
 نہ تو کہ نہیں دیکھا۔
 معلوم ہوا میری سے لپکا ہوا تھا۔

ہو گئے۔ مجھے اس سے آبا جان کے منتقل ہوجھنے کی بے کل تھی لیکن بہت نہیں
 پڑتی تھی۔ جھیل کا چہرہ بھی اس طرح اندھیرے میں چھپا ہوا تھا کہ کوئی اندازہ
 نہیں ہو سکتا تھا۔ سب ٹھیک ہے لاڈلے! کچھ ترقی کے بعد بہتر
 میں کسی حد تک بری ہو گئی تو اس نے میری گردن میں ہاتھ ڈال کے کہا۔
 "کیا دیا ہو گئے؟" میں نے بے تابی سے پوچھا۔
 "کیا بولوں لے؟ وہ شرم دگی سے بولا۔
 "ہناؤ نا بھٹے۔"
 "دوبلوں کے آگے اپنا چہرہ بھی سالا لپٹنے لگا ہے۔"
 "کیا کہہ رہے ہو؟"
 "وہ بھی تو ایک دہلی کے محل خانے میں ہے۔"
 "کیسی دہلی؟"
 "تیری طرح ایک دہلی کے۔"
 "میں بھی لگا کہ اس کی مراد کیا ہے۔ یعنی وہ تیار نہیں ہوئے؟"
 "ہو چکی تھیں، نہیں بھی۔"
 "کیا مطلب؟"
 "ابھی کل دیکھیں گے۔"
 "مگر ہر روز تو یہاں نہیں آ سکتے۔"
 "آنا ہی ہوگا لاڈلے! وہ بہر حال تو ہرے بولا۔
 تھوڑی ہی دیر میں اندھل چھٹنے لگا۔ ہم بے نیند ہیں بڑے رنج
 ملنے میں لوگوں کی آمد رفت کی گوج ہمارے کانوں میں بڑھنے لگی تو
 ہم نے بترجیح دیا بہت سے ہیکسٹروں میں موجود تھے اور کچھ لگائیں
 چائے پلائے تھے۔ مجھے بھی ہمارے انھی میں خال ہو گئے۔ کچھ کا کچھ ہشت
 چائے کے ساتھ تھا۔ ہم نے چھتے ہوئے گندم کی چند پھکیاں لی
 ہوں گی کہ آبا جان ہال میں آئے نظر آئے اور میں دیکھ کے پھر رک سے
 گئے مگر کسی تاخیر کے بغیر آگے بڑھ کے ہیکسٹروں کی قطار میں بیٹھ گئے۔
 انھیں نے اپنا سر جھکا لیا تھا۔ چائے پیتے ہی جھیل نے دیاں سے چلنے میں
 جلدی کی۔ آبا جان واپس بیٹھے رہے۔ مندروں کے علاقے سے چلتے ہی
 میں آتے ہوئے چھپ کے چھپتے ہاڑوں پر پڑنے لگے تھے۔ رات کے
 تھلے میں ماری رات تیر تیرتی اور چہرہ بھائی بھی تھی۔
 جن رسا نے ہم نے کوئی سوال نہیں کیا۔ آئے معلوم ہوگا کون کون
 جس وقت ہم آپہنچا رہے تھے، رات کو ماری واپس ملنے میں تھی
 لیکن مامور ادارتی بے بسی سے ہمارے منتظر تھے۔ سلطان بھی اپنے چہرے پر
 سیدھا کھڑا ہوا تھا اور چپ چاپ سا تھا۔ اس دن بھی وہ چرک ہم سب
 باز میں ہال سامنے بیٹھے لیے اور جھیل نے سلی متر بہتی کے بعض کھانا دیا
 سے اپنی لائی ہوئی چرائیں انھیں دکھا کے ہندوستان سے ان کی منتقلی رسد
 کے متعلق بات چیت کی۔ اسی آنا میں سردار کے مکان سے ہمارا بلاوا لیا گیا۔

اپنے خاص کمرے کے بلانے سردار مکان کے باہر ہی ہمارا انتظار کر رہا تھا۔
 میں سمجھتے ہی وہ فوراً اندر لے گیا سلطان بھی ہمارے ساتھ تھا کل کی نسبت
 سردار آج زیادہ مضطرب نظر آتا تھا۔ آج بھی اس نے ہمارے آگے
 پھلوں اور کھانوں سے بھری ہوئی پینی کی پلیٹوں کا انبار کیا۔ دیاں کیس
 اس کا قصہ بہت واضح تھا۔ وہ جھیل کی زبان سے کچھ اور سنتے کچھ اور دیکھتے
 کی نتیجہ میں تھا۔ لوٹ چھیرے وہ اس سے کاغذات ہی کا ذکر کرنے لگا۔
 بیسے کی جھیل کی کسی ہوئی باتوں سے اس کا اعتبار اٹھ گیا ہوا دودھ دیا
 اپنے سٹے ہونے کی توثیق جانتا ہو۔ جھیل نے کوئی تروید نہ کیا۔ زنا خاں دیا۔
 اس نے اپنی گوشہ نشینی کی گفتگو کے اعانے کے سوا کچھ نہیں کیا۔
 شاید جھیل کا کوجہ آج تانے پانے اور پرستہ نہیں تھا کہ سردار کی نقلی ہو
 سکے۔ وہ کچھ اور شگرتا ہو گیا۔ جھیل سے محل کی متعین کن کے اس کی نیلیاں اٹھا کر
 ہو گئی تھیں شاید اس نے میں اپنے مکان سے جانے میں دیا۔
 ایک دن اور گزر رہا تھا۔ دوا دودھ دوسرے لوگوں کا اب تک کوئی
 پتہ نہ تھا۔ جھیل کو بھی انھیں مگی اس لیے وہ دوسرے جھیل طرح بات
 نہیں کر سکا سوچ غروب ہوئے پر جب اس نے جانا سلطان اور ماری
 کو دین چھوڑ کے پھر اُدھانے کا ارادہ کیا کہ ہر کیا ہو بہت مشکل سے
 آوارہ ہوا۔ ان کو بھی ساتھ لے چلا گیا۔ ہمارے ساتھ ماری بھی چلنے لگا۔
 "دو تین لائیں اور کٹا لے لے اسٹار!"
 "تم بولو تو میرا تین کاٹ دے۔" ماری نے سینے پر ہاتھ رکھ کے
 کہا۔ "پوہ لے سالا! ایک منتر کے ٹاک ہے اتنی بھی نہیں لڑتا۔ راجا جانی کو یاد
 ہی چھوڑ دو لوگ! اس نے جھیل سے التجائی لیے میں لگا۔
 "راجا کو آپ کا کام ہے۔" جھیل اسے چٹانے ہوئے بولا۔ "تو کا
 نقشہ پہلے ہی پتہ چل جائے تو چاہا ہے۔ اسٹار! مکان سے ایک اور بات۔"
 ماری ہنسنے لگا۔ ادا بڑے بڑے جاتو بھی کھٹل ہو جا میں گا! اپن
 سوچتا ہے ان کو سردی مارا گیا۔ ...
 "چاتو دوسرے دن جانیں گے اسٹار! ہاتھ کھٹل مت نہ دینا۔"
 "ہاتھوں میں اب کھلی ہو رہی ہے اسٹار! چاتو دوسرے دن کا بولا۔
 "اچھا! میں شگون ہے لے رہے تھے۔"
 ہم نے کئی غلطی گئی ہیں ڈال لیے تھے اور اُدھر کوٹ بھی بن لیے
 تھے۔ تینوں کے پاس بڑبڑاں اور دوسرے ہوئے نیچے تھے۔ چلتے وقت
 لڑکھان دیا اسکل فائوش لڑنا تھا۔ جھیل نے بھی اس سے زیادہ بات نہیں
 کی نیچے ہی اندیل ہو چلا تھا۔ راتے میں میں کل کے مقابلے میں کیا ہر شکل
 جہل کی مکاری بارش نہیں تھی آسمان بھی صاف تھا۔ ہم خاصی دیر سے
 آپہنچے اور جیسے ہی ہم نے گونہ ہر کہ بڑی موتی کے اطراف ہمارا
 زمین پر پھلنے لگے۔ میں شعلوں کی روشنی میں جی کے چند باشندے وہاں
 گھومتے نظر آئے۔ بڑے مندر میں بھی وہ مڑے تھے۔ رات کا کھانا ہم نے

بڑے مندر ہی میں کھ لیا۔ ہم نے کچھ طرح اطمینان کر لیا تھا کہ ہمارے
 آٹھے پر وہ وہیں بیٹھے رہے۔ میں لیکن باہر کچھ ہی ناسلے پر اور لوگ موجود
 تھے۔ بڑے مندر سے قریب دو تین ہی مندروں میں جا کے ہیں اندازہ
 ہو گیا کہ ان کی تعداد کم نہیں ہے، اس کے باوجود کل کی طرح ہم ایک
 مندر سے دوسرے مندر میں جاتے رہے۔ ہم نے بعض مندروں میں دلستہ
 دیر بھی لگائی اور گونہ ہر کہ موتی کے سامنے ساکت و جامد بیٹھے رہے
 لیکن جیسے ہی ہم عمارت سے باہر نکلے نزدیک دودھ دیاں میں دیکھیں نظر
 آجاتے۔ ایک مندر سے دوسرے مندر کے درمیان جہاں ناسلے زیادہ تھا
 اور جہاں وسط میں شعلوں کی روشنی نہیں پہنچتی پادری بھی دیاں مگر اندھیرا
 تھا۔ انھیں آڑنے کے لیے ہم ایک ایسی ہی جگہ اندھیرے میں لیٹے
 خاموش کھڑے رہے مگر جلد ہی ان کی جا میں ہیں اپنے قریب آتی
 سنائی دینے لگیں۔ نتیجہ ہم آگے بڑھ کے روشنی میں آگئے۔ وہ ناسلے
 علانے میں بھگے ہوئے تھے اور وہ کوئی ایک کہہ نہیں تھا کہ میں نے ان کا
 طور طریق کلیوں میں شگرت کرنے والے سپاہیوں جیسا تھا۔ "ناہم! دودھ ہمارا
 قریب آئے نہ آئیں گے۔ ہم نے کوئی باز پرس کی جب تک دوسرا گروہ
 انھیں نظر نہ آجائے، پہلا ہم سے دودھ و دھندلا آ رہتا پھر واپس ہو جائے۔
 ملنے تک جانا مشکل میں تھا لیکن ایسی صورت میں آبا جان سے ملنا
 ممکن نہیں تھا۔ ملے میں بھی وہ موجود ہوں گے۔ جھیل ہر ایک مندر میں ہم
 کے پیچھا گیا۔ میں گوشہ نشینی کے خفا کہ رات کے مندر میں چلنے والی
 شعلوں کی روشنیوں میں گھومتے ہیں۔ اس وقت سردی ہی جہاز ہو جاتی ہے
 اور دھندلی بڑھ جاتی ہے۔ دوسری بات تھی کہ وہ اپنے ساتھ روشنی
 لے کے چلے پھر ایسا ہوتا تو ہمارے لیے آسانی تھی کہ ان کی نقل و حرکت
 ہوا کی نظروں میں آتی رہتی میری توقع کے خلاف جھیل مندر میں زیادہ دیر
 نہیں بیٹھا۔ اچانک ہی وہ چل پڑا۔ مندر کے باہر کچھ ہی دور دھند
 میں گن کے سامنے رنگ لہے تھے لیکن جس حد تک وہ میں نظر آئے
 تھے، ہم بھی وہاں حد تک دیکھ سکتے تھے جھیل نے ان کی موجودگی کا
 خیال نہیں کیا اور ان کے پاس سے گزرا۔ ہوا ایک طرف بڑھتا رہا۔ وہ سر
 سے بھی آگے نکل گیا۔ راتے میں کسی ایسی سپا ہواں اور جھنڈ پڑے تھے
 جہاں ہم چھپ کے کسی مناسب وقت باہر آجائے مگر جھیل چلا رہا اور
 کسی توجہ نہیں میں جہازوں اور دھندلوں کے درمیان واقع ایک دو پہیوں
 عمارت کے سامنے آگے رگ گیلہ جہاں کل مجھے یاد پڑتا تھا، ہم اہل طرف
 پہلے نہیں آئے تھے۔ یہ جگہ بڑے مندر سے دودھ تھی لیکن مندروں کے نور
 دواں تک پہنچے ہوئے سلی سے تعلق نہ تھی اتنی اور عمارت نہیں تھی۔ گھنے
 دھند، تنگ چمک ڈھیاں اور اُدھر گروہ داؤچی نیچے زمین، نیلے اور سیاہ ڈھیاں۔
 وہ ایک تیرم عمارت تھی۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ وہاں کہیں نہیں ہیں مگر سامنے
 عمارت کے بیرونی حصے میں بیڑھوں کے پاس ایک مختصر لاؤ روشنی کے

وہ ہیں دکھائی دے گئے۔ ان کا تعداد چار سے زیادہ نہیں تھی۔ ہماری آمد کی آہٹ ہانکے دو چوکے سے ہو گئے۔ ہم انہیں نظر انداز کرتے ہوئے عمارت میں داخل ہو گئے اور اندازہ جاکے چہ چلا کہ وہ ایک وسیع عمارت ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے نشیمنی محل وقوع اور دوسری وسیع و عریض عمارتیں بن جانے کے سبب سے اس کی حیثیت وہ ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہمیں بڑی منزلوں کے تین جاگڑو گروہ والے کھن کے بعد ایک گول کرے میں حریف ایک مشعل روشن تھی۔ بیچ میں گول بھلے کی ہشت پہلو صورت تھی جو ایک جڑی چٹان تراش کے بنائی تھی۔ اس کی نسبت سے گروہ بھی بڑا تھا۔ بونو کے آگے متونوں کی کٹھن طیاروں پر ایک مثلث بنائی ہوئی پھیلتی گئی تھیں۔ چٹان میں قریب قریب ایک جیسی آٹھ شبیں کندہ تھیں۔ تاکہ متونوں کے برعکس میں بیٹھنے والوں کے لیے گہم کا چھو سا سٹنہ ہو۔ دیوار بھی تختیوں سے مشق تھی۔ چار سمتوں میں چار دروازے تھے۔ اوپر سے اندر بڑے کمرے میں جانے کے لیے راستہ گلی کی شکل کا تھا۔ گلی میں دونوں طرف کھن کے دروازے تھے۔ قیساہواں میں جڑی تھیں۔ ہوں گ لیکن وہ سب بند تھے۔ صرف دربان کا کھڑا ہوا تھا۔ ہر خانہ میں بڑے بڑے ہونے تھے۔ ہماری عمارت پر ایک ہیبت سی طاری تھی۔

باہر لانے کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ آدی ہالے سے پیچھے نہیں آئے۔ کمرے میں اوڑھ اور مختلف جگہوں پر گنتی کے چند ہی جگہ موجود تھے اور انہیں جیسے اپنے آپ کا پرکھن نہیں تھا۔ سب انہیں بند کیے بے نش، جسم باندھے، اپنی مخصوص نشست میں کہیں کھوئے ہوئے تھے۔ شاید ان کی سانس میں نہیں بل رہی تھی۔ دروازے سے دوسری سمتوں کی طیاروں اہجان کو دیکھ کر میری چیخ مچنے لگتی تھی۔ کھن کے بچل نے بھی انہیں دیکھ لیا تھا۔ مگر وہ دروازے پر نہ کھٹکا اشارہ کر کے وہ دیوار کے ساتھ کھٹکا ہوا اہجان کے پاس پہنچ گیا۔ اہجان کے سر میں ایک خفیف سی جنبش ہوئی۔ انہوں نے ایک جھجھکتی نگاہ سے ہمیں دیکھا۔ بچل ان کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اہجان انہیں جانتے تھے کہ اس نے ان کی کمرہ کا تختہ دکھ کے انہیں روک دیا اور ان کے کانوں میں مگر گوش کی ناچی نہیں پھرتی۔ ہمیں۔

اہجان نے ہنگامی جبری اور ہنگامی سے سر ملایا۔ ہم کوٹ لے رہے ہیں آپ اپنا کام کرو۔ یہ چند لفظوں کے سوا بچل نے ان سے کچھ نہیں کہا۔ فوراً وہاں سے مٹ کے متونوں کی ایک اور قطار میں چپ چاپ دوڑا تو ہر گیا۔ جب تک ہم وہاں پہنچا جانا نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی اور ہم نے زیادہ وقت نہیں لگا یا۔ باہر موجود کھنوں کے بیچ میں بیٹھے ہوئے کسی اور مندر کا رخ کرنے کے بجائے ہم سب سے ملے ہیں آگے۔ اس رات ہمیں بہت ڈھونڈنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی اور اس رات ہم ہال میں متناہیں تھے اور ہم

کئی آدمی ہالے ساتھ رات کاٹ لے رہے تھے۔ پتہ نہیں وہ کب تک مانگتے رہے۔ بچل اور متون کو ستر پر رکھا تھی۔ یہ نیند آگئی اور میری آنکھیں بھی کسی وقت بند ہو گئیں۔ سویرے جگھٹا ہوا شہر کے سرائے سے جا چکے تھے اور غیب آجیلا ہو چکا تھا کہ سرائے کے کسی چارے نے ہمارے بالیں آکے اور سگ سے پکارنا شروع کیا۔ کتاب ہم اپنے حواس میں آئے۔ سرائے سے نکلنے کے بعد بچل نے واپسی میں کوئی غفلت نہیں کی۔ وہ دیوار پر آکر بڑے مندر میں گشت کرنا اور رات کی طرح رہی کے آدی مندر کے ملائے میں اوڑھ اور گھومنے لگے۔

انداز ان کے گیارہواں بجے ہیں گے کہیں درختوں پر دھوپ کھل رہی تھی کہیں ابر چھایا ہوا تھا۔ جن دوا کے مکان کی چار دیواری کے باہر ایک پتلے پر چاروں طرف اور سلطان سر جھکا کے بیٹھے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہیں ان کے ہم بچل کے گئے۔ ہالے پہنچنے سے پہلے وہ جگہ جانے ہوئے خود ہالے پاس آگئے۔ میری طرح بچل نے بھی یہی سمجھا۔ ہر گاہ کہ وہاں آج اور وہ اس کی خبر نہ سنے کے لیے مضطرب ہیں لیکن ان کے پاس ابی کوئی خبر نہیں تھی۔ یہی ہیں آئے ہوئے اٹھواں دن تھا۔ جا تو سکیات کرنے لگا کہ ہم نے اتنی دیر کیوں لگا دی۔ مینوں کو کہہ رہے تھے کہ رات بھر انہیں ایک پل کے لیے نیند نہیں آئی۔ وہ جالا کچھ اور انتظار کرتے۔ پھر انہوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ تین سوڑا کے مکان کا رخ کریں گے۔ گھر سے پہلے بنایا سب کچھ بچل نے آئے تھی سے تاکید کی۔

تم نے بولا تھا کہ سویرے جگہ آگے گئے۔ جاؤ نا راضی سے بولا۔

ہم اتنا سا دیر لاجی نہیں انکس ہا ہے تو تو کوٹ جاؤ۔

یہ تم سے کن حریف کہہ رہا ہے۔

پھر مندر میں گھول کر تارے۔ اوپر اوڑھ اپنی اماں کو لے کر تین ہنگامی رہی ہے۔ بچل اپنا منہ کھسٹنے لگا۔

جاؤ نہ مندر چیر لیا۔ ہم اندر مکان میں نہیں گئے۔ تمہیں کے ساتھ سلطان اندر سب کے سامان باہر لے آیا۔ ابھی بچل کے چوک میں ہم نے ٹوک کھڑے ہوئے۔ بچل نے آدی ہال سے ہمارے سروں پر آکے کھڑے ہو گئے۔ وہ دروازہ کا پتلا لائے تھے۔ بچل نے وہ دہر لے آئے کا وعدہ کر کے انہیں ٹوکنا چاہا لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ سرائے میں فوراً جاؤ۔ ہونے کا کچھ رہا ہے۔ ہم نے سلطان کے ٹوک میں واپس رکھ دیا اور قیلوں کے مڑ کر کے چوک سے آٹھ گئے۔

آٹھ گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم سرائے کے سامنے تھے۔ وہ ایک لمبے چوڑے کمرے میں تھی کے مختلف عمر کے لوگوں کو کمرہ کا چھتر کے ایک اسٹول پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ وہ کوئیں تھا جہاں وہ گزشتہ دو دنوں تک ہم سے ملنا رہا تھا۔ ہمارے اندر داخل ہوتے ہی ہمارے لوگ کمرے سے چلے گئے اور صرف وہی لوگ جو دیواروں کے ساتھ گئے ہوئے متعہ کھڑے

ہیں۔ ہمیں بند رہے کہ نہیں تھے۔ ہم سب نے سرائے کو قیل کے پڑھان سلا کیا۔ غلاب توقع اس نے ہم سے بیٹھنے کو نہیں دیا۔ کچھ آدمی ہم پر گناہیں جمانے لگے۔ کچھ سوچنا رہا۔ اس کا ایک پیر ہل رہا تھا کہ ابھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ ہم سے بات کرنے وہ اپنی آواز اور ہمتیں کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

ہر کوئی بلایا ہے۔ بچل نے چل کر۔

راؤ کو زمان کھولے میں جھک ہوئی۔ ہم نے تھیں ایک بات کے لیے بلایا ہے۔ وہ بھی ہوئی آواز میں بولا۔

ہم نے رات بول دی تھی۔

ہم سب کچھ کر دیا تھا لیکن یہ تین تباہی کا اگر تم مقررہ مدت نہ دیا تو ہمارے پیر کو کرنے میں ناکام ہو گئے تو تم تمہارے ساتھ آؤں۔

ہم نے بول دیا تھا۔ بچل نے آدی میں کما تر کر کے ایک زمان کے گلی تھم کر دیا۔ ہم نے بول دیا تھا کہ اگر گئے تو ناکامی ہماری اپنی ہوگی، تمہاری نہیں۔ تم تو سال سے ہے ہو۔

ہم یاد ہے کہ اس صحت میں جب ہمیں یہ شہر ہوا تھا۔

یہ میں ضرور کچھ جانتے ہو۔ ہم رستہ پر کی اجیت کے پیش نظر روایت کے مطابق تم کو کوئی پابندی عائد کر سکتے ہیں چونکہ پلے میں ہو۔

ہم نے تم اور ہر سے چلے جاتے ہیں۔ پر ہم کوئی جرم قبل نہیں بچل نے تیری سے کہا۔

اب جب تم ہم کو جانے دیں تب۔۔۔

راؤ۔ بچل کی آواز وہی ہو گئی۔ تم اپنے لیے بڑا کر کے تم بناؤ۔

ہم نے اس کے لیے اپنی چیزیں پاؤ گئے۔

تھیں نہیں کھوں گے۔ تھیں اور ہری رکھیں گے۔ تھیں یا ہل کر جب تک ہماری امانت ہمارے حوالے نہیں کر دی

تمہارے آدی تمہارے حوالے نہیں کریں گے۔

ابا کو گئے تو ہم گھیں گے۔ تم سوڑا کر انہیں مانگے۔ تم کو کاغذ تھیں اور دوسرے سرائوں کی طرح تم نے بھی اپنی موت کا

یاد ہے۔

نہوچہ کم اپنے آدھے آدمی ہمارے پاس امانت کے طور پر انہیں اپنا سامان رکھیں گے۔ کوئی غلط ہے؟۔ سرائوں کی آواز

رہنے لگی۔

کوئی غلط نہیں۔

تھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم ہماری زمین پر ہو۔

اور تم کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اس زمین کی بیکل ہمارے ہاتھ میں ہے۔ سرائے ہم کو زیادہ بات کرنا چاہیں گے۔ اسیا ہاں کی کٹا مت کھانا۔ ہم نے بولا تھا۔ ہم کو کہہ گئے۔ جیچے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیچے چلے جائیں گے تو نہ اپنی نہیں چلنے لگی۔ تم ایسا نہیں کر سکتے ہو۔ ہم کو نہیں گناہا۔ تمہارا سر اوپر سے بس دیکھ کا ہے اور ہم اپنے آپ سے اتنے جگہ سے ہوئے ہوئے ہم نے اپنے سر کو مارا یا جیلا ہیں۔ ہے کہ ہم نے کھل کے بول دیا تھا کہ بیچ میں روڑا اٹکاؤ گے تو ہماری طرف سے بات ختم سمجھنا۔

آئی یہی باتیں مت کہو۔ ہم سوڑا اور پیر کرنا چاہتے ہیں۔

مناہت کے لیے تم اپنے آدی ہالے حوالے کر دو۔ ہم تمہارے سامان پھر کوئی دل نہیں دیں گے۔ تمہارا انتظار کریں گے۔

ہاں انتظار چھوڑ دو سرائے۔

کیا تھیں ہماری شرط منظور نہیں؟

تم اپنے کانوں کی مفاہی کر دو۔

تم۔۔۔ تم ہماری یاد ہیں ہو۔ سرائے کے گرج کے کما۔

جب تک ہم اور ہر ہیں اپنے کو تمہارا امان سمجھتے ہیں۔

لیکن یہ ہماری مرضی پر منحصر ہے۔

تم تو اپنی مرضی پروری کر دو۔

ہم نہیں جانتے کہ ہمارے تمہارے درمیان کوئی دراڑ پیدا ہو تو تمہارا

آدی یہاں محفوظ رہیں گے۔

دراڑ تو خود ڈال رہے ہو۔ اپنا کوئی آدمی اور ہمیں یہ ہے گا۔

کیا تم نہیں جانتے کہ تم تھیں مجبور کر سکتے ہیں؟

ہاں۔ پر ہم مجبور ہوں تب۔

تھیں سوچنے کا وقت دیا جا سکتا ہے۔

ہم نے سب سوچ کے بولا ہے۔

ہم نہیں جانتے کہ اپنے آدمیوں کو حکم دیں۔

ہم بھی نہیں جانتے کہ تم غلط کرو۔ بچل نے دلچسپی میں بولا۔

لیکن سرائے سے پہلے ہی سوچ کھا تھا۔ کمرے میں بڑا زور

آدیوں کی موجودی بے سبب نہیں تھی۔ وہ سرائے اور بچل کے درمیان

ہونے والی گفتگو کے حوالے سے تھے۔ اور ہم نے آتے ہی دیکھ لیا تھا

کائن کے اٹھیں میں بیڑے ہیں اور کمرے بند ہی ہوئی بیٹیوں میں خجڑا

ہوئے ہیں۔ جہاں وہ کھڑے تھے وہاں دیواروں پر تلواریں اور ڈھالیں

آویزاں تھیں۔ ان کی آنکھوں میں یہی خجڑا کی سی چمک تھی اور وہ بڑے

ہونے کھڑے تھے کہ کب سرائے کا اشارہ ہوا اور کب وہ آگے بڑھیں۔

دیوار کے ایک کدے میں لوہے کی زنجیر بھی لگ رہی تھی۔ بطور

خاص اس جگہ میں طلب کرنے میں سرائے کی مصلحت یہی ہوگی کہ ہم

169

سب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں حالانکہ اس کا ہوا ہوا جی ہمارے لیے کافی تھا۔ اس نے دو میں سے ایک فیصلہ کرنے کے لیے ہمیں ہم دیا تھا کہ اگر دو گنا سنا نہیں رکھی تھی۔ پلے تو ہم سمجھے کہ یہ سب محض دکھا دیا ہے اور وہ اس طرح یہ حقیقت جاننے کا سنا لاشی ہے کہ ہم نے کس نسبتاً پائس سے کاغذات کا ذکر کیا ہے۔ کوئی بنیاد ضرور ہوگی اس کے کہنے کے مطابق اگر ہم اپنے ہی آدمی اس کی تحویل میں دے دیتے تو اس کا ششہ لقیں میں بدل جاتا۔ ہم اس کے لقیں کے لیے اپنے آدمیوں میں سے کسی کو بھی دانا نہیں لگا سکتے تھے، اس کا لقیں ہمارے لیے سود مند تھا۔ ہمارے پاس اور کئی چارہ تھیں تھا۔ جھل کی جگہ میں ہزارو بھی ہی جواب دیتا اور یہ ہمارا گنا تھا کہ وہ صرف حقیقت جاننے کی جستجو میں ہے۔ اسے یقین آچکا تھا کہ وہ جھل کی بات پوری نہیں سے پہلے ہاتھ اٹھا کے اپنے آدمیوں کو حکم نہیں دیتا۔ اتنا ہی سردار کی آواز اٹھتی ہوئی اور دیکھتی ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ اس میں خطرناک لگایا۔ ہمیں اس کے آدمیوں کے تیسوں سے اندازہ ہو چلا تھا کہ وہ کس حد تک آگے جا سکتے ہیں۔ جیسے ہی سردار نے ہاتھ اٹھا، انھوں نے نیزوں ہمارے ہی گرفت مضبوط کر لی۔ وہ اگر مستعد تھے تو ہم بھی پوری طرح غافل تھے۔ وہاں ایک دوسرے کے کاربن میں تھا۔ جھل نے کسی کڑا ناز نہیں کیا تھا مگر ہم سب کے ہاتھ بھی اپنی جیبوں کے قریب تھے۔ ان کے ہاتھ میں نیزے تھے لیکن انھیں لڑنے اور ہم پر وار کرنے کے لیے پیچھے کی جانب ان کے پاس بگ نہیں تھی۔ اداس میں معلوم تھا کہ وہ ہم پر حملہ کرنے کے انداز میں نہیں جھپٹیں گے۔ یہ کہ ہمارے طرف سے کسی مزاحمت کا ارکان ان کے ذہن میں دور دور تک نہیں ہوگا، ہم نے انھیں ان کی جگہ سے آگے بڑھنے دیا۔ دواور سے پتے ہیں ان کے نیزوں کی انیاں ہمارے سینوں کی جانب ہو گئی تھیں۔ خاصا زیادہ نہیں تھا۔ ان کی رفتار میں تیزی نہیں تھی۔ قبیلہ کے بزرگ آدمی جو ہمارے ساتھ وقت بیاں بھیجے ہوئے تھے نہاتے جاتے پیچھے کا دروازہ بند کرتے گئے۔ پیچھے ہٹنے اور بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ہمارا بھی تو ہمارے لیے بے کار تھا۔ ہمیں شپ دیکھ کے سردار کے بڑھتے ہوئے آدمیوں کے قدم اور سست ہو گئے۔ وہ کسی کو سکتے تھے کہ تین اطراف سے آگے ہم پر نیزے سے لائن اور سردار کے حکم کا انتظار کریں۔ تعداد میں وہ چندہ تھے، ہم جوت چھ۔ ان کے پاس نیزے تھے اور اس میں جاتو تھا لے کی بھی مہلت نہیں تھی مگر کچھ تو کڑی تھی نیزے سے ہم سے بہت قریب نہیں ہونے چاہئیں تھے۔ پھر ہمارے لیے حرکت کرنا مشکل ہو جاتا۔ ہمیں ایک فاصلہ پر انھیں رک دینا چاہیے تھا اور ہم نے انھیں یہ فاصلہ طے کرنے دیا۔ کسی سے کچھ کہنے سننے کا سوال ہی نہیں تھا۔ جانو سلطان مارنی، معلوم اور میں۔ سب کی آنکھیں اور کان کھلے ہوئے تھے۔

”موت کے“ جھل نے آہستہ سے صلا لگائی۔ اس میں جھل کی بات پر عمل کرنا مشکل ہوتا تھا۔ ان کے نیزے ہم ڈیڑھ گز دور تھے اور دوسرے لمبے ہمارے سینے تک پہنچ کر دھتھہم سے ہم سب نیچے بیٹھ گئے۔ ہاسی لمبے جھل کی سی تیز نے ضرور اپنی شست تبدیل کی اور اسی مدت میں یہ کے نیزے پھولے اور انھیں ایک طرف دھکیلے ہوئے بڑے میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک ہی نیزا لٹکانا تھا لیکن نیزا بعد ہماری بھوک اس قدر اچانک اور تیزی کے قریب کھڑے آدمی اس کی لمبٹ میں آگئے۔ نیچے جھلنے ہی ہم نے جاتو نکال اور اٹھتے ہوئے ایک ہاتھ سے نیزا پکڑا تھا تو دوسرے کی ٹانگوں پر جاتو سے لکیریں ڈالتے گئے تھے۔ کب سے میں ان جنہیں گونجنے لگیں۔ جیسے ہی وہ فرش پر دھانے ہوئے جھل کے سردار کی طرف بھاگ گئیں لے کر لے گئے۔ اس اچھی اپنے دیکھتے ہوئے ہی پر شست تھیں کہ میں نے آ پر پوری طاقت سے ترچے ہو کے ہاتھ مارا۔ وہ اپنا سر ہٹا کر کھڑا ہوا اگر کڑی جانتا تھا کہ میں نے خود اسے سنبھال پلے کر وہ خیر نکال لیا۔ ہر سے جاتو کی ٹوک اس کی بھاتی ہا۔ اُدھر جانو مارنی، سلطان اور سلم کے ہاتھوں میں۔ اور انھوں نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کرنے والے آدھے کے نیزوں سے زور ڈال رکھا تھا۔ کئی کی ٹانگوں اور کھوڑ سے غصہ چھوٹ رہا تھا۔ جنھیں جاتو نہیں لگ پائے تھے گرے ہوئے جانو مارنی، سلطان اور سلم کے نیزوں اور جاتو داؤ میں تیزی سے بدل جانے والی صورت حال کا مجھے غور لے رہے تھے۔ لمحہ لمحاں کی آنکھوں کی چمک معدوم ہوتی جا۔ نے اپنے سردار کو بھی دیکھ لیا تھا۔ میں نے ذرا جلدی کی، اسے سردار تک پہنچنے کا ارادہ نہ کرنا تو جھل آجاتا۔ جتنا نہیں اسی غرض سے سردار کی طرف بھپٹا تھا لیکن مجھے دیکھ کے اور اس نے اچانک ایک آدمی کی بیٹی سے خیر نکال لیا۔ ہوا میں چوڑے لگا تھا۔ جھل نے خیر دوسرے سالنے کی دواور جہاں ایک خورت کی بوسنی جی ہوئی تھی۔ خیر موت کی سیدہ ہمارے گز کیا۔

وہ بندہ وہ پندہ پوری طرح جانو سلطان مارنی قبضے میں تھے۔ جنھیں جاتو لگے تھے، وہ بڑی طرح کراہ رہے۔ کیر پیچھے اور پیچھے چلنے ہی سے حواس باختہ ہو گئے۔ جاتو دھکوتے تو نیزے پھولنے کے بعد وہ ہماری بھوک کر لیتے لیکن اپنے ساتھیوں کی جینیں من کے وہ شتر ہو گئے۔

ہاسی میں کچھ کیا جا سکتا تھا۔ جھل نے ہاتھ موت کے چلنا۔ ہاتھ موت لکیریں کھینچنے پر اکٹفا کرتے اندر تک چلے جاتے۔ ان میں سے زیادہ دیر تک نہ بلایا جاتا۔ ہاتھ کھول کے چلانے کی کے چلانا مشکل ہوتا ہے۔ ایک دم نیچے بیٹھا پھر فوراً زینا ہوا رکھا اور نیزا پکڑا۔ ایک ساتھ اسے ہلام نہ کرتے۔ نٹنے میں وقت لگ جاتا۔ ان کی تعداد زیادہ ہونے کے سبب ہم زیادہ وقت میں مڑنا پڑتا تھا۔ جانو کاب بھی سر میں چلنا ہاب کو ختم کرے۔ وہ جھل کے اشارے کا منتظر تھا۔ جھل نے اپنی عمر میں زیادہ موت کی آنکھ پھوڑنے کے بعد وہ کرے کے پکڑا۔ ہاتھ پھر اس نے شیریں ہوئی آواز میں جانو سے کہا۔

”ہاوا“

ہوئے فرش پر چھوڑتے ہوئے نیزے سے ہاتھ اٹھا لیے۔ ڈا اور سلم نے بھی جھلنے کے انداز میں نیزے سردار کے پیچھے لیے اور چند قدم پیچھے چلے آئے۔ سردار کی آواز میں آٹھیا، البتہ جانو سلطان مارنی کے ہاتھ میں جاتو نے جوتے تھے۔ اُدھر سردار اپنی زبان میں چلا چلا کے نہ جانے اس نے ہماری گرفت سے نکلنے کی کوشش کر دی تھی۔ نٹے قدم سے چلنا ہوا سردار کے پاس آیا اور اس نے ہرا بھاتی سے ہٹا کے مجھے اس سے دور ہوجانے کی تاکید کی۔

”وہاں گردن چھوڑ دی۔“

ہاتھ مارا۔ جھل نے تھکے ہوئے لیے میں کما۔ اور ان کو باہر دے جھل بھول گیا تھا کہ سردار اس کی زبان میں سمجھ سکتا تھا۔ جھلنے دیکھ کے آئے اس کا احساس ہوا اور اس نے سلم کو لے کما۔ سردار کو بلو۔ سناٹا ٹھیک ہے تو ہم پیچھے جائیں۔“

دل نہ اس کی بات سردار سے تہل دی۔

اور میں اپنے خاص کرے میں لے آیا تھا۔ جھل جانو اور سلطان مارنی پر کمان سے پہلے ہی کے معزز معانوں کے لیے خاص لہو تھوڑی سی شراب پی لی تھی۔ سردار کی زبواں خداداں رائے ان کے اجازت میں تھی۔ وہ پکھیں دھانے ہوئے تھیں جیسے ان کی آنکھیں بند ہوں شرفی اور سہمی ہوئی۔

تک ایک برنگے کپڑے پہنے ہوئے، لکھنوی ہوئی دو چکیاں لگی ہوئی۔ بڑے کی جگہ بالوں میں جال دار ٹیڑھی، کان سفید ہرے رنگے تھنا ہوا سونے کی مہارنگ سب کے نقش و نگار۔

سہمی تھے۔ ہمیں بھی تھوڑی سی کمان تھیں۔ ہاتھ ایک کی طرح ان کے گالوں پر لالہ لکھتی پڑتی تھی۔ جانو انھیں

میں جی کھنکھاتا تھا۔ واقعی انھیں دیکھ کے ایسا لگتا تھا جیسے کسی نے ان کے گالوں میں تازہ تازہ چنگی بھری ہو۔ اچھی کچھ دیر پہلے جانو جھل سے کہہ لیا تھا۔

”استاد یہ انداز کیسا اچھا۔ یہی طرف بدل جائیں تو اوپر کھڑی ساری نقشا کبوتر لیں کا دواور لاپٹ جائے۔“

جانو نے کرا کرا کر کہیں دیکھا تھا۔ بکھتا تو نہ جانے اس کا کیا حال ہوتا۔ اس کے گالوں پر بھی ایسی ہی سرخی چھوٹی تھی۔ ان سے میں زیادہ۔

جھل کی نظریں ہمارے جانو سے ایک بالادہ لی لیا تھا۔ اس کی آنکھیں پڑھنے اور زبان بگڑنے لگی تھی۔ سردار کی خداداں کو وہ طرح طرح کے خطا کرنے لگا تھا۔

”بیٹھے بیٹھے میں سہرہ ہو گئی۔ ہم شخص ہی ہوا جانتے تھے کہ ایک خادما نے لکھتے جھلنے ہوئے انداز کے سردار سے سرگرمی میں کچھ کہا۔“

سردار کی طفل انداز ہی بری لگی۔ اس نے ہمیں سے اثبات میں گردن ہلائی۔ خادما نے قدموں کر سے واپس چلی گئی اور اسی وقت ایک کلام اندر داخل ہوا۔ وہ جانو دھکا ہوا جانے آنے کے بعد اس کے پاس آیا تھا۔

”پتہ نہیں اس نے کیا کیا تھا کہ سردار کی پیشانی پر کچھ لکھنے جاری ہو۔“

جواب طلب لگا۔ میں نے اختیار سلم کے چہرے پر چلنے لگیں۔ وہ بھی بے چین ہو گیا تھا اور اس کے منہ پر جیسے کوئی بات آئے آئے وہ گئی تھی۔ سردار نے چند سوال کر کے خام کو کڑا دیا اور بے تابانہ ہم کو گوں کو دیکھنے لگا۔

”کیا ہے سردار؟“ جھل نے پوچھا۔

”معلوم ہوا ہے کہ سردار گوں کا ایک اور فائدہ بتی میں آیا ہے۔“

اس نے کسماتے ہوئے جواب دیا۔

”سلم کے سوا ہم سب جو تک پڑے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کون لوگ ہیں؟“ جھل نے ہلکی آواز میں پوچھا۔

”اپنے آپ کو سردار کہتے ہیں سامان جی ان کے ساتھ ہے۔“

”سوداگر ہیں؟“ جھل نے زبردست بڑھانے ہوئے بولا۔

”دی فائدہ جو سردار کے سوداگر ہمارے سنگ ہاتھ یا کوئی اور ہو۔“

”تھامے ساتھ؟“ سردار نے غصے سے پوچھا۔

”ہاں، چھو ایک جگہ ہم آگے ہو گئے تھے۔ چل کے دیکھ میں بہرکتا ہے۔ وہی لوگ ہوں پودہ اور کھلے والے میں تھے۔ ان میں سے کسی کو ہمارے دیکھو۔“

”ہاں بہرکتے ہیں۔“ سردار نے کھوئے ہوئے لیے میں کما۔ وہیں جا کے بات کرتے ہیں۔“

ہمارے ساتھ چلنے پر سردار نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا اس لیے ہم بھی اس کے پیچھے ہٹے۔ پیر، وزیر، متین میان زوردا، پلٹو، مینی وزیر اور ہاکو۔ ان آنکھوں کو دواور دیکھنے کے لیے ہم سب جلد سے جلد ان کے پاس پہنچ جانا چاہتے تھے لیکن کرے کے پکھنے ہی جھل نے سردار کو

نے جام کو تھام لیا تھا کہ کس دن اپنے ارمان نہ کھو بیٹھے۔ جامر خود ہی سنبھلا سنبھلا رہا نہ وہ رویا، نہ اس نے کوئی آہ بھری بچی مٹی آنکھوں سے منہ مل کر کوئی تھارہا نہ لٹلے ایک دھڑکتا ہوا دل تھا۔

میل کی نماز بھی نہیں ہو سکی۔ اس کی قبر پر مٹی ڈالتے ہوئے سورۃ فاتحہ اور مثنیٰ آیتیں پڑھتے اور پڑھتے ہی دل ہی دل میں پڑھتا۔ لمحوں میں مثنیٰ میں منور مٹی کے نیچے چھپ گیا اور ہم وہ ایک اس کی قبر پر چھپ بیٹھے۔

کروں۔ میں ان کے سامنے دیواروں سے مخزن آتا ہوں گا اور باہر لوہان کرلوں گا۔ میں اپنا تو کھال کے کسوں کا گروہ تیار نہ ہونے زہ اسے اپنے سینے میں انا لوں گا میں اس کی جگہ پر اس لیے نہیں آتا ہوں۔ میں اب اس کا کسٹا ہوں۔ میں انھیں جان کر گرا کر دفن کر دیتا ہوں۔ فادہ سب کا واسطہ ہے کہ کسوں کا گروہ چلے جائیں۔ میں کسی پر مروت نہیں ہے مگر میں اتنی رات گئے اکیلا ان تک کیسے جاتا ہوں؟

مردی نہیں کہ وہ رات بھر مائے انتظار میں بیٹھے رہیں۔ جن دسکے نہ سے ہم نے کچھ کھانا نہ کھا کر لیا تھا۔ ما کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا، اگلا پل حرکت نہ کیا ہوتا تھا۔ جن دسکے کر سے جانے کے بعد چلنے نہ سرائے بازوں میں چھپا لیا۔ وہ اُسے اپنے پہلو میں لیے لیٹ گیا۔ آتش دان میں آگ تنگ رہی تھی۔ کمرے میں کوئی آواز نہیں تھی۔ کڑی چٹخ ماتی تو یہ سکوت ایک لمحے کے لیے دویم برہم ہوا۔ آواز آنکھوں کے سامنے بارش میں ماباں کا سفید چروا تھا۔

دوسرے دن ہم نے مٹی کے چوک میں سامان نہیں بچا دیا۔ سے گھر سے نکلا اور اچھا دھڑلے سے گھر سے نکلا۔ میرا خیال تھا کہ پیر اور دوسرے لوگوں کو دیکھنے جانے کا دن کا ابتدائی حق تھا۔ اہم مندروں کے علاقے کی پھاڑیاں پر چڑھنے لگا۔ پگ ڈیڑی پر پتی کے در کی آواز رات جاری تھی۔ حیدر چیلوں کے باغات تھے، وہاں بھی رگ تھے۔ جہاں لہندہ چیلوں زمینیں تھیں وہاں بھی وہ کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ باغات اور کھیتوں کا سلسلہ زیادہ دھڑلے کا جھلکا ہوا نہیں تھا۔ جیسے چڑھائی پر مٹی ماتی تھی، جنگل دھڑلے اور جھاڑیوں سے زمین ہی ڈھلتی ماتی تھی۔ مندروں کے علاقے کے اطراف کا وسیع رقبہ انھیں باغات اور کھیتوں کے لیے استعمال میں لیا تھا۔ اسے جنگل ہی نہ لگایا تھا۔ اچالے کی وجہ سے ہم جلد آدھ پہنچ گئے اور پلے ہی مندیر میں دکھائی نہ گئے۔ دن میں بھی وہ دہلیز تھا۔ تھے۔ ہر گاہ ہر گاہ مندیر میں۔ یہ سچے مودتوں کے علاقوں میں تھی۔ تاہم ہماری آ آن کی نقل و حرکت میں کوئی غیر معمولی منظر نظر نہیں آیا۔ جیسے وہ میں دیکھا ہی نہ ہو۔ ہم نے بھی یہی ظاہر کیا۔ ہم بڑے مندیر میں باک جگہ میں تھے۔ کس شہر میں تھے، پھر چلے گئے۔ کھلے ہوئے بڑی روتی آ رہی تھی۔ مندروں کے علاقے میں ان کے سب سے پہلے پڑی تھی۔ ہم کوکھ طوط جانے کے بجائے سیدھے بڑے مندیر میں چلے گئے تھے، وہ اور مندروں میں۔ ہجوم گھوم گھام کے بڑی مروتی کے پاس آئے تو بڑے اور ذرا کو دہلیز دیکھ کے ماری چل پڑا۔ استرا۔ اور اور اور ہر ڈھڑلے آتا ہوا۔

و دیکھ لیا ہے، آجکل نے ناگوری سے کہا۔ ارٹی ہم لگا ہم سب نے ایک دوسرے گرم ہوشی کے ساتھ ہاتھ ملا۔

گئے۔ ہاتھی گرم ہوشی مرا فوں خناساں اور دو گروں ہی کے درمیان ہے۔ ہجوم ساتھ ساتھ ہی چلنے لگے۔ یہاں ان سے کسی نہ کھل کے رہتی تھی۔ بڑی مروتی کے قریب ایک سان بگا۔ اس کے چیل کی رفتار ہو گئی، غلغلہ کی طور پر جادوں طرف ہماری نگاہیں جھٹکنے لگیں، وہاں ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ہماری جادوں پران کی نگاہیں کھل گئیں۔ ان نے انھیں ایک گنگا جگر کے بھی نہیں دیکھی کہ سب آگے کھل گئے۔ نے پھر چھپنے کے بھی نہیں دیکھا۔ مختلف جگہوں سے ہوتے ہوئے بے مندیر سے فاصلے پر نشیب میں واقع اسی مندر کے پاس آگیا۔ ہوں رات آتا ہوں میں طے ہے۔ مٹی کے چند آوی اب بھی ان پر گھڑ لے رہے تھے۔ وہ برہمن تھی لیکن سرانے میں کھانا مانگتے۔ ہر گاہ کا نل گیا اور رات ہونے سے پہلے ہی ہم آتر کے نیچے مٹی نے۔ ہر چوک تھا کہ وہ چلے آتی تھی۔ وہ وہ غزلیا۔ ہجوم کی حاکم کھل گئے۔

دوسرے دن ہم نے ہماری ملاقات مٹی کے چوک میں ہوئی۔ ایک روز نے کے بعد ہم اپنا سامان کھولے مٹی کے ٹوکوں کے جہم میں گھر گھر غم کے چرو، ذریعہ زور، ہلاکار اور لٹو آگئے۔ ان کے چرو ہزار کی ہوئی تھی۔ ان کے لیے ہمارا اس طرح مال کے ساتھ بیٹھا اور گویاں توڑ کر ناہت تعجب انگریز تھا۔ ہر دو گروں کے نیچے جاتا ہوا اندر یا۔ ان دن رات ہے آسنا؟ آس نے دیکھے لیے ہیں مدد لگائی۔ مال کو دارا اور اسلار اچھا دھڑلے سے زیادہ چارٹا مڑی ہم کھانا ہے۔ نے کر کے کہ تم لو کہ کھانا چھوڑ کر رہا ہے۔ سوار کو توڑ مارا لیا گیا۔

ان کے پاس ہم جیسا مال کہہ رہے تھے۔ پہلے ہی جادو مار ہے۔ ساما لٹا پڑا ہے۔ یہ پیر نے ہشتے ہوئے جواب دیا۔

راں کا مطلب یہ تھا کہ پیر و مردانے مل کے آیا ہے۔ چیل ہی چاہتا ہوگا۔ پیر کے لیے سے اہلکار خاہر ہونا تھا۔ چونکہ ہم اہل مروت تھے اس لیے وہ دہلیز میں نہ لگا۔ چیل نے اس دن کے دھول میں اچھی فاس کی کوڑی تھی۔ مٹی کے علاقوں میں چلی تھی۔ یوں کے پاس پیسے نہیں تھے۔ وہ اپنی پسند کی چیزیں محفوظ کرنے کے لیے گھر بھاگتی ہوئی ماتی تھیں اور اپنی ہوئی واپس آتی تھیں۔ ہم مٹی اہل چاند چیلے لے گئے تھے۔ اہل دن کا کافی سامان رک گیا۔ مڑوں اہل مروتانے، مغلز، تھپانیاں، بلید، بچکنے نہ کھلے، چاکھٹا اہل مروتوں نے رشتی پر سے مسوئی زیورات اور آرائش زیبائش کا سامان لیا اور ہومانی کو چیل مندروں کے بند کرنے کے لیے جانا۔ مڑوں نے اس دن لیا میں لیا تھا۔ کس کی وقت بھی اس کا ہر گاہ ہماری طبیعت کا حکم لگتا تھا۔ سامان کو واپس بھجوا کے تھا کہ اپنا ہر جہم چھوڑا۔ ہر گاہ کہ وقت تھا اور ہر جہا یا ہوا تھا۔ بارش کے آثار

تو نہیں تھے لیکن دہلیز دیکھتے دیکھتے موسلا دھار پانی برسے گا۔ تھا اس کے باوجود چیل کو جلدی نہیں معلوم ہوئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بدل کے سانس لینے کے لیے ٹھک رہا تھا، پھر چیل گتا۔ سراج خوب ہونے سے پہلے ہم آدھ نہیں سنبھلے۔ آدھ شعلیں روشن ہو چکی تھیں اور کھنکھڑا اچھا دھڑلے سے سمت کے مندروں خصوصاً شہرے مندیر میں جمع ہو رہے تھے۔ ہم بھی وہاں ایک گوشے میں اپنے جہم ڈھلکے کے نیچے لگ کر رک کے چلنے سے تعجب زیادہ محسوس ہو رہی تھی، ناگیاں، انیشی س دی تھیں۔ جہاں سلطان نارٹی اور غم سب جیسے چلتے چلتے، مسوئے مسوئے اور بولنے بولنے ٹھک گئے تھے۔ ان کے جہم سے باہر تھے۔ بے جا مان میں سے اب چنے اور کرنے کو کچھ نہ لیا گیا۔ ہر کبھی آدھ آنا بھی بچے جانا۔ مندروں کے وسیع علاقے میں اس سرے سے کسی پر نہ کچھ لگا لگا رہا۔ ہزاروں پر چھٹا، آترنا، دھکانے کا کوئی وقت نہ ہونے کا اور ہر وقت امن بند نہ تھا۔ وہ زمان سے کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ کسے ان کے لیے چک آنکھیں اور ان کے لیے کنگ چوں پر بہت کچھ لکھا ہوا تھا۔ پڑھنا چاہیں تو لوگ کوئے کا فذ پڑھ لیتے ہیں۔ لکھے ان سے کچھ نہیں ملاتے۔ ہر خوف آنا تھا۔ ہر وقت یہ خیال رہتا کہ کس کوئی کچھ نہ لے چلے سے اچھے۔

رات گئے۔ کچھ چیل لے چلے مندیر سے حرکت نہیں کی۔ روشنیاں تیز کی کم ہونے لگیں تو وہ کسمانے لگے۔ ہم نے اپنے بھرنے ہوئے جہم سے ادا اٹھ کے اس کے ساتھ چل دیے۔ مڑوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ ایک مقام سے دوسرا مقام، ایک جگہ سے دوسری جگہ۔ مٹی کے آدمی اس وقت بھی ہر جہم پر چڑھتے اور ان کی وہی حالت تھی کہ ایک گروہ ایک عمارت پر چڑھتا تھا اور دوسرا دوسری عمارت پر۔ وہ ہمارا تعاقب نہیں کرتے تھے کہ انھیں ایسا کرنے کی ضرورت تھی نہ انھیں ہماری منزل جاننے سے کوئی غرض تھی کہ وہ ہر عمارت میں موجود تھے۔ کھلے آسمان کے نیچے ایک جگہ سے دوسری جگہ کے فاصلے کے دوران میں بھی ہمارے ہونے سے ان کے لیے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ہم تو بہت جلد کسی عمارت کی طرف آتے۔ بڑے مندیر سے چلنے کے بعد وہ دوسری عمارت تھی جہاں قدم لگنے پر ہماری دیکھ میں جا ہوا۔ خون کھلنے لگا۔ ہم سے پہلے پیر، ذریعہ زور، ہلاکار اور لٹو ہواں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے درمیان میں دسی بات بہت ہوئی۔ کچھ دیر خیر کے ہم ایک ساتھ باہر نکلا۔ مڑوں میں آتے ہی چیل نے میں دیکھو کہ میں تھیں۔ مڑوں کے ماری ماری اور شرم کی جگہ بڑا دھڑلے ہمارے ساتھ ہو گئے۔ اور وہ پانی کے ماری ہی سے اچھا دھڑلے سلطان ذریعہ پیر، چیل اہل میں ہم چھ۔ چیل نے غم کو آگے بڑھا دیا اور ہم سب ایک چھپر کی آڑ میں اس وقت تک بیٹھے رہے جب تک کہ میں شرم کے غم سے نکل جانے کا یقین نہ ہو گیا۔ ہم ہر مرتبہ ہمارے ساتھ رہا تھا۔ اس لیے راستوں سے خوب واقف ہو چکا تھا۔ بعد میں ہم کبھی ادا عمارت میں نہیں گئے۔ بلکہ بیچ کی نما عمارتیں چھوڑ

ہم نے ایک طویل راستہ کاٹ کر اُسی انشعب میں آگئے جہاں اُدھے فزقین اور جادو اُڑیلوں میں گھلا ہوا قیامِ مذہب واقع تھا۔ مذہب کی چھت ٹھنڈا آئے ہی ہم نے اپنی رفتار بے حد کم کر دی تھی۔ چہلوں اور اُڑیلوں کے بل تھرتھار سیکھتے ہوئے ہم عمارت کے عقب میں پہنچ گئے۔ سڑک اور سبکی کے آدمیوں کی دلی دلی آوازیں ہمیں سنائی دے رہی تھیں۔ بھلے نے سڑک کو باریت کی کہ وہ بیڑ چلے پرموجود آدمیوں کو کسی طرح روک لکھے، روکنے سے اُس کی مراد یہ تھی کہ اُن کا دھیان بنائے دیکھ، سڑک اُن کی زبان جانتا تھا۔ وہ اُن سے چلنے طلب کر سکتا تھا، اُن کے گرد کچھ دیر بیٹھنے کی اعازت حاصل کر سکتا تھا۔ اپنے کسی آدمی کی طبیعت اپنا کھرب ہونے کا اندر کر سکتا تھا۔ وہ کسی طرح بھی انھیں، باتوں میں لگا سکتا تھا، اور اس شناساں ہم پیچھے سے مدھر بیڑھیں نہیں تھیں عمارت میں داخل ہو سکتے تھے۔ پیل رات جب ہم میان آئے تھے تو صرف سونے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بھلے نے سڑک کو یہ باریت بھی دی تھی کہ پسندے وہ مذہب جس کے بعضی دروازے گرند ہو تو کھول کر اور اگر یہ ممکن ہو تو کسی طوائف میں بیڑھوں سے دُور لے جائے بیڑھوں سے انھیں دُور لے جانا پوچھ لیا۔ اسی شکل میں تھا۔ مذہب سے واپسی پر کچھ دُور جانے کے بعد کوئی بھی آدمی جھینے جتانے لگتا۔ یقیناً وہ صو رتِ حال کا موازنہ لینے کے لیے اُس طرف جاگتے اور اُس دوران ہم مندر میں داخل ہو جاتے۔ یوں ہم اُن سب پر پیچھے سے، وارکر کے انھیں بے سرح بھی کر سکتے تھے۔ اُس رات اور کل دن میں ہم نے کچھ طرح اطمینان کر لیا تھا کہ بیڑھوں پر اُن کی تعداد دروازہ نہیں ہے۔ تین باجرا آدمی ہوں گے، سڑک کے جانے کے بعد ہم اندازاً آدھ گھنٹے کے وقفے سے اُس کے پیچھے رازہ ہوئے تھے، سڑک کو اندازاً آدھ گھنٹے بعد اُن سے رجوع ہونا چاہیے تھا۔ اُس نے یہ کہی کہ بیڑھوں کی جانب سے اُن کی آوازیں آئے۔ غامض خاکہ کشی میں دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ ہم نے اپنی جانبیں گھومنے کی پوری کوشش کی تھی۔ پچھلا دروازہ سامنے کے دروازے سے قریب نہیں تھا۔ ایک بڑی عمارت دونوں کے بیچ میں کھڑی تھی۔

کو اشارہ کر کے انہیں بھی بلالیا۔

ایسی بیڑی بھی جلا لیتا تو روشنی کچھ زیادہ ہو جاتی اور دم بار بار
سی دلاؤں سے نہ جھکا لے کیکن عجل سے بیڑی جب سے نہیں نکال۔
ہم غامے نیچے آگئے ہوں گے کہ ایک کوٹھی پر ایک بیکریاں
ہیں۔ آج امان نے بیڑی کے روشنی اس کے اطراف میں ڈالی اور
ایک خاص جگہ یا غارتا کسی بڑے خور کے منہ جیبا راستہ اندھ جانے کے لیے
پراخا۔ ہم سب سر جھکا کر بونے آسانی سے اس میں داخل ہو گئے کہ کوٹھی
بہا اور روشنی کے لیے کوئی روزن نہیں تھا۔ فضا گہری تھی۔ ایک طرف نیلا
نور ہلکے ہلکے نامت مولتی ترش ہوئی تھی۔ آج امان نے بیڑی بچاؤ
کے اندھیرے میں ڈوب گیا۔ ہم سب اپنی جگہوں پر جمے ہوئے خود کھڑے
ہو چکے ہیں ایک گرگڑا امٹ سناؤی جیسے کیں زمین دل گئی ہو
دلچان اپنی جگہ سے ہلے ہو۔ آج امان نے جب بیڑی روشن کی تو
وہی آنکھوں کے سامنے ایک ناخوالہ یقین نظر آئے۔ آج امان وہ جیسے موت
نے نالوں جسم کے زور سے وہیل لے رہے تھے اور موتی اپنی جگہ سے کھسک
گئی۔

آگے نہیں بڑھے۔ آگے کوئی زینہ نہیں تھا۔ غدار کے اس جانب ایک تنگ گلی تھی۔ چاروں طرف سے بندھسی تابوت کی طرح۔ تابوت کی لمبائی چوڑائی محدود ہوتی ہے۔ اس کی چوڑائی محدود تھی اور لمبائی نامحدود۔ زینے کے مانند اس میں بھی صرف ایک آدمی کے گزرنے کی گنجائش تھی۔ کچھ ہی دور چل کے میں ایک اور گلی کا منظر آیا۔ چاروں گلیوں کا کوئی شکا نامیں ملے۔ ایک موڑ کے بعد وسمرو موڑ پر ہم دست درپاے سر پائے۔ دائیں بائیں قدم قدم پر پتھر دار راستے چھوٹے تھے۔ آباجان جیسے انھیں بند کر کے چھڑھڑاٹھا اس طرف جا رہے تھے۔ ایک گلی چھوڑ کر دوسری گلی میں تمام راستے نہیں اڑ رہے تھے۔ وہ دیکھیں رُکے نہ انھیں کسی گلی کی شناخت میں کوئی وقت پہنچائی۔ ہر قدم پر پیراؤں اٹھاتے گنتا گنتا اگر کچھ غداروں کی مسرت دوبارہ نہ نکلی، اگر آباجان راستہ ہی بھول جائیں تو ہم کبھی یہاں سے نہیں کوڑھ سکتے تھے۔ گلیوں کی ہوا سوسم تھی اور دم گھٹنے سا گنتا تھا۔ آباجان جاتے مکالم مکالم کن کن راستوں پر نہیں گھمنا نہ تھے۔ وزیر کی طبیعت پہلے ہی خراب تھی کسی لمحے کسی بھی اعصاب جواب دے سکتے تھے۔ سبند نہ ہوا جانا تھا۔ باری طرح بھی کے ملن میں کٹھنے چھو رہے ہوں گے سب کو لے کر پھرتے ہوئے تھے۔ درہ بار بار دیوار سے سر گریں گئے۔ زور و نشان اور کشتیاں پھل جاتیں۔ ذرا کہیں پر لڑنا پڑ جاتا تو دیواروں دھکا دیتی تھیں۔ زینیں پر چوہوں کی جھوک کو پر لڑتے تھے۔ سانگوں میں درد اٹھنے لگا تھا۔ ایسا گنتا تھا کہ گلیاں کبھی نہیں ہوں گی۔ شاید آباجان بھی راستہ بھول گئے ہوں لیکن آفرودہ چانک ایک جگہ ٹوڑے رک گئے۔ دیوار پر روشنی ہوتی تو ہم دیکھ سکے۔ ہر طرف بلی بلی ہری لال روشنیوں کے تالے ٹٹا رہے تھے۔ ہم ایک اوسط لڑنے کے ہال میں موجود تھے۔ اسے ہال ہی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ آباجان نے دیوالیوں کے جلا کے دہان نصب ایک مشعل روشن کر دی تو چھت اور دیوالیوں جگہ گئے ان گلیں جیسے ہر طرف رنگ برنگے شعلے مل رہے ہوں یا پھوٹے چھوٹے بلب۔ در سے ادھر سے میں رہنے کے بعد ایک بار گئی اتنی روشنیوں میں آجائے سے ہماری آنکھیں خیر ہو گئی تھیں مشعل کی روشنی کے زیر پریم کے ساتھ تالے میں جھل مل رہے تھے۔ کبھی ہم دھمکھی نیز فوش پر رنگوں کی بوہیں سی چمک رہی تھیں۔ وہاں کو تو ہم بدھ کی صورت تھی زبسی اور کی مکہ کی پڑا بھی اتنی پرانگہ نہیں تھی۔ جتنی گلیوں کی تھی۔ ہم حیرت زدہ نظروں سے چاؤں طرف دیکھتے رہے۔ میں نے کہا ہوں میں کہیں ایسے کوں کا ڈر ہو رہا تھا۔ چھت اور دیوالیوں میں جا بجا چھوٹے چھوٹے شیشے اور پتھر جڑے ہوئے تھے جو کہ کشتیاں منعکس کرتے تھے۔ ہر مکانا پر وہ دھکھنے ہرے اور مٹی میں سرد تینوں کی جھللاہٹ سے فینڈ کی کیفیت مادی بننے لگتی تھی۔ کرے میں کوئی مشتاق نہیں تھا۔ ہر طرف دیوالوں میں غراب مار رہے تھے۔ میں سے ہر ب کسب نہ تھے۔ اور زور و زور شیشے اور پتھر لگے ہوئے تھے۔

”بیٹھ جائیے، آج امان کی آواز بھی جھلکاری تھی ہم سب فوش ہو بیٹھ گئے اور بہت بٹائی نظروں سے انھیں دیکھتے گئے۔ ہمیں سب کچھ ہے وہ سرد آواز میں بولے۔“

”یہ تو ان کو ایک بیٹا لگا ہے۔ یہ پیرنے پلے بار زبان کھولی دلتے نیچے ادرھر لگے پیچھے گئے، سلطان حیرت سے بولا۔
”یہ سب مہرے کا وقت نہیں ہے۔ آج امان نے تمک کے کہا۔
”یہ تو رنگ محل ہے اپنے کھنڈوں بھی ایسا نہیں ہے۔ جانو زلیخہ آواز میں بولا۔ اتنا! ادرھرب میرے قہرے ہوئے ہیں۔
”بڑے صاحب! بھلنے نے بامو کی بات پر توجہ نہیں دی اور آج امان سے غلاب ہر کے بولا۔ میں نے آپ سے اس رات ان سب کے لیے بول دیا تھا۔ ان کی زبان تیز ہے۔ نہیں سب پر بولتے تو دیوانت دینا۔ یہ پانچا پڑوئے اس کا کام جاوے۔ یہ سلطان نے وہ زلیخہ ادرھرب آوی او پیچھے ہیں اور دوستی میں پڑے ہیں۔ ایک دلتے ہیں دھوکا لئے گیا، آسے پر سوں ہم نے نیچے مٹی میں دیواریا ہے۔ ان سب کو باہر سے کی طرح جانو ہم کو بلو کہ ہم کی کر سکتے ہیں۔“
آج امان سرد ہلانے لگے میرے ادرھرب کے سوا بھی نے انھیں سٹ جانتے ہوئے سلام کیا۔

آج امان نے گردن جھکا کے انھیں جواب دیا اور گونجتی ہوئی آواز میں بولے۔ ”آپ نے سب دیکھ لیا ہے؟“
”دیکھ لیا ہے بڑے صاحب! بھلنے نے تیزی سے کہا۔

”پھر کیا فیصلہ کیا ہے؟“
”سرجا کیا بڑے صاحب!“
”میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ لوگ یہاں وقت ضائع نہ کریں۔“
”ہم آپ کے لیے ادرھر آئے ہیں۔“
”مجھے دیر لگے گی۔ مگر سب سے نکال دیکھیں۔“
”ادرھرب آپ کے اب بہت سے ہاتھ ہیں۔ اپنے کو ابھی ایک کات بھجوتے“

”چلتے وقت بھل جھانی سب کو بلول دیا تھا کہ سارا اگلا بچپلا معاف کر کے چلنا۔ اپن حساب پکنا کر کے آیا ہے۔ یہ تو ایک ایک کے بولا۔ اپن کو بلو یہ سب کیا ہے۔ اپن ابھی کو دھرا لیں۔“
”آپ لوگ کچھ نہیں سمجھتے۔ آج امان کے لیے ہم بڑی تھی۔ تمہارے لاڈلا جانی آپ کے لیے بہت پریشان تھا بڑے صاحب! پیر دولا! ابھی اپن کی دوڑی کی لئے ماٹو اور دھرے جلدی سے ملدی ٹوٹ چلو۔“

”نہیں پیر واد! بھلنے نے تندی سے کہا۔ بڑے صاحب! لیے نہیں جا سکتے۔ ہم بھی ان کے بلے مقررے تو ادرھرب کے اسے نہیں لوٹتے۔ اپنے کو وقت کا دھیان ہے۔ رات جاری ہے۔ ہم کوشا یہ لڑنا بھی ہوگا میں

نے پہلے ہی سب بتا دیا تھا۔ کیا اس کو دہلنے کی ضرورت ہے، بلو بڑے صاحب!“

آج امان فٹنی سانسیں بھرے گئے۔ ان کی آنکھوں میں شہر ترشح تھی۔ بھلنے نے ان سے پھر کوئی اصرار نہیں کیا۔ یہ پیرنے کو بلوئے گوشل کی تو اس نے اسے بھی دیکھا۔ سب بچپن آپ کا منہ نہک لیے چٹکل نام ان کے لب کھلے اور ان کو بھلے آواز کرے میں ابھی ہیں جس میں ہم بیٹھے ہوئے ہیں بھوں کے دور سے پہلے بنائی تھی کسی کڑا میں یہ اس خطے کے حاکموں کی عشرت کا قہمی جب بدھ بیان آنا شروع تو اس وقت مہا نگہ ای خاکم نے اہل عمارت کے اوپر مندر تیر کر دوا سب کچھ میں محفوظ کر دیا۔ بھوں کے عروج کے وقت ان خطے کو کھانا شروع حال تھی۔ یہاں مہا نگہ قابل کی ایک بڑی مٹی تھی اور بارش کی علاقوں۔ غلاب میں اس کی تیز تر زمینیں اور دوسری خصوصیات اس کی تیزی کا قہیں اور میں بھی۔ بعد میں یہ علاقہ صرف مندروں کے لیے مخصوص کر اور قابل کی بستی کر شہب میں مختلف بستیوں میں بسا دیا گیا۔ روایت ہے جب بدھ بیان آئے تو عمارت حاکم مہا نگہ کی حرم سرا تھی۔ یہاں وہ خاص کنیز ریتی تھیں جنھیں دنیا کے مختلف حصوں سے لایا۔

قادر دیکھا اس لیے بنائی گئی تھیں کہ اس دور جگہ نہ جانیں مگر۔ کا کوئی اور مقصد بھی ہو، یہ عشرت کے کسی کھیل کے کام میں آتی ہوں۔ میں یہ ایک بہترین ناہ گاہ بھی تھی۔ یہ مہا نگہ قہیل کی شردت، دولت تھا۔ بدھ دنیوی آلاش و رعیت پسندی نہیں کرتے۔ ان کی تعلیمات سے کمارہ کشتی اور قناعت پر مبنی ہیں۔ ادا کیا جاتا ہے کہ جہاں انھوں نے تبلیغ شروع کی مومنوں اور لوگوں نے اپنا سب کچھ ان حوالے کر دیا۔ ہاں ان کا بیان ٹیڑھا اور تو یہ پیر مال داساب بھی آڑ ساتھ تھا۔ حاکم مہا نگہ نے ان کی خوشنودی کے اظہار کے صلہ پر تمام خزانے سمیت اسے بیان و دفن کر دیا لیکن اس کی نیت بھلنے نے اس نے تمام عمارت باٹ کے ایک کے کو کھٹا چھوڑ دیا تھا۔ اور وہ کبھی اسے نکال سکے۔ اس کا خیال ہوگا کہ جب بھوں کے اثر کا یہ دہا جائے گا تو خزانہ دوبارہ اس کی تحویل میں آجائے گا لیکن یہ بدھ اپنی تعلیمات عمارت کے لئے ادا کیا تھا اور دلتانے ان کے ساتھ تھا گئے۔ یہاں رہبانیت کا ایک نام اور مشورہ ہوا۔ مہا نگہ کے رابہ ملائے میں جمع ہونے لگے اور گورنر بدھ کی تعلیمات کی تفسیر اور ان عملی نوئے پیش کرنے لگے اور انھوں نے یہاں ثابت و حق ریز ایک و ستاؤ پر شہر قب کے بدھ کے اقبال اور تعلیمات کی تفسیر شروع دتاؤ دیشور سے کہ ان میں کوئی ایسا واقعہ بھی ہے جو گورنر بدھ کے سے کوئی کے بیان پہنچا تھا اور اس میں مقدس نکات بھی تھے۔ بدھ کو کچھ کی کچھ کی سنہ حاصل تھی۔ وہ دتاؤ دیشور مشرق ہوتی تھیں اور مشرق

میں اس سے وابستہ ہو گئیں۔ ہر روز رات سے اسے جان سے زیادہ عزیز ہوا۔ اس لیے نہیں کہ اس میں مرقون خزانے کی تفصیلات درج تھیں بلکہ بلے کو گورنر بدھ کی لمانت تھی۔ ممکن ہے کہ کینہہ میں مذکور حاکموں اور اس کو کسی خزانے کی موجودگی کا مضمون تھا۔ ہاں بارش انھیں نے اس شخص و سحر کو کشل کی برہمکین سے کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس کا اندازہ ہے کہ جس کتاب کے بارے میں ایک مدت تک بحث گئی۔ وہ کوئی مانتھن نہیں تھا۔ ہاں انوں کا ہر نام ہے حاکم مہا نگہ نے اسے جیسے بدلنے میں کوئی دین چھوڑا تھا۔ وہ سرسبز سرسبز تھا۔ اس میں زمزمیں ہی زمزمیں تھیں۔ روز اور رات روایت کرتے ہوئے مجھے آتا وقت گزر گیا۔ آج امان کی زوڑ لے لے گئی۔

سب کھنگی بائیں انھیں دیکھ لے تھے کسی نے بیچ میں دخل دیا۔ سب سنتے رہے۔ آج امان کے موٹے موٹے لفظ ان بھی کی کچھ نہیں ہے۔ ہم پیری انھیں لے رہی تھیں۔ اسی اور فنی کی شکلیں بار بار سلٹنے باقی تھیں۔ جیسے ان کی دھریں اس دور خانے میں آگئی ہوں اور وہ سفید ہوں ہیں۔ میں میرے اور آج امان کے درمیان سر جھٹکے کھڑی ہوں۔ ہاں کا بھی اتنی ادا فنی سے کوئی تعلق تھا۔ شاید انھیں بھی وہ نظر آ رہی تھی۔ ان کی تھر تھوڑی آواز سے چتر چٹا تھا کہ ان کی انھیں بھی بل رہی تھی۔ کچھ دیر سا ناٹھا رہی۔ بدھ بولے، نہ بولے نہ کوئی اور بولے۔ بولے نہ بولے۔ یہ کیا سوچنے لگے تھے۔ کہاں کھنڈے تھے۔ پھر کسی کے ٹوٹے سے انھیں غوا حساس ہو گیا کہ اور لوگ بھی یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے آگ لگا گیا۔ غصا وقت میری طرف نظروں آٹھا کہ انھوں نے فرنگز کی حکمت زاد کمان سے کہاں چلا گیا۔ باہر کے گھرے جانے کے بعد میں نے ناگنا فکرت کی ہوں ہی وہ فز گردانی تھی۔ اسی خیال سے کہ شاید لوگ اور ان کے مارشل جانے۔ دی باہر کو کسی سمت شلے گئی۔ ہر ان دونوں کا کوئی اپنے تہہ میں مکا کا فکرت کے تہہ و تہہ امر از مری انھوں میں کھینچے گئے۔ یہاں لگا ہے آج امان بھی سے غلاب ہوں۔ مجھے نشانے کی لیے یہ کہہ رہے ہیں۔ مگر مہا نگہ نے انھیں شکل سے مشکل بنایا تھا۔ ہر حال جوت تھا، وہ گورنر گیا۔ وہ واپس نہیں آسکتا۔ انھیں جھجھری سی آگئی۔ آپ اٹھا کر اسے کے بند دیکھ لے۔ ہیں ان میں صرف چھ لپے ہیں۔ لپے سب دکھا رہا ہے۔ انھیں تلاش کرنا ایک کا لے دار ہے۔ آپ کا بال ہوگا کہ میں دیواروں کے نیچے محل ہوگا وہاں سے معلوم کیا جا سکتا ہوگا۔ یہاں میں سے تمام درشعوں ہیں۔ ان میں ہے جو آپ ایک دکھا ہوا بیٹھے ہیں۔ میں نے اس کا خزانہ ایک مناسب جگہ منتقل کر دیا ہے۔

”اسے آپ نے کھو دیا ہے؟“ بھلنے نے دھت سے کہا۔
”ہاں۔ آج امان بانی ہیں۔ پہلے خزانے سے جو کچھ برآمد ہوئے گا وہی اسی طرح میں نہیں ہے۔ مجھے کہتے ہیں کہ بانی بانی میں بھی

آج امان کچھ ہوگا اور میں انھیں کھلوں گا۔ اس میں وقت صرف ہوگا۔ مینے دو مینے چھ مینے ہاں۔ اس میں صبح وقت میں بتا سکتا۔“
”ابھی اپن ادرھرب ہیں۔ اپن کو بلوئے۔ پیر وادی سے بولا۔
”آپ ادرھرب ہیں اور میں نے آپ سے کوئی بات نہیں بھجوائی ہے۔ گورنر کے لیے یہ آستانہ و خزانہ اس خطے پر سب قبل از وقت محسوس ہوتا ہے۔ مگر غلاب مجھے یہ کرنا چاہیے تھا۔ ان کی آواز میں کھڑی کئی اور آپ کے ساتھ باہر ہے۔ میں کانی ہے اور اس میں عین اس کے مجھے اپنی بیانی اور سماعت پر کچھ اعتبار کرنا چاہیے۔ یہی جی اب کچھ چھاپا ناہ بہتر نہیں تھا کہ کوئی میری شناخت ہو چکی ہے۔ ادا لے اسے اسے کام میں اس کے تحقیق پہلو سے زیادہ غرض تھی۔ دوسری غرض بھی پیش نظر تھی۔ لیکن ان قدر نہیں۔ مجھے آپ کو بھڑسا ہے کسی مجبوری سے نہیں۔ یہ سب اپنے دیکھنے اور سننے کا اعتبار ہے۔ یہ اعتبار غلط ہو تو غلطی میری ہوگی اس لیے کہ میں نے اپنا اختیار خود کو لیا ہے۔ اسے غصہ نہیں ہونے دلیہ۔ اتنی باتیں کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ میری اقتدار کو برائے شک نہ سمجھیں جو میں آپ پر کر سکتا ہوں۔ مجھ پر بھی اعتبار کریں۔ میں آپ کو یہ ایک ایک بڑا مشورہ ہے کہ سکتا ہوں کہ آپ ان پر نیچے راستوں سے دوسری دھریں بہ ایک کو دکھ دھنڈا ہے۔ یہ راستے صرف میرے سینے میں محفوظ ہیں۔ زمین نہیں آسانی سے آپ کو منتقل کر سکتا ہوں۔ آپ اتنی جلدی انھیں سمجھ سکتے ہیں اور یہاں آگے آپ کے لیے ان کا جانا ضروری بھی ہے۔ خودیوں اور شہادت سے بھی کوئی نتیجہ ہوا نہیں ہو سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ لاحال ہے کہ آپ نے میں غلاموں کو مقرر دیکھی تھی، دی جگہ جہاں زمین ختم ہو جاتا ہے، وہ مقرر صرف ہی اپنی جگہ سے جاسکتا ہوں۔ اسے کھوکھے ہاں سمار کر کے لاتے سے جہاں جانا ہے گا تو آگے کے راستے خود بخود دھند ہو جائیں گے۔

مہا نگہ نے اس میں ہی فنی خونی رکھی تھی۔ موتی گرائی جانے کی یا اسے منہ دکھایا جائے گا تو اس کے بارگاہ کی چھت تھی زور سے کہ۔ اس کا کیا نتیجہ ہوگا کہ گلی بند کر کے گاؤ کو فنی بھی بھرا دے۔ اس کے کیا کیا ہے یہاں تمام اس خیال سے کہ ہوگا کہ جسے خزانے کی دتاؤ دیشور کا تحقیقی علم ضروری اس تک پہنچ سکے کوئی دھم نہیں۔ یہاں تمام قدم قدم پر احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ لوگ یہاں اندر ہوں اور اس دوران کوئی حادثہ پیش آجائے کہیں پیر واد بڑے جانے کوئی غلطی ہو جائے کوئی راستہ بند ہو جائے یا کسی اور قسم کی آنجن پیش آئے تو ہم کبھی باہر نہیں نکل سکتے۔ میں لائے لوگوں کی زندگی خطرے میں ڈالنے کی رائے نہیں ہے سکتا۔ یہاں بند ہواؤں میں اندر رہنا بھی مشکل ہے۔ بار بار اس طرف ندریں میں اور خاص طور پر اس مخصوص عمارت میں آپ کا باجی مناسب نہیں ہے۔ مہا نگہ قہیل کی ایک سنجیدہ سے ظاہر ہوئے کہ انھیں اپنے متبرک کا فکرت کے ساتھ وہ دوسری دتاؤ دیشور نے کبھی کچھ علم ہے یا گمان ہے جس کا تعلق اس عمارت

کی زیر زمین دولت ہے، آئیں شہر ہے کوئی اسے برا مکر نہ کرے
کو کھنڈ میں کبھی اور خرچ کر سکتا ہے۔ ہر چند انھیں یقین ہوگا کہ وہ شخص
ایسے حامل نہیں کر سکتا مگر اس طرح اس شخص کے ذیلے انھیں اپنے
کائنات کا سرخ لے جانے کا اور وہ مرنے ہی چاہتے ہیں۔ وہ ہزار سال سے
زیادہ عرصہ توڑ چکے ہیں۔ اس وقت میں آئیں وہ ہلاک نہیں ہوں جو یہاں
مک پہنچ سکا ہے۔ مجھے ہر وقت ہی اندیشہ تھا کہ کس کوئی زلزلہ نہ لگے
بڑی عمارت اپنی بنیادیں نہ چھوڑ چکی ہو اور کھنڈ نہ بن گئی ہو لیکن یہ عرصہ
مک پہرہا رہیں گا مرکز و محور ہی۔ انھوں نے اس کی اچھی طرح کچھ خیال
کی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے نالے اور مرتد کرنے سے یہیں عکاس
کے نیچے جو زمین مختلف غاروں تک جاتے ہیں وہ راہیں کی عبارت
ریاضت کے کام آتے ہیں۔ میں لیکن یہ اب بھی بہت سے غاروں
میں راہیں موجود ہیں تاہم یہاں آنے سے پہلے میں نے ہانگہ نیلے کے
اس مقدس جگہ کی تمام عمارتوں کی تصدیق کیا کہ ان اور مختلف حوالوں سے
کر لی تھی۔ میں نے آپ سے نکل کر سب بیان کر دیا ہے۔ آپ ہاں بہر
ماہہ ہیں کہ تو بد خدائے میرے ہرے کھنڈا ہے کہ آپ کی ٹوری مجھ
سے بندھی ہے۔ میں اپنی عمر گزار چکا ہوں۔ میری وفات نہ جانے کہا جائے۔
میں نہ رہا یا مجھ پر کوئی آفت و بھاری تو آپ یہاں سے باہر نہیں نکل سکتے۔
آپ کے اس دور میں جیسا سانس گئے وہ لافانی کیا ضمانت دے سکتا ہے کہ
اُس کے اعصاب خشک ہی رہیں گے۔ آپ میری بات سمجھنے کی کوشش
کیں۔ آپ نے مجھ سے باہر کا حوالہ دیا تھا۔ میں بھی آپ کو اسی کا حوالہ
دے سکتا ہوں۔

”ہم سب سمجھ رہے ہیں بڑے صاحب! قبیل نے سر ملے کہ۔
”پروا رکھی کا بھی بتائیں کھاسے۔ آپ اس کو چھوڑ دو ہم اور وہ
ہمیں گئے تو اپنے رونے والے اور بہت کم ہیں۔“

”مجھ پر بڑے صاحب اپنی بحث کتا کے آنے ہیں۔ پروا ایک کے
بولتا۔ ان ایک بات ماننا ہے کہ جیسے دھنسا لانا ہی چاہتا ہے۔ اپنی کا
غم جانے دو۔ اچھی ہم آپ کو ایدر چھوڑ کے اودھنالی جاتے رہیں۔“

”بڑے صاحب! ہم کو حکم کرو۔ اڈالا اڈالا جانی ہے۔ جاو باہا جان
کے پاس ہاکے پیچھا گیا اور ان کے پیچھے نہ ہونے بولا۔
”اپنے کو لڑو بڑے صاحب! سلطان بھی ایک کے ان کے پاس پہنچ گیا۔
”لو تو اچھی اور رکھ جائیں! ہمارے غمناک نے غمناک ہی لیے ہیں۔ کہا۔
”ابا جان! ان دونوں کے کہہ سونے پر ہاتھ رکھ کے سونے لگے۔
میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”اس ان کو ایک صفی سے پہلے کھڑے بزرگ کو اس کے سب
کسی رات کو ایدر بندہ جو ماہیں گئے۔ سالا باہر ڈھونڈتے چہرے لگے کہیں
قبیل جانی!“

”کچھ ایسا ہی کرنا ہوگا اور اُن قبیل کو ایدر لیے ہیں بڑے صاحب
تو آدھے کو ایدر بھیجنا ہوگا۔ باقی سونچنا اپنا کام ہے۔ بڑے صاحب
آپ اور مرد میں ہمارا انخلاف کو جب تک ہم نہ آئیں اس طور
آؤ۔ ہم کل پوسوں جب بھی خشک ہوگا، آجائیں گے۔“

”ابا جان کے پاس شاید اب تمام غلط فہمی ختم ہو چکے ہیں۔
آئیے تو یہی ان کے ساتھ آؤ کھڑے ہوں۔ آپ باہر طرف منڈکے
حقے کرمانے والی راہ داری میں بنے ہوں۔ کرمانے سے پہلے ابا
باہر نکلے۔ کچھ توقف کے بعد ہم سب۔ پہلی کر کے کھنڈ پہنچے
ہرگز ہمارے اور غار میں کائنات غار میں نہیں کی جانب سے بھی گئی
تھیں آری تھی۔ ہم اس جانب گئے بھی نہیں بلکہ مغربی دروازے سے
چھوڑے سے پہلے تھے زمین پر آگئے۔ سونم زور، باٹو، ہلاکار اور
ہمیں ملے میں لپٹے ہوئے۔ وہ جاگ رہے تھے۔ ہم نے بھی ان
سب میں ستر لگا دیے۔ ابا جان وہیں رک گئے تھے۔ تھکے تھکے پہلے غار
ہم نے منڈوں کے علاقے سے اترنا شروع کر دیا اور ابھی دھوپ اور
چیل نہیں تھی کہ وہاں بس ہی پہنچ گئے۔ چوک میں دو چکر کمان
کے بعد قبیل نے سیدھے سردار کے مکان کا رخ کیا۔ سردار کا چہرہ
میں تباہی تھا۔ وہیں کھڑے ہی وہ کچھ پریشان سا ہو گیا۔ اس کے روئے
کیا نہیں تھی تاہم انھوں نے غاروں کو نکالے کہ ہمارے لیے چائے اور
چیزیں منگوانے کا حکم دے دیا تھا۔ چائے کے دوران جب قبیل نے
بتایا کہ اُسے اپنا شہر کچھ درست معلوم ہوتا ہے۔ وہ سردار کو بھی کانا
کے سلسلے میں دلچسپی رکھتا ہے تو سردار اس کا منہ دیکھنے لگا۔ وہ اسی دن
ہمارے سلسلے ہی پر دیکھ کر طلب کرنے کا حکم دینے والا تھا قبیل نے اُسے
کیا کہ اچھی وہ کچھ مکر سے۔ سردار نے قبیل کی ہدایت پر کل نہیں کیا۔
بجی کے حکم میں وہ سردار ملاکر سے ہماری ملاقات ہوئی تو میں معلوم
کہ ہمارے جاتے ہی سردار نے پر دیکھ کر طلب کر لیا تھا۔

”نہا جتے ہی ہم چہرہ پر ڈھڑکیوں پر آگئے۔

میں قبیل ہمارے سونم زور، باٹو، ہلاکار اور سلطان صبح بڑے پہلے اور
آٹھانے کے لیے کوئی آدھے گھنٹے ہی اپنے مزار میں دساکے کھڑے
تھے۔ اس وقت چن دساکے سے نکل چکا تھا۔ شام کو کھڑے کھڑے
سردار کے پاس سے آئے کہ بعد کچھ وقت ابھی کے چوک میں گزرا چھوڑ
پڑھے گئے۔ میرے دل میں آتا تھا کہ قبیل سے کہہ کے سلطان کو دیکھا
آج دوسری رات تھی سلطان چہرے ہمارے ساتھ اور ہمارا ہاتھ۔ جیسے
داخل ہوتے وقت میں نے سلطان کی آنکھیں کبھی نہیں۔ وہ جادوں
منڈلا رہی تھیں۔ تاہم ہمارے سامنے تھیں۔ اس تھی غار اور ہی دروازے
تھی۔ دروازے بھی غاروں سے کھلا تھا۔ ہم کہہ میں گئے تو سلطان بنا
کب چکے سے باہر نکل گیا۔ ہم تیار ہو چکے تھے تب کہہ میں گیا

”آئی۔ پتہ نہیں وہ اسے ملی بائیں۔ ورنہ وہ اتنی دیر میں نہ کھاتا
اچھو کچھ بھیجا تھا۔ میں قبیل سے نہیں کہہ سکا اور کھانا تو کیا
خاکہ میری بات مان ہی لیا۔

بڑے منڈوں رات کا کھانا کھا کے ہم دوسرے منڈوں کی طرف
ہو گئے۔ اس کے مطابق پروا اور زور و مہر جو تھے منڈوں میں موجود
نے چھوڑا لے لے اپنی سولت کے لیے یا تھا۔ منڈوں کی گنتی سے
نے جانتے تھے۔ وہاں سے ہم سب ساتھ ہو گئے۔ سونم نے آگے ہانکے
بہرے عمل کیا وہ قدیم منڈ کی سڑھیوں پر بیٹھے۔ مئے آدمیوں کے
دون تھا کہ ہم اندر پہنچ گئے۔ ابا جان ہماری راہ رکھ رہے تھے۔
نہا جان میں گزری تھی۔ ہم نے چھوڑا لے لے ہینیاں۔ میںیں اور بھی
الے دوسرے اور صبح ہی اپنے اور کوٹ کی جیسوں میں چھپا لے
دیکے ساتھ بھی کچھ تھا۔ کل کی طرح مادی اور سلم کو ہم نے
ڈو دیا تھا۔ ان کی جگہ پر پروا اور زور ہمارے ساتھ ہو گئے تھے۔ ہم
تھے زیر زمین۔ زمین اور منڈوں کے گروہ کے بیسے ہی مادی میں
کے کرے میں پہنچے۔ ہم نے ایک پلی ہاں میں کیا۔ ابا جان کھانے
پہنچے تھے۔ تین دو چھوڑ کے ایک درمیان کھانا کھا تھا۔ ہم نے اسی
پلی میں ابا جان چھوڑا لے لے چھوڑا لے لے چھوڑا لے لے چھوڑا لے لے
انہم کا دیر پاس کتا گیا تھا۔ ابا جان نے کھانے سے ایک گز اور
کے کھانے کرنے کی ہدایت کی تھی۔ پلاسترنے پہلے چہرے میں بیسے
ان کو تاروں۔ اتنے برس گزرنے کے بعد بھی اس کی سختی اور مضبوطی
ہمیں آتا تھا۔ فراڈ کی چادر مادی تھا۔ ہمارے پاس بڑے چھوڑے
تھے۔ ہر حال میں تیسے ہم نے اپنا کام جاری رکھا اور کھانے سے
اور ہم مختلف جگہوں پر چھوڑا لے لے اترے اور چھپنا چھوڑے
ابا جان کی کھانے کا سامان کرے ہی میں رکھا ہوا تھا۔ اس میں خاص
لگا ہوا چھپنا تھیں۔ وہ ہمارے اوزاروں سے زیادہ کھانا تھا۔
تھی لیکن ایک ابا جان نے ہمیں روک دیا اور ہم میں سے تین آئیں
نہا جان چھپنے والے کا دیکھنا۔ چھوڑا اور منڈوں کے کتنے پر دوار
لگائے۔ وہ کی چھوڑا لے لے زیادہ سے زیادہ ڈھونڈ کر ہو گیا۔ مادی ابا جان
ہم کے عود کو دسی تھی۔ اتنی مختصر جگہ پر ایک وقت ہم بھی آدمیوں کے
لہے سے ہاتھ آئے۔ یہ بڑے تھے اور ہم ایک دوسرے میں
لہے تھے۔ ابا جان کسی نے ہاتھ نہیں لگائے۔ ابا جان انھوں نے
ہول کو دوار سے واپس بلایا اور ہمیں دیوار میں قریب تر چھپنا
الغرض وہاں میں اس طرف ہمارے اس طرف درمیان میں سلطان داخل
ہوئے۔ دوار کھنڈے گئے۔ چھوڑی ہی دیر میں ہم نے ہر طرف مدد سے ترتیب
نہا جان دال چکے تھے۔ کھانا پہلے ہی پڑ چکے تھے۔ ابا جان
انگ دہاں سے ہمارا اور قبیل پروا اور زور سے آگے بڑھے کر کہا۔

”قریب قریب خربیں لگنے سے پلاسترنے ہو گیا تھا۔ قبیل پروا اور زور
کی چھپنا میں سے جگہ جگہ چھپ چکا تھو۔

”ابا جان نے ایک بار انھیں چھپنا لیا اور ہمیں دوبارہ دوار چھپا۔
ہمارے ہاتھوں کو اس صفی میں سکون مل گیا تھا۔ ہم نے وہ سارا پتھر قبیل
سے دیکر کہا۔ اندر موشے ملے سیاہ چھڑے ہو گئے۔ ان کی لمبائی چھوڑی
سے ان کی جسامت کا اندازہ ہوا تھا۔ ہم دہاں سے ہینیاں چاہتے تھے۔
اس پہلے کہ ابا جان میں چھپنا لے اور ہماری گواہ لوگ آتے ہم نے
چھوڑوں پہلے ہاتھنا چھوڑا لے مادی شروع کر دیں۔ ہر طرف پتھر کی ایک چیخ
سی بلند ہوئی تھی۔ ہمیں غور سے غور سے ہم پر دیا تھی سی طاری ہو گئی تھی۔
ابا جان نے ہی قبیل سے کہا کہ جو کتا اس نے اور پتھر سے ہم پر چھپت کے
ہمارے ہاتھوں سے اور ابا جان لیے اور میں پیچھے دھکیل دیا۔

وہ سامنے کی بات تھی جو ہماری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی ابا جان
اسی کا شواہد کر رہے تھے۔ ہمیں چھوڑوں کے درمیان مرنے والوں کے سالے
پر نشانے لگائے جا رہے تھے۔ دروں میں ملنے کی تعداد بھی خاصی
تھی اور یہ ہمارے لیے ایک اچھی بات تھی۔ چھڑے ہوئے کے دوسرے
دروں نایہ بھی نہیں تھیں۔ ایک گز کی لمبائی میں آدھے سے نیچے تک چار
چھڑے آتے تھے اور ہر چھڑا میں ہی چھ قبیل پروا اور زور نے ابا جان کی
ہدایت کے مطابق ان کے چھڑوں میں لگے ہوئے مال کی گورہیں پر تڑپ کر
رہی۔ بعد میں ان کی جگہ میں پہنچ گئے۔ چھڑے اس طرح ہم ہاں بدل کرتے
لے ہاں داس کے بعد ہم نے ابا جان کی لائے کے بغیر کوئی چھپنا نہیں چھوڑی۔
باری باری آنے سے ہمیں اتنی تھکن محسوس نہیں ہو رہی تھی لیکن مساکر
ابا جان نے کل رات کتا کتا، وہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ یہی کویت تھی
کہ انھوں نے تین تہا ایک دیکھ کر کھو لیا تھا۔ اس کا کہا وہیں پڑا تھا۔ ہمارے
ہاتھوں میں ایک ہی رات میں چھپا لے پڑے گئے تھے اور ابھی در لوی
طرح کھڑا بھی نہیں تھا۔ ساری رات کو ٹھک ٹھک ٹھک ٹھک ٹھک ٹھک ٹھک ٹھک ٹھک
گونگا رہا۔ اندر اتنی ٹھنڈ تھیں جتنی مادی باہر تھی۔ کھانے کرتے کرتے ہمارا سارا
جسم پسینے میں جھپک اٹھا تھا۔ ابا جان بار بار تاکید کرتے تھے کہ ہم آہستہ
آہستہ خربیں لگائیں لیکن میں نے باری آئی تھی اور چھپنا چھوڑا ہاتھ میں
آئی تھی ہی چھپنا تھا کہ چھڑے کو دھونڈے کو دینے سے خربیں لگائیں۔
پر ہمارے چھوڑا لے سکتے۔ دروں پتھر کی بڑی جسامت کی وجہ سے آئی تھی گری
تھیں۔ ہم نے کھانے اور پتھر چھوڑوں کے ساتھ جڑا ہوا سالا نہیں چھوڑا لے
ہم نے ہاتھ جلا دیا۔ مشکل تھا۔ پتھر کھانے سے ہم بہت لے لیکن لیکر
مک ان کے درمیان کی تمام دروں میں ہم نے کھانے کو ہی نہیں۔ اس طرح ان
کی باہم کھینک سی خود بخود ڈھیل ہو گئی۔ سامنے کے چھوڑوں کی چھوڑا لے انھیں
کوئی سارا نہ ہوا تھا۔ ہماری چھوڑوں سے اور دوسرے ان کے لیے دن
کے دباؤ سے ایک دوسرے پر ان کے گرنے میں مرنے ایک ہی کر رہ گئی

تھی کہ کم پیچھے سے اُن کا سالانہ چھوڑ کے تھے۔ اسی کے بل پر دہائی
 ایک مہینے ہوتے تھے اور اپنی جگہ تاہم تھے جو سالانہ پیچھے سے چھوڑ دینا
 پیدار ہو گئے تھے ان میں بڑی زمینیں ڈالنے کا ڈالنے اور کھیت کی کھیت
 برجان کل آتی تھی۔ ہمارے پاس کڑاں ہوتی تھیں اور وقت بھی نہ لگتا تھا
 کڑاں کو ہم پرستی نہیں لکھیں اس ساتھ کیسے لایا جاسکتا تھا۔
 میں کوئی سا ہلکا چھوڑ نکال دینا چاہتا تھا اسی لیے ہم نے اپنا
 سالانہ اور ایک ہی چھوڑ صرف کر رکھا تھا۔ چھوڑ کے ہمارا سالانہ سلسلہ
 کی تاب دلا سکا، اکثر نہ لگا۔ پتلے چھوڑ کے پتلے چھوڑ دیے گئے وہ
 پیچھے کے چھوڑ پر اگر ہمارے ہاتھ اور بدلے قرار ہوئے۔ ایک کے پھلنے کے
 بعد دوسرے کے پیچھے لگے ہمارے سال پر ہماری زمینیں ہسانی کی کھیت تھیں
 لیکن اسے اپنی طرف کھسکا اور دوسرے سے جدا کرنا ہی کچھ کم دشوار تھا۔
 ہم نے اپنی انگلیوں سے بدل کر انگلیاں پھلنے لگیں۔ سچہ ہم نے نہیں ایک
 جانب آڑے کے زور لگایا۔ اُس کا ایک دلا سکا کو باہی باہر نکل آتا وہ جاری
 گرفت میں آجاتا۔

اسی چھوڑ میں سلطان کی انگی پر میری چھوڑی پڑ گئی اور وہ
 بلک پڑا۔ اباجان غرض پر پیچھے ہٹنے چل اور میرے پاس آئیں کہ پیچھے
 وہ تیزی سے آگے کے ہمارے پاس آگئے سلطان کے پاس ہاتھ کی چھوٹکیا
 کا پورا پورا چھوڑی سے چپک گیا تھا میں نے جھٹ اُس کی انگلی اپنے منہ
 میں لے لی۔ مجھے سنسوں کے موتی آواز سے بتایا تھا کہ منہ کی گری سے
 غن نہیں جتا اور لعاب دہن کبیر کا کام کرتا ہے مگر سلطان کو اس سے
 افادہ نہیں ہوا۔ اُسے پتہ چلا گیا۔ پھیل ہو کر آگے اُس کا پورا دھاڑا مارا۔
 کام کر گیا۔ مجھے اُس سے بہت ندامت ہو رہی تھی مالا سلطان کا ہمارا
 لکھنے پر آہ وہ تھا بلکہ اور کڑا تھا۔ پھیل نہ ہم نہیں کو دلوار سے ہٹا دیا
 اور اباجان کی ہدایت پر بڑی زمینیں ڈھیلے ہونے والے چھوڑ کے نیچے آڑا
 دیں زمینیں اور طرح پر پیچھے گئی تھیں اُس نے انھیں ذرا آڑا ہٹا کے چھوڑ
 جھوڑا اور اُس وقت بے اختیار سب کی جھینگیں گھٹ گئیں سب چھوڑ کا ایک
 کونا باہر نکل آیا۔ پھر سے سوچا باہر نکالنا دشوار نہیں تھا۔ اُس کی جگہ اند
 ایک فٹ اور غلا ہو گیا چند دوسرے چھوڑ کے پتلے چھوڑوں کے سالے
 پر ضرر میں لانے کے لیے اب کو بڑی رکاوٹ نہیں تھی۔
 وہ سال چھوڑ میں بہت گیا چھوڑ اور چھوڑا آدھے پیر وزیر اور
 قبیل نکال چکے تھے کہ میں نے اور جامو نے اُن کے ہاتھوں سے اوزار
 لیے لیے سلطان نے بہت مذکر ہم نے اُسے پیچھے نہ دیا باقی آدھے
 چھوڑ دونوں نے جتنی جلدی ممکن ہو سکتا تھا نکال باہر کیے۔ اندر کی
 آٹھری سی دیوار اب صاف نظر نہ لگتی تھی۔ چھوڑے تھے جو کچھ سکو
 مٹی چوڑا دیت جو چھوڑی سالے پڑی تھی انھوں نے شاید وہ سب دلا
 کے سالانہ لایا کیا تھا اور اسے پاٹ دیا تھا۔ ہم نے مختلف جگہوں پر چھوڑیاں

لار کے اُس کی چھوڑی کو کسی مذکر چھوڑ لگا لیا تھا۔ سالانہ چھوڑ تھا
 لکڑی میں بھڑے ہوئے تھے کہ اُن کی کھیت میں آگے کی دلاہ
 وقت پیش آنے کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔
 تھیں ہلاری بایں ایک چھوڑ تھی سب کی سانسیں اگڑی
 تھیں۔ کسے میں گرد و غبار جمع ہو گیا تھا اور درختیاں بھی اُلٹی
 گئی تھیں۔ جانے کتنی بار چھوڑ کا کاروبار ہماری آنکھوں میں پڑا تھا
 نکالنے کے لئے انھیں لالہ برقی تھیں۔ تاکہ اور مزہ میں بھی کوئی
 تھی۔ شدید ہواں لگ ہی تھی اور باہر کی دھول کوئی صورت ہی نہیں
 پر زور اور زور مسلسل کھس رہے تھے۔ پھلنے کے سب کے پیر
 کارنگ بدل دیا تھا۔ انگلیاں جگہ جگہ سے پھل گئی تھیں اور اباجان
 دلاوار سالے تھی اور کوئی جھوڑا نہیں تھا کہ اباجان نے سمجھ کر
 ہے۔ لیکن یہ ساری محنت ہی کارگر مل جائے۔ اُس کے کاروبار
 دیوار کی کھیت کے لیے تیار تھے۔ چلتے چلتے چھوڑ نے مارنے سے
 لی تھی۔ اُس نے میں وقت بتا دیا اور باقی کھیت کی ملوثی کرنے کا
 کر دیا۔ اباجان نے اعتراض نہیں کیا۔ چار بجے تھے۔ میں باہر
 تھا۔ ہم نے اپنے اوزار میں رکھ لیے۔
 راستے میں ہم ایک چھوڑ پر ہنسا ہاتھ دھونے کے لیے کچھ پیر
 اٹھا تھا۔ اُن کا ہاتھ چلے جانے تھے لیکن سر لے میں جانے سے پہلے
 ٹھیک ہی رہنا چاہیے تھا۔ چھوڑوں سے ملنے ترکہ کے ہم پہلے
 شولم کے ساتھ وہ سب دھول کوڑھتے۔ پیر پیچھے ہی ہم پہلے
 لگیں چھوڑوں میں درد اور کڑا تھا۔ جس میں ہوا ہی چاہتی تھی
 بغیر ہمارے سر کا نہ انکھن معلوم ہوتا تھا۔ اس وقت تک میں دھول
 جب تک سر لے میں چلنے کا انتظام نہ ہو گیا۔ اُس کے بعد ہم پہلے
 پیچھے ہٹیں ہی آگئے۔
 پیر نے چھوڑ کو بتا دیا تھا کہ کل سہ پہر سوار نے اُسے کہ
 اُس سے اُن کی کھیت کتنی بڑی ہے۔ اُس کے قبول سوار نے اُسے
 کا ذکر چھوڑ یا تو پیر نے لکھی ظاہر نہیں کی سوار نے اُس سے
 سوالات کیے جو پھلنے کے لیے اور پیر نے تقریباً یہی جواب دیا
 نے سوار کو کہیے تھے۔ اُس نے بھی چھوڑ کی طرح سوار سے لڑا تھا
 لیا کہ وہ پہلے آئے ہلائے خالے سے اُن کے لیے میں کچھ نہیں کہ
 سوار کی تسلی کے لیے اور کم وقت یا تھا، یعنی صرف دو ہفتے
 کو جب یہ سب سارا تھا، مجھے خیال آیا کہ اُس نے سوار سے
 کہیں کر کی ہوں کی سیرم گیا کہ اُس کی آوی اُس کے ساتھ نہیں تھا
 لیا کہ وہ ایک تیرہ سالہ چھوڑی ہمارے دم موجود ہیں سوار نے
 ظاہر ہے سوار نے توجہ کی کے لیے ہندوستانی جاننے والے
 آوی کو ضرور طلب کیا ہوگا اور قبیلے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں

مانی سے خوب اذیت دیتے تھے۔ کافذات کی عمر شہر کے بعد
 ان آج اباجان کا معمول تھا۔ سینکڑوں آدمیوں نے ہندوستان کا رنج
 یاد اور چھوڑا تھا۔ میرے ذہن میں یہ بات آتی ہی نہیں تھی کہ سلطان
 سے کوئی نذرانہ میں بات کرنا تھا۔ سلطان ہتھی میں جاتا تھا۔
 زور کوٹ دیکھا ہی نہیں رہا ہوگا، اُس نے اُس سے بہت سی باتیں
 کی۔ عجیب عجیب باتیں۔ جیسے میں کوڑا سے اور کوڑا کھڑے کرتی
 را کہ وہی کوئی چھوڑی ہندوستانی آتی تھی۔ میں اُسی وقت سلطان سے
 چاہتا تھا لیکن یہ فرصت کی بات تھی۔ ہم چوتھے مندرے اباجان
 ن جانے تھے۔ آواز نکلیا، ہم نے اپنی چاہ میں بھی معدوم کر رکھی
 بہر حال اگر نشانہ ہندوستانی ہستی تھی تو اُس کا مطلب ہے مجھ سے
 اپنا ہوگا۔ اُس کے کویشے ہندوستان جا چکے تھے۔ ہو سکتا ہے وہ
 دیان گیا ہو۔ نشانہ بھی گئی ہو۔ اگر ایک عجیب سوار نے اُسی سبب سے
 مارا ہوگا۔ میرانی کے لیے غمزہ کیا ہو کہ وہ اپنے مکان میں چار
 ہونے والی گفتگو کی سن گئی ہے۔ ایسا ہی ہوگا۔ پھیل نے کسی
 ہم سب کو نکر کے باوجود اُس میں گفتگو کرتے وقت احتیاط کی
 کی تھی۔ موتی کوئی باتیں مجھ سے ادھل کر ہوا تھیں۔ یہ دماغ ہی
 کا ہم نہیں کر رہا تھا۔ جب سے اباجان کو دیکھا تھا، ہمارے میں انھی کا
 رتا تھا۔ اُن کوئی دھیان ہی سرکے نہیں تھا۔ ہر وقت دل آڑا تھا
 دماغ مال خالی۔

اُسی دن پیر نے بھی اُس کے چمک میں دوسرے کالے ہوا پتہ
 لگا دیا۔ زمین میں لوکیاں اور پتے پیر کی طرف ڈھلنے لگے۔ ہمارا
 اکھی بار دیکھ گئے تھے۔ پیر کے پاس ہم سے مختلف سالانہ تھا اور
 زہمت بھی کم لگتی تھی۔ زور اور وزیر جیسے میں جاتے کے لیے ملاش
 رہے تھے۔ اور ہارانی اور سلطان نے بھی آوازیں لگانی شروع کر دیں۔
 باقی کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ جی کے چمک میں اچھی خاصی بیڑ
 تھی۔ پھیل نے کل کے مقابلے میں نہیں اور کم کر دیں۔ ہمارے دونوں
 فاصلہ ہو گئے۔ اُس دن میں جی کے دما کے مکان سے ہم دوسری ہندو
 مٹے۔ پیر نے خامسا مانا بیچ دیا۔ ہم نے احتیاطاً اپنے رہنے میں
 تھے نہ لگا ہمارے چل ہوتی انگلیوں پر ان کی نظر پڑ جانے۔ بازار پڑ جانے
 بدھ اور سلطان نے ہستی کے مکان واروں سے مفلکوں کے بدلے
 نہ لگا ہوا ان کی مروتی سے پیچھے کے لیے دھن اور کھانے کے پتے کی چند
 لکڑی فریڈ لیں۔ اتنی ہی چیزیں کہ انھیں کھے ہو۔ پیر نے بھی
 لگا دیا۔ سوار نے جن دما کے مکان میں آگے ہم نے اپنے ساتھ لائے
 ہندوستانی نے بھی اُن کو کوڑوں میں چھپا لیے تھے۔ سوار خوب ہوتے
 اپنے غمزہ پر راز ہو گئے۔ رات کو وہ میں متحرکہ ہو کر پھل گئے۔ مینی
 سالہ سب بھی اُن کے ساتھ نہیں تھے۔ لیکن وہ تباہ ہے کہ اُن کی

مالت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ پھیل نے ایک تبدیلی کی سلطان کی زخمی
 چھوٹکیا کی وجہ سے اُسے شولم کے ساتھ باہر لے دیا۔ اس کا کام معمول کے
 مطابق مندر کی سیر میں پیر جیسے ہوئے آدمیوں کی توجہ آتی تھی۔ ایک اپنی
 جانب مندر کی کھیتا جتنی دیر میں ہم مندر میں داخل ہوتے۔ بعد میں جب
 انھیں اُڑانے سے یقین ہو جاتا تھا کہ ہم اندر پہنچے گئے ہوں گے وہ آواز دہ
 جاتے تھے اور مراٹے میں ہمارے کھیت جاتے تھے سلطان اس تبدیلی پر
 بہت عجب کیا۔ پھیل نے اُس کی بات نہیں سنی۔ اُس کے بدلے اُس نے
 زور اور ساتھ کر لیا۔ زور سلطان کا میرے بدل تھا مگر جب پھیل سلطان کو آواز
 لے جانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا تو اُسے کھڑے ہو کر دیکھنے میں کیا حرج تھا۔
 شولم کے ساتھ آج ایک آدمی کو ہزار تویشہ میں پروردہ دی لیتے پڑیاں
 ہوتے سلطان نے دلیل بھی دی کہ کوڑا کی جگہ اُس کی تبدیلی وہ لوگ شولم
 کر لیں گے۔ یہ دلیل بھی چھل کر تار کوڑا کی سکی لاوا کی جتنی روٹی میں غلوں
 اور کوڑوں سے پلے ہوئے ہیں پر وہ اتنی نگاہ کھان رکھتے ہیں کہ وہ
 ہستی کے مام اشد سے اور صرف دو رنگ ہستی کے میں جس میں ہم تیس
 ہوتے تھے۔ ہاگ قبیلے کی دوسری بیڑوں سے بھی انھیں بلایا گیا ہوگا۔ باہی
 وہ ہیں اتنا نہیں پہچانتے ہوں گے کہ چوں میں امتیاز کرنے لگیں اور یہ
 لازم نہیں تھا کہ اچھی دی گرگ میں جیوں ہوں جوکل یا پیروں بیال
 تعینات تھے۔

اباجان نے کوئی دیر نہیں کی۔ اندر پہنچے ہی ہم نے اپنا اور
 کا نشانہ شروع کر دیا اور اباجان تبدیل کرتے رہے۔ دھول کی نسبت آج
 زیادہ آڑی تھی۔ سالے میں مٹی کی آئین تھی۔ مٹی کی ہلکے سبب
 کھائی میں اتنی وقت نہیں ہو رہی تھی۔ سبھی طرف کے چھوڑے بڑے چھوڑ
 سالے میں ڈال دیے گئے تھے، وہی تنگ کر رہے تھے۔ انھیں چھوڑ
 کے ہم اُن کے اور گردے پیر سالے ہی پر ضرر میں لائے تھے اُس سے
 وہ خود جگہ چھوڑنے لگے تھے۔ پیر کے سمجھانے کا وجود زور کی چھوڑ
 ہم میں سب سے بڑی پڑی تھیں۔ کل ہمارے ہاتھ دیکھنے لگے تھے تو آج
 عجیب قسم کے پیر سالے نے سانس لینے کی شکل کر دی تھی۔
 سب بیری باری ختم ہوئی تھی اور اباجان کے پاس آگے بیٹھ
 جاتا تھا اور میرا سم کھانے اور کھینے مانگتا تھا۔ ہر لفظ پر کڑا ہٹا تھا کہ
 وہ کچھ پیچھے نہیں لگیں۔ میں انھیں کیا کیا جواب دیاں گا کہ اباجان بیٹھ رہے
 دیکھنے ہی بیٹھتے تھے زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ کل ہی ہوا۔ جامو اور
 سلطان کی باری بھی میرے ساتھ ختم ہوئی تھی۔ شاید اُن کی موجودی کی وجہ
 سے وہ بات نہیں کرتے تھے۔ پیر کی نظر تو اُن کی طرف اٹھتی ہی نہیں
 تھیں۔ پس ایک بار انھوں نے میرے ہاتھ شولم کے دیکھے تھے میرے سر
 پر ہاتھ رکھا تھا۔ ان کا دل چاہتا ہوگا کہ وہ مجھے اپنے سینے میں چھین لیں۔
 مجھے اُن کی عادت معلوم تھی۔ جو اُن کے دل میں جاتا تھا، کسی کو اُن کا پتہ نہیں

چلنے دیتے تھے۔ گھوڑوں پر وقت ہم سب کا خیال لے سکتے تھے لیکن ہوشیاریا
گنا خفا جیسے وہ ہم سب سے اڑاں میں مرفعتی لہی تھی جو ان سے ہر
منوالیتی تھی وہ اس کا کما بھی نہیں لے سکتے تھے۔ فنی ان پر ایک طرح سے
حکم جلاتی تھی۔ میں اگر کوئی فرمائش کرنی ہوتی تو ہم فنی کی ذریعہ
آبادان سے سکوت لے تھے۔ گیارہ بیس سو سیر سے میں ان کے ساتھ ٹھیکہ لے
جاتا تھا تو مجھ سے بس چھانی دیو کے شعلے پلچتے ہو جتے تھے تو ایک دفعہ
جب جہاں گیر کو شے سے گر گیا تھا اور اے پرکش پر گیا تھا تو آبادان
تین تین حکیم ڈاکٹر بلا لائے تھے مسلسل دوا میں اس کے مرنے بیٹھے
لیے تھے۔ جب تک جہاں گیر کو پرکش نہیں آگیا وہ اس کے پاس سے
نہیں اٹھے۔ ان کے قریب بیٹھ کے مجھے گھیر لیا تے تھا اور کبھی تو
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میں گھری میں بیٹھا ہوں اور میں بہت چھوڑا ہو گیا
ہوں۔ چوکی والے میرے پاس اتنی جان بان لگا رہی ہیں آبادان میں ہاں
کر رہے ہیں اور اتنی انھیں سارے جہاں کی باتیں سن رہی ہیں۔ اب وہ
گھور رہا تھا، ذاتی تھیں۔ وہ سب خواب کی طرح گور گیا تھا۔ ٹھنکے بیٹھے
دیکھ کے آبادان بھی ہی سوچ لے رہے ہیں۔ کاش میں ان کا دل پڑھ سکتا۔
کئی گھنٹے گزردیکے ہیں گئے ہیں۔ کوئی دوفٹ اندر ایک دیوار
کھول کر تھی۔ ابھی تک اس میں سے کوئی چیز برآمد نہیں ہوئی تھی۔ آبادان
ہی کو معلوم تھا کہ ابھی اور کتنی کھدائی کرنی پڑے گی اور ہم نے ان سے
پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کیونکہ وہ دیکھ ہی لے رہے تھے۔ جب تک وہ
منع نہ کریں میں کھودتا ہوں۔ جانی ساتھ لانے سے بہت فائدہ ہوا۔ میں
میں گزرا وہ ہوتا ہی تو ہم گلیاں کے مرکز صاف کر لیتے تھے۔ ہم سے
قلبی طور پر کسی طرح ایک کھیل لے آتے تو جیسے ہی ان جانی۔ فغان
جب میں آسانی سے چھپانے جا سکتے تھے اور اچانک ہی جی بھی ٹھنک کر
راتے ہی میں چھپ جاسکتی تھیں کیتی لانا البتہ مسٹر ہونا لیکن اس کا بھی کوئی
مل نکالا جا سکتا تھا۔ باری ختم ہونے پر ہم ٹھنک مودہ کو بٹھائے گئے تھے ہم
نے کوئی آدھنٹ کھدائی اندر کوئی ہوگی کہ آبادان میں روک کے دیوار کا غور سے
مازہ لینے لگے اور انھوں نے چھین چھوڑی اپنے ہاتھ میں لے کے فوراً
آہستہ آہستہ مڑیں لگا شروع کیں۔ وہ اتنی احتیاط سے ہاتھ ملا رہے تھے جیسے
پتھر کرکٹس ہیں۔ ہر کسی موتی کے ذوال انکار کر رہے ہیں کسی چیز
کے پتہ آنا رہے ہوں۔ ہم چند منٹ تک پوری توجہ سے انھیں دیکھتے
لیے پھر ہم نے انھیں بتا دیا اور ان کے بتائے ہوئے طریقے پر چھینیاں پرت
کرنے لگے۔ ان کی بات کچھ سمجھ میں نہ آتی تھی۔ آبادان کو اندر دیکھ کر نظر
آگیا تھا۔ اس خیال سے جی کے ہاتھ پر چھو لے جاتے تھے کہ باری ختم
راگش نہیں جاتے گی۔ آبادان نے مسیح و پریشان لگایا ہے۔ اٹھا دوں
میں یہ دوسرا درجہ جہاں کچھ چھپا ہوا ہے۔ ہم بھی کھڑے، مسالا کرینے
اور چھین کر ہاتھ ہی سے نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ دیوار کا بچلا

حصہ تھا۔ فرش سے کچھ اُپر۔ میں جامو اور دو دروازہ دیوار پر تھے کزرا
اچھل پڑا، آبادان میں دیر دیر اور اچھل سب اس کی طرف دوڑ پڑے
کی لگائی ہوئی چھینیاں اور ایک چلی گئی تھی لیکن اور کئی غل غلاما
کے کتنے تو ہم نے کسی جگہ آہستہ آہستہ سمجھوڑیاں ماریں اور ایک مٹا
ہن کیا مورا جہاں میں ایک بڑی بیخ ڈال کے آبادان نے اسے وہ
گھما کر دیکھا۔ بیخ کسی چیز سے موزنی تھی۔ ہم نے سورج اور چوڑا
چوڑا کہ ہم اندر جھانک کے دیکھ سکیں۔ پہلے آبادان ہی نے اپنی چوڑی
کی روشنی میں جھانک کے دیکھا۔ جب وہ بیٹھے تو ان کے ہونٹ
لیپے تھے اور انھوں میں جیسے فتنے روشن ہو گئے تھے۔ انھوں نے
جھل کے ہاتھ میں تھامی۔ ہم سب نے اسے دیکھ لیا تھا اور
کی گھٹائش کا اندازہ بھی کر لیا تھا۔ زور سے سورج اور چوڑا اور
بیخ ڈال کے دیوار کا پانی جانب زور سے جھٹکا دیا۔ کھٹے کھٹے
کا ایک حصہ بہت پتلا اور کھن پر گیا تھا۔ زور کے ایک ہی جھٹکے
گیا اور خول میں رکھا ہوا بھی کا ایک بڑا بڑا بڑا بڑا بڑا۔
سب کی سانسیں اکٹم بند ہی ہو گئی تھیں۔ ایک دوسرے
پہلو سے چپے ہوئے لمحوں تک ہم اسے غور سے دیکھنے لگے۔
وہ بالکل ٹھیک حالت میں تھا جیسے اسے کھٹے ہوئے چنہ ہی دلیہ
اس کی شکل عجیب و غریب تھی اسے دیکھ کر کما جا سکتا تھا۔ نماز
گھر کے مانند چوڑا ہوتا ہوا درمیان سے کچھ جگہ جاتا تھا۔
شکل کا گھر کے کا درمیان حصہ شیخ یا جانی۔ اس کی لمبائی کوئی چوڑی
دوفٹ کے قریب، چوڑائی کوئی سو فٹ کے قریب ہوگی۔ جتنی فنی
برتنوں پر بکھشتے اور دنگ و فرور چپاں کر دیے جاتے ہیں اس پر
کے ٹیٹے اور گینے پر ہوتے تھے۔ چارہ مفید رنگ کی بھی ایسی شکل کا
نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک چھین لگا دھکن سے وہ بند تھا
نہیں بڑھا سب آبادان کے منتظر تھے۔ آبادان ہی نے سب
انگی میں چارہ لپیٹ کے اس کی چلہ پر ہاتھ چھپا اور اس پر ہاتھ
گینوں کو ٹولا۔ ان کی انگلیاں لرز رہی تھیں۔ چوڑا انھوں نے ہا
فالیا وہ اس کی مضبوطی کی پراش کرنا چاہتے تھے۔ اسے اعتبار
ان کی جھڑکی ہوئی آواز ابھری یہ ٹوٹ نہ جاتے۔
زور نے اسے کو لیا بھر کے انداز میں اٹھا جالہ
تھیں نے اس کی مدد کی۔ ہم آہستہ سے اسے اٹھا کے فرش
آئے۔ آبادان نے نیچے مارا بھاری تھی کہ فرش کی ضرب
کا کوئی کن ٹوٹ نہ جائے۔ وہ دھکن جانا کے دیکھو۔ آبادان نے علم
جھل کڑا اور زور سے بڑھنے کی کوشش کی۔ اس نے اسے
دیا۔ میں نے کہا۔ وہ دھکن جھٹکا کے بجوے آبادان تذبذب سے اپنے
نہیں بڑے صاحب! جھل نے جب لے لیے ہیں کتا۔ ہم

کے کیا کرنا ہے۔ اس کو دیکھا آپ کا کام ہے ہم کو دوسرا دیوار
"دیکھو تو اس میں کیا ہے۔ کیا ہے؟"
ابھی اور کھلا ہوگا بڑے صاحب!
"یقیناً انھوں سے سوا ہوگا۔ میں اس سے کچھ اور توقع کر رہا تھا۔"
آبادان کی آواز دھک دھک کر رہی تھی۔ "دیکھو تو کتنا چھوڑا۔"
جھل نے مزید دو قدم نہیں کی تھے جتنی حق کہ آبادان اس
کا ڈھکنا خود ہی کہیں نہیں آٹھایتے لیکن وہ انھیں اس پیش قدمی میں
کرنا چاہتے ہیں۔ جن لوگوں نے اسے نکالا تھا وہ انھی کو موقع دینا چاہتے
ہوں گے۔ جھل نے دھکن جھٹکا کے پڑی کی روشنی ڈالی۔ اندر سے کہیں
چھوٹنے لگیں۔ جھل کی آنکھیں کچھ حیا کی تھیں۔ اس نے فوراً بڑی بھاری
جھل کر بہت اندر ہاتھ میں ڈالنا نہیں پڑا۔ وہ بالاب تھا۔ ہاتھ نکال کے
جھل نے غصے سے کھلی تو اس کی تھیلی پر بہت سے پتھر ملے گئے تھے۔ جھل
نے اپنا ہاتھ آبادان کے آگے چھلایا۔ ہم سب انھیں دیکھنے اس کے گرد
جمع ہو گئے تھے۔ جھل کی تھیلی پر تار سے لگ آئے تھے۔ آبادان
مختلف طرز آٹھا اٹھا کے انھیں میں تولے اور سر ملاتے رہے۔
"ہا ہا ہا بڑے صاحب! جھل مسکراتے ہوئے بولا۔ اس کے ساتھ
سچی نے یک زبان ہو کے انھیں ماما کی بادی مرف میں چپ کر دیا۔
آبادان نے زبان سے کچھ نہیں کہا، جھل کا بازو پکڑ کے ایک نظر
اسے دیکھا اور بولے "آپ نے اسے رکھا؟"
"ہاں بڑے صاحب! جھل نے ثابت کیا۔
"اندازہ کر سکتے ہیں کہ ماما کی باگ کے پاس کتنا بڑا ذخیرہ تھا۔
بے شک پتھر ماما ہی کچھ ذخیرہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ مگر... مگر
وہ اتنا نہیں ہوگا۔ اس مل کی بنا د اس کر کے کی سجاد سے اس
زمانے میں جاگ تھیں کہ خوش حالی کا اندازہ لگا یا جا سکتا ہے اس میں
بیشتر ماما کی باگ کا معیار ہوا ہوگا۔
جھل نے ہر سے دوا بہت میں ٹوٹ دیتے ہی وقت ہے
بڑے صاحب! اگلا دروازہ!"
"اگلا دروازہ... اگلا دروازہ! آبادان کہیں کھوٹے ہوئے تھے۔ جھل کی
آواز پر چوک پڑے۔ میں اسی کے پاس میں سوچ رہا ہوں اور وہ میں
کچھ مازہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ دروں کے پاس میں کا کھات میں
کوئی خاص رفاقت نہیں تھی شاید میں اسے اخذ نہیں کر لیا ہوں۔
ایک جگہ کچھ اشارہ ملتا تھا اسی کی بنا پر میں نے ان دروں کی رفاقت
کی تھی۔ ہمارا وقت ضائع نہیں ہوا۔ میں جھٹکا ہوں کہ اب ہمیں ایک چھوڑ
کے بعد کا دروازہ مانا جائیے لیکن آپ لوگ تھک گئے ہوں گے میرا خیال ہے
باقی مل چھوڑا جائے۔"
ابھی نام پڑے بڑے صاحب! اب تو لوگ اوپر کا پلستر ایک دم

اکیدھک ہے۔ پر دیوار لایا۔ جتنی جلدی ہوا تھا ہے۔
ہم نے اعتبار سے برقی ایک کہیں میں رکھ دیا تھا۔ اسے ٹوٹ کر
نہیں دیکھا گیا۔ آبادان کی خواہش ہی معلوم ہوتی تھی کہ وہ اسے ٹوٹ
کے ایک بازو کا کام دیکھیں لیکن جھل اور بڑی کی علت پر انھوں نے
ازادہ دیا لیا۔ پہلے دروازہ میں خوب ہو چکا تھا۔ ہم نے اندر اوھر
چھینیاں مارنے کے لئے قریب سے دیوار میں قریب قریب جھٹکا دیا۔
پلستر تقریباً ہاتھ چکا تھا اور اندر کے پتھر نظر نہ آئے تھے۔ جھل نے
چار بج جانے کی اطلاع دی ہم نے کاک چھوڑ دیا۔ دوسرے دن ہم نے دیوار
کے پتھر نکالے۔ اس رات ہم دیر سے بیٹھے تھے۔ اس لیے اندر دیوار
کے پتھر نکالنے کے بعد ہاتھ ہر مالا ڈھٹا اندر ایک ہی کھڑکے
اور وقت ختم ہو گیا۔ تیسرے دن ہماری میں غل کچھ پتھر تھیں۔ آبادان
نے پھر صبح و پریشان لگایا تھا۔ اندر سے دھاتوں کے ٹکڑوں اور دیوار
کا ایک بڑا ذخیرہ پتھر ہاتھ ہوا تھا۔ وہ سب کھڑکی کے ایک چھوٹے سے
منقش جس میں رکھا ہوا تھا۔ سب ان زلیزلات کو دیکھ کے دنگ لے گئے۔
ان میں طرح طرح کے گھنے تھے۔ ہار کے سوا ایسی ہزاروں بناوٹ کے
زلیزلات زمانے میں کہیں نہ دیتے ہیں گے۔ مختلف اوزار میں حاتوں
کے ٹکڑے لگے تھے۔ آبادان نے جھپوں سے گھس کے انھیں دیکھا
وہ سب جتنی دھاتیں تھیں۔ پتلا دروازہ آبادان نے کھولا تھا، وہ ہم نے۔
پہلے دیکھنے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس میں کیا کچھ تھا لیکن
دوسرے دو دروں سے جو چیزیں نکلی تھیں وہی کچھ نہیں تھیں۔ یہ آبادان
سے کہتے کہتے ٹک جاتا تھا کہ یہی دروازے میں ہیں لیکن کوئی اور کچھ اپنا
ہم زور انھیں اسے اٹھا دوسرے در کے بعد انھیں نے فوراً تیسرے در
کے پلستر پر تھوڑا ہوا دیوار شروع کر دی تھیں۔ انھیں اس کام میں قیام
مزہ آئے گا تھا۔ باجی (ایں میں ٹھوٹے ٹھوٹے چھینیاں مارنے لگے
ہمارے ہاتھ میں لگے پڑ گئے تھے۔ مگر کوئی بھی اپنی ٹھنک کا دوسرے پر
اخبار میں کتنا تھا کتنا تقریباً ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ اس کی باری
ختم نہ ہو۔ دوسرا در کھلے وقت ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے۔
میں وہ کوئی بڑی رحمت گئے ہوں۔ جیسے ہی خول نکلا، وہ پچھ چھ کر
آبادان کو بولے گئے۔ آبادان کے مشرے کے بغیر اب وہ ایک پتھر دیوار
بھی زانہ نہیں چلاتے تھے۔ سلطان کے مذہب دوسری ہی رات جھل نے
اسے ساتھ لے لیا تھا۔ اب اوپر سولہ سمیت چار آدمی دنگے تھے۔ یعنی
اور سارے ہی چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تھے لیکن ابھی روض شام کو
اوپر جانے اور صبح ہی میں واپس آنے کی قوت نہیں رکھتے تھے۔
اس دوران جھل اور بڑے نے لگ لگ کر ایک سوار کے مکان پر ایک
مرتبہ اور مافری دی تھی۔ انھوں نے اسے ملین کرنے کی اپنی بی بی کوشش
کی ہوگی مگر وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اسے زیادہ دیر تک لے نہیں

رکھ سکتے تھے۔ اس کا احساس انھیں جتنی رات مندریں کے علاقے میں
 رہی کے لوگوں کی بڑھی ہوئی تعداد سے ہو گیا ہوگا۔ شام ہوتے ہی دونوں
 قافلے کے آدمی آپس کا تسکین کیوں کرتے ہیں۔ مختلف مندروں میں کیوں
 پھرتے رہتے ہیں۔ انھیں وہاں کس چیز کی تلاش ہے کیا وہاں ان کے
 کچھ اور لوگ جھکشوں کے ہرپ میں چھپے بیٹھے ہیں یا وہ کسی آدمی کی
 جستجو میں اصرار جاتے ہیں جو ان کے خیال میں کاغذات لے کے ادھر آ
 گیا یا آیا ہی جاتا ہے۔ سردار اداس کے ماتھیں کے ذہن میں ان
 گنت سوال ابھرتے ہوں کہ اس نے ایک بار اچانک ہلانے تین آدمیوں
 کو یہ حال بنانے کا فیصلہ اسی لیے کر لیا تھا کہ اسے ان سوالوں کے جواب
 ماننے کی بے معنی تھی کسی وقت بھی وہ ایسا ہی کوئی اور فیصلہ ہو کر
 سکتا تھا۔ انہیں یہ کہہ ہر مندروں میں جانے کی پابندی مان کر دے یا
 صرف دن کا وقت مقرر کر دے۔ دن کو ہم کسی صورت میں قید مندر کے
 زیر زمین راستوں میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ اس نے ہمیں کھلا چھوڑ
 رکھا تو صرف اس لیے کہ ہمارے دو آدمی جتنی میں جبار پڑے تھے ہمارا سامان
 بھی وہیں موجود تھا اور ہم بظاہر قید کی زندگی کسی لمحے کا سبب نہیں
 بنے تھے اور ہمارے قیدیل ہم پر کئی ایسی دہائی بندش مان کر کرنے سے وہ
 کوئی بل جانے کا ذریعہ تھا جو سرے بعد قیدیل میں ہمارے آنے سے چھوٹی
 تھی کاغذات ملنے کی۔ اس کی طرح بندھی رہتی جاوے۔ قیدیل نے اسے
 بہت تاثر دیا تھا کہ ہم بھی انھی کی کھوج میں ہیں مگر یہ تاثر کہ ہم کھوج
 کا مرکز بن جائیں ضبط کتب کی باتیں چھپک پٹے گا۔ پڑنے سے اس نے جینے
 اور قیدیل سے چار سینے کی ملت مانگی تھی یہ ملت خزانہ کی مانند کوہ بھی
 اور عشق اس وجہ سے تھی کہ سردار کے پاس ہونے کا سامان لے کر سوچ جوس
 کے ماحول فیصلوں میں کاوشیں کھڑی کر سکتی تھی اور ہمیں کچھ فراغت سے
 سکتی تھی لیکن فیصلہ کی بنیاد ابھی کہ موجود تھی اور سردار جتنی میں اکیلا ہی
 نہیں تھا اور بھی کوئی قیدیل کے بزرگ لوگ اس کی سوچ میں شریک تھے۔
 جب قیدیل نے اس کاغذات کا ذکر کیا تھا تو سب کو برائی ہوئی
 تھی کہ اس سے کوئی لغزش تو فرزد میں ہر ہی سے ہر عرصے سے بھی نہیں چند
 دن گزرنے کے بعد سردار سے ڈر گیا تھا کہ وہ نہیں کڑا تو ہم اس طرح اوپر
 آجائیں سکتے تھے اور سردار بھی کر سکتا تھا کہ وہ اوپر چاڑھوں طرف ہتی کے
 آدمی پھیلانے عجز نہ کرے اور بھی کر سکتا تھا۔ وہ یہاں کا مرکز تھا اور ہم پناہ گزین
 ابھی تین دن باقی تھے اور یقینی تھی کہ اس کا تین کی تساہل ہی
 بھی آجائیں ٹھیک ہی کریں۔ ٹھیک بھی ہو تو ایک خد کے کھلنے میں
 ڈھائی راتوں کا وقت گنا تھا کہ گویا تین دنوں کے لیے ایک ہفتہ۔ مزید
 ایک ہفتہ تک ہم روز آہر جلتے اور واپس آتے رہیں گے اور سردار اپنے
 آدمیوں سے صرف ہماری سرگرمی کی اغلاعات سننا ہے گا! اگر کسی غلط
 کار پر تھوڑا سا جلائے گئے اور ایک تین دنوں سے آفریں سردار ہونے

تو ایک مہینہ بھی لگ سکتا تھا۔ اگر ہم اپنے تمام آدمی اوپر لے جاتے تو وہ
 دوسل پوچھ وقت کام کر سکتے تھے۔ ہم سب وہیں بند ہو جاتے اور دن
 رات وہیں رہتے تو چند دن لگتے۔ ہم قیدیل سے کتنا چاہتا تھا کہ یہی
 ایک تدبیر سب سے بہتر ہے۔ مہینہ اور سارے بھی ٹھیک ہو جاتے ہیں ایک
 رات باقی اور کھانے کے ہم سب بند ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمارا سرخ بھی نہیں
 لگا سکتے تین دن تک ہم شب روز محنت کر کے سایہ در کھولیں گے
 ہو سکے تو کھانے بھی ساتھ لے آئیں گے۔ اس کے بعد جو ہوگا، دیکھ
 جائے گا۔ ہم اپنا کام تو کسی طوتم کر ہی لیں گے اور میں بار بار اوپر نہیں
 آنا پڑے گا۔ تین دن بعد رات کے اندھیرے اور ٹھنڈی ہم ہر آدمیوں
 کے کوئی طرف بھیج کر رکھ جائیں گے۔ چلتے رہیں گے چلتے رہیں گے اور جلد
 سے جلد اس علاقے سے دور ہوتے رہیں گے۔ نیچے لکھے ہوئے سالانہ پر
 خاک ڈال جائے۔ جتنا کچھ ہم بچ چکے ہیں اور جتنا اور بچ سکتے ہیں اسی
 سے ہمارے پاس اتنے دریلے ہوں گے کہ ہم آگے کسی منزل پر جا سکیں گے
 قحطی اور سامان مٹا کر لیں۔

اتھارہ ہر آدمی کے قحطی سے اپنی اس تدبیر کا ذکر نہیں کیا۔ اسے
 بتانے سے پہلے ہی مجھے اس میں خرابیاں نظر آگئیں۔ قحطی قحطی سنا تو
 شاید بہت ہنسا اوپر جانے کے بعد تین دن تک ہم ہر باتیں نہیں گئے تو
 وہ اپنی ساری آوازیں اوپر لے آئیں گے۔ ان کے پاس بہترین قسم کے
 پاک ہیں۔ جن کی آنکھوں پر پٹی باندھی جانے تو بھی راتے انھیں نظر
 آتے ہیں۔ پائش، برنائی، طوفان، دیگر کافرانی جیروا میں ہے۔ چھوٹ
 والوں وافر غذا اور دوسرے سامان کے بغیر کم تھی اور جاکھیں گے۔
 ایک ذرا خزانہ آجائیں گے کہنے کے مطابق وہ ایک محفوظ جگہ
 منتقل کر چکے تھے۔ دوسرے دونوں کا خزانہ ہم نے ہی اس کی قدر قیمت
 کا اندازہ لگائے لیے چھوڑ دیا تھا اور وہ بھی آجائیں کی خواہش پر
 جاں تک میرے سامنے کی بات ہے کسی نے آجائیں سے اس کی منتقل
 کے بارے میں میں پوچھا تھا۔ اصولاً وہ بھی انھیں انھی غصوں جگہ پھنچا دینا
 چاہیے تھا کاغذات سے آجائیں کو تمام دریلوں سے منسلک والے ذریعے
 کوئی بہت ہی محفوظ اور گنجائش کی جگہ دھونڈی ہو کر مگر کا وہ چیلہ سارا
 خزانہ اسی جگہ بچانے کا ارادہ رکھتے تھے ہمارے دیکھ لے کے بعد ان
 کا ذریعہ اس کرے میں کھلا لکھنے کا خیال کیا کہ وہ یہ تمام ہرگز اپنا
 نہیں لے جا سکتے تھے۔ ایک جھکشو زار وادہ میں یہ انار میں لیے چڑھا وہ
 تھوڑا تھوڑا ہی ہندوستان منتقل کر سکتے تھے۔ زیادہ ایک ر
 سے نکلنے والے ذریعے کے بعد۔ اور یوں وہ قید میں اپنی تکلیف
 کی بروی محفوظ جگہ لگاتار انتہا نہیں کر سکتے تھے کہ ان کا تمام پتلہ وہاں پھنچیں
 اور اس میں سے تھوڑا تھوڑا کھال کے ہندوستان لے جاتے ہیں اور

ہندوستان کا طویل دورہ کر کے واپس آئیں تو اس جگہ پر کسی کی نظر پڑ
 سکے۔ یہ بے اعتنائی آجائیں سے ممکن نہیں تھی۔
 تمام آدمی ہی پر کھونٹے سے یہ اطمینان ہو جاتا تھا کہ اب
 بار بار رحمت نہیں کرنی پڑے گی۔ دوبارہ خزانے کی دوسری قسط لینے
 ہندوستان سے ان کی طرف آنا اور لے جانا ہی وہاں سے اگلے طرح
 کل ذریعے کا بھی اندازہ ہو جاتا تھا۔ ہمارے شال ہونے کے بعد صورت
 کچھ بدل گئی تھی۔ اب وہ تمنا نہیں تھی۔ تمام آدمیوں کا ذخیرہ ایک ساتھ لے
 جا یا جاسکتا تھا مگر کہاں سے؟ مگر ان سے براہ راست یا آجائیں کی محفوظ
 جگہ سے؟ وہ محفوظ جگہ کہاں ہے؟ غامض ہے قید میں مندر سے زیادہ دور نہیں
 ہوگی یا جو بھی سکتی ہے۔ ہم قید میں مندر سے اپنے سرور اور کام میں پر لاد
 کے کیسے برآمد ہوں گے۔ ہر طرف قیدیل کے آدمی بیٹھے ہوئے ہیں ہر سوچنے
 سوچنے پر مارا جھٹکا لگتا تھا۔ آجائیں تک پہنچنا، در کھونٹے ماننے اتنی بڑی
 بات میں معلوم ہوتی تھی جتنا دوسل سے نکلا ہوا ذخیرہ اپنے مندروں میں
 منتقل کرنا اور جتنی بات ہوئی ہر ہر حال دونوں دریلوں کی دولت وہیں
 کے درمیان کوئی بات ہوئی ہر ہر حال دونوں دریلوں کی دولت وہیں
 پڑی رہی۔ اسے آجائیں نے پہلے درے کے مانند منتقل نہیں کیا۔ ہر ہر
 برتن اور یوں کا صندوق دونوں دریلوں کے ایک گوشے میں رکھ دیے
 گئے تھے اور تیسرے دریل کا کھانا شروع کر دی گئی تھی۔

قحطی نے سردار سے ایک بالکل نیا کھانا کھانے کا کھانے کے علاقے
 میں کاغذات سے متعلق کوئی اشارہ دل سکتا ہے۔ بات واضح نہیں تھی
 مگر سردار کا ذہن وہاں موجود جھکشوں کی طرف کا کھانا تھا۔ گورہ جھکشوں
 پر ٹھک کر گناہ سمجھتے تھے۔ ان کے دل میں ان کا دور بہت بلند تھا
 لیکن ان حالات میں برائے مصلحت وہ یہ راجی اخراج بالائے طاق
 رکھ کر کوئی جرات نہیں کر سکتے۔ اور ان کی نگاہ پھر نو ہندوستانی
 شکل صورت کے جھکشوں پر پڑے گی۔ آجائیں اپنے مندر سے ہوتے سرے
 ہوتے ملنے، جتنی زبان سے واقفیت کے باوجود صاف ہندوستان سے متعلق
 لکھنے والے آدمی تھے۔ وہ مختلف قوموں کے جھکشوں کے درمیان ان کے
 ہندوستانی خفا و ذوال عیوہ سے پہچانے جا سکتے تھے۔ ہم نے اپنی طرف سے
 آجائیں یا کسی جھکشو سے اپنے قلعن کا شائبہ کی مدد بھی انھیں موقع
 نہیں دیا تھا مگر وہ خود ہی اپنے طور پر جھکشوں خصوصاً ہندوستان سے
 آنے والے جھکشوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھنی شروع کر سکتے تھے۔

دور دراز کھانے کے بعد ہم سرے میں کچھ وقت گزار کے دن
 کے اوپر پہنچے ہیں واپس آگئے تھے اور بار بار لگا کے ہم نے اپنا کچھ
 سامان اور کھانا دیا تھا مگر ملدی ہر پہلے مندر لے کے چکے ہیں
 آگیا اور اوپر لے جانے لگا۔ جب تک ہم چکے ہیں بیٹھے ہے۔

ہر درے کے سامان کے گرد ناخانا بندھا ہوا اس کے پاس شاید ہی
 کچھ باقی رہ گیا ہو۔ ابھی مندروں کا سامان جودہ جاتی کے چوک میں اپنی
 قیام گاہ سے نہیں لایا تھا، اس نے فرسوں کو رک کے رکھا ہوگا۔ مال خرچ
 کر کے ہر لے ہارے غریب ہی کی۔ اناج کے قھیلے، چائے، جھینساں
 جھٹھوڑی لگا لیں اور دوسری مختلف چیزیں اسی شام ہم اپنے وقت کے
 مطابق مندروں کے علاقے اور مختلف مندروں میں گھومتے رہیں
 کہیں نہیں ملا۔ ہم قید میں مندر میں بھی قحطی دیر کے لیے گئے۔ آجائیں بھی
 وہاں موجود نہیں تھے۔ رات گئے ہم سرے میں آگے لیٹ گئے اور صبح
 سویرے جتنی میں واپس آگے عیدے سردار کے مکان پر پہنچے۔ ہر لاری آمد
 بے وقت تھی۔ سردار نے میں لے کر اس کے میں طلب کر لیا۔ اس کی گزرتی
 تھی ہوئی تھی۔

”لے کر کو پتہ چلا ہے کہ دوسرے قافلے کے کچھ لوگ ادھر جاتی سے
 واپس جا رہے ہیں۔ قحطی نے کسی متید کے بغیر کیا۔
 سردار نے انہاں میں صرف ایک ہی متر ہو گویا ورنش دی۔
 ”وہ کیا ہوتے ہیں ہر کے تو ہم کرنا تو
 سردار چلنے کے چپ رہا پھر سیاحت آواز میں بولا۔ وہ جانا
 چاہتے ہیں۔“
 ”کہہ رہا تم نے پوچھا کہ وہ کھانا چاہتے ہیں؟“

”ہم نے ضرورت نہیں سمجھی۔“
 ”تم نے ضرور پوچھا ہوگا۔ قحطی اپنے لیے میں بولا۔ ایسا نہیں گا
 کہ تم نے نہیں پوچھا ہوگا تم انھوں نے غلط بولا ہو تو یہ دوسری بات ہے۔
 ”تمہارے خیال میں وہ کس طرف جانا چاہتے ہیں؟“ سردار نے
 نیچے لیے لیے پوچھا۔
 ”تم بھی سمجھتے ہو، ہم نے کیا پوچھتے ہو؟“
 ”ہم کچھ نہیں سمجھتے۔“
 ”سردار! قحطی نے ترشی سے کہا۔ اپنے سے کچھ چھاپا کے تو اپنا سیلا
 نہیں کر کے خیر میلے نہ۔ اس نے تم سے جو کچھ بولا ہے، ہم کو مت بتاؤ۔
 تم کو ملدی ہی اچلے کالے کا پتہ چل جائے گا۔ ابھی تم سے ایک بات بولنے
 آئے ہیں اپنے دو آدمی بھی ان کے ساتھ کوہ تمہارے لیے یہ پچھا
 ہی ہوگا۔“
 ”کس کے دو آدمی؟“ سردار تردد سے بولا۔

”ہمارے دو آدمی! سمجھو تم کیا بول رہے ہیں۔ ہم تو تم نے اچھی
 طرح دیکھ لیا ہے۔ ابھی ہم جا رہے ہیں تو وہ لوگ ادھر سے سالے بھی اپنے
 ہاتھ پر ٹھیک نہیں لے جا سکتے۔ پہلے بات ہم سے ہوئی ہے۔ اور
 تم نے وعدہ کیا ہے کہ تم اپنی مدد کر گے۔ ہم نے تم سے کوئی مدد نہیں مانگی
 ہے۔ ایک بات بولنے میں سوچو مجھ کے فیصلہ کر دو۔ وہ واپس جانے کو

صبح جو تہ ہی ماری اور سولہ سو کے لیے نیار تھے۔ انھوں نے
تینے، کارٹونس و مسدوق ایک وقت بستر اور چند ٹیبلے اپنے ساتھ
لکھ لیے تھے۔ ماہر چپڑیں محل تمام ہم نے ان کے لیے خریدی تھیں
آدمی سے زہ خود روکی لی تھیں بچہ نہا جائے کھانے پینے کا سامان

یہ بین دن ہم بستی کے بازاروں کی ایک طرح سے سیر کرتے ہیں۔
 ان بھرٹکار کرتے ادھر کو ٹٹ کے سارا شکار چن دسا کے پیرو کر بیٹے۔
 کچھ روک کے باقی سب بستی کے تمازا لوگوں میں اپنے خادم کے ذریعے

تین دن تک یہاں آنے کے لیے ہم باڑوں میں ایسا ہی کوئی راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے تھے۔ قریب مزدور دوسرے مزدوروں کے مقابلے میں کئی قدر انقباض میں واقع تھا اور رہتی سے انہوں نے ایک وسیع برزہ دار پہاڑی سلسلے سے متعلق تھا اس کے ایک جانب دو ٹوندوں کا علاقہ تھا، دوسری طرف عوامی وٹھلوان ستواں بخشی سلسلہ تھا اور گھٹا جھلکا اگا ہوا تھا۔ مزدوروں کے علاقے سے یہاں آنے کے لیے مات راستے کی موجودگی میں لوگ بے دشوار گزار راستہ کیوں منتخب کرتے۔ انسانی پردوں سے بچنے کی وجہ سے یہاں جھاڑوں کا کئی بہتات تھی۔ ہم ہرشا ہی توبہ مزدور سے قریب ایک کھیت میں آئے تو گھٹے تھے۔ اس جگہ تک پہنچنے کے لیے ہمیں باڑوں پہاڑوں ایک ٹولیل چڑھ کر ٹاپا پڑا تھا۔ ہم جھلک کے اندر اندر ہی چلتے رہے تھے۔ اچھے بد خوشوں نے ہماری نقل و حرکت پر ایک بد مزہ سا ڈال رکھا تھا۔ اوپر سے کوئی ہمیں نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن جب تک وہ تھا، جھولے جھنگے کسی کی نظر میں ہر پردہ پر ہستی تھی۔ ہم نے اس کی لیے اندھارے میں کاغذ کا ایک کپڑا لٹا دیا۔ ہمیں کوئی کچھ نہیں لیتا تو یہی ہمت تھا کہ ہم تھک کر نہ کرنے اس طرف آنکھ میں ہر جگہ ہمیں آج کا دن ملتوی کرنا پڑا۔ تین دن سے ہم کسی ایسی جگہ کی نشان دہی کی گشت میں تھے جو جڑی بوٹی کا باغی سفر طے کرنے کے لیے مزدوروں سے

چار دن تک ہم نے آسمان نہیں دیکھا۔ کمرے میں ہر طرف بے نتیجی

تھی۔ چھ دروں کا ملہ، زوردار جہاز کا انبار ساتھ لایا ہوا سامان اور ہموار کرائی۔
دو دروں میں جا بجا گئے تھے تیشوں اور گنہوں کی روشنی آنکھوں میں ٹپکنے
لگی تھی۔ تیسرے دروازہ تک آہم بار بار تبدیل کرتے، بند لیتے اور کھول دیاں
جلا کے چلے جاتے رہے۔ چوتھے دن لینے کے موراہیں کوئی کام نہیں
تھا کسی نے بے ضرورت کرسے ہا پر قدم بھی نہیں نکالا تھا۔ ضرورت
کے لیے آجائانے وہیں ایک بیخ ٹھکرا کر سی بازندہ دی تھی جو باہر
کسی ایک مڑنگ میں کچھ دی ڈنک ماتی تھی۔ وہاں دن اور رات کا
کوئی امتیاز نہیں ہو پاتا تھا۔ جھل کے پاس گھڑی تھی سب وقفے وقفے
سے اس سے وقت پوچھتے تھے کہ میں جھل سے اس کے صاحب کی کوئی چوک
دو جھلے۔ وقت کہیں بچے سے نکل جاتا ہے سب کو اتنی مرس شب روز
کاٹتے تھے برہمنی نہیں کہیں گھٹا تھا کہ یہ ان کی زندگی کا چلا دن ہے اور
اس سے پہلے وقت کون سے کا انھیں کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ دن کے دس
بندے جھل نے کسی کے پوچھنے پر وقت بتایا تو انھیں یقین نہیں آیا۔ وہ جھل
سے تھے کہ شاید گھڑی غلط ہو گئی ہے۔ پھر کان لگے کہ وہ اس کی ایک
بک غول سے سنتے تھے انھیں ڈونکا کھدائی کرتے کرتے گھڑی پر کوئی
ضرب پڑ گئی ہو، سو مبالغہ آگے بھیجے نہ برہمنی ہوں۔ سو مبالغہ ایک ہی شخص
مگر وہ اس چیز کا گہری تھیں اور وقت تم کو کھتا۔ جیسے آدمی مچلے اور
اس کی لکان میں بندھی گھڑی ملتی ہے سب گے گے جاتے تھے سب
نے ہر مل تنگ کر کھڑوں میں تباہے تھے۔ یہاں چند دن بھی گزارنا دھرم ہو
گیا تھا۔ وہاں سو دن تو کھٹکا تھا۔ یہی ہوا تو مچتی تھی۔ یہاں برسوں
پانی ہر باندہ تھی۔ ڈنک لگی ہوئی ٹکستہ، بوڑھی ہوا، ایسا عروس ہوتا تھا جیسے ہم
بھی اس عرس میں پڑے ہو گئے ہیں۔ یہاں آئے ہوئے ایک مدت ہو گئی
ہے چاندنی دھوپ دیکھتے ہوئے زار زور گویا ہے۔

جھل نے ٹھیک گیارہ بجے کا وقت مقرر کیا تھا اور ان کی تسلی کیلئے
میری گھڑی نوٹس پر رکھ دی تھی تاکہ وہ عرصے دیکھتے رہیں۔ آدھ گھنٹے
پہلے ہی وہ سب کھڑے ہو گئے تھے۔ ہوا سامان کب کا تیار پڑا تھا لیکن
جھل نے وقت ہلکا لیا۔ چلتے وقت کسی نے ہلکے کو کوسے کو نہیں دیکھا۔
آجائان ہم سب سے آگے تھے اور ان کی رفتار کسی قدر تیزی سے پہلے
وہی ہاں بھر کے چھان کے انٹالے پر ہم سب ہاں آتے ہی پڑے آئے
گئے تھے۔ چند لمحوں تک ہم دیواروں کی آڑ میں اپنی سانسیں درست
کرتے رہے۔ ٹھنڈی تازہ ہوا سے سینے میں برقی جھٹکے گئے تھے۔ عمارت
میں مکمل مٹا تھا کسی جانب سے کوئی آواز نہ چلا رہی تھی اور بڑا چند
چھائی ہوئی تھی۔ وہ تو بارش نہیں تھی درنہ پھر میں دایں سرنگوں میں
منا پڑتا۔

میں اسی راستے سے واپس ہانا تھا، جس سے چار دن پہلے ہم یہاں
آئے تھے اور وہ مارا مارا لڑائی تھا۔ آدھ گھنٹے گزر چکے تھے لیکن

اب نیچے اترنے کے خیال سے ہی گھبرا رہا تھا۔ نیچے آدھ گھنٹے پہلے کیا
مچلنے اور غار دار جھان میں تھیں۔ ہمارے پاس رشی تھی اور ہم نے یہ
سے کیا تھا کہ آدھ گھنٹے دھند پانچاں سے رشی ہمارے اس کے سارے
نیچے اترتے وہیں گئے وہاں رشی ختم ہو جانے لگی، وہاں سے پھر اپنی آنکھوں
اور پڑوں سے کام لیں گے۔ ٹھیک کے ڈھولوں زمین کا آدھ اٹا ہوا ڈنک
تھا۔ رشی کے آسرے ایک چوتھا راستہ آسانی سے ضرورت حالہ باؤ
تین چوتھا میں خود سے کونا پر ہلکا اس کے بعد زمین ہلنے لگا تو کہی تھی۔
ہم پھر ترے سے آواز ہی مانتے تھے کہ جھل نے ہمیں روک لیا اور دیوار
کے ساتھ چلتے ہوئے سامنے کے دروازے کی طرف جھانکے گا یہی سے ہمارے
اجا کھٹا شکر کو چاروں ہو گئے تھے اس سے پہلے جھل میں پہلے ہم نے
رائوں کو مندروں کے علاقے میں آئے کا سلسلہ موقوف کر دیا تھا کہ سلسلہ ملاؤ
زور، پلٹو اور مٹی کے پتے سے جانے کے بعد دن میں ہم ایک ہی مڑی اڑھ
آئے تھے اس وقت ہمارے پاس پڑے تھے۔ تیسرے کے آدھوں کی تعداد کم
تھی لیکن بے انھیں نے انھیں بالکل ہی ہٹا لیا ہوا تعداد کو گئی کوئی ہر
نوں رائوں تک سلسلہ بیان ہانے دئے سے ان کی تجویز کی کہ آجانی
چاہیے تھی۔ جھل میں دیکھنے گیا ہوگا کہ وہ دھرم جو وہاں پائیں، مگر قدیم
مندر کی بیڑھوں پر نہیں ہیں تو اور نمازوں پر بھی نہیں ہوں گے۔ دھرم نے
کی صورت میں ہم ٹھیک کے پڑھو رہے تھے جانے کے بجائے مندروں کے
علاقے کی ہمارے زمر میں پڑے تھے۔ یہیں ہی واپس نہیں ہانا تھا۔ آگے
جا کے ایسے پناہ تھے جہاں اپنی ڈھلان نہیں تھی ہم انھیں چھوڑ کر تے پڑے
بہی سے پہنچے تھے اپنی منزل پر پہنچ سکتے تھے۔ جھل کو اس حقیقت کا
احساس ہوگا کہ قدیم مندر کی بیڑھوں پر قبیلے کے آدھوں کا نہ ہونے کا
مطلب دوسری تمام عمارتوں سے ان کی دست برداری نہیں ہے۔ وہ
راستے میں کسی اور جگہ بھی میں مل سکتے تھے۔

جھل لپکتا ہوا واپس آیا اور اس نے افشاروں میں ہمیں بتایا کہ
حسب سابقہ وہ موجود ہیں مگر چار سے زیادہ نہیں۔ ہم سمجھ گئے کہ اس کا
ارادہ کیا ہے۔ اس کا مقصد تھا کہ وہاں نہ ہم پہنچ سکتے تھے اس سے آگے وہیں
جیسے پہلے ہاں آتے تھے۔ سب ہی چاہتے تھے مگر انھوں نے ملدی
کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ جھل آجائان کا ہاتھ چوکے عمارت کے پچھلے اڑے
چلتے لگا تو سب اس کے پیچھے پیچھے ہو گئے۔ سلطان کے اوٹان ٹھکانے
نہیں تھے اس کی گشتی ہوئی پہنچے تھے۔ جیسے ساری عمارت لڑائی میں
نہ اپنی تیزی میں کسی چوکھٹ یا پھر سے چوٹ کھائی تھی اور سامان
سمیت چوتھے کے فرش پر لٹکا دیا گیا تھا۔ چوکھٹ میں بھی گم
ڈوڑھنے لگی۔ وہ دیکھ رہے تھے اور ایک لمحے کی رعایت دینے میں مشغول
آٹھانے جھانکے ہوئے اس طرف آئے تھے۔ جہر سے آواز آئی تھی یہاں
میں چھوڑ کے اسی لے ہم بھی ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے راہ داری

میں سمجھ گئے تھے۔ جھل اور ہمارے پیرو اور ہلا کر مٹی کر کے کی دوسری
راہ واپس کی طرف دوڑ پڑے۔ مشعل کی روشنی اور ان کے جنوں کی جھمک
جیسے ہی راہ داری کے قریب آئی ہم چاروں میں آدھ سے گرنے کے
انداز میں باہر نکلے۔ ہماری طرف دوسری آدمی تھے۔ ہم اپنی تیزی سے ان
پر پھینچے تھے کہ انھیں ہمارا چہرہ دیکھنے کی بھی مہلت نہیں ملی۔ ایک کے
ہاتھ سے مشعل چھوٹ کر فرش پر گر پڑی۔ صرف ایک اور ان کی آواز آہری
چہرہ سے جس ضرورت ہو گئے۔ آدھ سے ہمارا دھلا کو باقی دو کونھوں
پر ڈالے ہوئے آگے تھے۔ ہمارا سلطان اور لڑکے انھیں ٹھیک میں
پھینک دیا۔

قدیم مندر سے دور تک کہ سستہ صاف ملنے کا ارکان تھا۔ اندھیرے
اور دھندلے دہرے پہلے میں اگر دشواری پیش آئی تھی تو ان کی پناہ
بھی یہیں حاصل تھی جس راستے سے ہمیں چھینے آنا تھا، وہاں تک کہ بیان
میں اور بھی مندر پڑتے تھے۔ ہم ایک ڈنڈا ہاں بدلتے ہوئے ان سے دور
دوڑ رہے۔ مارا سامان چار ڈنڈوں نے اپنے کندھوں اور سر پر لٹکا
لکھا تھا۔ آجائان اور ہم چار ڈنڈوں کے ہاتھ چھلے ہوئے تھے کسی جانب
سے ان کی آہٹ ملنے پر ہم پوری طرح تیار تھے لیکن وہ سب فالتا عمارتوں
کی چوکی داری تک ہی محدود تھے۔ راستے میں اور اس میں آنے سے ہماری
بیڑھیں نہیں ہوتی۔ بڑے مندر کے علاقے سے ہر کے اگر ہم آگے نکلتے تو
فاصلہ اور گہرا ہوتا۔ وہ کڑی جگہ تھی اور وہاں زیادہ ڈنڈوں کی موجودگی کا
اندیشہ تھا۔ اس سے پہلے ہی ہم اپنی کی مخالفت سمجھ کر ایک ٹھیک میں آواز
گئے اور سامان ہم نے آپس میں بانٹ لیا۔ آجائان کے ارادے کا وجود
کسی نے نہیں بوجھ نہیں اٹھانے پڑا تھا۔ آگے درختوں کے درمیان ضرورت
کے وقت ہم نے ان کی چوکی پر بیٹھ کر رشی کوئی شرح کوئی تھی کئی گھنٹوں
کی مراقب کے بعد وہیں الٹیاں ہوا کہ رشی بہت پیچھے رہ گئی ہے۔ ہمارے
قدیم پھر آدھ رہے ہو گئے۔

یہ چوتھا دن اور پانچویں رات تھی۔ سولہ مارٹی، یعنی پلٹو اور
زور کو کہتی سے گئے ہوئے آدھ دن ہو چکے تھے۔ اب انھیں اپنی منزل
پر پہنچنا مانا جا چاہیے تھا۔ وہی جگہ جہاں پر کچھ چوڑے کے ہم یہی میں
داخل ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ صندوق بھی تھے اور وہاں فروری ساہب
بھی۔ ہمارا قبیلہ کے تھیلوں نے انھیں اپنی مدد سے باہر تلی جتی ہیں
پہنچا دیا ہوگا۔ وہاں سے وہ قتل ہل کے کچھ آواز آگے قریب کی ایک اور
بستی میں چلے گئے۔ وہاں سے انھوں نے پھر قتل ہلے ہوں
اگر وہ ہندوستان کی سمت پڑھنے کے بجائے واپس ہمارا قبیلہ کی تہی
کی طرف لوٹ گئے ہوں گے۔ اسی جگہ پر ہمارا قبیلہ کی حدود کے پار
بھی تھی اور اس کے قریب بھی۔ مٹی میں نے جہاں ہم توڑا تھا۔ جب تک
ہم نہ پہنچیں کسی دوسری مدد سے انھیں اپنے ساتھ لے کر تھیلوں کو

روکے رکھنا تھا یا باقاعدہ ان کے ایکوں کا سوا کر لینا تھا۔ دو بستیوں تک
چلنے اور قتل پہلے سے قصد صرف تھا کہ ہمارا قبیلہ کے قتل اپنی
بستی میں واپس جا کے ان کے پاس سے آگے بڑھنے ہی کی اطلاع دیں۔
ہم نے صاحب لگا کے سات دن مقرر کیے تھے۔ آج آٹھواں دن ختم
ہو گیا تھا۔ اب انھیں پہنچ ہی جانا چاہیے تھا۔ پھر میں وہاں ٹھیک رہا نہیں
تھا۔ انھیں لے کے چلنے ہی رہتا تھا۔

بستی کی مدد کا آخری پگڑا آج کا تھا جو ہمارا قبیلہ کے علاقے
میں داخل ہونے کے لیے ایک طرح ٹھیک مل یا دروازے کا دروازہ رکھتا
تھا۔ کچھ ڈاکہ اور پنی ہاڑی پر واقع تھا اور اس کی حیثیت محض علامتی
تھی۔ ہمارا قبیلہ کی فضیلت کا نشان ہم اس کے نیچے نیچے چاروں
پر گز رہے تھے کہ سلطان نے ایک بالائی ہم سب سے پیچھے کر کے کہا
کا لہو کو کھلا ہوا تھا کہ یہ لے آجمل نے آواز کی سے پر چھا۔

”ذرا میرے سنگ آؤ“
”کیا کھر؟ جھل نے سامان زمین پر رکھ دیا۔“
”ذرا میری بات سنو“
”کیا بولنا چاہتا ہے؟“
”کچھ دیر کے لیے بیٹھ جاؤ۔ میں اور پگڑا ایک جا کے آتا ہوں۔“
”سلطان کے لیے میں عاجزی تھی۔“
”ادھر کیا ہے؟“
”وہ کون؟“ جھل نے برہمنی سے پوچھا۔
”وہی.... وہی“ سلطان ہر کھلنے لگا۔
”صاف تمہیں نہیں پہچانتا؟“

”میں نے آج رات اس سے یہاں آئے کو کہا تھا، وہ پگڑا لے
پاس کی کسی جگہ ہوگی۔ میں اسے لے کے آتا ہوں۔“
”جھل نے اس کے منہ زور سے مایہ مارا، سلطان گرتے گرتے
پچھلے صدمہ کی طرح چل پڑا۔ جھل دھشتی سے بولا۔
”وہ ادھر ہی ہوگی اس استاد!“
”ہم نے؟“ جھل نے دواڑ کے کہا۔
”وہ ہر اڑا تھا کہ وہی ہوگی“ سلطان زبانی لہے میں بولا۔
”کیا کھر؟“ ٹوٹے اسے بولا تھا کہ ہم ادھر سے آئیں گے؟“
”ختم سے جھل کی آواز کانپنے لگی تھی۔
”ہاں بولا تھا۔“
”جھل اس کا منہ زور کے چھلکے دینے لگا۔ چلتا ہے کہ نہیں۔“
”میں اس استاد جھل جانی انہیں۔“
”چلتا ہے کہ نہیں۔“ جھل نے اس کے گل چھڑا دیے۔

نہیں استاد! تم کچھ اور مدت بھجو وہ اپنی زبان سے ایک لفظ نہیں بولے گی۔ ایسا برا اثر ملنے تھا لے پرین پوپا یا سر کاٹ کے دکھنے لگا۔

”اچھ اپنے سر ترے پرین پر ہوں گے۔“
 ”ایسا نہیں ہوگا استاد!“
 ”اور ایسا ہو گیا تو...“ قہقہہ گرجنے لگا۔
 ”تو کیا ہوا! تم میری خاطر انتہائی نہیں کرو گے؟“
 ”میری خاطر! تیری خاطر! بچنے بچنے بولتا تیری خاطر ہی بلبل ہاں سرور کے جتنے عزم کے غم...“
 ”تم جو دل چاہے کو۔ تم ملتا ہے مجھ پر تم کو اپنی اتنی نکر ہے تو مجھ کو اور بھی چھوڑ دو۔ میں اس کے بانئیں جاؤں گا۔“
 ”کتنی دیر تک نہیں جاؤں گا۔“
 ”معتنی دیر تک بھی۔“

”تو لپٹے آئے میں نہیں ہے سلطان!؟ جاو بیچ میں بلا۔“
 ”میں ہاں اگلے آپ میں ہوں! استاد ہوش میں نہیں ہے۔“
 ”اس کو بلو کہ اپنے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔“ قہقہہ کی آواز سرد پڑ گئی تھی جاو اس کے اور سلطان کے درمیان میں آگیا۔
 ”وہ اس بستی کی لو کہ ہے سلطان!؟ استاد! ناگ کہ ساتھ لے جائیں؟ ہلاکو نے دینی زبان میں کہا۔“

”تم اس کے پاس میں خشک نہیں سوچ رہے۔“
 ”وہ اور نہیں آئی ہوگی! جاو نرم لیے ہیں لڑا اس جاؤں اور اندر سے میں لو کی بات نے اکیلے کیے سفر کیا ہوگا۔“
 ”میں اس کی ہوگی تو خشک ہے۔ میں بھی اور ہی رہوں گا تم لوگ آگے چلے جا نا سلطان کی قسمت اس کے ساتھ ہے۔“
 ”تم میرے چلے کیے کہہ رہے ہیں۔ مارے! ادھنگی ہے بلا۔“
 ”میں اپنا بھلا بچھ سے اچھا جانا ہوں!“
 ”تم میرے وطن میں ہیں سلطان!“

”اور وہ دوسری بھی نہیں کر رہے۔ میں اس کو امی رات آؤ پند کی طرف بلا سکتا تھا وہ بھی جاوے ساتھ ہی تیرے جانے والی۔ پر سوچا اس کا اور حوا کا خشک نہیں ہے۔ پہلے کا تم پر حوا ہے۔ سو میں اس کو مایا اتنی دودھ لے کر لیا تھا۔ وہ اور مرک آئے اور سلطان نے چلا جائے تم لوگ ساتھ نہیں دیتے تو سلطان نے تم سے جھیک نہیں مانگا۔“
 ”تو تمھیں کیوں نہیں ہے؟“ ہلاکو چہنچہ لگا۔
 ”شور مت کرو۔“

”پہننے سے ہلاکو اس کا ہاتھ شاید آہی گیا ہے۔“ قہقہہ دیکھے لیے ہیں لڑا۔

”میرا نہیں اس کا بھی۔“
 ”قہقہہ نے اس کا گریبان ہنسنے لیا۔“

”سلطان نے بات مان تو چل جاتی! آبا جان کی موجودی کے باوجود میں نے اس سے عاجزی سے کہا۔“

”لاؤ لے!“ اس نے مجھے جھوٹ کر دیا۔
 ”پروا سلطان کو کچھ نہ لگا۔ آبا جان تم کھڑے سب کچھ میں لپے تھے سلطان جھٹ آن کے پرین پر گر گیا۔ بڑے صاحب! آپ ہی ان لوگوں سے کچھ لو۔ میں اس کے بنا نہیں جانی گا۔“
 ”آبا جان نے قہقہہ کی طرف سر اٹھا کے دیکھا۔ جواب میں قہقہہ نے سلطان کے کمرے پر جھوٹ مارا کہ اسے آبا جان کے پرین سے جدا کر دیا۔ سلطان لو کھٹا ہوا کھڑا ہو گیا۔“

”جاو نے اسے پھر بازو سے پکڑ لیا۔ کدھر ہے وہ؟ وہ تلخی سے بولا۔“

”آؤ پر ہی کسی جگہ ہوگی شاید اس نے اپنی آواز میں سن لی ہوں۔“
 سلطان نے مضطرب لیے ہیں کہا۔

”قہقہہ سے لپے بغیر جاو اسے دھکے دینا ہوا اس نے پکڑا کی پابلی پر پڑھنے لگا۔ انھیں گئے ہوئے دیر ہو گئی۔ ان کے جانے کے بعد کسی نے منہ سے ایک لفظ نہیں لگا تھا۔ سب چپ وہیں بیٹھے رہے۔ پھر قہقہہ کے پاس بیٹھا اس کا زانو دبا رہا تھا۔“

”خامی دیر بعد اوپر سے جاو! ابھری تو قہقہہ کے سر پر بھی دیکھنے لگے۔ وہ سلطان اور جاو ہی تھے اور ان کے ساتھ وہ بھی تھی، مگر وہ سمجھتی ہوئی خامی۔ اس کا سر باک پڑا تھا۔ اندر سے کدھر سے کدھر سے اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا سلطان نے آرتے ہی آتے قہقہہ کے آگے کودیا۔ محض بعد پر کے ٹوکنے پر قہقہہ کے سر میں جھٹک ہوئی۔ وہ اس کا شانہ خف تھا۔ ہونے تک طرف منہ کر گیا۔“

”ہم بڑھتے رہے۔“
 ”سوچا ہوتے ہوئے ہم آخری فاصلے کر رہے تھے۔ دودھ ہی سے آؤ جانی پر دھند میں لپٹے ہوئے ان کے ہونے میں نظر آنے لگے تھے اور وہ زور، سر مل، مارنی، جینی اور پلو کے سروا کی میں تھے۔ انھوں نے بھی ہیں دیکھ لیا تھا اور اپنے چہنچہ لگتے تھے۔ انھیں پڑاؤ کے ہونے ایک دن ہی ہوا تھا۔ تین قلیوں کو انھوں نے کسی طرح رکے رکھا تھا جن کے ساتھ باک تھے۔ میں آؤ تھک کے انھیں قلیوں کے سامنے لپٹا۔ اچھلا اور شور میں چلا جاو جیسے تھا۔ ہم وہاں اتنی ہی دیر ٹھہرے۔ مٹی پر اپنے ساتھ لایا ہوا سامان صندوق میں منتقل کر سکتے تھے۔ وہ چوہ ابھی چلی نہیں تھی کہ ہم نے سفر شروع کر دیا تھا۔ ہماری دیر ہی کر رہے تھے۔ وہ دن گزر گئے۔ قلیوں کے اٹلا کے باوجود ہم نے انھیں نہیں

چھوڑا تھا۔ جس دن رات بھر کے پڑاؤ کے بعد صبح اپنے نیچے اور دوسرا سب بیٹھ کے ہم نے ایک منزل ترک ہو کر ایک سرسبز وادی میں آگئے۔ وادی کے چاروں طرف پہاڑوں کی ایک فسیل تھی۔ وہ جگہ اتنی خوب صورت تھی کہ وہاں سے آگے بڑھنے کو ہی نہیں جاتا تھا۔ مارنی کی نافرمانی پر قہقہہ گانا گانے لگے تھے۔ ہم ایک ٹنگ گھاٹی سے گزر رہے تھے کہ باک جامو کے پہلو سے نکلا ہوا ایک تیز زمین پر آ کے لگا۔ چشم زدن میں ہم باکوں کی آؤ میں ہو گئے۔ آؤ پر پہاڑوں پر ہر طرف آدمی موجود تھے اور وادی ان کی صدائوں سے گرج رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے قہقہہ کھڑا ہو گیا۔

یا کوں کی آؤ میں ہوتے ہی ہم نے منہ نکال لیے تھے
 اور جی کے کان میں پرند تیس تک دسی تھیں۔ انھوں نے چشم زدن میں انھیں آناد کے اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا تھا مگر وہ کسی ایک جانب نہیں تھے۔ وادی کے آؤ پر پہاڑوں کی اونچی نیچی دیواروں پر تقریباً ہر جگہ وہ موجود تھے۔ ان کی تعداد سو سو اسو کے قریب ہوگی۔ قہقہہ کے کمرے پر جانے کے باوجود کوئی تیر تیس چلا۔ چند لمحوں تک ہم نے انھیں کیا چھریاں کی غیر محفوظات سے نکل کے ان کے سامنے ہو گئے۔ ان کی آواز میں ایک دم بند ہو گئی تھیں لیکن ان کی کمانیں کھینچی ہوئی تھیں۔ ان میں سے کئی کے ہاتھ میں نیزے تھے۔ ہاتھ مارا وہ قاتل اور ان کی شکلیں واضح طور پر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ قہقہہ نے فوراً اٹھ اٹھا کہ ہمیں ہندو نہ چلانے کا اشارہ کیا اور تیزی سے بولا۔

”ہمارے بچے دیکھتے ہیں۔“
 سب کی نظر سلطان اور شانہ پر آ کے رک گئیں۔ براتی میں استاد! اپنے سلطانے شاہ کو بہانہ بناتے تھے۔ ہم نے جاو نے زہر مند سے کہا۔ تمھیں جانے کو نہیں بھیجنا تے۔“

”میں! میں! سلطان نے نشانہ کو کھینچ کے اپنے بازو سے جھکا لیا۔ اس نے انھیں نہیں بتایا یہ نہیں جاسکتی۔ وہ ڈانٹا اٹلا۔ میں بولا۔ اسے کچھ نہیں معلوم تھا۔ ماں تم...“ قہقہہ کو گھر رتے دیکھ کر اس کی آواز لو کھ گئی۔

”نہیں ہے ہوا استاد!“
 ”جاو!۔“ قہقہہ نے دھڑکتے ہوئے کہا۔ کھینچ کے رکھ۔“

”وہ نیچے آ رہے ہیں۔“ اچھا کہ ہلاکو جینی ہوئی آؤ میں بولا۔ قہقہہ نے بھی دیکھ لیا تھا۔ نیزے اور کمانیں اٹانے ہوئے وہ چند قدم اور آگے آگئے تھے۔ جاو نے لیے فراز کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ ایک کوشش کی جا سکتی تھی کہ اوپر اوپر چھٹ کے ہم اوپر گروہ کی چٹانوں جھاڑوں یا درختوں کی آؤ لے لیں، اس میں نشانہ لینے میں کچھ آسانی ہو جاتی مگر ان کی آنکھوں میں دھول جو تک کر ہی ایسا

کرنا ممکن تھا۔ شاید سب نے جان لیا تھا کہ اب کوئی اور کوشش دوسرا سب بیٹھ کے ہم نے ایک منزل ترک ہو کر ایک سرسبز وادی میں آگئے۔ وادی کے چاروں طرف پہاڑوں کی ایک فسیل تھی۔ وہ جگہ اتنی خوب صورت تھی کہ وہاں سے آگے بڑھنے کو ہی نہیں جاتا تھا۔ مارنی کی نافرمانی پر قہقہہ گانا گانے لگے تھے۔ ہم ایک ٹنگ گھاٹی سے گزر رہے تھے کہ باک جامو کے پہلو سے نکلا ہوا ایک تیز زمین پر آ کے لگا۔ چشم زدن میں ہم باکوں کی آؤ میں ہو گئے۔ آؤ پر پہاڑوں پر ہر طرف آدمی موجود تھے اور وادی ان کی صدائوں سے گرج رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے قہقہہ کھڑا ہو گیا۔

”ہم ہوتے تو اتنا انتظار نہ کرتے، اندک تیر چلا کے دوسرے چلانے میں دیر کرتے۔ سبھی کے تعین کرنے کی جستجو کی کہ وہ کن کن ہیں۔ اندکوں اس طرح چاروں سمت سے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ دروہنگ ہمیں کے نزدیک چلی سر مل، مارنی، جینی پلو اور زور نے ہم سے پہلے پہنچ کے پڑاؤ کیا تھا، وہاں سے ہیں چلے ہوئے دھندل ہو گئے تھے۔ خامی کے دھکے دھکے چلے چلے چلے تھے۔ جاں کھن پڑا، شام کرنا دھڑکا ہونے کے بعد ہم نے اپنا سفر جاری رکھا۔ رات کرنا مشکل تھا وہ ہم جس جگہ دھڑکتے سب کا مقصد ہی تھا کہ جلد سے جلد دروہنگ جی سے دودھ ہوا میں اٹانے میں کسی غلطی سے ہماری مدد بھی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہم نے اپنے تعاقب کی کوئی آہٹ محسوس کی تھی۔ جی بھی پکڑنے نہیں تھے۔ دروہنگ جی سے نکل کے شولہ نے آگے دو منزلوں کا فاصلہ تبدیل کیا تھا اور اس کے کھنے کے مطابق کسی جگہ انھیں خشک جھانوں سے واسطہ نہیں پڑتا تھا۔ سر مل، مارنی، جینی پلو کو سفر کے لیے ضروری اسباب ہیئت ہم نے دس دن پہلے وضعت کیا تھا۔ ان کے جانے کے تین دن بعد باقی ہم سب جی سے اچھا کہ غائب ہو گئے تھے۔ جو سکتا ہے انھوں نے ہمارے پیچھے اور اور اڑھلے آدمی دوڑانے میں لیکن جی جی سے کیوں اور گئے ہی نہیں تھے۔ ہوا میں چل جاتے۔ ہم جی جی چند میل اوپر ہی ہندوں کے علاقے میں واقع قہم ہند کے تہ خانے میں مسلسل چاروں تک چھپے رہے تھے۔ تہ خانے سے دوبارہ برآمد ہوتے وقت ہر گزرا دھڑکا مسلط تھا۔ ہند کی سیڑھوں پر بیٹھے ہوئے آدمیوں کو ہماری کئی گن بل گئی تھی مگر وہ کسی کو کچھ بتانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ دوسرے روز انھیں ان کے آؤ سے ہونے بہم ہی ملے ہوں گے۔

گرا جی کے لوگوں کی نظر میں ہیں وہاں سے چلے ہوئے ملت دن ہو گئے تھے۔ یہ عزم ہوا ہے دودھ نکل جانے کے لیے کافی تھا۔ اب انھیں ہماری آخری حرکت کر دینی چاہیے تھی لیکن وہ

چہرہ مالے ملنے موجود تھے۔ وہ نہیں تھے تو چہرہ اور کون رنگ تھے۔ اگر تشام نے اپنے باپ چن رسا کا بتایا تھا کہ سلطان نے چار دن بعد اس سے جی کی سرمول پر مختصر جگہ ڈاکے علاقے میں ملے کو کہا ہے تو انھوں نے مزید دو دن کیوں توقف کیا۔ جاں تشام میں ملی تھی، وہیں وہ ہمارے راستے کی دیوار کیوں نہ بن گئے۔ اور انھوں نے تشام کو ہمارے ہاتھوں میں کیوں جانے دیا۔ سرمول ملائی وغیرہ کے دوبارہ ہمارے ساتھ شامل ہو جانے کے بعد انھیں پھر کس کا انتظار تھا۔ بستی کے قریب ہی انھوں نے ہمارے اطراف اس طرح اپنے آدمی کیوں نہیں کھڑے کر دیے۔ ہمارے طرح بھی کو انھیں دیکھ کے فوراً ہی گمان ہوا تھا کہ تشام نے انھیں ہماری غیروزی ہوگی لیکن جلد ہی سب کو احساس ہو گیا کہ یہ محض بگڑائی ہے، ایک بے جواز شبہ ہے۔ تشام دونوں سے ہمارے ساتھ سفر کر رہی تھی سب اس کی باتیں اس کا چہرہ جیسے بھول گئے تھے۔ اس کے چہرے پر چھوٹوں کی کسی مصروفیت اور اس کی باتوں میں بھٹکن کی کسی سادگی تھی۔ جب کوئی اس کے سامنے سلطان کا نام لے کے چھوڑتا تو وہ تیزی طرح خرابا جاتی۔ وہ دن سے ہی اسے جھپٹے ہوئے تھے۔ جب اس نے چلی بد ہمارے سامنے اپنی ٹوٹی چوٹی ہندوستانی میں بات کی تو سب کو حیرت ہوئی حالانکہ سبھی کو معلوم تھا کہ وہ سلطان سے اسی زبان میں بات کرتی ہوگی۔ گورا کو بھی ایسی ہی ٹوٹی چوٹی ہندوستانی آتی تھی۔ گورا کے مانند سورج سورج کے کوشش کر کے بڑا نکلیں پٹ پٹا کر کوئی لفظ سمجھ میں نہ آئے پر گھبراہٹ، بے جا جاکر سے سکرا کر اور خرواٹا آجاں کو بھی اسے دیکھ کے گورا کی یاد آگئی ہوگی سلطان نے اسے اشارہ کیا ہوگا بھی وہ زیادہ تر آجاں کے ساتھ رہتی تھی ان کے پہلو پہلو دونوں سے وہی ہمارے لیے شکار کیے ہوئے گرشٹ کا کھانا پکا رہی تھی۔ تشام اپنے گھر سے ہمیشہ کے لیے وداع ہو کے آتی تھی جیسے گورا ایک رات ہمارے گھر آتی تھی۔ آجاں نے نہیں سمجھا کہ وہ واپس جانے کے لیے نہیں آتی، وہ تو ان کی بیٹی بننے کے لیے آئی ہے۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو وہ ان کی اپنی بیویوں سے زیادہ ان کی قدمت کرتی۔

کائنات اور اندرون سے ملے ان لوگوں کو کسی اور ذریعے سے خبر نہ تھی۔ مولم کے ساتھ آنے والے قلیوں کو ہماری منزل کا پتہ نہیں تھا کیونکہ بھٹن کی ہدایت کے مطابق دوسری منزل پر انھیں پہنچے ہوئے مولم نے ان سے ہندوستان کی طرف جانے کے لیے طے کیا تھا لیکن کچھ دود آگے اس نے انھیں بائیں جانب تھیلے کی طرف چلنے کا حکم دیا۔ سفر کی اس اچانک تبدیلی سے ہی مراد تھی کہ

تھی چلتے وقت اپنی بستی کے لوگوں کو مولم کی منزل کی غلط نشان دہی کر کے آئیں۔ میں ایک ہی بات ممکن تھی کہ بڑے مندر کے تہ خانے سے ہمارے کھٹنے کے دوسرے دن جب انھیں وہاں موجود پر سے اور نظر نہیں آئے ہوں گے تو انھوں نے ان کی تلاش کی ہوگی اور بڑے مندر کے نشیب میں ان کی لاشیں پڑی ہوئی مل گئی ہوں گی۔ لاشیں بالکل نہیں سکتی تھیں لیکن ان کی ناقص صاف نمازی کوئی ہوگا کہ ہم گرشٹ رات یہاں موجود تھے۔ جانے سوا ان کی موت کا کوئی اور سبب نہیں ہو سکتا چنانچہ انھوں نے ہمارا پیچھا کرنے کے بجائے حد سے ہندوستان کے راستے کی سمت کوچ کیا۔ وہ ہماڑوں کے درمیان راستے ہم سے ہتر جاتے تھے اور مولم کے ہم سے پہلے ہماری منزل پہنچ سکتے تھے۔

بھٹن نے کسی کو کوئی ہدایت نہیں دی تھی لیکن ہم سب نے خود ہی اپنی اپنی تمکینیں کر لی تھیں۔ اگر وہادی کے اعزاف ہماڑوں پر ایک دائرے کی صورت میں بیٹھے ہوئے ہمارے گرد گھومتے رہتے تھے تو ہمارے پیچوں اور ہندوؤں کا رخ بھی اسی کی جانب تھا۔ ہر ایک کا رخ اسی اور سمت تھا تو زور کا کسی اور سمت۔ ہر ایک کی نگاہ اوپر آگئی ہوئی تھی اور اسے میرا زوری طور پر سمجھتا تھا۔ اپنی اپنی نگاہوں کے حصے میں تعمیر کی تھیں آجاں تشام اور دلی درمیان میں تھے اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ بھٹن نے بھی اپنے کندھے پر بھٹی ہوئی بندوق بھی لک نہیں آتا تھی اور اپنا ہتھیار جب سے باہر نکالا تھا وہادی کے نشیب کی زمین سطح نہیں تھی۔ درمیان میں ایک تیزندی گزرتی تھی جس کے کناروں کی زمین کیس کیس اتنی اوپر آگئی ہوئی تھی کہ ایک گھائی سی بن جاتی تھی۔ ہم نے ماحول مگر کرنے کی غرض سے ندی کے کنارے کنارے چلنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ مغرب بھی بہت دلکش تھا۔ دھوپ نکل رہی تھی اور ندی کا جامد میا باقی شواہد غائب تھا۔ اسی شواہد کے سبب ہمیں اپنے پیچھے ان کی نقل و حرکت کا پتہ نہیں چلا۔ ہمارے وادی میں اترنے سے پہلے وہ اوپر کسی ایک سمت پیچھے ہوئے تھے۔ جیسے ہی ہم نے وادی میں اترنا شروع کیا، وہ اطراف کے ہماڑوں پر پھیلے گئے اور انھوں نے اس وقت پہلا تیرھکا اور صدائیں بلند کر کے ہمیں اپنی جانب متوجہ کیا۔ جب ہم وادی کے میں پہنچے پیچھے گئے۔ خصوصاً اس مقام پر جہاں نشیب گہرا تھا اور ہمارے قزاق کا ارکان اور مقاموں کی نسبت کم ہو جاتا تھا۔ وہ ایک گھائی کی شکل کا راستہ تھا مگر ندی کے دونوں طرف آگئی ہوئی زمینیں ڈھلان تھیں۔ اسی ڈھلان کی وجہ سے ہم اوپر چاڑھوں طرف دیکھنے پر قادر تھے اور وہاں دیکھ سکتے تھے۔

وادی میں کسی جگہ ندی کے دونوں کناروں پر آگئی ہوئی زمین مڑی ہوئی تو یہاں کے بجائے وہ اسی جگہ کا انتخاب کرتے مگر ایسا کوئی تھا وادی میں شاید یہیں نہیں تھا۔ نشیب کا یہ گھائی نا حقد زیادہ بڑا نہیں تھا۔ انھیں دلاسی دیر ہو جاتی تو ہم آگے نکل چکے ہوتے۔ سب کو چند لمحوں اور چند جھٹکوں کے اسی ایک موقع کی تلاش تھی۔

سب جہوں کے مانند ٹنگ کھڑے بھٹن کی طرف سے کسی اشارے کے منتظر تھے۔ بھٹن بھی کوئی اشارہ نہ کرتا جب اسے کسی لمحے کوئی رعایت یا گنجائش نظر آتی۔ ہمارے کسی بھی غلط فیصلے کی خلاف ورزی نہیں تھی۔ بھٹن عرصہ گزرا تھا کہ ہم انھیں دیکھتا رہا۔ ایک یا سترائی کی کھنٹی ہوئی پیچ پر سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وادی آجاں کو روک رہا تھا جو ہم سے کچھ کھے بغیر اچانک درمیان سے نکل کے قریب کے ایک ٹیلے کی طرف بڑھ گئے تھے۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ آجاں کا یہ اظہار تھا غیر متوقع اور ناقابلِ غم تھا کہ سب ایک لمحے کے لیے جیسے اپنے حواس کو سمیٹے۔ جامو سلطان اور میں نے انھیں روکنے کے لیے ایک وقت بھٹنے کا ارادہ کیا مگر بھٹن کی آواز نے ہمارے قدم ماند کر دیے۔ آجاں کی رفتار میں تیزی نہیں تھی۔ ہم سے کچھ دور ایک ٹیلے پر پہنچنے کے وہ بغیر گئے۔ میرا دم انھوں میں اٹکا ہوا تھا۔ اوپر ہمارے انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر لیے اور ہماڑوں سے اترتے ہوئے لوگوں سے اشاروں اشاروں میں کچھ کہنا یا اشارہ ہمیں یہ جان کے حیرت ہوئی کہ ان کے اشاروں کے جواب میں وہ لوگ روک گئے ہیں جب انھوں نے اپنے سر جھکا کے اٹا جان کو تشویش دی تو ہم سب کی سمجھ میں آیا کہ آجاں جان نے ہیں آگے بڑھ جانے کی جرأت کس اعتبار میں کی ہے۔ وہ بکشتوں کے لباس میں تھے۔ اپنے مخصوص طے کے سبب دور ہی سے وہ ہم میں سب سے آگے نظر آتے تھے۔ کھڑے کھڑے میں ہانپنے لگا تھا۔ جامو نے میرا بازو پکڑ لیا۔ لاٹھے لہذا بھٹن سے بولا تو نظر کر سکی ہی رکھنا۔

جامو جانی میری آواز ملتی میں گھٹ کے رہ گئی۔ لاٹھے جانی؟ اس نے میرے بازو میں اپنی انگلیاں گڑو دیں۔ کبھی گرنے یا نہیں پوچھا کہ میرے جامو جانی نے کسی کا پیچہ میں نے پٹ کے ڈسے دیکھا۔ جامو اپنی آنکھیں جھپٹانے لگا۔ اس کے بڑھوں پر لزرق ہوئی سکواٹھتھ تھا۔ میری مایہ کراس کے گلے سے لپٹت حائل۔ جامو نے کوٹھارہ کے گلے پھینکا اور سامنے دیکھتے رہنے کی تلقین کی۔ آجاں کے ہاتھ ابھی تک اٹھے ہوئے تھے۔ تپنے کے کھٹکے

پر میری انگلی جی ہوتی تھی اور میری نگاہوں نے ان کے گرد ایک ہلکا سا بارک تھا اور وہ لوگ میرے آدھ سلطان نے لکھتے ہوئے یہ میں بھٹن کو مخاطب کیا۔ آساؤ یہ تشام رہتی ہے اور گان گلنے کا مطلب سفید جھنڈی ہے۔

ہتھیار بڑھاؤ۔ بھٹن نے فریال آواز میں کہا۔ سلطان نے تو آگ لگائے۔ یہ کہہ کے وہ اپنے تلے قدس سے آجاں کے پاس آدھے ٹیلے پر چڑھ گیا۔ باقی سب لوگ پیچھے ہی رہے۔ سلطان نے قلیوں اور تشام کی دوسرے ایک شعل میں آگ لگادی۔ دھوپ میں اس کے شعلے مر جاتے تھے۔ تاہم اوپر والوں نے اسے دیکھ لیا ہوگا۔ صرف شعل جلائے پر کاشا نہیں کیا گیا۔ آڑے وقت کے لیے یا کوں پر خشک کڑیوں کا جو ڈھیر نندا تھا، آڑے آمار کے اس میں بھی آگ بھڑکادی گئی۔ اس طرح اوپر سے گھر کے آنے والوں کو ہماری طرف سے یہ پیغام منتقل کر دیا گیا کہ ہم حرکت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ سب نے بھٹن کی ہدایت پر ہتھیار پیچھے کر لیے تھے۔ جاتے جاتے وہ اشارہ کرتا گیا تھا کہ سالانہ پیچھے چھوڑ کے ہم سب اوپر کٹنے کی کوشش کریں۔ جس موقع کے ہم دیر سے منتظر تھے، اس کی آئندہ بندھلی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ آجاں کی اپیل پر نظر ثانی کرتے یا رائے بدل دیتے، ہم نے ایک دوسرے کو گنگا ہوں سے شوکے اسے۔ آگ جلائے کے بعد ہم نے چند ثانیوں کی تاخیر کی ہوگی کہ ایک ساتھ سب اوپر آدھ منتشر ہوئے ہوتے ٹیلے پر چڑھ گئے۔ ہم نے رفتار میں کسی عجلت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ یہاں ہم زیادہ ہتر پڑے سے انھیں دیکھ سکتے اور زیادہ محفوظ انداز میں اپنا دفاع کر سکتے تھے۔ یہاں جگہ خاصی کشادہ تھی چھری چٹانوں میں آڑے کھنے کے لیے کئی گتے موجود تھے۔ ہم نے دوبارہ اپنے ہتھیار اوپر نہیں کیے۔ ابھی ان کو اوپر پیچھا آجاں تھا بڑے صاحب! بھٹن ٹکراتی لیے ہیں آجاں سے بولا۔

ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ آجاں نے مایوس سے کہا۔ یہاں آجاں اور پیچھے آنا چھٹکا تھا۔ میرا خیال ہے میں ان سے بات کر کے دیکھنے چاہیے۔ وہ جڑ بولیں گے، وہ آپ بھی جانے ہوئے صاحب! لیکن ہمارے پاس ان کی بات سننے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ ہاں بڑے صاحب! بھٹن نے گری سانس لے کے کہا۔ شاید اپنے کو بھی بعد میں یہی کرنا پڑا۔ ہر فرد پہلے ان کو نزدیک سے دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ ان کے پاس کئی تعداد میں ہتھیار ہیں اور ہماری نسبت وہ زیادہ ہتر چڑھ رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ہمیں کوئی خطہ عمل نہیں لینا

چاہیے صورت حال سمجھ لینی چاہیے۔ اباجان نے مذہب سے کہا۔
 - آپ ادھر آ رہے ہیں؟ مجھے رہو، ابھی ہم لوگ ادھر ملے گا۔
 سے بات کرتے ہیں۔ تبھل نے سولم پر اور جھ سے آگے بڑھنے
 کے لیے کہا۔

- نہیں! اباجان تندی سے بولے۔ اگر میری رائے آپ لوگوں
 کی نظر میں کوئی حیثیت رکھتی ہے تو میں آپ کو ان کے پاس جانے
 کا مشورہ نہیں دوں گا۔ میں خود جا کے بات کرنا ہوں۔ آپ سے
 زیادہ یہ سب کچھ دیکھنے کا مدد مجھے ہوگا لیکن اس کا امکان نہرت
 موجود تھا۔ ہماری ذرا سی بے اعتنائی جی جاسے لیے نقصان وہ
 ہو سکتی ہے۔ دوں سے ایک بات کا فیصلہ ہمیں ابھی کر لینا چاہیے
 کہ ہم زیادہ قیمتی ہیں یا ہمارا مال و اسباب؟

- آپ کیا بول رہے ہیں؟ بڑے صاحب! تبھل نے یہ سنی کہ
 - میں دوست ہی کہہ رہا ہوں۔ میری رائے میں کسی قسم کی
 الجھن میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کہہ کر سامنے جاسے لیے
 اندیشے زیادہ محفوظات کم ہیں۔ سب کچھ ان کے حوالے کرنے
 کے لیے ذہن آنا کہ لیجیے۔ اس آواز کی سروا کوئی اور نہ میرا
 تو مجھے بتائیے؟

- آپ جو سوچ رہے ہیں، صرف اتنا نہیں ہے۔
 - پھر کیا ہے؟

- وہ تین جانتے کہ اپنے پاس کیسا سامان ہے۔ ان کو اس
 کا ابھی کچھ پتہ نہیں ہے۔ وہ تو ہم کو لینے آئے ہیں۔
 لیکن ہمارے پاس ادھر کیا ہے۔ یہ سب ان کے اطمینان
 کے لیے کافی ہوگا۔ اباجان نے جھادی لیے میں کہا۔

- بہت تھوڑا ہے۔ بڑے صاحب! اتنے سے ان کا بھلا
 نہیں ہوگا۔ ہم نے ادھر جا کے ان سے بولا تھا کہ ہم ان کے گھوڑے
 بٹنے کاغذ دالیں لانے کا جتن کریں گے۔ ان کو یہ بولے بغیر ہم نہ
 اچھا ہو سکتے۔ اباجان میں کہتے تھے۔ پھر کو پوچھنا ہے میں نے
 پہلے با آپ کو سب بول دیا تھا۔ ان چھروں کی نہیں ان کاغذ
 کی ضرورت ہے۔

- لیکن کاغذات ہمارے پاس نہیں ہیں۔ مجھے یاد ہے آپ
 نے مجھ سے یہ کہا تھا مگر آپ نے تبھل آپ کے کوئی حتمی وعدہ
 نہیں کیا تھا۔ پھر تبھل نے ہمیں ہمارے سامان کی تلاشی لینے دیجیے۔
 - وہ ہم کو دالیں لینے نہیں آئے ہیں۔ ہم نے ان سے پورا
 وعدہ نہیں کیا تھا۔ پھر تو سال تک کسی نے ادھر آ کے ان سے ایسا بولا
 تھا؟ ہوسال سے وہ سامنے ہندوستان میں سر ملتے رہے ہیں۔ مجھے
 کہ کوشش کرو بڑے صاحب!

- میں سمجھ رہا ہوں لیکن کاغذات میں نہیں ہیں۔
 - یہ بات آپ مجھ سے بول رہے ہیں؟ ان کو کہیے بولا جائے؟
 - آپ ان سے کہہ دیجیے کہ جھلا وعدہ ابھی تک قائم ہے۔
 ہم کاغذات انھیں دالیں کر دیں گے۔ اگر انھیں مال کرنا مقصود
 ہے تو ہماری بات کا یقین کرنا ہوگا۔

- آپ ان کو اپنے ساتھ لے چلو گے؟
 - جی! اباجان ہنسی بھجوا کے بولے۔
 - میں بولتا ہوں وعدہ پورا کرنے کے لیے آپ ان کو اپنے ساتھ
 لے چلو گے؟ وہ ایسا بولیں تو آپ کیا جواب دو گے؟
 - نہیں۔ میں ایسا نہیں چاہوں گا۔

- بڑے صاحب! تبھل نے نرم لہجے میں کہا۔ آپ نے
 ان کو روک دیا ہے۔ ابھی آپ ادھر تھوڑے۔ ہم جا کے ان کو کچھ
 ہیں آپ سے وہ کچھ بولیں تو ہم سے آپ اپنے کو روک بولنا۔
 - آپ سمجھتے ہیں کہ یہ آپ کے لیے سود مند ہے تو بہتر ہے
 میں ان سے یہی اظہار کر دوں گا لیکن آپ خود آؤ پھر جا کے ان سے
 کیا بات کریں گے؟

- ابھی ادھر جا کے دیکھتے ہیں بڑے صاحب!
 - میں سمجھتا ہوں میری بات شاید وہ مان جائیں۔
 - پھر آپ اپنی بات ہی کیوں بولو جس کے نہ ماننے سے
 آپ کا بھرم بھی جاتا ہے؟

- میں احساس ہونا چاہیے کہ ہم سخت خطرے میں ہیں۔
 - اپن لوگ سب خطرے کی گھڑی میں جہم لیے تھے۔ یہ تو
 آگے آگے تیزی سے بولا۔ یہ اپن کے راجا کے بارے میں شک
 جانتے ہو گے بابا! وہ میری طرف دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے پوچھا
 اپن کو ایک دم یقین نہ رہا ابھی ایسی گھڑی میں اید آ رہا ہوگا
 آپ بالکل ٹھکانے سے بچو۔ ان نے آپ سے بولا تھا۔ بولا
 تھا کہ آؤ دوسرے مارا صاحب چٹکا کر کے لے جائے۔
 - مگر مگر... اباجان نے انھیں بند کر لیں۔

- بڑے صاحب! آپ ادھر مارے ساتھ ہی رہو۔ جہاں
 نے لجا جت سے کہا۔
 - درست ہے درست ہے۔ اباجان آگھڑی ہوئی
 سانپوں سے بولے۔

- دیر ہو رہی تھی۔ وہ دور کھڑے ہم لوگوں کو انہیں میں باقی
 کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے لیکن ہماری آواز ان تک نہیں پہنچی رہی
 ہوگی۔ ہماری جانب سے وہ جلد باز کسی اقدام کے منتظر ہیں
 گے تبھل نے اباجان کی طرح چاروں طرف گھومتے ہوئے اپنے

ہاتھ اٹھائے، سولم، پرواد میں لے آئی کی تقلید کی۔ کچھ توقف
 کے بعد ایک طرف سے جواب میں ہاتھ بلند کیے گئے۔ تبھل نے
 پھر دیر میں کی۔ باقی لوگوں کو وہیں ٹھہرے رہنے کی تاکید کر کے
 وہ اوپر چپ ٹوڈی پر چلنے لگا جس جانب سے جواب آیا تھا
 وہاں سے چند اداں بھی ہماری طرف بڑھنے لگے۔ راستے میں تبھل
 نے ہم سے کوئی بات نہیں کی۔ ہم تیز تیز قدموں سے درمیان کا
 فاصلہ کم کرتے رہے۔ کبھی رتنے دھنوں اور چٹانوں کی وجہ سے
 کہیں کہیں وہ ہماری نگاہوں سے اوچھل جواتے تھے۔ ہم نے
 ہتھیار ہاتھوں میں نہیں اٹھائے تھے۔ آدھ گھنٹے کے وقفے میں
 ہم ان تک پہنچ گئے تھے۔ ان میں سے آگے آنے والے آدمی
 اپنے پیچھے دو جانے والوں سے اتنی دقت نہیں آئے تھے جتنے
 ہم اپنے لوگوں سے دُور ہو گئے تھے۔ جو لوگ سامنے آئے تھے
 وہ جاگ بھیلے ہی کے آدمی تھے۔ گنتی میں پچھڑوں میں مختلف
 تہوں میں کسان انھوں نے کسا ہوا لباس پہن رکھا تھا۔ اعلان کے
 چروں پر سفر کی تھکن کے آثار نہیں تھے۔ بلکہ ناز کی کھلی ہوئی تھی
 پوری طرح چاق و چوبند و مستعد۔ ایک تہی سپاہی کے پاس
 میدان جنگ میں جتنے ہتھیار ہو سکتے ہیں ان کے تمام سب
 سے مزین تھے۔ ایک ادھیڑ عمر کا لٹیرہ لہذا اور تن درست و توانا
 شخص ان میں سب سے نمایاں تھا اور ہمارا مصورت آشنا تھا۔
 اس کی کمرے ایک تلوار بھی لٹک رہی تھی۔ ہم نے اسے قلعے کے
 سردار کے خاص کہے میں کئی بار دیکھا تھا۔ دوسرے آدمیوں کے
 ملنے اور دیکھنے کا اتفاق ہمیں شاید نہیں ہوا تھا۔ مصورت شکل
 میں نام نہانی ایک جیسے لگتے ہیں۔ ممکن ہے انھیں بھی ہم نے
 سردار کے مکان یا پستی میں کہیں دیکھا ہو۔ سب کی چھوٹی چھوٹی نیکیں
 چمک رہی تھیں اور جی پر سرگزشتیں۔ ان کے چہرے انگارے پر
 رہے تھے۔ کچھ دیر ہم ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر تبھل نے
 کسی تمید کے بغیر ہم میں سے پوچھا۔ سردار نے بھیجا ہے؟
 سولم نے فوراً اسی کے لیے ہی توجہ کر دی۔

- ہاں! ادھیڑ شخص نے پات آواز میں جواب دیا۔
 - سردار کی خبر ہے؟
 - جی میں ہے۔
 - ہم کو ساتھ لے جانے کو آئے ہو؟
 - ہاں! اس نے مختصر جواب دیا۔
 - اتنے بہت سے آدمی بلانے کیجیے ہیں؟
 - پیچھے اور بھی ہیں۔
 - اچھا! تبھل نے سکون سے کہا۔ پر کیوں؟

- ہم نہیں جانتے۔ وہ غصے سے بولا۔
 - سردار سے بولو کہ ہم ادھر واپس آئیں گے۔ ابھی ہمارا سستا
 سامان ادھر بیٹھا ہے۔ ہم نے اپنی طرف سے سردار کو جوابات بولی
 تھی وہ ہم کو یاد ہے۔ اس کو پورا کرنے کی ہم کوشش کریں گے
 تبھل نے ثابت سے کہا۔

- سردار نے ہمیں ایک ہی حکم دیا ہے۔ تمیں دالیں لایا جائے۔
 تبھل سردار نے لگا۔ ہم کو پتہ ہے کہ ہم نے سردار سے کیا بولا تھا؟
 - تھوڑا بہت! اس نے سر جھکا کر کہا۔
 - ابھی ہم کچھ نہیں جانتے۔
 - یہ سردار کو ہی جانے کا بتانا۔

- سردار سے تو ہم نے ساری بات صاف کر لی تھی۔ ہم نے بول
 دیا تھا کہ چار میں سے ایک ہر جی آئیں کہ ادھر جی جائیں۔ وہ جہم میں ڈرا
 نہیں ڈالے گا۔ چار میں سے بعد اگر ہم کچھ ہاتھ نہیں لگاؤ تو اپنا کالا منہ
 لے کے اس کے پاس نہیں ٹوئیں گے۔ ہم لوگوں نے فوراً سپرانی
 چلائی ہے۔ ابھی تک ایک مہینے کے لیے ہمیں ان کا یہ حکم ہے ہر؟
 - ہم سے کوئی مفاد من مت کرو؟ پھر کچھ کہہ رہے ہو سردار سے جا
 کے اس کی وضاحت کر دو؟

- ادھر جانے سے نہ سردار کا بھلا ہے نہ اپنا، تھیلے پاس
 اچھا بد ہے۔ بھیا ابھی اچھا ہوگا۔ ابھی ہمارے پاس کچھ نہیں ہے تو جا
 کے سردار کو کیا معینہ دے دیں گے۔ ہمارا راستہ نہیں کھڑا کرتے ہو؟
 - ہم نے سردار کا حکم تمیں بتا دیا ہے۔

- اور ہم سے یہ نہیں بولیں گے کہ یہ سردار کا ملاو نہیں ہے۔
 - تم یہ ذہم کے اچھا ہی کر دو گے اور ہماری بات مان کے ادھر
 اچھا سردار سے جا کے خوبات کر لو۔ ابھی بس تو زیادہ دہنیں ہے۔
 - جلد آدمی بھیج کے سردار ہی کو ادھر کالو، ہم اس کا انتظام
 کر لیں گے یہ کہنے سے نہ جانے تبھل کا کیا قصہ تھا۔

- اس نے نہ بنایا۔ ہمارے لیے سردار کا ایک ہی فرمان ہے۔
 - کوئی دوسرا نہیں؟ تبھل نے سر دھبے میں کہا۔
 - دوسرا جی ہے۔
 - اس کو بھی بلو؟
 - اس کے بتانے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ اس نے ناگوار سے کہا۔
 - تم ادھر کب سے ہو؟ غالباً تبھل کرے جانتے کی جستجو تھی کہ
 وہ بڑے مند کے علاقے میں اپنے چار آدمیوں کی موت کی اطلاع
 سن کے آئے ہیں یا پہلے سے موجود ہیں۔ ان کے تہر کر ترازو کرنے
 کے لیے یہ جاننا ضروری تھا۔
 - تمیں اس سے کوئی غرض نہیں؟

مغز کیوں نہیں ہے نور مائیں؟ معلوم نہیں مولم نے تیل کا کیا ترک کیا ہوگا۔ اس شخص کے ہاتھ پر خنکسں پڑ گئیں۔

”مختاری طرف سے کیا جواب ہے؟“ اس کی آواز بگڑنے لگی۔

”کیا جواب دیں پیرودا!؟“ فخل نے پیر کی طرف ہنسنے کہا۔

”ابھی کیا بولیں ستاد؟“ پیرودا وہاں سے بولا۔ سالار بیل ہے میرا گرام بگٹا ہے۔ اپنی اتنی بات نہیں سننا۔“

فخل چند لمبے چپ کھڑا رہا۔ چلے جاؤں طرف پھیلے ہوئے آدمیوں کے انھوں میں کامیں تھیں۔ ہماری ایک ایک جنبش ان کی نگاہوں میں گزرتی تھی۔ راوی میں مدی کی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں تھی۔ اپنے لیے واپس جانے میں مختاری بھی گئی تھی۔ فخل نے دھیمے لیے ہیں کہا۔

”ہمارا بگٹا ہمارا برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ ہم تو ایک زلٹے سے گھاسے میں ہیں۔ سردار کے پیغام پر ایک آواز تیری ہوئی تھی۔“

”بولو پیرودا!۔“

پیرودا فخل کو جواب دینے کے بجائے سولم سے کہا: میں بولو سولم سالار سردار کو این کچھ مانتی پسند آیا ہے۔ کیا آؤدو اپنی کے لیے اپنی ماں میں کولم سے کوئی گنا یا خود لینے کو؟۔۔۔ اس سے

بولو کا اچھی اچھا کچھ آدمی ہاں کے ساتھ باندھ دے۔ چلے ہاں دلوں ساتھ ساتھ ہندوستان کا سیراں گادور گھورے گھورے رزی کا فندھو میرنگے میں نے پیر کا فندھو دبا کے آسے روکا۔ پیر کے ہونٹ چوڑھنے لگے۔

سولم نے اپنی طرف سے قطع و برید کے پیر کی پیش کش نہ ہری۔

”ہاں کا فیصلہ بھی سردار کرے گا۔“

”یہ چڑی مار تو این کو ایک تم حکم کا خدام گتا ہے۔“

”باتو ہے دادا!۔“

”اپن آبل بولنے کو تھا۔ پیرو چمک کے بولا۔“

”تھامے سردار کا فذاات چاہیں یا ہم؟“ فخل خیرانی ہوئی آوازیں بولا۔

وہ جواب دیتے ہوئے چپکچپ لگے گا: کا فذاات۔“

”تو ابھی این آؤدو کے سردار سے منع بولنے تو کیا ہوئی گی۔ پیرودا نے فخل کے کچھ کہنے سے پہلے درمیان میں دخل دیا۔ تم بھی قبیلہ کا آدمی ہے۔ ایدر تھامے ساتھ ادوسب روگ قبیلہ کا ہے سب سردار کے آگے پیچھے کی سکوت کر لو اور مجھ کو بھی اپن کیا بوم مارنا ہے۔ کا فذا ایدر نہیں ہے! اپنا سامان تلاش کر لو۔ این کسی کی جگاڑ میں آؤدو جارہا ہے بابا! این کو بھی مال بنانے کی مددی ہے۔ پیرودا بیزاری سے کہنے لگا: اپن سے گناہ لاوت کرؤ۔ نوسال کیا سالانہ نزار مل لگ جائیں گا سب ایک ایک کر کے سوجائیں گا۔ رنے دلاچی

نہیں ہونے کا سولم! اس کو بولو کا ایدر بھی مختاری لوگ نہیں ہے۔

جواہر ایدر بول رہا ہے۔ آؤدو بھی جا کے آتا رہے گا۔ پیر کی زبان میں لکنت آگئی تھی۔ سولم! اس کو بولو کھوڑی سیدی رکھو اور اپنے آدمیوں سے سوچ بچار کر لو۔ این ایدر بھی ہیں۔ بولو کو این کا فذا نہیں ہیں۔

لمبے حیرت تھی کہ فخل اور پیر واپسی اور اتنی باتیں کیوں کر لیے ہیں باکل فسلول۔ انھیں ابتدا ہی میں اندازہ لگنا چاہیے تھا کہ کوئی اور بات سننا نہیں چاہیے۔ گو سولم نے اعتیاد پڑی تھی

ترجانی کرتے ہوئے پیر کا لہجہ منتقل نہیں کیا تھا۔ وہ دروں اور تھرس انداز میں انھیں اس کی کسی ہونی باتیں منتقل کرنا چاہتا تھا لیکن وہ سب گراہندوستانی میں مانتے تھے تو پیر کا لہجہ ان سے چھپا ہوا

نہیں تھا۔ انھوں نے ایک دوسرے کی طرف شغل باری انھوں سے دیکھا اور ان میں سے ایک مہتر شخص سرخشا کے بولا۔ ہم بھی تم نکلا کر رہے ہو؟“

”اپن بھی تم نکلا کر رہے ہو؟ پیرو چمک کے بولا۔“

”دو لوں کا نکلا کر رہا ہے دادا!۔“ ایک ایک فخل نے دھیرے سے کہا۔

”چمک!۔ کیا ہے فخل بھائی؟ پیرو چمک پڑا۔“

”سردار کی عزت تم سے بڑی ہے۔“

”مطلب تم۔۔۔ تم واپس جانے کو بولتے ہو کیا۔ وہ تعجب سے بولا۔“

”ہاں دادا! فخل نے کسسا کے کہا۔“

پیرو چمک بیٹے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا، وہ فخل کو شتبہ نلوں سے گھونٹنے لگا جیسے اس نے جوڑنا ہے وہ فخل نے نہیں کہا ہے عرفہ فخل ہی نے کہا تھا۔ پیر کی انھیں کھل کی فخل کو گئیں

جب فخل نے سولم سے کہا۔ بولو کر ملے۔ جواب کا فذا کا دھیمان چھوڑ دو سب تمھارا باپ ان کی منج نہیں سکتا۔ بولو سردار نے کاٹیا بھی جی ڈال کے پناہ دے دو توڑ دیا ہے۔ ہم بھی اب اس کے پابند نہیں ہیں کا فذا کو بھول جاؤ، آؤدو سردار نے اس ناہم تم میں سے بہت سے ہیں گے جب اس نے ہم کو تولنے کے لیے اپنے آدمیوں کو اٹھک بٹھک کر اپنی تھی اور ہم نے اس کو دلا تھا کہ اپنے کو اٹھک مانا ٹھیک نہیں لگتا۔ منجی مختاری زیادہ ہے کہ ہم تو اچھ لپٹے ٹھکانے سے سردار اچھا جان کے چلے تھے۔“

سولم کا بیٹا بولو کر کوئی بولب نہیں نے سکا وہ اس کا کوئی ساتھی انھیں بھی پیر کی طرح جیسے فخل کی بات پر اعتبار نہیں تھا کسی لمحے گور گئے۔ وہ چمک کھڑے انتظار میں لگا ہوں سے

ہیں کتے تھے پیر سردار کے پیغام پر نہ مٹ پٹا ہے نہ کما۔ نہ تم نے

ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔“

”ہم بھی کیا ہے تم سے اس پر چٹا نہیں لگنا ہے۔“

”اپنے جتھارا آؤدو۔“

”تھوڑی دیر میں بولنا اپنے پیشے آؤدو۔“

”مردمت جتھار ہی انکار آؤدو۔“

”ہاں ناں۔“ فخل نے ہنسنے چھلنے لگے۔ جتھار بھی ادا دیں گے ہمارا اپنے لیے پیر کا جوڑیل لانے پر بولو گے تو ان کو بھی یہی ہیں

ہیں گے جتھار اپنے ہنسنے کے بعد۔“

”ہم کہتے ہیں اپنے سالے جتھار ہمارے حوالے کرؤ۔“

”تم بھی ایسا کرو گے تو اپنے کو کیا انھیں چاہتا ہے۔“

”ہم۔۔۔ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔“

”اور تمھارے ساتھ یہ سب حرام کے چنے ہیں کیا! ایک باپ پر سنی کر لو، مجھو ماہر کے نہیں لائے ہو گے۔ دادا! سناؤ جتھارا آتا ہے

کو بولتے ہیں۔“

”اپنے کولے ان کو کا چٹا کتے ہیں۔ پیرو چمک کاتے ہوئے بولا۔“

”مختلف جتھار ہمارے پاس محفوظ ہیں گے۔ سردار کے پاس جا کے یہ تعین واپس مل جائیں گے۔ این میں سے ایک نوجوان بڑی سے بولا۔“

”اور تمھارے اپنے پاس۔“

”اس کا مطلب ہے تم نکلا کر رہے ہو تم چلنا نہیں چاہتے۔“

”ہم نے جو بول دیا ہے، آٹھا ہی ٹھیک ہے۔“

”مجھو فخل بھائی یہ سالے کتے کی دم ہے۔ پیرودا نے قہقہے لگائے کہا۔ سولم! ابھی اس کو بولو کو فیصلہ کرے۔ اپنے کولے مانا لگتا ہے تو جتھار کے ننگ۔ این سالہ قبیلے سے سردار کی ماں بچکا کے

نہیں لایا ہے۔ ایدر ایک چھوٹو آؤدو کی اپنی مرضی سے آئی ہے مرضی بدلے تو کوٹ جاتے۔ این خاہد کا آدمی ہے، نہ سردار کا بچا کھا ہے۔ سالہ ایک کے برابر ڈون ڈون بھرے پیرو چمک جتھار نکال دو پیر لوں گا۔ آٹھ ایک کرؤ، کان ایک کرؤ۔ پیرودا منہ پڑا کے بولا۔ یہ سوخی مڑا ہے جسم سے ابھی آستار بادشاہ کا خیال ہے۔ این کا خون بہت گندہ ہے۔“

وہ تنہا کے ذکر پر ایک لمحے کے لیے چونکے تھے۔ شاید ان کے لیے یہ اطلاع نئی تھی مگر انھوں نے ہلٹ کے نہیں بول سکا قبیلے کی کوئی سی لڑکی جانے ساتھ آئی تھی تاہم ان کے چرچنے سے اندازہ ہوتا تھا کہ بڑے منہ کے تہہ غلے سے ہمارے ٹکٹے اور تنہا کے ساتھ ہونے سے پہلے انھوں نے بیل پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ انھیں یقین ہوگا کہ اگر ہیں ہندوستان کی طرف حاتمہ ہے تو ہم اس جگہ

سے مزدور گزریں گے پیرودا نے کہا تھا کہ وہ چاہیں تو ہمارے سامان کی تلاش لے لیں۔ انھوں نے اس پر توجہ نہیں دی۔ وہ طے کر کے آئے تھے کہ میں اپنی واپس لے کے جائیں گے تو ہمارا سامان چھڑا لیا مل

تھا یہ کام وہ اپنی ہی ہمارے بھی کر سکتے تھے۔ پیرودا نے کہا تھا کہ ہم کوئی جرم نہیں ہیں جتھارا آؤدو کے ملیں انھوں نے بحث نہیں کی کہ

وہ کہہ سکتے تھے کہ جتھاری سے کوئی افلاخ نے کسی سے کچھ کے سنے بغیر ہیں فاقہ ہوجانے کی کیا ضرورت تھی۔ افلاخ فیہ نے میں

کیا عذر تھا کہ کوئی منظم پروگرام ہی ہوگا۔ دوسرا قافلہ بھی ہمارے ساتھ تھا جسے ہم نے اپنے جانے سے تین دن پہلے ہی سے روانہ کیا تھا۔

پیرودا فخل نے سردار کے سامنے خود کو دو قافلوں کے خود پر پیش کیا تھا۔ دلوں ایک دوسرے کے آگے پیچھے آئے تھے۔ اب وہ

دو لوں ساتھ تھے۔ ہزار قسم کے دوسرے ان کے ذہن میں گردش کرتے ہوں گے۔ کا فذا کی جتھار حیثیت کے علاوہ ان کے پاس ہی اور بھی

بے شمار دوا ہیں مشورہ تھیں۔ پیرودا کوئی بات واضح نہیں تھی۔ اس سلسلے میں ان کا مل سنی سنانی باقوں سے زیادہ نہیں تھا کسی فخل خزانے کی رطابت بھی ان میں سے ایک ہوگا۔ اشاروں کنایوں میں انھوں

نے اس کا تذکرہ بھی کیا تھا مگر وہ یقیناً بڑے منہ کے تہہ فغانے میں چپے ہوئے عظیم الشان خزانے کے متعلق کچھ نہیں جانتے تھے۔

کبھی انھوں نے ان کا فذاات کی تحقیق کی یا قاعدہ کوشش ہی نہیں کی تھی۔ ایک تودہ انھیں چھوٹے ہوئے ڈرتے تھے یا پیرودا ان کے کڑو جانے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ ممکن ہے کبھی کسی نے

ان کی تحقیق کی جرات کی ہو اور قبیلے میں فساد کے خوف سے غائب ہو کر کبھی ایسی کوئی کوشش کی گئی تھی تو اس کا مل خند گزروں

ملک مدور ہا ہوگا جس نے میں قبیلے کا سردار کر کا باپ مارا گیا تھا۔ اس زلٹے میں اس کے آقا بھی انھیں نے ہو سکتا ہے کوئی رنر

ہر یافت کر لی ہو جس کا مل کر کے چاکر کبھی ہو گیا ہو اور اس نے

فخل اسی سبب سے اپنے بڑے بھائی کو رات سے سے مٹا دیا ہو اور قہقین کا فذاات اور کر کو لے کے اس کی دست بڑے دود ہو گیا۔ برمال

کا فذاات سے متعلق ان گنت راتیں قبیلے میں ہماری اما ایک آہ ادا ہمارے متضاد طرز عمل کے پیش نظر وہ ہمارے پاس ہیں ان گنت

فقا اس آرائیاں کرنے میں خفی بجا نہ تھے مگر انھوں نے ادھر ادھر اچھنے کے بجائے میں اپنا مقصد ملنے رکھا تھا کہ وہ کسی طور بھی سردار کے سامنے زندہ پیش کر دیں۔

پیرودا فخل کی زبانی جتھارا آتے سے حتی انکار اس کے وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ اور عرض حال جو ان میں سب سے بدعنوان

تھا پہلے جتھار ہمارے ساتھ رکھنے پر آمادہ نہیں تھا مگر اس کے دوسرے

پیرودا فخل کی زبانی جتھارا آتے سے حتی انکار اس کے وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ اور عرض حال جو ان میں سب سے بدعنوان

تھا پہلے جتھار ہمارے ساتھ رکھنے پر آمادہ نہیں تھا مگر اس کے دوسرے

پیرودا فخل کی زبانی جتھارا آتے سے حتی انکار اس کے وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ اور عرض حال جو ان میں سب سے بدعنوان

ساحلی اُس کے ہم آفرین نہیں آتے تھے۔ اس دوران پروردگار نے اس کی شکل میں تھکانے کے اُسے کسی طرح چپ کیا اور ہم سب ان کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔ اب کوئی اور امید باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ہتھیار بچ جانے سے ہماری تعداد بڑھنے کی بجائے برابری ہو گئی۔ جمل پروردگار میں چاروں اُن کی ناکامی کی صورت میں اپنے پیٹے اور جانوں کا نکلنے کے لیے متعقد تھے اور ہمیں اندازہ تھا کہ ہماری کسی بھی حرکت پر ایک ٹپے میں چاروں طرف سے تیر ہزار شروع ہو جائیں گے۔ تیر ٹپے کی لوبت آئی تو ہم میں سے کوئی بھی زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ ہم نے طے کر لیا تھا کہ ایک ہاتھ میں تیر ہزار دوسرے میں چاروں کے چھٹے اُن کے غول میں گھس جائیں گا۔ وہ اپنے آدمیوں کو اشارہ کرنے سے پہلے ہمارے جواب کا انتظار ضرور کریں گے۔ اسی مہلت میں ہم اُن پر چھٹے ملنے لگے۔ جمل پروردگار نے بھی یہی سوچ رکھا ہوگا۔ اس موقع پر پہلے سے کار کو گولی اور ہتھیار نہیں ہوگا۔ نیچے آجائے گا۔ ساتھ کھڑے ہوئے ہمارے اُن کی بند دھن اور کھڑے ہوئے لوگوں کا نشانہ بنے سکتی تھیں۔ وہ آدمی ہم تک نشانے لگائے نہیں گئے اور کسی کو بھی کسی بیلن کی نیچے کی توقع نہیں ہوگی۔ ہم کبھی گردیاں چلائیں گے۔ ہمارے پاس کاروں یقیناً اُن کی تعداد سے بہت زیادہ تھے مگر انھیں استعمال کرنے کا موقع نہ تھا۔ اب میں بھی اُن کے ساتھ جانا تھا لیکن ہتھیاروں کے بغیر زندہ جانا بھی مردوں کے مانند جانا تھا۔

ہتھیار اُن کے حوالے کرنے تھے تو جیسے ہوئے ہی کہیں بیڑ نہیں اور کاروں غالی کر کے اور بخیر چاروں کی دھار کٹر کر کے بن کہیں نہیں۔ ایک بل دھول کی دیر تھی۔ میں نے نیچے چھڑے کر کے نیچے کھڑے ہوئے آجائے کی طرف دیکھا۔ اُن کا سر جھکا ہوا تھا، سر نیچے دھار کھڑے ہوئے۔ کچھ چہرے تھے کہ چہرے کا چہرہ دیکھ کر دھت ملے گویا نہیں۔ اُنے والی گھڑی کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ اگر مجھے آجائے گا۔ میں نے وہ باتیں کرنے کا موقع مل جانا تو میں اُن سے نزدیک بیٹھاں شہ پاد کے لیے کہتا اور اپنی بیٹی میں لگی ہوئی چمک بک اُن کے حوالے کر دیتا۔ مجھے اتنی تھی کہ وہ آجائے پر ہاتھ نہیں اٹھائیں گے لیکن اُن کی موجودی میں آجائے میری لاش کو بھی اپنے سینے سے نہیں لگا سکتے تھے۔ اُن چند لمحوں میں نہ جانے کیسے کیسے خیال آئے کہ میرا اور چو لڑ لڑ گیا۔ کچھ دیر پہلے پروردگار نے آجائے سے کہا تھا کہ میں کھڑے کی کسی گھڑی میں بیٹھا ہوا ہوں گا۔ میں نے تو وہ غومت کی گھڑی ضرور تھی۔ میرا وجود ہی تھا۔ سب ایک آدمی کے سبب سے تھا۔ وہ

نہ ہوتا تو اتنے لوگ اس دورا فائدہ اٹھائیں مگر یہیں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا نہ ہوتے۔ کاش عدالت میں تین آدمیوں کے قتل پر اُسے اتنا ہی ہی موت کی سزا مل جاتی۔ اکتے چاروں کے جسم کے لیے کھلے تھے۔ کوئی ایک اُن میں سے لگ جاتا تو یہ وقت آتا۔ معلوم نہیں وہ چند آدمی دینا سے کیوں نہیں اٹھ جاتے جو مرد بھی زندہ نہیں رہتے۔ دوسروں کو بھی بین سے نہیں لینے دیتے۔ سیر قریب جمل پروردگار انداز میں کھڑا تھا۔ پروردگار بظاہر بشرط لفظ آتا تھا۔ زندہ ایک طرف اُن چاروں کو۔ اُس کی بیٹی گیتا اور بیوی کی پرچھائیاں اُنھوں میں لڑ رہی ہوں گی۔ کاش وہ سب مل کے پہلے مارے جاتے۔

ادویٹر شخص اپنے ناقصی سے مشورہ کر کے میرے ہی ہاڑی طرف متوجہ ہوا۔ میرے ہاتھ تیزی سے اپنی میسوں کی طرف پکے لیکن ہتھیار باہر نکالنے کی ضرورت نہیں پڑی، ایک لمحا جاتا تھا کہ میرے نیچے کی گولی اُس کے سینے میں پروست تھی۔ اُس نے سر کی جنبش سے اپنے اُزار کا اٹھا کر دیا تھا۔ یہ کسی ناخیر کے بغیر مجوز اُس نے اُنہی آواز میں ہمیں حکم دیا۔

جمل اور بیڑ ہجر ہل کے لیے بھی اُن کے ملنے میں ٹھہرے۔ چپ چاپ نیچے پہلے پڑ گئے۔ جہاں سب ہمارے منتظر تھے اور نہ جانے کے لیے مضطرب کہ ہم کیم لے کر آئے ہیں۔ شاید وہ کسی غم کے لیے توقع کر رہے تھے۔ جمل نے اُن سے سامان اٹھانے اور چلنے کے لیے کہا تو اُن کی گردنیں ڈھکنے سی گئیں مگر اُنھوں نے کوئی جھڑپ نہیں کیا۔ کیا یوں کا کٹھن فوراً مڑ گیا۔ ہانگ قبیلے کے مارے آدمی اوپر ہی رہے اور اطراف سے ایک جانب سمٹنے لگے۔ وادی سے نکلتے ہی وہ ہمارے ارد گرد ہو گئے۔ اُنھوں نے خود کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ کچھ لوگ ہمارے آگے تھے، کچھ پیچھے، کچھ دائیں بائیں کچھ ہم سے قریب تھے تو کچھ دور۔ جو قریب تھے اُن کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ دود چلنے والوں کے ہاتھوں میں کانیں تھیں، آجائے اُن کا نشانہ ہمارے ساتھ ہی تھے۔ ایک بڑنگ شخص نے آجائے کے پاس آگے اُنھیں آگ ہوجانے کی پیش کش کی تھی۔ آجائے نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ ایسے حالات میں وہ اُن لوگوں سے جدا ہونا مناسب نہیں سمجھتے جن کی رفاقت میں اُنھوں نے سفر کا آغاز کیا تھا۔ ہمارے ہمارے اُن کی واپسی کا براز موجود تھا۔ اُن دھڑلے گراں راستوں میں تنہا سفر کرنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ ہمارے لوٹنے کے بعد آجائے جان ایک لکھنوی نہیں کر سکتے تھے۔ اُنھیں لڑنے میں کسی دوسرے قافلے کی ہم کرانی کی مدد نہ تھی۔ ہمارے ساتھ واپس چلنا تھا۔ جھکنا

کے قافلوں کی سفری رفاقت کوئی نئی بات نہیں تھی۔ آجائے کم کرنے کے لیے کبھی تاجر جھگڑوں کے قافلے جاتے تھے، کبھی جھگڑا ہونے کے ساتھ۔ یہی وہ تھی نے ہمارے ہمارے آجائے کی موجودی پر کسی شے کا اٹھا ہا۔ قریب آگے اُنھوں نے تاشم کا چہرہ بھی دیکھ لیا تھا۔ بڑا جھکا، آجائے اُن کی طرف آگے سے ہم سے تھوڑا ہونے کی جب سب بقی ہی کی طرف جاکے تھے تو تاشم یاد حرات ایک ہی تھی۔

نہ بہت سے مردوں کے درمیان اتنا صرف ایک لوگ ہا۔ اُس کے اُس کے سرخ و سفید چہرے پر زردی چھا رہی تھی۔ اُس کا خون سوکھ رہا ہو۔ جمل نے اُسے پرچھا دیا تھا۔ اُس کے من کی لڑش کم نہ ہوئی۔ سلطان بپ ہی تھا اور سرگشوں میں اُسے بار بار نہ جانے کیا سے ملے رہا تھا۔ چہرہ بھی اُس کے پاس نیچا گیا۔ اُن کی ہاتھ تمام اُس کے من کے ہلکے ہلکے جھٹکے ہوئے گویا: ہوئے بولا۔ رنگ کیوں بدلتی ہے۔ وہ لال رنگ ہی لگتا ہے۔

اُن کے ہونٹ سسکتے گئے۔

اب جمل اُس کی انگلیاں چومتے ہوئے بولا۔ تیرا کیا ہے دھڑکی ہے۔ سسکتا سسکتا جاتا ہے۔

نہ اُسے ڈر باقی اُنھوں سے دیکھا۔ دود سے وہ تھی جمل نے اُسے پہلی بار غائب کیا تھا۔ یہی جمل جاتے اور گھر سے بچو ڈاکا راستہ بھی چھوٹا نہیں تھا۔ جب آجائے اُن کا ہے کا دھواں ہے۔ سمجھنا اُسے زور رکھا۔ مگر: وہ نہیں کے بولا۔ یہ لڑت بھرتو ساری زندگی نہ آجائے ہی رکھ جیسا لے کے آئی تھی۔ دیا جھٹکتا تھا۔

میں تاشم کی کچھ سمجھ میں آجائے میں سر دیکھتے تھے اُس رنگ واپس آئے گا۔ اُس کا چہرہ بار بار بدلتا ہے۔ میرے آجائے پروردگار تھی، ابھی میرے وادی سے چند میل آگے لیا ہوگا۔ آجائے میں رہتا تھا کہ اُنھوں نے اُن کا سفر آجائے ایک کتا اور ہمارا گھوڑا تھی۔ قریب ہی بڑا ہو گیا۔ بولنے کی شکل ہوگی۔ اسی لیے اُنھوں نے میں ڈر سے مثال کے ساتھ بار بار وادی کے لیے بیس کے لگ جھک جاتی ماٹان ہرے بڑے قبیلوں میں اُن کی پٹری سے قافلہ قافلے سے ہمارے ارد گرد مختلف مقامات تھے۔ اندھیرا ہوتے ہی اُنھوں نے مشعلیں روشن کر دیں

اور لاڈ جھلپے اُن میں سے چند لوگ ہماری پیڑ سے داری چھوڑ لکھنا یا تیار کرنے کے کام میں مصروف ہو گئے۔ ہمارا اور بیڑ نے میں سمجھ گئی پر یوں کا کھٹکا کیا تھا لیکن اُنھیں ہم نے غصہ نہ ہونے دیا۔ سولم نے اُن سے پوچھ لیا تھا کہ ہمارے لیے بھی کیا تیار کر رہے ہیں یا نہیں۔ وہ ہنسنے میں کہے کہ سوہم نہیں ہمیں نصب کر کے اور بستر گاہ کے لیے رہے۔ سردی بڑھتی جا رہی تھی۔ اُنھوں نے اور دھار کی چھوٹی بڑی چھول داریاں کھڑی کر لی تھیں اور ہمارے نیموں کے باہر متعدد آدمی چھلپا دیے تھے۔ جب تک اُنھوں نے کھانے کے لیے آواز نہیں دی۔ جو باہر نہیں نکلے۔ جاسا جاسا ٹوٹ رہا تھا اور بخار سا محسوس ہو رہا تھا۔ اُنھوں نے وافر کھانا بھیجا تھا۔ کسی کو جھک ہی نہیں تھی۔ سب نے ایک دوسرے کے خیال سے تھوڑا بہت ملنے سے آجائے۔ ابھی رات کا ابتدائی پہر تھا۔ کھانا کھانے کے ہم کچھ دیر ہی باہر کھڑے ہوئے۔ کچھ شخصوں میں آگے بڑھتے۔ جمل نے سب کو تاکید کی تھی کہ کوئی رات آرام سے نہیں سو سب اُنھیں کھول کر نہ لیں بلکہ اپنے کسی کے پاس دوسرے سے کھانے کے لیے شاید کچھ نہیں تھا، باہر لاؤں گے۔ گرد بیٹھے ہوئے لوگوں کے گانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جمل آجائے تاشم لڑتے اور سولم آگے چلے گئے۔ میں جاسا وادی ڈر اور میری دوسری میں تیرے میں پروردگار سلطان پٹو، ہلاک اور دودھلی تھے۔ تیرا لڑتے جمل کے خیمے میں تھا۔ سب قریب ہی، قریب تھے۔ کوئی زور سے بات نہ کرنا تو دوسرے خیمے کے لوگ سن سکتے تھے۔ رات گولنے پر ہم سب نے بادی بادی خیمے کی جھریوں سے جھانک کے دیکھا۔ اتنی سخت سردی میں وہ باہر ہی موجود تھے۔ نہ جانے اُنھوں نے چھول داریاں کیوں نصب کی تھیں۔ کھانے کے دوران ایک شخص نے آگے میں تہتہ کرنا ضروری سمجھا تھا کہ فرار کی کوشش ہمارے لیے انتہائی مہربان آگ ہوگی۔ آگ کے منزلوں پر بھی اُن کے چھل جانے کا قبیلے کے گروہ موجود تھے۔ سب تن کے خاموش رہے۔

میرے خیمے رات بڑھتی گئی۔ سولم میں اضافہ ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ سردی سے گھبراہٹ وہ آخر کار چھول داریوں میں چٹاہ لیں گے لیکن بے خیال کے ذہن میں ہو کر اُس نے باہر نکلنے کی ہم کوئی کوشش نہ کی۔ میں اور بارش ہو گئی تو لاڈ اُنھیں اندر کھٹا پڑے گا۔ لاڈ بھی کچھ جائیں گے۔ مشعلیں بھی لگ جی ہوا میں گی۔ آسمان صاف تھا۔ کہیں کہیں بارشوں کی جھکناں تھیں اور پاند پر چھا جاتی تھیں۔ بارش کا امکان نہیں تھا مگر کسی دقت بھی بارش پر مبنی تھی۔ بیان ایسا ہی ہوتا تھا۔ اچانک بادل گھر کے آ جاتے اور موسلا دھار پانی برسے گا۔ لیکن سب طرح وہ بارش میں باہر

نہیں دیکھتے تھے، ہم بھی اپنے بھائیوں سے نہیں مل سکتے تھے بلکہ کتنی فوج جاتے، پارکس کا سلسلہ نہ رکھتا تھا سر چھاپتے۔ آسمان سے اگلے نہیں پڑتے تھے تو بہت کا پانی گرتا تھا جیسے اوپر سے لگی ہوئی اور پھیل رہی ہوں جتنی میاں کا جبر بہت کے اسی پانی نے خطرہ ڈال دیا تھا۔ پھر سامان ساتھ تھا، فلیوں اور یا کوں کو اٹھا کے انگریزی رات ادب بارش میں پگ و ڈبوں پر چلنا ممکن ہی نہیں تھا۔ رات بھر وہ جاگتے ہی رہے تھے اس لیے اٹیل میں کھڑے ہو گئے اور ناشتہ کرنے ہی آگے بڑھنے لگے۔ اتنے آدمیوں میں ہمارے تیر نہیں ہو سکتی تھی پھر ہم نے خود اپنی رفتار دیکھی رکھی تھی۔ وہ دن میں ہوتا طویل سفر ہم نے کیا تھا، انھیں اس کے لیے تین دن لگتے۔ یہ دوسری بات تھی کہ وہ کسی اور راستے سے جی میں داخل ہوئے لیکن انھوں نے راستہ نہیں دلا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ وہ کوئی مختصر راستہ ہمیں دکھانا ہی نہ چاہتے ہوں۔ دوسرے کھانے کے وقت انھوں نے ننھی ننھی اناج اور لوات کے پیٹے بنے گوشت اور چائے پر گروا کر کیا اور چلتے ہی کل دوسرے اب تک ان کے کسی آدمی نے ہمارے کسی آدمی سے غیر ضروری بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تھانہ سے بھی نہیں ادا ان فلیوں سے بھی نہیں جو ہمارے ساتھ تھے کئی مرتبہ مجھے ایسا لگا کہ ان کی جھٹس نظریں ہمارے سامان پر جھنک رہی ہیں لیکن یہ ایک احساس ہی تھا، وہ چونک چونک کے بار بار ہماری نقل و حرکت دیکھتے رہتے تھے کسی جگہ انھوں نے ہمارا سامان چھونے اور لکھنے کی زحمت نہیں کی۔ تمام ہیرے جہاز میاں تک کہ ترہانے سے برآمد کیا ہوا منتشر کچن بھی ہم سے فزوں میں محفوظ کر دیا تھا اور فزوں کا سامان بھی لیں۔ انھیں شاید کچھ معلوم نہیں تھا کہ ان مند فزوں میں کیا چھپا ہوا ہے کچھ آنکھوں کا کوئی شخص دیکھے تو انھیں جیت مائیں۔ اگر انھیں معلوم تھا تو وہ سب انھی کے ملاتے ہیں انھی کے پاس واپس جا رہا تھا، سو انھیں تشویش کرنے کی کیا ضرورت تھی مگر انھیں کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔

تمہارا تے آبا جانا مر چکا کسی حرکت نہ کر کر حرم قدم بڑھاتے ہے ہمارے ہمراہ ہونے کے باوجود بھی وہ سب سے الگ الگ تھے۔ انھوں نے اپنی جانب سے کسی سے کچھ کہنے کچھ بوجھنے کی بات نہیں کی البتہ وہ لوگ ان سے دھننے دھننے سے پوچھتے رہتے تھے کہ انھیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ آبا جان ہر مرتبہ کبھی سر ہلا کر کبھی ہنسی کے دیکھ انھوں میں منع کر دیتے تھے۔ نوسال میں انھوں نے جتنی زبان سے بڑی حد تک واقفیت حاصل کر لی تھی پڑھنے میں تو انھیں ملکہ حاصل ہو گیا ہر گرجا گھر کا خدا

میں بھی ہوئی ہزاروں سال پہلے کی زبان ان کی کچھ ہی آتی ہو گی۔ جتنی بولنے میں پڑے جیسی روانی نہیں ہو گی۔ تبت کے متحرک غریب خانہ میں ان کی زیادت کرنے والے کسی راہب کے لیے لالہ نہیں تھا کہ اسے جتنی سے خوب آشنائی ہو دینا چھوڑے راہب یہ اتنے تھے۔ انہوں نے جتنی محض کا خدشات کا علم انھوں نے کیا کسی ہو گی۔ پرسکتا ہے وہ پہلے ہی اس کی کچھ شبہ نہ کرے وہ گایاں پیدا ہوئے تھے، انھیں ہزاروں جتنی راہبوں سے ہزار ہوں کو گائی بعد میں ان کا خدشات کسی اور زبان میں ہیں۔ اور چینی ملی ہوئی زبان۔ ہر حال وہ کسی بہت مشکل زبان ہو گی گے جو آبا جانا کو نوسال لگ گئے۔ یہ ان کے نوسال کی رفتار تھی جو مسند فزوں میں چھرا اور دھاتوں کی شکل میں چھپی ہوئی تھی مسند فزوں میں قلمی اور قلمی کی رو میں تھیں۔ آبا جانا ہی جگہ مانتے تھے کہ ان میں کیا کیا بند ہے۔

دوسرے دن ہر پیر ہونے تک ہم اس طرف کے بازار کے آخری سرے پہنچ گئے تھے۔ اس طرف کے لوگ کتنا ہمارے ایک گروا شیب و ریل میں راستہ کاٹ دیا تھا۔ دوسری بار بھی بلند بالا پیڑ تھے معرکہ تک جاتے اور آگے غریب ماری کے لیے آئے سامنے دونوں پاؤں سلسلوں کے بیچ رتیں ہار کر کے تختوں سے بنا ہوا ایک عموں کو پڑا تھا۔ پیچھے ہزاروں فٹ میں دو بار ہر بار تھک دیا کہ جوڑے پاٹ کے سبب لگی ہوئی تھک دیاں سے ہم دونوں پہلے گزر چکے تھے۔ چل آئے ہر مرد نے اپنے اختیار فزوں کی طرف دیکھا لیکن فزوں کے ماننے پر کوئی فز آنکھ میں لگی ہی چمک بھی نہیں ابھری۔ یہی ایک ایسی جگہ تھی کہ سب کسمت کے کئی پارکنا تھا۔ فزوں کی باریت پر وادی سے کے بعد اب تک ہم نے ہتھیار لیں ہی چھوڑ سکے تھے۔ بند فزوں پر چھوٹی رہی تھیں اور تھپے تھپاتے جیسوں میں پڑے رہے تھے۔ ہمیں اس مقام پر اعتقاد کا احساس تھا۔ اول تو وہ قلعہ کے اندر جاتے ہیں نہیں۔ چل کے اس سرے پر وادی میں پھیل گئے۔ انھوں نے پہلے اپنے آدھے آدمی جو کرا دیے تب ہم سے بڑھنے لگا۔ باقی آدمیوں نے دوسری جانب ہمارے پیچھے ہانے پہلے شروع کیا۔ دونوں اطراف اور ہر پہنچ جانے والے اور اور ہر دھارے والے لوگ ہلنے چلنے سے گزرنے کے دوران ہتھیار اٹھاتے تھے۔ سب انھوں نے بس ہمارے پیروں میں جڑ جڑاں اور ہاتھوں ہتھکڑیاں میں ڈالی تھیں۔ فزوں اور پیروں نے ہتھیار ساتھ پران سے بے کار اصرار کیا تھا۔ یہ صرف وہی کا کلاسا تھا کسی ان کی نظریں ہم سے اوچھل نہیں رہی تھیں۔ ہر طرف ان کا

ہیں۔ ہماری حالت اس قیدی سے مختلف نہیں تھی۔ جسے کے پیچھے ہتھیار دے دیا جائے قیدی زیادہ سے زیادہ ہو گا، قیدی ہر سوار پر چھبے گا یا ہر غروہ تو مارے گا۔ سارے نے کو وہ پیچھے اور چاقو سے نہیں کاٹ سکے گا۔ بلے کرنے میں خاصا وقت لگ گیا تھا ہم ایک آدمی اور چلے ہوں گے کہ کبھی بڑا باندی ہونے لگی ویسے بھی انھیں ہتھکنڈ کرنے لگا تھا۔ وہ ایک مناسب جگہ ٹھہر گئے۔ بڑا باندی بجا رہی نہیں رہی۔ شام کو آسمان خشک ہو گیا غند دن بھر پیچے راستوں پر چلتے چلتے پیر دھننے لگے تھے۔ میری پندلیوں میں آنکھیں نہیں تھیں لیکن میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔ رات سب کا یہی حال ہو گا۔ اور نچائی پر ایک کس کا سفر بیانی کے کئی کس کی تھکن کے برابر ہوتا ہے۔ جتنی تک تاخیر سے ایہ بھی ایک سبب تھا کہ آگے ہمیشہ تراکیبی تھی۔ چاروں کل کے معمول کے مطابق وہ اپنے کام میں مصروف ہو چلے۔ دارا بیل نصب کرنے کے لیے کھانے پکانے والا جھانے اور رات کو کرنے کے لیے چند آدمی الگ ہو گئے تھے۔ باقی کا کام ہماری نگرانی کرنے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ہمارے ہی انھوں نے ایک طرح کے لوہے چھانے کو لیے تھے۔ جیسے ہاتھ لٹا ہم اور فلیوں کو میوں میں بیچ دیا اور خود ہم سب کے باہر ہوا اور ہمیں ایک جگہ تک کے بیٹھے کے بجائے تیار نے ایک ایک محدود فاصلے میں خواہ مخواہ اور ہر سے اُدھر بچر لپٹا کھا کھاتے ہی فزوں نے اواز ملا دیا تھا۔ سب روئے ہاتھ کبلیں میں اپنے ہونے اس کے گرد بیٹھے ہاتھ تاپتے ہے ہاتھ اور گرد منڈلاتے ہے۔ ہم سب پر سکوت طاری تھا۔ آواز دے کے لیے پیر وادی کے واقعات سناتے لگا پیر وادیوں لگا ایک آنا سا بندھ گیا۔ پیر وادی زبان اس کے منڈلے اور

تک کے لیے ہاتھ کے اشاروں کا انداز آنا جسے انگریز خا کہہ گئے تھے اور کچھ دیر کے لیے انھیں باطل یاد نہیں رہا کہ ان لوگوں کے درمیان ہیں۔ پیر وادیوں ایک جاتا یا اصول اور دارا وادی اُسے گستاخ اور دلا دلا جیتے۔ دوا! وہ اور دارا جانی کا سال کا لیا لفظ تھا۔ پیر وادی کے چپ جیتے ہی اسے کسماتی آواز میں پوچھا۔ پیر وادی بھر کے بولا کہس کا نام لے دیا ماسٹر۔ "بولا دوا! داسی نے امرار کیا۔ "ہلے سے ماسٹر کیوں سوئی رہا ہے۔ "ابن اس ٹیم چھوٹا استاد کے پاؤں میں تھا۔ زور اشتیاق سے

بولا۔ پیر وادی کے کان بند نہیں تھے۔ سنا تھا کہ سال نے اور تو تھا کہ لیے لہجہ بھیندا ڈالنا تھا۔ "ابھی اپنی کیا بولے۔ پیر وادی کو آواز کہیں کھو گئی ایک ٹیم تو اس نے اپنی کراچیا اور خا زور دوا! "اپنے کو کیا بول کے کیوں خوار کرتے ہو دارا! زور کا کان بڑھتے ہوئے بولا۔ ابن ابھی تھا ہے پیر وادی جی نہیں دارا! کہ سے ہو گیا۔ پیر وادی کوئی جواب دینے کو تھا کہ ذمہ داری چھوٹے ہوئے لیے میں اسے کو کیا۔ وہ ماسی بانی والا فقیر چل رہے تھے تم۔۔۔۔۔ ماسی بانی، ماسی منہ سے بولے۔ پیر وادی ماسی بھرتے لگا۔ ایک فز فزوں میں تھا ذمہ داری کے ایک ٹیم پورا دارا اس کا غلام تھا کہ اس کا پاگل جان جیسا اور بدن! بدن کسی منہ کا موت ناگ تھا۔ ذرا اس کو تھوڑی سے ٹھوٹا تھا یا چاقو سے کاٹ پھانٹ کر نا تھا۔ ایسا سنبھال کے رکھا تھا جیسا اور بھینسی میں ڈولی رام اپنی دکان کے کالج کے پیچھے گوری میم کی مددنی سنبھال کے کھتا ہے۔ ایک دم پیچھے سے ادھر تک چھپا ہوا لقب کی لاٹ کی طرح، آنکھ بڑا بڑا، ہرنی ٹھنک بال سالاس پیر وادی تک آئے سے بھی گیا تھا۔ کوہ اپنی نہیں ہوتا کسی عمل کا رانی تھا، رانی تو وہ اس ٹیم بھی تھا۔ لوگ پاگ اس کو دارا کا رانی بولنا تھا۔ جب پاڑے سے کھٹا لگتا تھیں ہی سے نکلتا ہے، اندر سے اور تک دارا کے جھل میں سب کی بولی بند ہو جاتا۔ چہ نہیں سال کد سے آیا تھا۔ کچھ بولتا، بنگال سے آیا ہے کچھ اور لنگا سے بولتا، جب آیا تو دارا کے پاؤں میں طوفان دوا دھینکا تھا۔ پیر وادی میں ماسی بانی سے پہلے اس کا جانی تار وادی میں آیا تھا اور آگے وادی میں ہی اور چھپا لیا کہ لگتا تھا۔ طوفان دوا کے آدمی نے جتنا ناگنا تار وادی میں آدمی سونا تھا جتنے کے بجائے طوفان کے آدمی کو ٹھنکا مارا، ہاتھ پاؤں الگ تھار دیا۔ بولے ہیں طوفان نے سالہا رانی پئی کیا۔ اپنی سب سے تھے، پیر وادی بہت کچھ بات کا تھا۔ لڑائی کا بچہ ایک رات مالے ہمارے کے طوفان کے آدمی نے تار وادی کو کھینچا۔ پیر وادی میں بعد ماسی بانی کا دارا میں ایک دن بجلی چمکوں سے پہلے اور کسی نے اس کو نہیں دیکھا تھا۔ بعد ماسی بانی کے دارا طوفان کے پاڑے پتیا اور ہمارے کے لڑا کہ اپنے جانی کا بولنا تھا۔ طوفان دوا کچھ چھوڑ کر تار وادی سے پہلے ماسی بانی تار وادی کے آیا تھا اور پتہ نہیں سال لہجہ کی آیا تھا یا جادو کر کے اسی ٹیم طوفان کو نرنگہ کا کھٹ کٹا دیا۔ ابن کا دارا ایک آدمی بھی اور تھا بولتا تھا کہ ماسی کا ہاتھ آکھ خالی تھا۔ طوفان جیسا اور آدمی کا اس نے دیکھتے دیکھتے جتنی بیسیں دیا کیس چلا، کچھ نوروت پیر وادی

سواجلن پکونی زوید نہیں تھا۔ چنگا ہوا جامنی رنگ پر وہ کے کئے کے مطابق بیسے کوئی بھی ہوئی جان خاص سے توڑی جائے، زمین سے ڈانٹائی گئی ہو عمر میں وہ بائیں لوک نظر آتی تھی۔ اس لوک کے مانند جس کا شرہ شادی کے فوراً بعد چنگا گیا ہو۔ سب سے نمایاں اس کی آنکھیں تھیں، نیلا ہٹ لے ہوئے سیاہ آنکھیں جو گری گری ڈوبی ڈوبی اور ڈوبی ڈوبی تھیں۔ ان میں چنگا ریاں سی لپکتی محسوس ہوتی تھیں۔ وہ بھی پروکھ کے چپ دی سی پھر پروبی کو کچھ پرکشش آیا۔ سنبھل کے بولا۔ جامنی بانی! اپنی تم سے کچھ بولنا مانگتا ہے۔“

جامنی جھٹکے کے مانند ساکت بیٹھی رہی۔ پروٹے تخی سے کہا کہ وہ اپنے آدمیوں کو روک لے۔ جامنی بانی کی آنکھیں کھلی رہیں۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ پروکھ کو عجیب سا لگا۔ اپنی پھر اپنے آدمی ایڈ بھیجے کیا؟ ان کو روک لوجا جامنی بانی! اپنی بھی ان سے اور ڈرٹ سکتا تھا۔ پرسوجا پہلے تم کو بل دے۔ پروٹے نے اشتعال میں کہا۔

جامنی بانی پروکھ کی آواز پر جیسے خواب سے جاگی اور اپنی لابی لابی پکیں پٹ پٹاتے ہوئے آہستگی سے بولی۔ "واوا! ابھی آراہ سے بیٹھو۔ پروکھ اس کا آواز کھنکھار رہی تھی۔ پروکھ جھٹکے ہوئے ایک طرف بیٹھ گیا۔ جامنی بانی نے ایک آدمی کو اشارہ کیا۔ پروکھ کے سامنے اسی وقت مڑی اور گلاس رکھ دیے گئے۔ بلی مرتبہ جامنی بانی نے کسی کو اس طرح شراب پیش کرنے کا حکم دیا تھا۔ پروٹے نے ایک گلاس لیا اور بولا۔ ابھی تھا! کیا جواب ہے جامنی؟"

جامنی نے اپنے پارے کے سائے آدمیوں کو اندر بلا لیا اور پروٹے پر بچھا۔ ان میں سے کون تھا واوا! پروٹے تین آدمیوں کی طرف انگلی اٹھائی۔ ابھی اپنی ان کو پچھاننا ہے اور لوگوں کا اپن کو پتہ نہیں۔

پروٹے جن آدمیوں کی نشان دہی کی تھی ان کے سوا کسی نے رد دیا نہیں کیا۔ وہ پروکھ کے آدمیوں کو اتنا الزام دیتے تھے جیسے پروکھ جامنی نے ہاتھ اٹھا کے کہا۔ اور وہ تم کو کھینچ لے گئے تھے کیا؟ تم ان سے کیسے نہ بولو؟

انھوں نے کچھ کہنا چاہا لیکن جامنی بانی کی آنکھوں میں لگ ادا ہاتھ میں خود دیکھ کے پکپکانے لگے۔ پک پکھٹنے کی دیر تھی کہ جامنی کا خیر آئے ادا ان میں سے کسی ایک کے سینے میں بریت ہو، پروٹے نے آٹھا بھی لیا تھا مگر کچھ سوچ کے رک گئی۔ بولی ابھی تمہارا فیصلہ کرو۔ تینوں آدمی چند لمحوں میں اس کا چہرہ دکا کیے پھر

ایک دم تیزی سے آگے بڑھے اور کتوں کی طرف پروکھ کے تھوکر لپٹ گئے۔

پروکھ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ ٹھیک ہے ملے وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ اپن اب مانا ہے۔ پروٹے نے کتوں کو مگراس کا پی دیاں سے جانے کو نہیں چاہتا تھا۔

۔ بیٹھو واوا! کوئی ادا کام ہو تو بولو؟
۔ اپن کا تاجا ہی کام تھا۔ پروٹے نے دم لمبے میں کہا۔
۔ ابھی اپن ان کا فیصلہ بعد میں کریں گے۔ اپن کا کافر وہ لکھا ہے۔ جامنی بانی مرد آواز میں بولی۔
۔ ابھی انا ٹھیک ہے جامنی بانی!

پروکھ کا ہاتھ اس نے اپنے سب آدمیوں کو ہاتھ کا حکم دیا صرف وہ ہاتھ پر اس بڑے کمرے میں اٹھ رہے۔ پروٹے اس کے قریب ایک موندھے پر بیٹھا ہوا تھا۔ پروکھ کے بعد وہ مادیہ کو نہیں بولی۔ پروکھ بھی خائوش رہا مگر اسے خاموشی سے ملدی آٹھا ہٹ سی ہوئے گی۔ اس کا پی دیاں جامنی بانی سے اس کے ہاتھ میں کچھ پیچھے بے شمار مولا کے داغ میں اٹھ لے تھے لیکن پروٹے زبان بند کیے رہا مولا نے پل کی اور اس سے اہم کے ملانے کے متعلق پوچھنے لگی۔ پروکھ کو کہیں جامنی کی نظروں سے ملانے پر تو تیس سے مگراس کسی جھجک کے بغیر جواب دیا۔ ملا جھوٹا پر جھلا ہے۔ پوچھنے مڑ سے بے اختیار نکل گیا۔ ابھی اور اپنی طرف آؤ جامنی بانی! تم بولنے پر تو ضرور آئیں گے واوا! وہ مختلف تھے بولا پروٹے اس سے کچھ اور نہیں کہہ سکا۔ وہ یہاں پہلے بار آیا نہ ملنے جامنی بانی کیا بھتی اور خود لے اچھا نہیں لگتا تھا ملا تے کا داوا ہو کے اس پر اچھا جیسے ظاہر کرے چاہتا تھا۔ اختصار بڑا اور دوسری طو پر جامنی بانی کا شکوہ ادا کر کے ملا پروٹے بتا رہا تھا کہ وہ دیاں سے چلا آیا لیکن اپنے پارے آئے بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے جامنی بانی کی آنکھیں اس کے گئی ہیں اور اسے گھور رہی ہیں۔ ابھی ایک رات نہیں گزری۔ سب سے اعلیٰ اطلاع مل۔ جامنی بانی کے پارے کے قریب کڑ کے ڈھیر پر تین آدمیوں کی لاشیں پڑی ملی ہیں۔ پولیس نے جا بانی اور اس کے پارے کے کئی آدمیوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ کو اس خبر سے ڈھک بولہ قیامت! وہی تین آدمی ہوں گے جن ہاتھ میں کل شام جامنی بانی نے کہا تھا کہ ابھی اس کا فیصلہ ہے۔ پروٹے دن بھر سے میں رولہ۔ وہ بتا رہا تھا کہ پولیس نے آٹھا لگی۔ پولیس کو کوئی آدمی اسے بلانے نہیں آیا اور دوسرے دن

رہی کہ جامنی بانی اپنے ساتھیوں سمیت قتل سے پارے گئی ہے۔ اس کے تین دن بعد مرثیہ وہ پارے میں بیٹھا ہوا ایک آدمی نے اس کے اطلاق دی۔ واوا کا جامنی بانی نے کی طرف آ رہا ہے۔

پروٹے جہان برا، خود دوا ہوا پارے کے بارگیا۔ جامنی بتا رہا ہے کہ پروکھ بھی پروکھ کو نہیں چاہتا تھا۔ اس نے لے سے کہا۔

۔ تم نہ جامنی بانی! پروٹے سے بولا۔ آؤ، آؤ، اندر آؤ۔ پل کی سبنا دیکھنا ہے کہ ادا کھڑی پروکھ کی کل انٹ ہے۔ جامنی بانی کے ہونٹوں پر سکرامٹ سی کھل رہی۔ پروکھ نے اندر آئے گی پارے کے تمام لوگ اسے دیکھ کے حیرت لے اور اس کی آمد کا مقصد جاننے کے لیے بے تاب رہیں لے جامنی بانی کے ہاتھ میں کبھی نہیں سنا گیا تھا کہ وہ کسی میں خود آتی ہو۔ وہ کیس آتی جاتی نہیں تھی۔ پروٹے ایک اور صاف کرے میں لے آیا اور پوچھا کہ وہ اس کی کیا خاطر جامنی بانی نے کہا کہ اسے بیٹھ کر کھانا نہیں ہے۔ پروٹے نے آؤ نہیں کر رہا ہر حال دیا۔ تم نے بولا تھا، اپن ادھر آ گئے۔ بے رحمی بولی۔

۔ تم نے ایڈ اس کے بہت بہت خوش کیا۔ پروکھ کو سب مل لے ہے تھے۔ ابھی بولو اپن کیا... کیا کرے؟
۔ بیٹھو پروٹے واوا!

۔ بیٹھا تو اپن ایڈ رہتی ہے۔ پروٹے نے کہا۔
۔ جامنی نے نظروں اٹھا کے دیکھا تو پروٹے کو ہلکا گیا۔ اپن اسے ملنے تم کو دیکھنے آیا ہے۔ وہ ڈوبی آواز میں بولی۔
۔ ہمز ہو۔ پروٹے بولنے لگا۔ اپن تھا لے سامنے ہے۔
۔ تم ایڈ واوا کیسے ہو گئے؟

۔ کیوں کیوں؟ پروکھ کا خون جھڑکنے لگا۔ تمہارا مطلب؟
۔ سب باپ مرتے غم نہیں کھتا تھا جامنی بانی!
۔ جانتے ہیں واوا!

۔ پھر تم غم کیا بولنا چاہتا ہے؟
۔ کچھ نہیں واوا! وہ کسی قدر اداسی سے بولی۔
۔ نہیں تم کچھ بولنا چاہتا ہے؟ پروٹے نے تند سے کہا۔
۔ اس نے اپنی نظروں جھکا لیں اور بیٹھی جیسے کچھ سوچتی رہی۔
۔ اسی بات میں چھوڑ دی لیکن اس کا اضطراب بڑا ہو غلام ہے کچھ بولنے میں اس لیے ڈھارس پر پیش آ رہی تھی کہ

ابھی تک وہ جامنی بانی کی اچانک آمد کا سبب لے نہیں کر سکا تھا۔ واوا سے چلتے وقت اس نے رشتا جامنی بانی سے آنے کو کہا اور اس کا خیال تھا کہ رشتا ہی جامنی بانی نے جامنی بانی سے مگر اب وہ سامنے بیٹھی تھی اور اس کے بدن سے اٹھتی ہوئی بیٹھی تھی۔ آج میں خوش ہو کرے میں چھائی تھی۔ پروکھ کا مذہب ہے جا نہیں تھا۔ اسے اس کے آنے سے ایک خوشی تھی تو کئی اپنی بھی لاحق تھے لیکن اسے اس کا کوئی اور ارادہ ہوا پروکھ کو اپنی مروت کے اعطاء پر بعد میں پیشانی ہو۔ وہ خراہ جامنی بانی سے کوئی کہ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اس چپڑ کا کوئی جواز ہوتا تو ٹھیک تھا۔ بیٹھی میں بہت سے علاقے تھے جہاں جامنی بانی کی طرح واوا پاٹا چلاتے تھے اور بے دلیل ایک دوسرے کے معاملے میں دخل دینا پسند نہیں کرتے تھے لیکن کوئی دلیل پیدا ہونے میں دیر کی کتنی گنتی ہے۔ بدینتی ہی ایک دلیل ہے اور وہ کسی وقت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ چاقو اور زور بھی ایک دلیل ہے۔ پاروں کیا یہی ایک دلیل ملتی ہے۔ پروکھ کو گوارا نہیں تھا کہ وہ جامنی بانی کو ایک منہاں سے مختلف درجے سے اور اس کی خوشنودی کے لیے اپنی طبیعت کے خلاف کوئی بات کرے اور جامنی بانی پر کوئی ایسا تاثر قائم ہو جیسے وہ کسی دفاعی حالت میں ہے۔ اپنے بارے میں وہ جامنی بانی کے منہ سے کوئی ایسی بات سننے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ جامنی بانی کے کہنے کوئی اور داوا آتا ہو پروکھ کو اتنی اچھی پیش دانی معذور جامنی بانی تھی۔ پروکھ خود اپنی جانب سے فخر تھا۔ اپنے غم کی گری سے ادا اسے یہ گری عزیز بھی بہت تھی۔ وہ جامنی بانی کا ارادہ سو گھنے کی جستجو میں تھا اور جامنی بانی تھی کہ اسے غم سمی بیٹھ گئی تھی۔

پروٹے موضوع بدل کے اس سے پوچھے بنا اپنے علاقے کے بارے میں بتانے لگا۔ اسے کچھ مانا تھا تو اس کی ہی ایک صورت سمجھ میں آتی تھی۔ وہ بتا رہا تھا کہ اس کا علاقہ کتنا زرخیز ہے یہاں کے لوگ دکاہت کا و بارگیاں یہاں کتنی جھٹیاں، کارخانے اور چھپے ہوئے گروم ہیں، مغیرہ وغیرہ کوئی واوا کسی دوسرے واوا کو اپنے علاقے سے متعلق ایسی باتیں نہیں بتاتا کرتا جو پروٹے اس سے کہی تھیں۔ پروٹے اس سے کچھ نہیں چھپا یا نہ مانا تھا۔ وہ اپنی کش کش سے جلد از جلد نجات حاصل کرنا چاہتا تھا اور اس دوران وہ پوری طرح کسی بھی بدلی ہوئی صورت حال کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ ہر قسم کی صورت حال کے لیے کوئی ایسی غایت میں جس میں سبکی کا کوئی پہلو نہ تھا، پروکھ اپنے اس عزم سے طمانیت محسوس ہوتی۔ وہ پروٹے پر کچھ جگہ کوئی دوسرا واوا ہوتا تو شاید

فیصلہ کر لیا۔ جاسنی بائی اس کے ملانے کا حال سنتی رہی، مٹاں نے مشتاق کا انکار کیا، دوسری کاسو پر کاجسٹس تم نہیں ہو؟ پھر اس نے ان جمن آدمیوں کا ذکر پھیرا جو درودن پلے غم کو لیے گئے تھے۔ پیر نے کہا کہ وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔

• کن کو جانے دو دادا! جاسنی بائی بے دل سے بولی۔

• ہمارے ان کو کھانہ کڑوا دیا تھا۔

• ان نے ہمیں۔ جاسنی نے زیر لب کہا۔ ابھی ان کی بات چھوڑو۔ وہ چلے گئے ہیں۔

• چھوڑو؟ پیر ٹٹلے جھنجک کے ہلایا۔

• ابھی دھڑک زدن کی بات کرو؟

• جو رولے کرے۔ پیر نے جیڑی سے کہا۔

• ابھی تم سدا کے لیے ادھر پاؤں میں رہنا چاہتے ہو؟

• ابھی ان کے ہاتھ پاؤں ایک دم ٹھیک ہیں۔

• اس نے نظر ہر کے پر دوڑا دیکھا اور کہنے لگی۔ دھڑکھار

بست من لگتا ہے کیا؟

• لگتا کیلے؟ بس بیٹا ہے۔

• تم اس کو بڑھانا چاہتے ہو کیا؟

• ابھی ان نے ایسا سوچا نہیں ہے۔ پیر نے مذہب سے

کہا۔ یہ جاسنی بائی، ان کو رولو، ایسا رولنے سے تم کیا کہنا۔

• سوچتے ہیں تم کو دادا نہیں ہونا چاہیے تھا۔

• پیر نے برسبیل سے کہا۔ تم کو بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔

• ہاں! جاسنی بائی سر جھکا کے بولی۔ یہ ان دادا ہے۔

• اور اپنی جی۔ پیر نے ادنی آواز میں کہا۔

جاسنی بائی نے منع کیا تھا نہیں پیر نے ادنی مٹھانیاں

نکلیں چھڑی اور چائے وغیرہ کے آگے تھے، پیر کے کہنے پر

اس نے چند کاجو جنمیں ڈال لیے اور جانے لگی۔ ابھی کچھ

اور پیسے ٹولائے؟ پیر نے جھجکے بیٹے کہا۔

• نہیں دادا! جاسنی بائی غور سے میں بولی۔

• ان سوچا پہلے تم سے پوچھ لے۔

چائے پینے کے بعد وہ پھر کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔

انھیں نیم وا کے۔ پیر کے پاس اب کہنے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔

وہ بھی سوچا دادا اور جاسنی بائی کے چہرے پر کچھ تلاش کرنے کی

کوشش کرتا رہا، آج بھی وہ گیر داساڑی پہنے ہوئے تھی۔ کھلے

بٹنے بال اس نے ایک رتن سے باندھ رکھے تھے۔ کونوں میں بیڑوں

کھلے ہوئے تھے تاکہ میں منہری لوگ جھک رہی تھی۔ جاسنی تک

پراس کی چمک کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ پیر کو کتنا تھا کہ جب وہ بات

کرنے کے لیے اپنے ہاں کو قبضہ دیتی تو اس کے سفید دانہ توتوں کے مانند گتے موتی چوہاڑی رنگ کی غل میں تھے۔ ہوں۔ اندر سے اس کے ہونٹ اس کا منہ میاڑی رنگ کا تھا، باہر مارا جاسنی بیک ایک جاسنی بائی کچھ بے چین سی برنگی اور اٹھنے۔ چلنے میں دادا!۔

• یہ کیا۔ کیا۔ پیر تعجب سے بولا۔ این اس کو کیا سمجھے

• تم نے بولا تھا تو اب۔۔۔۔۔

• پرانتے ٹیم کے لیے نہیں۔ تم کو آئے وہ کتنا ہوا ہے

چلنے کو کہلے۔ پیر دلچسپی سے بولے ہیں ہلایا۔

• پھر کبھی آئیں گے۔

• وہ ٹھیک ہے سو بار آؤ، ہزار بار آؤ، پر ابھی کہیں

ہے۔ میں چلا جانے کا تو اپن سمجھے گا، اپنے سے صمان کا کیا

نہیں ہوا۔ اپن جھگی ہے۔

• نہیں پیر دادا! ابھی جیڑی آواز میں بولی۔

• پھر کیا ہے، مٹھو ابھی اپن بیٹھے کو رولتا ہے بیسیا آؤ

کو رولتا تھا۔ پیر نے کہا کہ وہ تو کچھ ہی نہیں وہی شربے

الپتا رہا ہے۔

جاسنی کچھ دیر کے لیے ادب بیٹھ گئی اور اس اشانی

نے پیر سے اس پاس کے علاقوں کے بارے میں چند باتیں

کون سا علاقہ اس دادا کے پاس ہے کیا ہے۔ پیر کو اس کا

پر حیرت ہوئی جیسے جاسنی کو کچھ معلوم نہیں تھا لیکن وہ اسے

رہا اور اس نے ان باتوں سے اپنے تعلقات پر کسی قسم کا

کرنے سے گریز کیا۔

وہ جانے لگی تو پیر اسے دوازے تک چھوڑنے آیا۔

نے ایک آدمی سے کہہ کے اس کے لیے وکٹوریہ یا کنگوئی جی

میں سوار ہوتے ہوئے جاسنی کے ہونٹوں پر لڑختی تھی۔ اس۔

پیر سے پھر کسی دن اپنے پاؤں آئے کو کہا۔ پیر نے وعدہ

جاسنی بائی کے جانے ہی پر کے کہہ دیے تھے کہ آئے تھے لیا اور

باٹی کے آئے کا سبب پوچھنے لگے۔ پیر کو خود کچھ پتہ نہ تھا

انھیں بتاتا۔ سب ٹھیک ہے بابا!۔ ظاہر ہے پیر کے

کہہ دینے سے وہ مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

چار دن بعد کی بات ہے کہ پیر کے پاؤں میں ایک

شخص مٹھائی اور پھلوں کی دو گولیاں لے کے آیا اور اس نے

میں انھیں صرف پیر کے حوالے کیا شکل و صورت سے وہ

پاؤں سے متعلق ادنی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ گولیاں جاسنی بائی

بھی نہیں۔ پیر نے اس کا شکریہ ادا کیا اور پیر کو اپنی طرف

چلوں پھلوں اور مٹھائیوں پر مشتمل چار گولیاں جاسنی بائی بھیجیں

نے بھی اپنے پاؤں کے بجائے ہاں کا ایک آدمی منتخب کیا۔

پاؤں سے کسی کو مل نہیں ہو سکا کہ جاسنی بائی کی طرف سے کوئی

مونات آئی ہے اور پیر نے جیڑا ہاں سے گولیاں بھیجیں ہیں

باٹی نے انھیں شکر کے ساتھ قبول کیا اور کھلایا کہ بخشنے کی تمام

پنے پاس میں وہ پیر کو منتظر ہے گی۔ بیچ کے دو دن پیر کے

ملیت اضطراب تھے۔ جاسنی بائی کے پاس دو اور ہاتھ کے

بیل سے اس کے دل صوماش میں عجیب عجیب احساس جنم لے

لے تھے۔ اس دوران وہ غما کے بناتا، بجاتا رہا اور جب بعد آیا

موتی ڈوبنے لگا تو اس نے داد کے علاقے کا رخ کیا۔ وہ اپنے

ماہ کی دہائی کو نہیں لے گیا تھا جس وقت وہ جاسنی بائی کے

اڑے میں داخل ہوا۔ اپنی ساری پٹنے، ہونٹوں پر ایک بلی بکھرا

لیچا اپنے مخصوص املاز میں دروازے پر کھڑی تھی۔ اس کی چمکتی

نظر نے پیر کا طواف کیا اور وہ اسے فوراً اندر لے گئی چالے

ہی کوئی اور شخص نہیں تھا۔ البتہ اوپر ہی منزل پر جاسنی بائی کی

غلامیں موجود تھیں۔ پیر ایک صاف تھرنے سے جڑے کرے

ہیں آکے بیٹھ گیا کر کے کی دیواریں رنگیں تھیں۔ دروازوں اور

لوہیوں پر دھنسی پڑے تھکے ہوئے تھے۔ کر کے طول و عرض میں

جلی ہوئی جاسنی کے وسط میں دیوار کے ساتھ ایک مختصر خالی

دی بھی ہوئی تھی اور ایک چھوٹی نیزہ مرمری اور گلاس رکھے ہوئے

تھے جاسنی بائی نے غور سے جام بنا کے دیا، اسی وقت گت میں

رنگ اور بوٹے قد کی ایک خوب صورت لڑکی رتق ہتی کپڑے

پنے، لنگھو چھٹکا پی اندر آئی اور اس کے آتے ہی بل بوتہ اور تار

کا آواز گونجنے لگی۔ سارے کرے ہی میں کہیں تھے، نظر نہیں

آئے تھے لیکن جلد ہی پیر کو پتہ چل گیا کہ وہ سامنے کھڑے ہوئے

بیٹے سے ہے۔ بیٹے بھی موجود ہیں۔ لڑکی نے دونوں کو جھک کے

سلام کیا اور رتق کرنے لگی۔ پیر کو ایسا گراں تھا جیسے وہ سولہ

ہے اور کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔ جاسنی بائی ایک دوسرے کا

بچے سے بیک لگائے اس کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ اسے اس طرح

نجانا کہ کے کوئی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کسی پاؤں سے متعلق ہے

انچا تو اٹھنا جاسنی ہے۔ وہ میں ایک عورت تھی، ایک لڑکی

بڑے سے جاکہ وہ اس کا در قریب ہو جائے، بہت قریب

ہو جائے لیکن وہ خود اپنی جگہ سے نہ ہٹ سکا، جاسنی کی طرف

انچا بڑھا سکا، نہ اس سے اپنی خواہش کا اظہار کر سکا۔ جاسنی

ان کی طرف نظریں اٹھاتے ہی اس کا ارادہ منترزل ہو جاتا تھا۔

ہلکا ہوا تھا۔ وہ ایک دم رانی لگتا تھا۔ اپن سالارانی سے کہے

بول سکتا تھا۔

جاسنی نے درمیان میں دخل دے کے پوچھا۔ دادا! اور تم؟

تم بھی بولو، تم اس وقت کیسے لگ رہے تھے؟

پیر نے آہ بھر کے کہا۔ اپن کا جانے، بھیک بھیک کی ہو گیا

پیر نے اپنے بلے میں نہیں بتایا تھا کہ وہ خود کیا معلوم

ہو رہا تھا، اب بھی اس کا سرخ و سفید رنگ اس کے گالوں پر دکھ

تھا۔ اس کے گٹھڑی لے بالوں پر ابھی تک سیاہی غالب تھی۔ گک

جھک سس سال پہلے کی بات تھی، اس وقت پیر کا کمال مال ہو گیا۔

تھکا ہوا، کاسخی کا مضبوط و بخود خال کا ٹھیکہ۔ بڑی آنکھیں نکھل

پشانی پر چڑے شانے اور آجکل ہراسیدہ۔ وہ بھی کوئی شہزادہ معلوم

ہو رہا تھا، کسی راج کار کے ایک کم جاسنی بائی ابھی جگہ بیٹھی رہی

اور پیر کو آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے حواس میں ایک

دھماکا ہمارو رچ رہا تھا اور وہ پیر سرور ٹوٹنے کے لیے اپنے آپ

سے مزاحمت کر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جاسنی بائی کے سامنے

مہر بخش ہو جائے۔ لڑکی ناجیتی رہی۔ جاسنی بائی نے ناچ کے دوران

نے دوسرا جام بنا کے دیا۔ پیر نے منع نہیں کیا، وہ چکیاں لیتا

رتق دیکھتا رہا، اس کا دھیان رتق میں نہیں تھا۔ وہ مسلسل جاسنی

باٹی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ لڑکی نے ناچ کے دو تین ہاتھ بٹائے

ہوں گے کہ جاسنی نے اٹھنے کے آگے اسے رک دیا

اور پیر سے پوچھا کہ کیا رتق جاری رکھا جائے؟ پیر نے ہوں

ہی سر ہلا کے انکار کر دیا۔ اس میں اس کے ارادے کو دخل نہیں تھا۔

پھر دادا نے کہا ناگنا دیکھانوں کی اقامت تمہیں ہوگا۔ جب

نفاست سے بچے ہوئے تھے اور نہایت لذت سے جاسنی بائی اس

قد و نحف سے کھادی تھی کہ پیر کو کتنا بڑا۔ انچم کو کچھ کھانا ہی

نہیں آیا۔ ابھی تم سے اپن ہی بولے کیا۔

• کھائے ہیں دادا! وہ ہنسنے لگی۔

کھانے کے بعد جاسنی بائی نے چھوڑے سے پوچھا کہ اب

دوبارہ ناچ کا اہتمام کیا جائے۔ پیر اس سے بات کرنا چاہتا تھا

سو اس نے کہا ابھی تھا مرضی پیر تو پہلے گا۔

جاسنی بائی نے لڑکی کو نہیں بلایا اور اپنے لب سے سی

کے ڈھنگی چھوڑی خاموشی۔ پیر کا داغ کام نہیں کر رہا تھا کہ وہ

کیا کیا کرے کیا ہوں ہی بیٹھا کبھی دیواریں کبھی جاسنی بائی کو

گھورتا ہے۔ سکوت کے ایک طویل وقفے کے بعد جاسنی کے من

میں ہنسنے ہوئی، ہاں کی جگہں تھوڑی دیر اور اس کے ہونٹ سکڑنے

اور پھیلنے لگے جیسے وہ کسی اذیت میں مبتلا ہو۔ دادا! وہ گڑبگڑ

209

احساس ہے ایسا ملنا بڑا ہے جو کہ دنیا اس کا لوہا ماننا سائل

310

جی سی سہروردی کے مرنے والے دن ان کے یہ ہیں۔

211

جاسنی بائی کی بھوت آنکھیں اس پر مرکوز رہیں۔
 تم نے سنا جاسنی بائی، اپن کیا برتا ہے؟
 سن لیا دادا! وہ مذہال ہو کر بولی۔
 بس ابھی تم تیار ہو جاؤ، چاقو اٹھاؤ۔
 چاقو! وہ ہرجیت سے بولی۔
 ہاں جاسنی بائی! چاقو!۔
 چاقو کیوں دادا!۔

ابھی اپن جانتا ہے کہ اید وید پاڑے کے داداؤں نے
 تم کو لے جانے کا کوشش کیا تھا اور تم نے بولا تھا اپن کے
 ہاتھ سے کوئی چاقو گراؤ تو اپن چھریک پل نہیں جھیرے گا اسی
 کے ساتھ چلا جائے گا۔ ایسا بولا تھا نا؟
 ہاں! پر تم سے تیس بولے تھے۔
 اپنے سے نہیں بولا، ٹھیک ہے پر اپن کہتے۔ ہے اور اپن
 بھی ایک دادا ہے اپن ابھی تھادی بات بولا کرنے کی کوشش
 کرے گا تم کو چاقو سے بل پلے جائے گا اور اپن کے چاقو میں
 بل نہیں تو سالا تم سے دور ہو جائے گا، اپنا منہ سدا کو نہیں کھائے گا۔
 میں دادا! اپن تم سے نہیں لڑ سکتا۔

کیوں نہیں لڑ سکتا، پر زلفی سے بولا۔ اپنے کو بھیک
 نہیں جلتا، اس نے تیروندہ لہجے میں جاسنی سے کہا کہ اگر وہ چاقو
 نہیں اٹھائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے پرو کے
 ساتھ رعایت کی ہے غرضش کی ہے۔ پرو ہمیشہ اس میں اپنی
 سبکی محسوس کرتا ہے کہ گزندگ بھرائے غلش رہے گی کہ جاسنی بائی
 نے اسے کسی سبب سے درگزر کیا ہے۔ وہ اپنے آپ سے نگاہ
 ملا کر دیکھتا جاتا ہے نگاہ پر اس کے نہیں۔ اس کا نئے کے ساتھ
 نہیں کہ بیٹی کے ایک پاڑے کے دادا کی حیثیت سے وہ جاسنی
 بائی کا بل نہیں تھا۔ کوئی تنک نہیں کہ جاسنی نے پرو کو ایک دادا
 کی صورت میں نہیں دیکھا تھا اور اس نے صاف طور پر کہہ دیا تھا
 کہ پرو اسے بھی ایک پاڑے کی دادا نہ سمجھے لیکن اپنی ذات
 کے سکون آئندہ دلوں میں جاسنی بائی کی نظروں میں اپنی سرخوشی
 کے لیے پرو اس سے چاقو اٹھانے کا مطالبہ کر رہا تھا۔
 جاسنی بائی مستشہد کھڑی تھی۔ اس نے شدت سے اٹکا
 کر دیا اور بولی کہ پرو کا ہڈیاں ہے کیا اس نے اس دلی سے
 بھی جس کی اجازت لے کے وہ جاسنی بائی کے پاس آیا ہے،
 اسی طرح کا کوئی مطالبہ کیا ہے۔ اگر پرو نے اس لوک سے کچھ
 نہیں کہا اور اسے جوں کا توں قبول کیا ہے تو جاسنی بائی کے مسئلے

میں اس کی یہ غم بھش کیوں ہے۔

وہ جاسنی بائی نہیں ہے۔ پاڑے میں نہیں ہے۔ پرو
 مجھلا کے کہا۔ اس نے پہلے کسی کرایا نہیں بولا۔ جیسا جانک
 نے بولا تھا۔

دادا! اپن تم سے نہیں لڑ سکتے۔ جاسنی بائی تالوئی سے
 پرو نہیں مانا، اسے لگا کہ جاسنی بائی کے انکھالے منہ
 کے سوا کچھ نہیں کہ وہ پرو کی شکست سے ہلکا ہے۔ اسے
 ہے کہ پرو اس پر تاؤ نہیں پاسکتا۔ پرو کے لیے یہ صورت حال
 عذاب سے کم نہ تھی کہ اس کے پاس میں ایسا بھجا جائے۔
 چہرہ مجھو اپن جو بولے تھے، اس کو واپس لیتے پر
 اسی بھوکری کے پاس چلے جاؤ۔ اپن کا دھیان چھوڑ دو۔ اپن
 تم کو قبول جائیں گے۔ جاسنی بائی شکست خورہ لہجے میں
 پرو نے کہا کہ اس طرح وہ اس کے شے کی تصدیق کر
 ہے۔ وہ پرو کو زوروا کر نہیں چاہتی مگر پرو کے لیے اس
 بڑی رسوائی کوئی نہیں کہ جاسنی اس کے خیال سے چاقو اٹھا
 سے باز ہے۔ اپن جانتا ہے تم ایسا کیوں بولتے ہو مجھ کو
 کہ ابھی پرو دم جانو، ماہم کے پاڑے کا دادا جانو جو پچھلا
 کی طرح تمہارے پاڑے میں چاقو چھونے آیا ہے۔ اس
 اشتعال میں کہا۔

ایسا تم بولو۔ جاسنی بائی ترشی سے بولی۔
 پرو ہند کرنے لگا۔ وہ ہم سے پوچھ رہا تھا، تاجا، یہ
 ایسے کیسے لے جاتا۔ پرو کے احاسامات سمجھنا ہمارے لیے
 تھیں تھا۔ پرو نے اپنی زبان سے نہیں کیا لیکن اسے بہت
 احساس ہوں گے۔ دوسرے پاڑوں کے داداؤں کا ادھر
 زیادہ اپنے آزار کا۔ وہ اس صورت کو کیسے گھر لے جاسکتا
 پر کلی اختیار کا اسے اعتماد نہ ہو۔ اگر جاسنی بائی پرو کے پیلا
 مٹاپاں اسی کے خیال سے پلوتی کہ رہی تھی تو پرو کے
 ہمیشہ کا آزار بڑھا تھا۔

جاسنی اس سے التھار کرتی رہی لیکن جتنا وہ التھار
 کا مارا تھا ہی بڑھتا جاتا اور جب جاسنی بائی نے یہ
 کہ اس کا اگر وہ پرو کے لیے آٹا مینیز کا کام نہ رہا ہے تو
 خاموشی اختیار کر لی۔ پرو کو کتنا تھا اس وقت اس کے چہ
 گھٹاسی چھائی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں پٹی ہوئی تھیں
 دیر اس پر سنا ٹاٹاری رہا۔ ٹھیک ہے دادا! وہ ٹھٹھا
 بولی۔ جیسا تم بولنے ہو، ٹھیک ہے۔

پرو نے آگے بڑھ کے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔
 بائی! اس نے زندہ رہنے کے لیے میں کیا۔ ابھی تم مجھ
 بائیں مانگتا ہے۔

جاسنی بائی کا سر پاؤں کی آغوش میں پھر کھڑا رہا۔ پرو نے
 اسے فحشہ تھا، جاسنی بائی اپنا ارادہ نہ بدل دے۔
 پرو کے سارے آدمی کو بلا لیا اس نے جاسنی بائی سے کہا۔
 ان کو کہیں دادا! جاسنی بائی کو آواز لڑ کھڑا رہی تھی۔
 اپن جانتا ہے وہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھے اور اپن
 بائی تھادی ماں کی تھادی جھگڑا کی سکرگدہ رہا ہے اگر
 جاسنی کوئی چھدی کیا، اپن کا دھیان کیا۔ پھر اپن جھاتی
 لڑا کہ اسے کچھ سمجھا۔

میں قریب ہی تھی۔ ہلکے ارد گرد پھرتے گئے۔ میں ہلکا وار
 لڑنے کے لیے بھی نہیں بیٹھے تھے۔ نہ صرف وہ بلکہ ان سے
 لڑنے لگا۔ ان میں سے شاید کوئی نہیں سوا تھا۔ فاصلے فاصلے
 ڈوبل ہے تھے اور ان کے اطراف میں بیٹھے ہوئے بنیز ڈوبل
 فاصلے اپنے ہاتھوں میں تیار رکھے تھے۔ پرو سانس لینے کیلئے
 اتار۔ ہم سب کی نگاہیں اسی کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ فاصلے
 ابھی اسی کی جانب تھا۔ ہر شخص دم بخود تھا۔ جاسنی بائی
 کل صورت پرو نے بیان کی تھی، اسے سن کے بھی کے
 دادا اسے ایک بار دیکھنے کی خواہش ہوئی، مگر وہ فاصلے
 ل میں تھی۔ دیر ہو گئی تو جاسنی پرو کو لڑا۔

پرو نے اپنا بھاری سر ملا لیا۔ بائیں کرتے کرتے اس کا منہ جیسے ٹوٹ
 لگا۔ بائیں آواز میں کہنے لگا کہ پرو کی جاسنی بائی کے منہ پر
 کے پاڑے کے سارے آدمی اکٹھے ہو گئے۔ اس دوران وہ
 ہاں اپنے آپ میں غم بھی رہی۔ پرو اس کے پاس نہمت
 دوسرے سر پر تھا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو وہ نہمت
 آواز پر بھی اس کے پیچھے پیچھے ہوئی کھلی ہوئی جگہ پہنچ
 جاسنی بائی نے ساڑی کا بل کر کے باندھ لیا اور اپنے بھروسے
 سائلوں کی نظروں میں گر میں لگا دیں، مگر کوئی جھٹکے دیے اور اٹا
 اپنی جانب بڑھا دیا۔ پاڑے کے ایک آدمی نے فوراً چاقو
 لڑاں چھال جاسنی بائی نے پرو کے اسے ایک لیا چاقو
 لڑا۔ اسے ہی اس کے سر پاؤں ایک چھری سی پیدا ہوئی
 لڑا۔ اپنی بڑی بڑی آنکھیں چند لمحوں کے لیے پھینچ لیں اس
 بڑی ہار جاسنی بائی نے اٹھا۔ آنکھیں کھول کے اس نے
 ایک نظر دیکھا۔ پرو کو ایسا لگا جیسے اس کی آنکھوں میں

آگ جھڑک رہی ہے۔ دادا! اس نے لڑیہ آواز میں اسے
 غائب کیا۔
 جاسنی بائی! پرو نے وارفتگی سے کہا۔

مگر جاسنی اسے مخاطب کر کے رہ گئی۔ وہ چند قدم پیچھے
 مٹی اور پکا پکا اس کے بدن میں ایک بلی کی جلی پاؤں کی شعلہ سا
 لپکا اس کے پیچھے بیٹھے ہی پرو نے بھی اپنا چاقو تان لیا۔ پرو نے
 میں وہ دونوں آگے سامنے تھے پرو کی نظر اس کے چاقو سے بندھ گئی
 اس نے سن رکھا تھا کہ جاسنی بائی کی آنکھیں اس کے متقابل کر
 متزلزل کر رہی ہیں۔ آنکھیں پرو کے لیے اجنبی نہیں تھیں۔
 وہ ان میں جھانک رہا تھا لیکن آنکھیں ہی نہیں جاسنی بائی کے
 سارے بدن سے چھک رہی تھیں محسوس ہوتی تھیں۔ پرو کو اپنی توجہ
 مرکز کرنے میں کسی قدر مشکل پیش آئی۔ اسے اس بات کی خوشی
 تھی کہ جاسنی کے ہاں اس کے لیے رعایت کی کوئی گنجائش موجود
 نہیں ہے گویا اس نے اس کی دی ہوئی قسم کا پاس کیا ہے۔ یہ دیکھ
 کے پرو کی رگوں میں دوڑنا ہوا غور نہ لگے گا اور اسے جاسنی بائی
 کے دہن ہی بیٹھنے سے اس کے متعلق سنی ہوئی ردا میں جھٹ
 نظر آئیں۔ وہ کسی جادو کا کوشش تھا اس کی شربا اور کھوٹی شیعہ
 وہ سب جاسنی بائی کے چاقو کا نشانہ تھا اسے چاقو تھانے دیکھا
 تھا۔ پرو نے بہت سے لوگوں کو چاقو اٹھانے چاقو تڑپنے دیکھا
 تھا مگر جاسنی بائی کا انداز سب سے جدا تھا۔ وہ اپنے مخالف کو
 اپنے مکندہ آواز کی ہوا بھی نہیں گئے دیتی تھی کبھی ادھر کبھی ادھر
 ایک پل میں اس بازو دوسرے پل میں اس بازو، اس کا بدن ہوا
 کے مانند تھا، سمندر کی آغوشی ہوئی لڑ پھر کی طرح۔ پرو کو بہت
 ہی میں اندازہ ہو گیا کہ درمیان میں سوچنے کا کوئی گولٹا دشوار ہے
 سو جاسنی بائی کا چاقو منتظر کرنے کی ایک ہی صورت اس کے
 ذہن میں آتی تھی کہ خود کسی کا تیر اختیار کرے۔ اسے اپنے داؤ
 کی آہٹ کا احساس نہ ہوئے تھے جیسا کہ جاسنی بائی کا طریقہ تھا۔
 جاسنی بائی کا طریقہ کوئی حربہ یا ہتھکنڈا نہیں تھا۔ چاقو پر پیرے
 ہتھ باندھ اور جسم کی قابو پاؤں کی کے اعتماد کے بغیر ایسا نہیں تھا۔
 پرو کی خواہش تھی کہ جو کچھ ہوا ہے، جلد سے جلد ہو جائے، مگر
 سب آگے سامنے رہنے کی نوبت نہ آئے۔ وہ شروع ہی سے جاسنی
 بائی کی کلائی پھٹنے کی غم میں تھا۔ جاسنی بائی نے اپنا ہاتھ اس
 کے قریب نہیں پھینکے دیا اور پرو پہلے ہی مرحلے میں ادھر ادھر
 سے بڑھ بڑھ کے جھپٹ جھپٹ کے اسے وفا میں حالت میں
 لانے کی کوشش میں ناکام رہا۔ ظاہر ہے پرو نے اپنے جسم دماغ

اور چاقو کی تمام صلاحیتیں آزما کے دیکھی ہوں گی۔ وہ تیار ہو گا کہ جاسنی بانی ہرگز نہ اس کے ذمے سے ٹھیک کے نکل جاتی اور آنا فانا پتیرا بدل کے اس پر چھپتی۔ پر کسی نہ کسی طرح کبھی جگہ کے، کبھی تیرا کے کسی طرف ایک کے اور اپنے آپ کو ایک سمیٹ کے اس کا واردا کرت کر دیتا اور پھر اس کی تدبیر کو عمل کرنا کہ ایک جھپٹے میں چاقو ڈالنے اس پر ہاتھ اڑھٹا اور دانا اس پر چھلنے کی کوشش کرنا۔

جاسنی بانی کے لیے پروپیسی کسی شخص کا تجربہ یا ہو گا۔ ہم نے بسنی اور کھٹے کے پاؤں میں اسے اپنے آدھیں سے بار بار زور زانی کر کے دکھا تھا۔ اب بھی اس میں ایسی چھتری تھی تو جانی کے وقت کیسی ہو گی۔ اب کی نسبت جب ایک ہی فرق ہو گا کہ پرو کے ہاتھ میں گری کے ساتھ داغ میں گری زیادہ ہو گی جو جھل کے نزدیک ایک نامناسب بات تھی۔ اس نے کئی بار مجھے تاکید کی تھی لاٹھے چاقو اٹھلتے ہوئے سرگاہ کھٹے کی کوشش کرنا۔ خون کی گری کے آفرے سرور رہی رکھنا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں کر آدی اپنے جسم کی کھولتی ہوئی گری گودن سے آویز نہ بڑھنے سے۔ جھل کا مطلب یہ نہیں تھا کہ سرور کے مانند نمد ہونا چاہیے بلکہ کی مراد یہ تھی کہ سرور میں مس نہ ہو، کھلا ہی ہے تو بہتر ہے۔ پرو کو بھی بات معلوم ہو گی۔ اس نے مام کا پاڑا ایل ہی حاصل نہیں کر لیا تھا۔ بہت سے آدمیوں میں وہی آدمی اٹھے کا مام بنتا ہے جس کے جسم اور سر میں توازن ہو اور اس کی طاقت جاسنی بانی بسنی کے ایک پاؤں کے کی واو تھی اور اس نے کئی بار سے لیل ہی لوگوں کے سپرد کر دیے تھے وہ بھی اس توازن سے نا آشنا نہ ہو گئے۔ انھیں دس منٹ سے زیادہ گزر گئے تھے مشورہ تھا کہ جانی

بانی کو چند ہی لمحے گتے ہیں۔ اس کے آدمی چاروں طرف ماسے کھڑے تھے بیچ میں پرو کو ایک بار شہرہ ہوا تھا کہ جاسنی بانی اس کے ساتھ رعایت تو نہیں برت رہی ہے مگر پھر خود ہی اسے اس دہم کی توجہ دیکر پڑی۔ کوئی لپٹا ایسا نہیں کر رہا تھا جب جاسنی بانی نے اس کے وارے پیچنے یا اس پر وار کرنے کا موقع مل گیا تو وہ لپٹوں پسینے میں شرابور ہو گئے تھے۔ پرو اسے اور تھکا دینا چاہتا تھا کہ اس صورت میں شاید کوئی وار کارگر ہو جائے۔ دونوں ایک دوسرے پر چاقو کا کوئی نشان ڈالنے سے بچ رہے تھے اور ایک دوسرے کو گڑبڑا دینے کے خیال سے چاقو کی جھپکیاں مے لیے تھے۔ دونوں میں سے کوئی اپنی اس سنگ دہم کا مایاب نہیں ہو پا رہا تھا مگر پرو کے کوئی بھی چاقو نہیں چھوڑ دیتا چاقو ہر حالت میں ہاتھ سے چپکا رہنا چاہیے۔ بان کوئی چارہ نہ رہے تو دوسری بات ہے جو کہ پرو

کے چاقو چھوڑ بیٹھا ہے۔ جھل کے کھٹے کے مطابق پرو چاقو نہیں تھا ماسنا چلیے پھر اسے چاقو تھا ماسنی اس دوسرے کو تھک دے کرنے یا بولکھلا دینے سے اس کا کسی ہتھراؤ کے لیے راہ ہموار کرنا تھا۔ ہنگامہ ڈاکے باز سے پہنچی ڈالنے۔ توازن بگاڑنے اور کسی خاص جگہ پر گرنے اور وہیں کامیابی حاصل کرنا جو بھی کسی کیس میں جاسنی بانی پر پڑے وزن میں بہت کم ہوگی۔ کلائی بھی کی طرح مضبوط نہیں ہوگی۔ پیچھے کی پجڑ بھی پرو کے کم کم زور ہوئی جاوے لیکن کمزوری اور مضبوطی کا تعلق واو والوں سے ہوتا ہے۔ صبح رگ اٹھ کر پرو پر آجائے تو بھی تڑپنے لگا ہے۔ جاسنی بانی کو اپنی گرفت کا کوئی ہوگا جیسا وہ اس پاس کے پاؤں کے واو والوں سے ڈالنے نہیں جھپکتی تھی۔ ہر طرف وارے کی شکل میں کھڑے کے بیچ میں کھلی جگہ زیادہ پڑی نہیں تھی۔ پرو متعدد مرتبہ چوڑکنا، چوڑپڑا، بڑھاتا کسی ایک گوشے میں جا جگہ تنگ ہو جائے اور اس پر ہاتھ ڈالنا آسان ہو جائے اس تنگ گوشے میں اسے سے پہلے ہی اس کے چاقو کی طرح نکل جاتی تھی۔ اس کے بدن میں بے مدد ایک تھی ہونے اپنے آپ کو تھک کرنے میں اتنی دشواری تھی جتنی پرو کو ہوتی تھی۔ دونوں کے بیچ دیر تک جو ہے ہزار بار۔ پھر مام پرو کے وزن نے کر دیا سی بدل پائے میں آئندہ کی کرن چوٹی۔ اس نے کسی تاخیر کے بغیر اس کا ارادہ کر لیا۔

اس نے ملے کیا تھا کہ اب کے جب جاسنی ہونے اس پر چلے تو وہ اڑھٹا دھڑکنے کے بجائے ایک جاسنی بانی کے قریب آگے پڑی اس کا جھٹکا سونہ زیادہ ہوتا تو وہ اس کی طرف بڑھتے بڑھتے پلٹ جاتی جاتے ہوئے اس کے لیے پٹنا بہت وقت طلب تھا میں پرو پر پلٹ جاتی۔ اس کو بڑا ہٹ کے دوران اگر پرو کے جسم کے کسی حصے پر گھگھٹا سکنا تھا اور اس کا چپکا کے قبضے میں آسکتا تھا۔ خود جاسنی بانی کے لیے اتنے لمبے کھٹا اور شہل کے پرو کا چپکا چوڑا ناگن نہیں تھا۔ ہونے کے باوجود تھی جلد ارادہ بدلنے کا امکان نہ تھا۔ ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اب تک وہ ایک دہم لئے ہے تھے۔ اس بار بھی پرو پچھپتے وقت جاسنی ہوگی کہ پرو کسی جانب بچ سکے گا۔ پرو کا یہ اقدام

ہی دھڑدھڑ تک نہیں ہوگا کہ وہ میں اپنے آپ کو خطے الٹے گا۔ یہ ایک طرح کی دھشت تھی جو بچے دیکھ کے خود شہرہ پٹا سکتی تھی۔ ہر حال پرو اس موقع کی تاک میں ہی جاسنی بانی اس کی طرف تیزی سے بڑھتی ہوئی آئی، نے چند قدم پیچھے ہٹ کے پہلے تو اسے یہ تاثر دیا کہ وہ اس انداز سے بچنے کے لیے تیار ہے لیکن۔۔۔ جیسے ہی جاسنی اس کا فاصلہ ایک گز سے قریب رہ گیا تو دھشت وہ بچھ گیا۔ لپٹنے دونوں ہاتھ کھلے رکھے تھے اور اس کا خیال تھا کہ نہ پڑی تو وہ اپنا چاقو بھی چھوڑے گا۔ جاسنی بانی بیچ میں پرو کے جسم سے تیزی سے ٹکرائی مگر بھی پرو ہاتھ اٹھا کے بازو بالائی کی پجڑ میں ہاتھ اٹھا کہ اپنے بدن کی بوری نے اسے آؤپر چل کر اور پیچھے پرو کے دوسری جانب لپٹ گئی، پرو ایک تھلا بازو اٹھا کر ہوتی وہ کچھ دیر تک کھڑی ہو گئی۔ پرو کی آنکھوں میں ایک لپٹنے کے لیے دھند سی جھانک رہی تھی اپنی جگہ سے اٹھ کے کچھ پیچھے آگیا اور اس سے راب جاسنی بانی اس پر پکیتی، دھڑکنا، ایک ہاتھ بٹھا، ہٹاں کی سیدھ میں کیے چند قدم جست لگا کر جاسنی کے قریب لڑائی دلاتا اس کے سر اس کے داغ میں نہیں آ رہی تھی کہ اپنی بانی کا اور اپنا فاصلہ کم سے کم رکھے۔ اس نے کچھ ایسا نہیں کیا جاسنی بانی فاصلہ کم سے کم کر رہی ہے۔ اگر یہ اس کا ارادہ تھا تو بھی اب زیادہ دیر تک پرو یہ آٹھ چلی جاتی لپٹنے دھنیں خدا فاصلہ کم ہونے پر جلد سے جلد کوئی نتیجہ برآمد ہونے لگی۔ اور ہاں اور ہاں جو کچھ بھی ہو پرو کا چاقو لاٹھا اپنے غم دار لپٹنے کے دھڑ سے جاسنی بانی دھنیں بائیں ہٹ کے اس آٹھنے کی کوشش کرتی یا پہلو سے بچ کر اس کے پرو کو پھر پرو بھڑکتی تھی۔ پرو کی غماش تھی کہ جاسنی بانی اس موقع سے اٹھنے اور اس کے پیچھے پر جھپٹا مارے۔ بس میں سب اہم تھا کہ وہ جاسنی بانی سے چپچھوڑا لیتا ہے اور خود اس قبضے میں کر لیتا ہے یا نہیں۔

پہنترے بدلے پڑنے اپنا ہاتھ سیدھا ہی رکھا اور اس طرح جاسنی بانی کو کوئی رائے قائم کرنے پر آمادہ کرنا جاسنی کیلئے اس میں کوئی خطہ نہیں تھا۔ وہ کسی طرف بھی بڑھتی تھی مگر پرو اس انداز میں چاقو اٹھائے ہاتھ بھلائے کھٹا اسے تنگ میں ڈال سکتا تھا۔ وہ پرو کے انسانی بائیں جانب ہو گئی۔ نتیجہ پرو کو بھی رنج بدلنا پڑا لیکن اس نے اپنا ہاتھ دیے ہی پھلے لکھا۔ جاسنی بانی اس اثنا میں بڑھ چکی تھی۔ پرو نے رنج بدلنے میں ناکستہ دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ دھڑ سے دھڑ، اڑھ سے پرو پلٹ کے جاسنی کے سامنے ہو گیا۔ جاسنی بانی اتنی تیزی میں تھی کہ پرو کو اپنا ہاتھ کھٹنے کی نکتہ نہیں مل، وہ عین اس کے مقابل آجی تھی اور چاقو ٹھیک اس کے سینے میں پیوست ہوا، دوسرے ہی پل وہ پرو کے بازو پر جھول رہی تھی اور پرو کا سارا جسم چکر کر رہا تھا۔

وزیر مار دانی کی سسکیاں نکل گئیں۔ سچی تھراں ہوتی نظروں سے پرو کا چہرہ دیکھ لے تھے۔ پرو کا سر جھکا ہوا تھا اور اس کا جسم ایک ڈھیر جگہ رہا تھا کسی کچھ اور پرو بچنے کی بہت نہیں پڑی۔ جھل صحتی مگر ہم بچا نکوں سے آگ کر رہا تھا۔ خامی و بر بعد جاسنی بانی کے ہونے زبان کھولی۔ واوا، پرو پر ایسا کیسے ہو گیا؟ اس کی آواز ملتی میں ایک رہی تھی۔

۔ ہو گیا جانی، سب ایسا ہی ہوا، پرو بھاری لیے میں ہوا۔ جاسنی بانی اپن سے سخری کر رہا تھا۔ وہ سب غفل تھا جاسنی ان سالا بھٹا تھا، اہل جاسنی بانی کو چھٹا ہے وہ اور اپنے کو چھٹا تھا۔ اسنے آدھیں کے بیچ اپنے پرو کو ذیل کرنا نہیں لگتا تھا۔ اتنا ٹیم اس نے اپن کے لیے لیا تھا۔

۔ نہیں واوا، جاسنی بانی میں ہوا۔

۔ اپن نے آخری ٹیم اس کا مسکان دیکھا تھا وہ اور لپٹ کے بازو پر ہی پڑا تھا۔ ہنستا ہوا ہوا، اپن ہل گئے واوا، اپن سے کچھ نہیں ہوا لگایا۔ ہلا تو وہ کان بند کر چکا تھا۔ تم سمجھتا ہے مامو اتنا، اپن نے پلٹنے میں دیر کر اور دوسرے وہ پل پڑا تھا۔ وہ جان کے چل پڑا تھا جاسنی وہ چاہتا تو کسی اور طرف کر چکا ہوتا۔

پرو ٹھیک ہی لگا تھا۔ جب اس نے جاسنی بانی سے ہمار کیا تھا جاسنی بانی نے بے ملے کر لیا ہوگا جاسنی اس سے کچھ اور تھیں کچھ پرو کی آنکھیں شہرہ ہو گئی تھیں اس نے دھڑان میں جس لوک کا ذکر کیا تھا، اس کا نام نہیں بتایا، کسی نے پوچھا مگر میں اور جھل اسے دیکھ چکے تھے۔ وہ گینا کی ماں کے سوا کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔

گواہی تھی۔ پہلی رات ہمارے سوجانے کے بعد حفظہ اقدس کے طور پر انھیں جاگنا ہی تھا۔ دوسری رات ہم انھیں بنگلے رکھنے کے لیے وائٹ مائٹ لے گئے۔ دو دن نیند کے بغیر پاؤں پر سسل سفروان کے جسم پر بھل کر پڑنے کے لیے بہت تھا اور ابھی ادا سفر بھی طے نہیں ہوا تھا۔ بقیہ آدھے کے خیال سے ان پر ایک بوجھ سا لاد کر ہر گاہ اور ہرادی جانب سے کسی وقت بھی کسی اقدام کا کھٹکا ان کے لیے الگ ایک وحشت کا سبب ہو گا۔ صبح آگے بڑھتے ہوئے ان کے تھکن میں پہلے جیسی متعدد نہیں رہی تھی۔ چھل پر سوس پائل کی قوت بھی مینی اور پلو کو اسی طرح آگے بھیج کے اور ان کے درمیان جھگڑا کر کے انھیں اپنے قریب کر رکھا تھا۔ ہم سب کا مینی اور پلو کو ان میں جھگڑے سے باز رکھنے کے لیے ان کے پاس جھانکا ایک فداوی مل تھا۔ ہم سب جب ایک جگہ کھٹے ہو گئے تھے تو ان کا بھی بڑا بڑا سے ہماری جانب بڑھنا لازم تھا لیکن ان کا من گمان میں ہی نہ ہو گا کہ ہم بس اپنے قریب ان کے گھیرے کا انتظار کر رہے ہیں، بلکہ یہی ان پر گولیاں چلا دیں گے اور انھیں پتھیرا تولنے کے لیے بھی ایک لٹو نہیں ملے گا۔ ہم سب میں توکل ہم انھیں ہیں اپنے نزدیک بلا سکتے تھے مگر اچھا یہی تھا کہ دو راتوں اور دو دنوں کی جھگڑا ان پر غالب آ جائے اور اس دوران انھیں کسی تدبیر یا طہیان بھی ہو جائے کہ کسی قسم کی جراحت کا امکان نہیں ہے۔ جھگڑنے نے اپنے اس ارادے کے باوجود میں پہلے کسی سے کچھ نہیں کہا تھا۔ مینی اور پلو کو آگے بھیجنے کے بعد ہی اس نے ہم سب کو بتایا تھا کہ تیار رہیں سب ابھی جگہ جھگڑتے تھے یہی کے ذہن میں ایک شب تھا کہ جھگڑا واپس کے لیے ایسے ہی آمادہ میں ہو گیا ہو گا۔ اسی لیے سب اس کے اشارے کے منتظر تھے۔ مینی اور پلو نے آپس میں الجھنے میں زور کی تھی۔ مینارن ان کے کسی طور سے یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل میں لارہے ہیں۔ ایک نکلے کو جھیل کے کٹے کے لہو دھبے کچھ ایسا لگا تھا کہ وہ حقیقتہً آپس میں جڑ گئے۔ یہ بد بونہی کو کر سے چڑ کے زور سے زمین پر چڑھا اور قاتل تو ان کے آگے باز نہا ہی چاہتا تھا کہ جھیل نے ہلک کے اس کا ہاتھ چڑھا لیا وہی میں طرح زمین زلہ لہی چڑی نہیں تھی۔ آگے ایک ادا نچا پاڑی سلسلہ تھا ہنگام قیل کے آدھوں کے لیے فز کے راستے سدود تھے۔ اندھیرا ہونے میں فدا و قوت پڑا تھا۔ آگے یا کوئی موقع ملتا نہ تھا۔

اگے سامنے ہر جانب لائیں بھری ہوئی تھیں۔ میں نے ان سے پہلے بھی ایک ساتھ اتنے آدھی نہ ہوئے تھے۔ میں نے دیکھے تھے زمین بہت سی جگہیں پر لال ہو گئی تھی۔ سبھا جھون کے کوٹھڑے اور دیکھتے پڑے ہوئے تھے۔ ہم انھیں چلا گئے ہوئے اس مقام تک پہنچے گواہی تھی۔ پہلی رات ہمارے سوجانے کے بعد حفظہ اقدس کے طور پر انھیں جاگنا ہی تھا۔ دوسری رات ہم انھیں بنگلے رکھنے کے لیے وائٹ مائٹ لے گئے۔ دو دن نیند کے بغیر پاؤں پر سسل سفروان کے جسم پر بھل کر پڑنے کے لیے بہت تھا اور ابھی ادا سفر بھی طے نہیں ہوا تھا۔ بقیہ آدھے کے خیال سے ان پر ایک بوجھ سا لاد کر ہر گاہ اور ہرادی جانب سے کسی وقت بھی کسی اقدام کا کھٹکا ان کے لیے الگ ایک وحشت کا سبب ہو گا۔ صبح آگے بڑھتے ہوئے ان کے تھکن میں پہلے جیسی متعدد نہیں رہی تھی۔ چھل پر سوس پائل کی قوت بھی مینی اور پلو کو اسی طرح آگے بھیج کے اور ان کے درمیان جھگڑا کر کے انھیں اپنے قریب کر رکھا تھا۔ ہم سب کا مینی اور پلو کو ان میں جھگڑے سے باز رکھنے کے لیے ان کے پاس جھانکا ایک فداوی مل تھا۔ ہم سب جب ایک جگہ کھٹے ہو گئے تھے تو ان کا بھی بڑا بڑا سے ہماری جانب بڑھنا لازم تھا لیکن ان کا من گمان میں ہی نہ ہو گا کہ ہم بس اپنے قریب ان کے گھیرے کا انتظار کر رہے ہیں، بلکہ یہی ان پر گولیاں چلا دیں گے اور انھیں پتھیرا تولنے کے لیے بھی ایک لٹو نہیں ملے گا۔ ہم سب میں توکل ہم انھیں ہیں اپنے نزدیک بلا سکتے تھے مگر اچھا یہی تھا کہ دو راتوں اور دو دنوں کی جھگڑا ان پر غالب آ جائے اور اس دوران انھیں کسی تدبیر یا طہیان بھی ہو جائے کہ کسی قسم کی جراحت کا امکان نہیں ہے۔ جھگڑنے نے اپنے اس ارادے کے باوجود میں پہلے کسی سے کچھ نہیں کہا تھا۔ مینی اور پلو کو آگے بھیجنے کے بعد ہی اس نے ہم سب کو بتایا تھا کہ تیار رہیں سب ابھی جگہ جھگڑتے تھے یہی کے ذہن میں ایک شب تھا کہ جھگڑا واپس کے لیے ایسے ہی آمادہ میں ہو گیا ہو گا۔ اسی لیے سب اس کے اشارے کے منتظر تھے۔ مینی اور پلو نے آپس میں الجھنے میں زور کی تھی۔ مینارن ان کے کسی طور سے یہ ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل میں لارہے ہیں۔ ایک نکلے کو جھیل کے کٹے کے لہو دھبے کچھ ایسا لگا تھا کہ وہ حقیقتہً آپس میں جڑ گئے۔ یہ بد بونہی کو کر سے چڑ کے زور سے زمین پر چڑھا اور قاتل تو ان کے آگے باز نہا ہی چاہتا تھا کہ جھیل نے ہلک کے اس کا ہاتھ چڑھا لیا وہی میں طرح زمین زلہ لہی چڑی نہیں تھی۔ آگے ایک ادا نچا پاڑی سلسلہ تھا ہنگام قیل کے آدھوں کے لیے فز کے راستے سدود تھے۔ اندھیرا ہونے میں فدا و قوت پڑا تھا۔ آگے یا کوئی موقع ملتا نہ تھا۔

جہاں سے چلے تھے۔ میری سانس اکھڑ رہی تھی اور دل دھڑ دھڑا رہا تھا۔ پتہ نہیں سارے کا کیا حال تھا لیکن اس کی انھیں بھی پچھتی ہوئی تھیں۔ سولم اور پلو کو تو ہم نے توڑے ہوئے کھڑے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ آگے بڑھتے ہوئے سبھا جھون پلو، جاکو، مارنی اور جھیل کے چہرے نظر نہ تھے۔ تو جہاں سے واپس کسی تدبیر کا پتہ نہ تھا۔ آج بامان ان میں نہیں تھے۔ وقت نام تھی غرض جھیل نے مینی اور پلو کو اشارہ کرتے ہوئے انھیں بھی کچھ اشارہ کیے ہوئے تھے۔ اور اپنے آپ کو محفوظ کرنے کی تلقین کی ہوئی اور وہ یہیں کہیں کسی آڑ میں چھپے ہوئے تھے۔ ایک طرف مامو بندھن تانے مانگ قیل کے پانچ آدمیوں کو روک کے کھڑا تھا۔ طرفی پشت سے ان کے ہاتھ نہیں سے باز دھرا تھا۔ جاکو کے ہاتھ پر خون بہہ رہا تھا۔ ان کی آنکھ اور گال سے گزرتا ہوا گردن تک چلا گیا تھا۔ وہیں دیکھ کے اس کے ہونٹ بدلتے گئے اور وہ دھچکے کے لڑا۔ لاڈلے، سلطانہ کو دیکھتے۔

سلطان کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مامو سے کچھ فاصلے پر مینی زور، جاکو اور پلو کو کسی پر جھکے ہوئے تھے۔ قیادت کوئی بہت زیادہ زخمی ہو گیا تھا۔ میں ان کی طرف نہیں گیا اور لہر آہڑی ہوئی تھیں۔ میں سلطان کو تلاش کرتا رہا۔ ساتھ دوسری جانب مل گیا تھا۔ سولم اور پلو بھی توڑے سے آخر کے میرے آس پاس مٹا دیے تھے۔ مامو قیل کے آدھی اپنے غصوں لباس کی وجہ سے علیحدہ ہو جانے جاسکتے تھے، سروان کے اندر سے جسم میرے کہنے کی طرف تھیں تھی۔ سلطان اپنے چوڑے چکلے جسم اور پلوں کے سبب دھڑکے نظر آتا تھا، میں اسی کو ڈھونڈ رہا تھا کہ ایک بڑے چھترے نزدیک کسی کو کرہ میرے کان میں پڑی وہ سلطان ہی تھا اور اپنے بل پر کھٹے کی ناکھ کرکٹ کر رہا تھا۔ اس کی پٹلی میں نیزا لگا تھا اور گوشت چھڑا ہوا گردن کا قتل میرے ہاتھ پائوں پہلو ملاتے تھے۔ سلطان بے حال تھا، آواز بھی ملتی سے نہیں مل رہی تھی میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کی کراسی آٹا میں آسے ڈھونڈتا ہوا پانچویں اس طرف اٹھا اور سلطان کا زخم ایک نظر دیکھتے ہی نے اپنے کندھے پر ڈال کے جھیل کی سمت جھگڑنے لگا۔ اس نے مجھے ہدایت کی کہ میں میری ٹیٹو دو اون کا منہ دھو لے کے اس کے پاس پہنچوں۔ مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ اس میں یہ منہ دھو کر کھڑے۔ اتنا بھگت پلو تھا کہ جھیل گتے ہی سے آگے اپنے ساتھ لے کے چلا تھا اور ہنگام قیل سے چلتے وقت بھی سامان میں رکھا نہیں بھولا تھا لیکن سامان راستے میں اکت پکت ہو گیا تھا۔ سارے نے بھی پرو کر سلطان کا جسم کھڑے ہوئے جھیل کی طرف جھگڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ بھی کھڑا رہا تھا مگر میں نے اسے روک لیا اور منہ دھو

اندر ارمے تک ہم نے اپنے راستے میں پڑنے والے پازوں کی اور کئی دیواریں عبور کر لی تھیں لیکن جو تھے دن صبح رات بھر پڑاؤ کے بعد صرف ایک بل کے قریب آگے آئے ہیں گے کہ آسمان پر یکایک کالے بادل گھرا آئے اور ہم خیمے نصب کرنے کے لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کر ہی نہیں تھے کہ سولہ بجے بارش ہونے لگی سلطان بھی بیھاگ گیا ہر چند ہم نے اس کے مٹھ پر دروازہ چھل داری ڈال دی تھی۔ مینوں کی بیٹیں بھڑکنے لگی تھیں ہم بھی خراب ہو گئے تھے بارش میں تیزی سے آئی تھی، کئی تیزی سے گزرتی تھوڑی ہی دیر میں مطلع عاف ہو گیا لہذا تازہ دھوپ چمکنے لگی لیکن بھلنے سے بچر آئے بڑھنے سے سب سرورک دیا نہ تھا سلطان کے جسم پر کچھ سی ڈالی تھی اور مچھر کے جھمکنے اور بارش نے اس کے لیے سے اوسان بھی بچھن لیے تھے سب اسے مختلف قسم کی دوائیاں دیتے رہے اور اس کے گرد ہی بیٹھے رہے سلطان بھی طرح کا دوا میں نہیں آیا۔ میناؤں کا دھیان لیکر تے وہ اتنا ہی اور بکھر جاتا پھر اسی دن شام کو اس نے نہ دے مانے کیسے انھیں کھول دیں پٹ بناتی ہوں سے ادھر اڑھر دیکھا۔ تاہم اس کی نظروں کے سامنے بیٹھی تھی اس پر نطفہ ڈیڑھ سوکرایا جھکی جھکی مسکا ہٹ۔

”کیا ہے سلطانے؟“ بھلنے لے ہوئی سے پوچھا۔

”استاد! پریشان ہو چکی اور لڑائی آواز میں بولتا: اس کا
 دھیان رکھنا۔ اب تمہی اس کا...“
 ”کیا بولتا ہے؟“ بھل جھڑپانہ اس کا گال تھپ تھپانے لگا۔
 ”اپنے پاس وقت نہیں ہے، سلطان کی آواز پر بڑھنا چاہیے۔“
 ”نہیں ہے،“ بھل نے تندی سے کہا۔

معلوم نہیں، بجل کی آواز اس کے کانوں میں پہنچی تھی یا نہیں وہ تشاکم کو دیکھ رہا تھا اہل اس سے کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کئی میڑھی میڑھی کیڑیوں نور ہوں اور وہ کچھ عجیبی کہہ سکا، تشاکم پہ انھیں جانے لیا اور حیرت تک اس کی انھیں نہیں نہیں بھٹکیں بھٹکیں تھہر رہا تھا۔ انھیں خود ہی بند کر دیا۔

تھانم کے سینے سے زکوٰۃ آہ بلند ہوئی نہ اس کے آنسو نکلے وہ بہت کی طرح خشک ہوئی۔ یہی سلطان کو جب تبریں آٹا مارا تھا تو بھی وہ کہہ نہیں سکتا تھا۔ اس دوران عمل یہ ہوا، حاکم اور بادشاہان اُسے تھامے رہے۔ لافزوں سے چکے۔ گردن میں ہاتھ ڈالے۔ کمانوں اُس کی آنکھوں میں جیسے بھند ہو گئے تھے۔ یہی اپنے اپنے طور پر اُس سے کہہ دیکر کہہ رہے تھے، مانف، ملاکو، زندا، پٹو، سرول، جینی سادے اور یہ سن بھی اُس سے بہت کہہ کر کیا کہیں اُس نے جیسے کسی کی بات ہی نہیں سنی۔ اندھا دھڑکنے لگا تھا لیکن جہاں اُس کی

کے خیال سے جلد ہی کہل کر وہ سلطان سے قیمتی جلا اور قیمتی دُور ہو جانے لگا تھا ہے۔ مرنے والوں کے ساتھ کھنڈر تہا ہے۔ مرنے کا مطلب ایک مشعل دُور سے ہے۔ مائے شئے زندگی کے، میں رات کو ہم نے فرما آگے ہلکے یا کوس سے سالان آمارا۔ اس رات کسی نے کھایا پانیس۔ جاگک قبیلے کے آدمیوں کو گزشت کے پلچے مکھن اور جھنڈا ہرا اراج دیے جا گیا، وہی انھوں نے کھا لیا۔

ہر سب ایک ہی جیسے میں تھے، تمام رات بھر ایک کونے میں ساکت و عہد مینہ ہی۔ بھل اُس کے ملتے، ہاتھوں اور گالوں کو مایہ کرتا تھا، اُسے مجبور تھا تا جگر تمام کا بدن مٹ پڑا تھا۔ رنگ باطل سفید ہو گیا خدا جیسے دفتر رفتہ کو اُس کا خون جو خستہ اور مجروحہ سدا رات کو بی اُس کے پاس سے نہیں ہٹتا۔ نہ بھل، نہ آبا جان نہ پیرو نہ پیرونے اُس کی دل جو بی کی سب سے زیادہ کو کشش کی تھی۔ عمر میں تمام اُس کی بیٹی گیتا کے برابر ہی ہو گئی اور پیروی کی کو کشش سے تمام کی آنکھیں بیچیں۔ صبح ہونے سے کچھ پہلے پر نہ اُسے اُٹھا کے اپنے سینے میں بچھن لیا تھا اور اُس کا بدن گدگد کرنے لگا تھا۔ تمام کی آنکھوں سے آتشبار ساہیہ نکلا۔ ایسے ملک ملک کے رشتی کو میں نے کسی کسی کو ایسے روتے نہیں دیکھا تھا۔ اُس کے ساتھ جیسے ہم سب کو رونا یاد آ گیا تھا۔

ہم شہر زاپل سے بھی آگے بڑھ آئے زاپل کی بستی میں داخل ہونے کے بجائے ہم دود ہی دود سے راستہ کاٹ کر نکل گئے راستے میں اور بھی کئی بستیاں پڑیں مگر میرے جی دود سے ان کے نشانات نظر آتے، ہم راستہ بدل دیتے۔ ہمارے کتا بھی پتھر کاٹنا پڑتا۔ "دی" ملے، دور، اپل، ستواں پگ وڈ اپل، گھاسیاں سلطان کو دفن کرنے کے جاولن بعد تک ہم روز رات کو چند گھنٹوں کے لیے غیر کے مسل چلتے۔ جب مانو کا گزرم سو گھر گیا تھا لیکن کھل کے بیریک متوجہ پڑھی جا رہی تھی۔ ہم امار کر کے آئے یا کہ بڑ بھانپتے اور میں دن دو بار اس کے پیروں پر پکڑنے لگی۔ وجہ سے سفر میں کچھ رکاوٹ نہیں پڑی۔ ہر سو کی شدت بھی ہر کچھ کو ہم جی تھی اور آگے راتنے اتنے جب وہ میں تھے ہر سو کی جہیز کی ہمارے عام راستوں سے ہٹ جانے کے سبب سے تھی۔ پانچ دن تک ققام ہمارے ساتھ ہی کھوئی کھوئی سی ساتھ چلتی رہی جب کہ آٹھ ماہی جب کہ بیٹھ جاتی جب نظر پڑتی اس کی آنکھیں جھلکتی ہوئی دکھائی دینیں سو بر کوئی اس کے چہرے کی طرف نگاہ کرنے سے پہلوتی کرتا تھا سو کم جتنی سے خوب واقف تھا اور ققام کو چونکہ ہندوستانی توئی چھوٹی ہی آتی تھی اس لیے شیئر اس کے قریب رہتا تھا، سامنے کی طرح اس کے ساتھ کھڑا۔ انا

جان بھی اُس کے ساتھ ساتھ لہتے تھے اور لیں بھی۔ ہم کچھ لمبے
تھے کہ اُسے کچھ دُور آگیا۔ اُسے مژدہ آگیا تھا کہ لیں یا تجویز
دن سہ پہر کے وقت ہم نے دو بلند جہازوں کے درمیان زمین
کا لبر کر لیا۔ اُن کا اُن کے چند قدم آگے آئے تھے کہ کشا مکر کا ایک
نہ جانے کیا ہوا، دو فائیں دیوانہ وار لیں کی طرف بھاگ۔ ملنے نے
اُس کا پیچھا کرنے کی کوشش کی مگر قبل ایک چند ہی قدم کا فاصلہ
تھا کہ شام ہزاروں فٹ نیچے گھاٹی میں بیتے ہوئے دریا میں کود گئی۔
مارتی بھی کرتے کرتے بجا جب تک ہم سب دو لیں پیچھے دیا کہ
تیز لبر اُسے بلکے لے گئیں۔ سب نیچے بھاگتے ہوئے چلے پڑے
اچانک کھسوت لپا اور ابھان سینے میں سر جھپکا کر بیٹھ گئے۔

کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ تاشم چلی گئی ہے۔ سب کی نظر اس طرح جھنک رہی تھیں کہ شاید ابھی وہ کسی جانب سے واپس آجائے گی۔ ہم بہت دیر تک وہیں بیٹھے رہے۔ پیچھے لگائی میں اتنا مشکل قرار نہ ہم اُسے نیچے ماکے دیکھتے۔ پیچھے ہلنے کا خوف ایک راستہ تھا کہ دریا میں چھلانگ لگا دی جائے۔ ہم ادا آگے بڑھ گئے مگر سب کے پرہیز کو جیسے رنگ سا لگ گیا تھا کرتے پڑنے، اندھلے رہنے، ہم پورا ایک جگہ اُسے ٹھکر گئے تاشم ابھی اُسی مٹی کی بنی ہوئی مٹی میں اس کی کراچی کسر کی بہت سی باتیں کرا سے ملتی جلتی تھیں۔ اُس کے لانے والے آجیچیں پشائی، اُس کے سکولے اور مرنے کا انداز۔ تاشم کو اگر کرا کی طرح کوئی امر ہوگا کہ سلطان واپس آجائے گا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتی، ماری نہ زد کرتی اُس کا انتظار کرتی رہتی لیکن اُس نے اپنی آنکھوں سے سلطان کو ہمیشہ کے لیے ہلنے ہوئے دکھا تھا۔ اُسے کرا جیسا کوئی امر نہیں رہا تھا۔ کرا کی طرح جھٹ ٹوٹ کا سی۔ ہم نے تاشم سے کرا کی بات کہنے کی کوشش نہیں کی تھی، جتنی بھی امتیاز تھا، ہمیں دیتے رہے تھے سب کا خیال تھا کہ انھوں نے روحی ہوئی تاشم کو مانا ہے۔ مجھے شبہ تھا کہ تاشم ایسے کیسے بل ہلے گی، ہمارے اُسے اپنی بہن بنالیا تھا اور کہا تھا کہ کرا کے ہوتے ہوئے اُسے کسی بات کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ اب آج اور پیراؤں سے بیٹی بیٹی نکارتے تھے۔ اگر وہ سلطان کے بدلے سے کچھ نہ کچھ مانگتی تو ہمیں کے پاس جو کچھ تھا، وہ اُس کے حوالے کر دے دیتے۔ مگر کیا اس طرح سلطان کی قیمت اور اہم جاتی قیمتیں تو ابھی ہمیں کی ہوئی ہیں جنھیں لوگ نیچے اُتر رہے تھے کے لیے آکادہ ہیں۔ تو صرف خریدار تھے، وہ کہ کے بدلے کُھکھ کا سودا کرنے کے خواہاں سب اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے۔ بے شک تاشم کو سلطان کی قیمت متعذر کرنے کا اختیار تھا مگر وہ اُس کی کیا قیمت لگاتی

چیز کی قیمت نہیں ہو کر اُن کی۔
 کورا سے بھی لوگ ایسا ہی کہتے تھے نہ زہر نہ بے بی کچے
 بنایا تھا بیلیر میں رانا صاحب کی پیش کش ارشد کا پیام اور
 نہ ملنے اتنے عرصے میں کس کس نے کورا کے لیے مولوی صاحب
 کے آگے خزانے بچائے ہوں گے اور صرف مولوی صاحب ہی
 جانتے ہوں گے کورا کو کھولنے سے قائل کرنا کتنا مشکل ہے۔
 لوگ کہتے ہیں وقت کے ساتھ بہت سی چیزیں بدل جاتی
 ہیں مادہیں بھٹ جاتی ہیں آدمی زندہ رہنے کے لیے کوئی
 نہ کوئی بلانہ ڈھونڈ لیتا ہے۔ کپڑا نہ ہو تو چلنے سے ستر لپٹ لیا
 ہے کھانا نہ ہو تو گھاس چوس کھاتا ہے۔ ہر چیز کا کوئی نہ کوئی
 بدل مل جاتا ہے۔ آدمی کا بدل جیل مل جاتا ہے۔ ایسا نہ ہو تو
 دُعا کی قسم ہر بات کو غریب کو نہیں ملتا۔ جن کا نصیب کالا
 ہوا نہیں ملتا مولوی صاحب نے کورا کے لیے کیا کچے نہیں
 کیا ہوگا۔ اُسے پٹھان کا کھانا، اس کے لیے انچا گھرا ملا پٹان بن چڑھ
 دیا۔ دیدار مانے اسے پھرتے ہے۔ انھوں نے کورا کا اپنی فہمت
 میں ہزار تسلیاں دی ہوں گی مگر یہ اُن کی تسلیاں نہیں تھیں جو کورا
 کی آنکھیں روشن تھیں۔ وہ اُن کی اپنی تسلی تھی۔ یہ اپنے آپ سے
 بھی تو کچھ سہی ہوگی اُن کا دل بھی اُس کے لیے کسا ہوگا اُس کا دل
 کسا ہوگا کہ میں اُسے کہاں کہاں ڈھونڈ لاہوں میری نظریں اسے
 اپنے بیان پر جھپٹی محسوس ہوتی ہیں گی کیونکہ اُن کی نظریں مجھ لیے
 اپنے ارادہ پر محسوس ہوتی تھیں۔

مردی صاحب اُسے جو کچھ بتایا ہو، امکان اسی بات کا
 زیادہ ہے کہ انھوں نے اُسے میرے مرکب جانے کا یقین دلانا
 چاہا ہوگا۔ وہ میرا سر چھوڑنے اُن کے خیال میں کورا اگر اسی صورت
 میں صبر کر سکتا ہے۔ انھیں نہیں معلوم تھا کہ کورا نے اُن کی بات کا
 بالکل یقین نہیں کیا ہے۔ وہ چپ ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ
 اُس کے دل میں انہیک کی ساری کونہیں مل گئی ہیں اس نے تو کورا کو چپ
 صاحب سے محبت نہیں کی ہوگی کہ وہ میں مانتی۔ پس وہ چپ
 ہو گئی ہوگی۔ اتنے عرصے کورا کے ساتھ رہنے کے باوجود مولوی
 صاحب کو پتہ نہیں چلا تو اور کتنے عرصے میں چلا۔ اگر وہ تھک
 جائیں گے اور ایک دن انھیں احساس ہوگا کہ انھوں نے میری
 طرف سے بے خبری برت کے کتنا برکایا ہے۔ میرے ذہن کو
 بار بار یہی بات آتی تھی درجہ پھر کا جو تھی کہ مولوی صاحب نے مجھ
 چلتے میری خبر نہیں لی۔ وہ ایسا کر سکتے تھے۔ میں مرنے کی گنج
 تقاریر کیا تھا تو انھیں محم الزم اس کی تصدیق ضرور کرنی چاہیے
 تھی۔ وہ میری طرف سے بالکل ناظرین ہوں گے۔ جہل نے ایک باب

انتارہ جھ سے کما تھا، لاڈ لے، ایک چڑ، مولوی صاحب ابھی تک ان بکشتوں سے خوف زدہ ہیں جو گزرا کی تلاش میں سالے ہندوستان میں منڈلا رہے ہیں۔ جو سکتا ہے جو ان بکشتوں سے ان کا کوئی واسطہ ہو اور انھیں شبہ ہو کہ جھ سے رابطہ قائم کرنے کے بعد کڑا حتیٰ مخوفات میں رہے گی مگر ان کے پاس ہے میں جھ کی بات سن کے خاموش ہو گیا تھا۔ بحث کرنے سے کیا حاصل تھا میں جانتا تھا کہ ایسا کرنے سے جھ کی مراد سمجھنا ہی تھا ایسا تھا تو جی مولوی صاحب اپنا بوجھ مٹانے کے لیے میری تلاش شروع کرتے۔ وہ جھ تلاش کرنا ہی نہ چاہتے تھے وہ کڑا کو اپنے پاس سے جڑا کرنا ہی نہ چاہتے ہوں گے۔ انھیں مشدہ ہو گا کہ کڑا پھر ان سے مل جائے گی اور یہ سب تو ان کے اپنے اند کی باتیں تھیں کڑا سے انھوں نے کیا کہا ہو گا۔ میرے ذہن کے کیا تاویل دی ہوگی جو کچھ بھی دی ہوگی۔ یہ مولوی صاحب کی بھول تھی کڑا کو اپنے لیے جو کما ہے کڑا نے اسے بھول کر لیا ہے۔ کڑا اپنی تاویل سے قائم تھی۔ اپنے دل کی تاویل سے۔ اور تائید! وہ اس تاویل پر بھر دیا کرتی۔ اس کے سامنے کوئی پردہ نہیں پڑا تھا۔ وہ خود کو کیا باد کرتی!۔

جھ بھی راستوں میں ہندوستان میں داخل ہونا تھا میں ہم میان آئے تھے۔ سرمدی جو کہیں اور بیسیوں سے گزرنے نہیں ادب کے میں زیادہ احتیاط کرنی تھی کہ ہمارے پاس دنیا کا بیش قیمت سامان تھا۔ زرد جواہر، نعل و قوت، ہزاروں سال پہلے کے برتنوں اور زوڑوں سے بھرے ہوئے صندوق۔ آدھے سے زیادہ راستہ ہم نے کسی طرح طے کر لیا تھا۔ بیرون میں ہندوستان کی مرمرے اور قریب کر دیتا تھا۔ کوئی بیسیوں اکتیوں دن پہلے بار ایک ہزار فاذ ہمیں ہندوستان کی سمت سے آتا نظر آیا۔ ہم آگے بڑھنے کے بجائے پھر گئے اور فاذ کے کچھ قریب ہونے کا اختلاف کرنے لگے مگر وہ سب بکشتو تھے چارپے مخصوص لباس کے باعث وہ دے سے پہچانے جاتے تھے۔ فیصلے کو کوئی بات نہیں تھی لیکن ہمارے ہمارے مانگ قبیلے کے چار آدمی اور ایک تہیجی تھی ایک ایک آدمی کو حکم مڈلی پر ہمارے گوئی مار دی تھی۔ فاذ کے کراپن طرف مڑتے کرتے کے لیے وہ خود چا سکتے تھے زور، مارا اور توکل نے انھیں اس کے سامنے ہی نہیں ہونے دیا۔ وہ تینوں فرزا انھیں دودلے گئے۔ آبا جان کی وجہ سے فاذ کے بکشتو کچھ دیر کے لیے رگ گئے۔ آبا جان اور ان کے درمیان چند جملوں کا تبادلہ ہوا۔ انھوں نے ہماری تیرت جی پوچی اور سکرانے ہونے آگے بڑھ

اوپر ہاؤل کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا مگر مڑی ہیں تیز کی ہو رہی تھی۔ دن میں ہم اپنے آؤ کوٹ اتار دیتے تھے۔ سرمدی کا موسم بھی بدل گیا تھا۔ راستے میں باری باری سہی جبار پڑے تھے۔ سہی کے دن کی کھال جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی۔ منہ کھولتے ہوئے ہونٹ دکھتے تھے، رات کرینے کو رگڑتے گلیں۔ آبا جان بہت کم کسی سے بولتے تھے، جھ سے بھی نہیں۔ تقریباً سہی کے منہ سے ہونے تھے ہمارے ساتھ اب کوئی دیر نہیں تھا صرف ایک اندازہ تھا کہ ہم سرمد کے قریب ہو رہے ہیں۔ سرمد اب آیا ہی چاہتی ہے، ایک ہفتہ گزر گیا کہیں بھی مڑی بستیوں کے آثار نظر نہیں آئے۔ اس وقت میں راستہ جھک جاتے کا شبہ ہوا۔ اب ہم بستیوں کا کٹ کٹ سے گزر رہے تھے مگر اب میں خود ان کی تلاش تھی۔ آؤ جانے سے ہم چاروں طرف نظریں دوڑاتے رہتے کہیں انسانی زندگی کے نشانات دکھائی نہ مائیں۔ کسی دن تک ہم اسی جگہ دوڑیں رہے۔ اس عرصے میں کسی بھی فاذ سے ہمارا آتنا سامنا نہیں ہوا۔ فیصلہ ہم کسی ویران جگہ آ گئے تھے۔ میان ہر جوی برائے نام تھا اور آگے دوڑ سب مڑا چیل ہاؤل کا سلسلہ پھیلا پڑا تھا۔ جن پر کہیں کہیں ہونٹ پڑی ہوئی تھی۔ اگر سرمد اتنی ہی دور تھی تو میں قبیلے کے آدمیوں اور قتل کر گھاٹی میں نہیں آنا چاہیے تھا تاہم انھیں نے ہی ہمارا رخ کسی دوسرے راستے کی طرف مڑ دیا تھا لیکن سمت کی پہچان مشکل نہیں تھی۔ آبا جان کے پاس قطب نما کی ایک جھوٹی ڈبیا تھی۔ سورج سے بھی سمت کا اندازہ لگا یا سکتا تھا۔ ہم نے اپنے اندازے کے مطابق جنوب کی سمت سفر جاری رکھا اور زمین جیسے ہمارے چوڑوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتی گئی۔ ہر پڑا ہی ہاؤل، میدانوں کو دیکھتے ہوئے چلے گزر گئے تھے۔ سب کی رفتار تیزی ہندوستان کی سرمد نزدیک آنے کے خیال سے سہی کے قدم آدھے تھے لیکن ایسا لگتا تھا کہ ہاؤل بھی ختم نہیں ہوں گے، ساری زندگی ہم انھی کے گرد گھومتے رہیں گے۔ سامنے جب کوئی ایسا ہاؤل دوار بنا کر نظر آتا تو جی چاہتا، برے سے اس میں سوراخ کر دیں ایک مختصر فاصلے پر گئے کے لیے ایک ہاؤل کے کچر کاٹنے پڑتے تھے، تب کہیں وہ سامنے سے ہٹتا تھا مگر اس کے ہٹتے ہی دوسرے سامنے آ جاتا تھا۔ جنت کی پہلی سرمدی جو کہ کا نام ساما تھا اور اس کے پاس بہت سی چھوٹی بڑی بستیوں کا بلو تھیں۔ ساما یا کسی دوسری بستی کی فود وود تک کوئی علامت موجود نہیں تھی۔ قبیلے کے گورن کو دیا ہوئے دس دس سے زیادہ ہونٹے تھے ہم چلتے رہے۔ چلتے ہی کی صورت میں کوئی بستی ملنے کا

امکان تھا اور آخر کیا رکھیں روز بلندی سے مشرقی نشیب میں واقع ایک چھوٹی بستی ہم نے ڈھونڈ لی کسی سیاح کو دنیا کا کوئی نیا فذ دریافت کرنے کی اتنی خوشی اور حیرت نہیں ہوتی ہوگی جتنی ہمیں گنتی کے چند مکانات پر مشتمل وہ بستی دیکھ کر ہوئی۔ سب لوگ آگے جا کے تک گئے اور مولک اپر ہندوستان پہنچ گئے ہونے لگی کی جانب بڑھے۔ سب تک وہ نہیں گئے ہم ان کا بے مہینے سے انتظار کرتے رہے اور جب وہ گئے تو ایکے میں تھے ان کے ہمراہ یاروں کے ساتھ چار آدمی بھی تھے۔ یقیناً وہ قتل ہی ہو سکتے تھے اور مدخلی ہی تھے۔ انھی کے ذیلے میں معلوم ہوا کہ ہم آسمان کی طرف جانے کے بجائے جنوب مغرب میں جھوٹان کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جھوٹان کا سارا علاقہ عبور کر کے ہی ہندوستان میں داخل ہوا جاسکتا تھا۔ وہ جھکیں اور وہاں کے لوگ ہمارے دیکھنے بجھنے نہیں تھے۔ جھوٹان زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا لیکن ہم نے قلیوں کو آسمان کی سرمد کی جانب چلنے کو کہا۔ انھیں ایک برے معاوضے کی پیش کش کی گئی تھی اور کچھ رقم پیش کی گئی تھی۔ ساتھ ہی ان سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اگر وہ ساما کی سرمدی جو کہ تک ہمارے ساتھ چلیں گے تو ہم اپنا جوا تجارتی سامان اور چند پاک بھی ان کے حوالے کر دیں گے۔ وہ آنا کی گز رہے تھے لیکن آبا جان کا اصرار کارگر ثابت ہوا، وہ مان گئے۔ آئندہ ایک ہفتے کی مسافت سے، میں اندازہ ہوا کہ ہم کتنے مختلف راستے پڑا اپنی منزل سے کتنی دور چلے گئے تھے۔

کے بغیر تلی ہوئی مشکل سے ہیں تبت میں دفن کرانے کے لیے
خیا رہوئے تھے۔ ہم نے انھیں ایک بڑی رقم کی پریش کشی کی
اور اپنے نام کے تمام ایک اور ایک بندوق بھی ان کے حوالے
کر دیئے کا وعدہ کیا۔ پچھلے تجربے کے مطابق میں اندازہ تھا کہ ان
کا انکار ہماری طرف سے محض رقم میں مزید اضافے کے لیے ہے۔
وہ انکار کرتے رہے اور جب انھیں یہ یقین ہو گیا کہ اب ہم ان
سے زیادہ نہیں پڑھیں گے تو وہ چپ ہو گئے۔

ہم سامانیں گئے بلکہ پچھلے ٹوٹ کے ایک جانب
پھاڑوں پر چڑھنے لگے۔ ایک دن دو دن تین دن پورے پانچ
دن بعد ہمارے دنگ گاتے قدم ہندوستان کی زمین چھو رہے تھے۔
ہم ہندوستان کی پہلی سرحدی چوکی والنگ کے اطراف گھومتے
ہوئے اس سے کچھ آگے ساتی نامی ایک نصیب کے گرد و نواح
میں آگئے تھے۔ ساتی سے ہم پہلے چوکی گور چکے تھے۔ یہاں دوسری
شہریت کے لوگ رہتے تھے۔ بجز وقتی تبتی، بجز وقتی ہندوستانی
ہم ساتی کی بستی میں بھی نہیں گئے۔ تلبوں نے ہمیں وہیں چھوڑ
کے واپس جانا چاہا تھا۔ ہم نے انھیں کسی دیکسی طرح اور آگے
چلنے پر آمادہ کر لیا اور دو دن کی مزید مسافت کے بعد وہیں نصیب
من زانگ کے علاقے میں لے آئے۔ ہمیں یاد تھا کہ من زانگ سے
دوسری منزل تقریباً چار میل کے برابر ہے اور
ان آٹھ میلوں میں پڑے پاتھ کے دریا گھاٹیاں اور بچی چوٹیاں
کیڑے کوڑے جنگلات اور دو دن کی کثرت ہے۔ چن دینی سے
ہیں جمیں مل سکتی تھیں۔ تلی من زانگ سے آگے بڑھنے پر قطعاً
تیار نہیں تھے لیکن ان کے بعد بار بار داری کے لیے غزوں اور سننے
تلبوں کی تلاش میں ہمیں مجبوراً نصیب من زانگ میں داخل ہونا
پڑنا۔ غزوں اور یاگوں کے بغیر آٹھ میل کا یہ دشوار گزار راستہ طے
کرنا ہمارے لیے نامکن تھا۔ تلی ہماری مکروری سے خوب
دانت تھے۔ سامان تو ہم کسی طرح اپنے کدھوں پر آٹھ لینے لگے
تھیل کے لیے ہیر کی سوجن کی وجہ سے زیادہ دقت مٹانا نقصان دہ
ثابت ہوتا۔ وعدے کے مطابق میں اپنے تمام ایک ان کے
وضعت ہونے پر ان کے حوالے کر دینے تھے۔ ہمارا کوئی نقصان
آ رہا تھا۔ یہ فرض لے اٹھے رکھا اور پھولن داریاں کدھیں چھینے
باقی ہندو قین گرم کر کے اور مزید نقدی کے معاوضے پر انھیں
ہوا کر لیا۔ تلبوں کو بھی واپس جانے کی جلدی تھی۔ انھوں نے
میں ایک ہی دن میں من زانگ سے چن وقتی پہنچا دیا جس وقت
ہم چن وقتی کی سرزمین میں داخل ہوئے سورج چمک رہا تھا۔
کتنی سی ہوا چل رہی تھی۔ مٹی مٹی مٹی سی ہوا ہم چھپا پٹے جاتے

تھے۔ ہمارے سامنے کچھ نالے پر کھڑی اور پانی کے مکانات کے
مجھڑے عزم ان سے دھڑ رہے۔
سب کے پر جیسے زمین پر نہیں پڑے تھے۔ اور انے
تلبوں کو اپنی کھڑی بھی سے دی۔ مری سے مدد ہم کو بھی تھی نہیں
جینی چیزوں کا ان سے وعدہ کیا تھا، اس سے بڑھ کر جو کچھ ہمارے
پاس نہ تھا، سب ان کے سپرد کر دیا۔ میں بھی نہیں اپنا سامان
کم کرنا تھا۔ تلبوں کے جانے کے بعد اور مریوں کی تلاش میں
نکلنے سے پہلے ہم نے اپنے لیے ٹھیک کیے سب سے شویا،
ایک دوسرے کے بالوں کی ٹیسی تبتی سے تراشیں اور سننے کڑے
بل لیے۔ آبا جان نے بھی اپنا جھکڑوں کا لباس آٹا دیا ان کے
پاس کوئی اور لباس نہیں تھا۔ پر گزرا، چاہا اور صدی ہوں کے
انھوں نے آپرے سے بندھی پکنی لی۔ نرین نے یہ مالے کڑے
پلنے ہاتھوں سے سے تھے۔ سورج دھبے وقت جمیں ملنا ممکن
نہیں تھا اس لیے ہم نے سورم اور ہمارا کھولے جلد آگے راز
کر لیا اور خود اپنے سر میں پر صندوق کا بوجھ اٹھائے چن وقتی کی
بستی کی طرف بڑھنے لگے۔ مجھے یقین تھا کہ میری طرح سبھی کے دل
دھڑک رہے ہوں گے۔ ابھی ہم بستی کے کنارے پہنچے کہ سورم اور
ہمارا واپس مٹے دکھائی دیے۔ ان کے ساتھ چھوڑا دیا تھا۔ کچھ
پوچھنا بیکار تھا۔ انھیں جمیں میں مل سکی ہوں گی۔ ہم نے سامان
غزوں پر لا دیا۔ چن وقتی سے آگلا نصیب دارا سات میل کی دوری
پر تھا۔ مگر وہاں پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو گیا۔ تلی اندھیرے کے باوجود
میں بستی تک پہنچانے کے لیے تیار تھے لیکن بڑھنے انھیں لوگ
دیا۔ اسے دھن کا ایک مندر نظر آ گیا تھا۔ بستی میں جانے سے بہتر
تھا کہ رات ہم مندر کی عمارت میں گزار دیں۔ پھر تلی بھی ہمارے ساتھ
تھیر گئے۔ ابھی چھ پدی طرح نور نہیں ہوئی تھی کہ ہمارا اور سورم
کسی سے کچھ کے بغیر جمیں میں تلاش میں نکل گئے۔ واپس
آئے تو ان کے ساتھ دو جمیں تھیں۔ لہذا اسے نصیب ہو جی ماجر مارا،
تھوڑا مال پانگ چھوٹا انگ۔ تین دن بعد کسی غزوں کہیں
جمیں کے ذریعہ شب روز سفر کرتے ہوئے نصیب دی ہی میں
آگے ہم نے دم ایک گھوڑے دم لینے کی مدد کی۔ ہمیں معلوم تھا کہ
دری ای میں ہندوستان کے پولی ایکل اینٹن ڈیل نہیں انسر
اور ٹیڈ اینٹن کے دفاتر موجود ہیں اور پولیس اسٹیشن بھی مندرجہ
میں ہے۔ ہمارے سامان کی دوسرے ہمیں خود کر چھپانے رکھنا
پڑا تھا۔ زیادہ احتیاط ہم بھی اندیشہ تھے، کوئی بھی ٹھیک کر سکتا
تھا۔ چن وقتی سے جتنے قتل اور ڈراہٹوں میں ملے، ہم نے انھیں ہی
تیا کہ ہم انھی جمیں کے اطراف ہلاکت کی طرف سے گھوم رہے

تھے۔ اب واپس اپنے گھروں کو جاکے ہیں اور ہم دو قافلے ہیں
جرمن دتی میں اتفاق سے ایک دوسرے کے مل گئے تھے۔ ہم نے
اپنے چھوٹے لباس اور انداز سے طویل سفر کے ثابت ثنائیت
کی ہر گھنٹہ کشش کی تھی۔ ہر سال انھیں ہم پر شک نہیں ہوا۔ ہم
پڑ نہ ہمارے سامان پر اور جیسے جیسے ہم پہاڑی علاقوں سے میدانی
علاقوں کی طرف بڑھتے گئے، ہمارے اندیشے بھی کم ہوتے گئے۔ لیکن
کسی قدر اطمینان سب کو اسی وقت حاصل ہوا جب ہم نے تن کیا
رہوے اسٹیشن پر کھلتے جانے کے لیے ریل گاڑی میں قدم رکھے۔

ساری ہندو تین تلی لے گئے تھے۔ تبتی جا تو اہلیہ ہماری
میر میں موجود تھی۔ چینگ پورس والوں اور مسافروں کی نظروں
سے بچنے کے لیے ہم نے فرسٹ کلاس کے کھٹ لیے تھے۔ مالاک
ہمارے کڑے فرسٹ کلاس مسافروں جیسے نہیں تھے۔ کاش میں کسی
تھا کہ پانچ صندوق سوٹ کیسوں سے بھلے اور سننے کڑے بڑے
کا وقت مل جاتا مگر کسی جگہ زیادہ دیر تک ٹھہرنا ہمارے لیے مناسب
ہی نہیں تھا۔ جلد سے جلد مردے دور انسانوں کی جو بستی میں ہم
جانا ہی قریبی مصلحت تھا کہ رستہ درق میں وہ سامان نہ ہوتا
جواب موجود تھا تو ہمیں قدم قدم پر یہ اختیار کرنے کی
ضرورت نہیں تھی۔ ایک دن میں بیٹھے کے بجائے ہم دو
دووں میں منتقل ہو گئے تھے۔ ٹھیل اباجان میں ہلا کر مارنی اور لائے
ایک ڈپٹے میں دوسرے میں پیر، جامو، پٹو، سولم زور اور میٹھی
گک جگک چھپنے ہو رہے تھے۔ مجھ بیٹھے بعد ریل گاڑیاں اسٹیشن
بجلی تو تھر تھر کٹ، طرح طرح کے لوگ بھاگتے پھرتے جاتے
ہوئے آدمی ہر ساری نظروں کے سامنے تھے۔ ہر طرف ٹھہری شہر۔
نصیب دی ای میں بہت دنوں بعد ہم نے ہندوستانی طرز کا کھانا
کھا یا تو مریوں سے مندر مل گیا۔ دو دنوں کو تھکی ہوئی جانے کا
ذائقہ بھی سٹھا سٹھا سا تھا۔ سب کچھ بلا بلا، نیا نیا سا جیسے ہم
کسی نئی دنیا میں آگئے ہوں یا ہم نے دوسرا جنم یا ہوئے لے اپنے
ہر طرف چنگے سے آگے عموں پر رہے تھے اور ایسا لگتا تھا
جیسے میں سیدھا کارا کے پاس جا رہا ہوں۔ میری انگلیاں بے اختیار
گوں میں پڑی تھیں کی دی ہوئی مالاک کے دلے ٹھوٹتی تھیں اور ہر
لے مجھے لگان ہوتا تھا کہ میری مالاکھو گئی ہے اس کی کوئی ایک
ایسی چیز تو میرے پاس موجود تھی جیسے میں چھو سکتا تھا۔ جب بھی
مالاک کے دالوں سے میری انگلیاں ٹس جوتیں لگتا جیسے اس کے
ہاتھ میرے ہاتھوں میں ہیں اور وہ میرے سینے سے لگی ہے۔ مجھے
لوگ رہی ہے۔ شوکے مار رہی ہے میں سو گیا ہوں تو مجھے جگا

رہی ہے، وہ میرے سامنے کھڑی ہے جس میں اسے دیکھ نہیں سکتا
لیکن میں اسے چھو سکتا ہوں۔ میں اندھا بے خواب ہی دیکھتا رہتا تھا۔
ہر لمحہ میں کھٹے سے قریب کر رہا تھا میری لہر برکتی لگتی رہی
بڑا گاڑی کسی کڑے اسٹیشن پر ٹھہرتی تو کسی وہ دوسرے ڈپٹے
سے ہمیں پوچھتے آ جاتے کہ میں نامی ہلا کر مارنے ان کے
پاس چلے جاتے۔ مارنے کو کھٹکے پینے کی سب سے زیادہ بے کلی
تھی۔ کتنا تھا جب ہم اپنا ایک اڈے سے پہنچیں گے تو کتنے اور کتن
خاں حیران رہ جائیں گے۔ سامنے دن ہو گئے تھے، آدھارے پر
وہ سب ڈپٹے کیا کچھ ہے جس کے کہ ہم بھی ٹوٹ کے آئیں گے
بھی جائیں۔ ٹھیل کسی کو نہیں بتایا تھا کہ اس کا اڑدہ کس طرف
جانے کا ہے مگر اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ واپس آنا نہ آنا
اتفاق ہے، ایک ماہرہ انھیں معلوم تھا کہ اس نے بارہ آدمی ان
لوگوں میں سے منتخب کیے تھے جن کے گنگے پچھلے کوئی نہ جہہ جن
کے پر بندے ہونے نہ ہیں۔ انھیں اور ہندو کی مشین ہمارے
سے پہلے ٹھیل کا دن دن ہمارے سے باہر بنا، انھیں یہ سب
بائیں یاد آتی ہوں گی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان کی پریشانی
بھی بڑھتی رہی ہوگی۔ سب ایک دوسرے کا منتھتے ہیں گے
کہ ہماری کوئی خبر نہ ملے گی۔ میں زمین کھا گئی یا آسمان نکل گیا؟
کاتنے کے نام زبوں کے لفظ میں کوئی تبتی میں ایک دو لفظ غلط
آتے ہیں گے۔ کاتنے لائے بد سے جواب دیتا ہوگا۔ یہی ہے
جرلین اور چپا کے غلط بھی اس کے نام آتے ہوں گے۔ ہر کتا ہے
وہ جریں اس کی ماں اور چپا بگم کو فیض آباد ہی لے آیا ہوگا۔ کتا
تھا کہ استاد ناراض ہیں گے مگر ایک بار جب مولین فیض آباد آ
ہی جانے کی تو استاد اسے بیٹی واپس نہیں بھیج دیں گے۔ مگر کاتنے
واقعہ اسے فیض آباد لے آیا ہے تو حریف میں ہر وقت ایک ہنگامہ
رہتا ہوگا۔ میری لہر زور و سلا جوتیاں اڑتے قائم نیاں جہاں گہرو
روز ڈاکے کا انتظار ہوتا ہوگا۔ نیاں ہانچوں وقت مصلے پھرتی
وہاں رتی ہوگی ابھی، باہر صحتی کو سلامت رکھنا، انھیں کاپا د
کاران لڑانا۔ اس عرصے میں میاں اور برسی ہوگئی ہوگی۔ جہاں یہ
نے بھی میٹرک کا امتحان پاس کر لیا ہوگا۔ نہ ملنے کیا کیا بدل گیا ہوگا۔
میریل فیض آباد میں رہ سکے جائیں، راپر میٹرک مانے کا سوال ہی
نہیں پیدا ہوتا تھا لیکن اگر رانا متاب کے آدمیوں کو ان کو کوئی پتہ
نہ گیا ہو تو میرے داغ میں سب کی تنگیوں گڈ ہو رہی ہیں۔ میں
نہیں بند ہونے لگا، ابھی جیسے اس کے سارے دروازے کھل جاتے
اور دھنسی سی ہر ماتی۔
گاڑی تیز رفتاری سے جنگل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ہماری

بنی نشستوں پر بے کسین گم تھے۔ جھل کو بجلی برقعہ پہن لیا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں شعلت کچھ زیادہ ہی تھی۔ چہرے سے اس کا افسانہ نہیں ہوتا تھا۔ اس کی خاموشی بتا رہی تھی کہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ جس نے اس کے پر اپنے زلوٹوں پر دکھ لیے تھے۔ میرے متبادل ابابا جان کھڑکی کی طرف منہ کیے گھومتی ہوئی زمین دیکھ رہے تھے کہ روٹے کی دلدل سے کئی انھیں غالی غالی پوچھتے ہیں۔ معلم نہیں کہاں کھوئے ہوئے تھے، جنت میں ہیں نہیں مینس ملاخدا میرا خیال تھا گاڑی میں بیٹھے اپنے پاس بلاکے مزدور ہیں گے کہ تو اتنے دن کہاں رہا ہے لوگ کون ہیں۔ ان لوگوں کے ہاتھ میں انھوں نے کوئی رائے فروغ قائم کی ہوگی۔ اتنے دن ساتھ رہنے کے بعد کوئی بات ان سے دخل بھی نہیں رہی ہوگی مگر انھوں نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا۔ سوائے مفر کے دوران انھوں نے مجھ سے بہت کم بات کی تھی۔ اس لیے دیکھتے تھے۔ ہمارے دل میں آیا، ان سے پوچھوں وہ فریال فرخ، فارہ میرا اندر کر کس کے پاس چھوڑے گئے ہیں لیکن ڈنگل تھا۔ وہ ملنے کون سا جواب سننے کوئے ان کے پاس جاتے کہ کچھ روز پور شاہی بھل نہ آئے۔ کچھ لیا چاہا۔ وہ دونوں آپس میں کسی بھی چپکے چپکے باتیں کرتے بیٹھے تھے۔ ممکن ہے بھل نہ انھیں بتایا ہو کہ ان کی خواہش کے مطابق میں نے اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا تھا۔ وہ بھی جانتے تھے کہ میں بہت پڑھوں کھوں اور بڑا افسر بن جاؤں۔ شاید بھل نے ان سے نہیں کہا کہ میں نے قتل کے جرم میں سات سال جیل کی سزا کھائی ہے۔ مجھے بہت اچھا لگا ملا تھا۔ آج اس لیے مجھ کو بھی لگتی ہے جتنی جلتی تھے انھوں نے خود ہی دیکھ لیا ہوگا۔

مجھے احساس ہوتا تھا، میں نے وہ اپنی جھگڑائی و ج سے بھی سے تو قتل کرتے ہیں کہ میں ان سے کئی فریال فرخ، فارہ میرا اندر کر کے بارے میں پوچھوں گا۔ لیکن ہے سوچتے ہیں کیا جاننا ہے۔ چھاپی ہوئی ادھ جاننے کے نام بھی یاد نہیں ہے۔ جہاں ان سے کیا کہنا، اگر اس نے کئی کو جھوکی نظروں کے درمیان بٹھا دیکھا ہوتا تو کسی ادا کے ہاتھ میں پوچھتے ہوئے اس کی جہت یوں جواب دینے جاتی۔ غالباً ہم دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں خود ہی جواب نظر آتے رہیں تو ٹھیک ہے۔ میں نے بھل سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی کہ وہ کتنے باکے ٹھیکہ مالے یا بیرونی فاضل آباد جانے کا ارادہ ہے۔ جہاں جہاں میرے۔ ابابا جان آئے دیکھنے کے لیے ہے۔ میں جہاں کے ایک وقت بعد وہ ان کے سامنے آئے کہ ان کا کیا حال ہوگا اور جہاں بھی کہیں میں رہ جائے گا۔ ہو سکتا ہے بھل

نے ان سے کہا ہو کہ دو چار دن کھتے میں ٹھیک کے چھریں آباد نہیں گے۔ سوال ابابا جان کو معلوم ہوگا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور ان کے ذہن میں آگے کے بھی خاکے ہوں گے۔ وہ فیض آباد میں رہیں گے یا کہیں اور۔ ابابا جان کا پناہ کوئی گھر نہیں ہے۔ فارہ میرا اب وہ گیا تو نہیں جائیں گے اور انہیں انھیں کہیں ملنے کے گی۔ جہاں میں جا کے ابابا جان سب سے زیادہ اسی کو پسند کریں گے۔ وہ ان کا اسی طرح خیال رکھے گی جس طرح بھل کا۔ شاید وہ دوسروں کا خیال رکھنے ہی کے لیے پیدا ہوئی تھی۔ فنی کی بہت سی خصوصیات اس میں موجود تھیں۔ ابابا جان نے فنی کو کھو دیا مگر انہیں سے مل کے بڑی مدد تک فنی کا ازالہ ہر ماہ گامیہ سب میرے اپنے ذہن کے خیال تھے۔ میں ابابا جان کے دل میں چھپا نہیں بیٹھا تھا۔ فریال میں انھوں نے بہت سے خواب دیکھے ہوں گے۔ ابابا جان کی فیکٹری کا وقت آیا ہوگا۔ اتنی بڑی دولت سے وہ کیا کیا خریدیں گے۔ عمارتیں، گاڑیاں، کوئی ریاست۔ ان چھوٹوں سے وہ اپنے خرابوں کی کسی کسی تعبیر کر رہا ہے۔ ان کا شمار دنیا کے مال دار ترین لوگوں میں ہونا چاہیے۔ اب فریال نے ان کے ساتھ تھا اور وہ فریال کے ساتھ۔

بھل انھیں سوئے لیا تھا۔ ساری رات گزرتی۔ ابابا جان تھوڑی دیر کے لیے لیٹے پھر اٹھ کے بیٹھ گئے وہ کھڑکی کے کسی نظر اٹھا کے میری طرف دیکھ لیتے۔ رات کو انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں جی لیٹ جاتا ہوں مگر مجھے نیند نہیں آتی۔ ابابا جان میں رات بھر بیٹھا رہا۔ میرے سوئے گاڑی کو کوچ بارے ایک میل تک آتی ہوگی کہ کیا ایک رگ گئی۔ ہم نے دروازہ کھول کے دیکھا۔ گاڑی دونوں طرف سے پولیس نے گھیر لی تھی۔ ابی گاڑی ٹھیک سے چند لمحوں میں گزرتی ہوئی گئی۔ ایک پولیس افسر دو سپاہیوں کے ساتھ ہمارے ڈبے میں داخل ہوا۔ پہلے اس نے انگریزی میں ڈل انڈازی کی معافی چاہی لیکن دوسرے ہی لمحوں میں اس نے ہماری صورتوں میں دیکھیں صورتیں کیا لباس دیکھے تو ناک بھول چڑھا کے بولا۔ تم لوگوں کے پاس فرسٹ کلاس کا ٹکٹ ہے؟ اس نے انگریزی میں کہا۔ اس کی نگاہیں ہمارے چہروں اور سامان پر چلی رہی تھیں۔ اسے یقین نہیں تھا کہ ہمارے پاس فرسٹ کلاس کا ٹکٹ ہوگا۔

بابر کیا گٹ پٹ کرتا ہے لے؟ بھل نے بڑھل آواز میں مجھ سے پوچھا۔
"ٹکٹ کو پوچھ رہے ہیں۔ میں نے ترشی سے جواب دیا۔
مجھے پولیس افسر کے بے پیرغہ دار ہاتھ اس کی نظروں میں خفا تھی۔ جہاں سے پاس ٹکٹ ہیں۔ میں نے اسے انگریزی میں کہا۔

مجھے انگریزی میں بات کرنے دیکھ کے وہ چونکا ہوا اور بھل کے بولا۔ دکھاؤ اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا تھا۔
میں نے سوجھا، کمون دیکھتے ہیں مگر پہلے بات کرنے کی ضرورت ہے۔ میں چپ رہا۔ بھل نے اپنی جیب سے ٹکٹ نکال لیا۔
تھے۔ دکھائے بابو صاحب کو۔
میرے ہاتھ سے ٹکٹ لینے کے باوجود اس کا ٹکٹ نہ میں ہوا۔ ٹکٹ پلٹ کے کسی ٹکٹ کو دیکھنا کسی میں کبھی سامان کو دیکھ کر ہلکا ہو جاتی ہیں۔ میں نے کہا۔

آپ لوگ کہاں سے آ رہے ہیں۔
"ٹکٹ میں لکھا ہے۔ میں نے فنی سے کہا۔
"جوں اور سر ملانے لگا اور کچھ توقف کے بعد جیسے آج میں بولا۔ آپ لوگ کیا کرتے ہیں؟"

یہ ایک ٹکٹ کے ساتھ یہ سب بتانا بھی ضروری ہے۔
"میں۔ انجانی بھل کے۔ اس کے لیے میں فنی آتی تھی۔ فنی اس لیے آتی تھی جب میں نے اسے انگریزی میں پوچھا تھا۔ بھل نے مجھے اشارہ کر دیا تھا۔ وہ میں اس سے چند لمحوں فریال پوچھا۔ بھل کا خیال ہوگا کہ وہ پولیس افسر ہے۔ ہمارے سامان پر بھی ٹکٹ کا خبر کر سکتا ہے کسی وقت بھی کوئی حکم صادر ہو سکتا ہے اور ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ساری گاڑی پولیس والوں نے گھیر رکھی ہے۔ ڈبے میں موجود اس کے ساتھ آئے ڈالے دونوں سپاہیوں کی نظریں صندوقوں پر جمی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے افسر کو فنی اشارہ کرتے افسر نے مجھے وضاحت کی اور کتنے لگا گاڑیوں کی یہ چیلنگ سامانوں کے فائدے کے لیے ہے۔ میں نے اپنے لفظ منہ ہی میں دبانے لکھے وہ پولیس چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد گاڑی روانہ ہو گئی۔

میں نے مزے دیکھا۔ ابابا جان کے ہونٹ لڑ رہے تھے مجھے احساس ہی نہیں رہا تھا کہ ابابا جان بھی ڈبے میں بیٹھے ہیں اور وہ انگریزی بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ خود بولنے کے بجائے مجھے ان کے پولیس افسر سے بات کرنے کا انتظار کرنا چاہیے تھا۔ پولیس افسر کسی طرح واپس چلا گیا تھا اور گاڑی بھی روانہ ہو گئی تھی لیکن جاتے وقت اس کی انھوں سے سات ظاہر تھا کہ وہ ٹکٹ سے فریال منٹن ہو گیا ہے۔ ہم سے نہیں وہ اپنا اطمینان کرنے چھوڑا۔ اس کا تھا باگاڑی کے ساتھ چلنے والی پولیس کو چھوڑ کر سکتا تھا کہ وہ ہم پر ننگا ہو کر کھینچے۔ اس سے اتنی دقت سے بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ مبادا وہ ناراض ہو جائے پھر سب فاک ہو جائے اسے جو مجھے پچھتاوا ہوتا رہا۔ ہر جہاں میں نے کوئی

فطرت نہیں کسی تھی لیکن مادی کے بقول افسر ترافٹری ہوتا ہے۔ تیار اسے مجھے بے پنی رہی۔ جہاں گاڑی کھتی میں جسے پہلے باہر بھاگ کے دیکھ لیا کہ پولیس نے گاڑی کے گرد دوایا تو گھبراہٹ میں ڈال دیا۔ مجھے بے خزانے کی فکر نہیں تھی۔ اس کا مجھے کیا کرنا تھا مگر جہاں تک ابابا جان کھتے ہیں۔ مخالفت اتنے دنوں تک ہنسیا دینا تھا۔ شام ہو رہی تھی۔ گاڑی تیزی سے کھٹنے کے نزدیک ہوئی تھی۔ پھر کوئی نہیں آتا۔ میں سوچ رہا تھا اگر بھل نے ابابا جان کو میرے ہاتھ میں کچھ نہیں بتایا ہے تو میرا دل انگریزی بولنے پر انھیں ضرور حیرت ہوئی ہوگی۔

ابھی کھٹنے آنے میں درمیان کے دو ایک اسٹیشن باقی تھے کہ بھل نے فریال، زور، مادی اور ابابا جان کو ایک ڈبے میں کر دیا اور خود دوسرے ڈبے میں چلا آیا۔ میں بھی اس کے ساتھ ایک ڈبے میں وہ سب صندوق بھی اسی ڈبے میں منتقل کر دیے تھے جس میں ابابا جان تھے اور اپنے ساتھ صرف وہ سامان رکھا تھا جس میں خزانہ میں تھا۔ یہ افسانہ سب کی سمجھ میں آتی تھی اس لیے کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ بھل چھ بیٹھے بعد کھٹنے واپس چلا گیا تھا۔ سامان مختلف ہوتا تو بات اور تھی۔ ہمارے پیچھے کھٹنے میں بہت کچھ بدلا ہوا ہو سکتا تھا۔ فریال، زور اور مادی کا تعلق بیٹنی کے پاؤں سے تھا۔ انھیں کھٹنے میں آؤں گے کہ چند آدمیوں کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ گاڑی سے اترتے وقت ہمارا ایک دوسرے سے جدا جدا رہنا ہی بہتر تھا۔ اب کے اسٹیشن پر کوئی نہیں لینے کے لیے آئے والا نہیں تھا لیکن وہاں مختلف آدمیوں کے چند آدمی ہمیشہ موجود رہتے تھے۔ اسٹیشن تقریباً ہر وقت سامانوں سے بھرا ہوتا تھا کسی بھی آدمی کا آدمی ہیں وہاں مل سکتا تھا۔

گاڑی گزرتی ہوئی پاؤں کے پلیٹ فام میں داخل ہوئی تو میری رگوں میں غم مچنے لگا۔ ہم پہلے آجے، بعد میں فریال اور ابابا جان فریال بھل کے مل رہا تھا۔ پلیٹ فام سے گزرنے کے ایک دوسرے پیچھے جب ہم گزرتے باہر آگئے تھے اور دیکھیں کہ طرف بڑھا ہی چاہتے تھے کہ سامنے ایک آدمی جھکا ہوا میری طرف آیا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ بدتر تھا۔ جیم پور کے آؤں کا آدمی۔ آئے ہی اس نے بھل کے چہرے پر شیلے اور ہلچتے ہوئے بولا۔

استاد!۔
"کہا ہے بے بند؟ بھل نے بند رہی کہنا تھا۔
"تم۔۔۔ تم کھرہ تھے استاد۔ وہ حواس باختہ سے بولا۔
"ذرا دیر چلے گئے تھے۔
"دور چلے گئے تھے۔ اس کا آواز جھجھکا رہی تھی۔ پھر مادی

کب آئے؟

ابھی اتنے ہی لے آجیل نے تک کے کہا۔
ابھی آدھ گولہ کے بولا۔

ہاں لے!

لوگ ادھر جانے لگا لیا بولتے تھے:

اُن کو بولنے سے کانتے کیا ہے؟

کانتے! کانتے تو جیل میں ہے استاد!

جیل میں! کب سے ہے؟

میں سے آتم کچھ نہیں پتہ؟ وہ سٹ پلے کے بولا۔

جیل نے اُس کے بال پھڑپھڑائے۔ کھل کے بول:

تسم سے استاد! تم کو کب نہیں پتہ؟ وہ گھٹکیا لے لگا۔

منہ کھلا رکھ۔ جیل نے گرجتے ہوئے پوچھا۔

بدرو کو کھڑا کیا استاد! استاد! تم کو کچھ پتہ نہیں ہے تو ابھی

ادھر سے لوٹ جاؤ۔ وہ بدحواس سے بولا: پریس تم سب کو ڈھونڈ

رہی ہے۔ ادھر سب اٹھام ہو گیا ہے۔ کین فائونڈ کے رٹا حلالی

تھا جسے آڈے پر بچلے شولی لالہ، فٹا، سب سب ایکٹم۔

جیل بے اختیار اس کا منہ پھڑپھڑانے لگا۔

سب نے بدرو کے گرد گھیر ڈال دیا تھا۔

بدرو بھی گائیں، وہیں کھڑا جیل کے سلسلے سر جھکائے

گھٹکیا تار بڑھ جیل کے حلقوں سے اس کا منہ لال ہو گیا تھا۔

میں! میں کب بولتا ہوں! وہ خوف زدہ آواز میں بولا۔

وہ لوگ کہہ رہے ہیں! جامو نے بدرو کے اس کے گالوں

پر ہاتھ ڈال دیا۔

کچھ ادھر جیل میں کچھ کتن... کتن خوں کے ساتھ... ..

منہ سے چوٹیا کیس نہیں؟ جامو وحشت سے بولا۔

شولی! فٹا! دکن، بسوا! لالہ... ..

ہاں! ہاں صاف صاف بول!

سب سب ختم ہو گئے۔ بدرو نے ہانپتے ہوئے کہا۔

میں نہیں! جامو ذہانی آواز میں بولا۔ اس کا گھٹکیا

بدرو کا گریبان چھاڑ دیا تھا۔ وہ آتے جھپٹنے لگا۔

کسی میں کچھ لادنے کی ہمت نہیں تھی، اسٹیشن پر چلتے

ہوئے سافر جلدی طرف توجہ ہونے لگے تھے۔ بدرو، لالہ، فٹا،

اباجان ہم سے پیچھے تھے۔ ہم بدرو کے پاس ٹھہرے تو وہ ہمارے

پہلو سے گزرتے ہوئے ہم سے آگے نکل گئے لیکن کچھ ہی دیر

تو ان کے سامنے ہی تھے۔ ہم سب کی آنکھیں اُبل کے بیسے ابھر

نکل آئی تھیں۔ بدرو نے ہمارے پاس آنے میں چھ پرچہ لکھوں کی

توقف کیا جو گد زور، لالہ، فٹا اور اباجان کو وہیں رک کے وہ فوراً

ہماری جانب چھپتا اور اس کی غصہ باز نگاہیں ہم پر منڈلانے

لگیں۔ کیا غصہ ہے جیل بھائی؟ وہ تہ ذب سے بولا۔ یہ میری ما

کون ہے؟

کچھ نہیں دادا! جیل نے جلدی آواز میں کہا تم آگے بڑھو

ہاں بڑے گا۔ بڑا یہ کیا بولتا ہے؟

بولتا ہے کچھ لوٹ پلٹ ہو گیا ہے؟

کیسا؟ بدرو نے حریفی سے پوچھا۔

اسی آٹا میں مارے، بدرو کا ہمارے چھین کے الگ لے

گیا تھا۔ ہم سب کے ایک جگہ کھٹے ہو جانے اور بدرو کا کڑا چھٹ

مہلنے کی وجہ سے آتے مہلنے لوگ رنگ رنگ کے ہیں دیکھ رہے

تھے۔ سامنے بدرو کو ڈور لے جانا تو مہلے اور گد جھپٹا کھی

بھجائی میں فوراً منتشر ہو جانا چاہیے تھا مگر کسی کے پھیل میں

ملان ہی نہیں رہی تھی۔ بلورل زور زور سے دھڑ دھڑا رہا تھا جامو

نے اپنا سر ملا کر کے شانے پر کھڑے دیا تھا اور ملا کر کسی بہت کے

ماندے جان کھڑا تھا۔ مینی پلٹو، شولہ چینی برنی آنکھوں سے

جیل کو گھور رہے تھے۔ جیل کے ماتھے پر گنگنوں کا چال بڑھتا تھا

رہا تھا۔ بدرو ہم سے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا مگر میری طرح کسی

کو لقیں نہیں آرا ہوگا کہ انھوں نے جہ پھر سنا ہے وہ سب

سچ ہے اور بدرو ہم سے خفا نہیں کر رہا ہے۔ پتہ نہیں سارے

بدرو کو ایک کونے میں لے جا کے اس سے اور کیا پوچھ رہا تھا اور

بدرو اسے اندھا بنا رہا تھا۔ اباجان ہم سے کچھ فاصلے پر تھے اور

اعطاری انداز میں ہم پر نگاہیں جلاتے ہوئے تھے۔ جیل کے بجائے

مینی نے جھپٹے ہوئے زبانوں کو اور معتز بدرو سے سنا ہوا معاملہ

پروکھوتا تو بدرو کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ ایسا! وہ مڑھوٹ

کے بولا۔ یہ تھکاتیا کا جنا کون ہے؟ اپن نے اس کا نام پلے

نہیں سنا!

وہ ادھر پلے کھٹے میں ہی تھا۔ رز چھینا جھپٹی ٹن ٹن

کڑا رہتا تھا۔ استاد نے آخری بار ملا کر بولا کہ تم ۷۰ گھنٹے کے اند

کھٹے سے مزہ کالاکر لو۔ سالہ اس وقت چلا گیا تھا۔ بعد معافی

کے لیے آدمی جیسا استاد بولا، ہم اپنا فیصلہ واپس نہیں لیتا

چلتے ہیں دادا! جیل نے سر ملا کے ابھنگی سے کہا۔

ابھی اپن دیکھے گا، وہ کس کا ختم ہے؟

دکھائے گا دادا! پتہ ابھی ادھر سے جاؤ۔ بڑے صاحب

دھر کھڑے ہیں! ہم اندھا ملتے ہیں۔ جیل نے سر لہجے میں کہا

پھر مجھ سے غلط ہو کر بولا! لاڈلے! تو دادا، زور، مارنی اور

دا کے ساتھ ابھی فیض آباد کھلا جا۔ پیچھے ہم آتے ہیں!

فیض آباد جیل کے کابلے ہو جیل بھائی! پرتے ہی ملے گا۔

ہاں دادا! تم ادھر لاڈلے کے ساتھ چلے جاؤ۔ میں بھی لگے

اں دیر میں کرس گا۔ بدرو جھلے تو ادھر ہی سے مینی چلے جا تا۔

ہاں سے تم کو آئے ہوئے نام ہو گیا ہے!

جیل بھائی! اپن سے کوئی غلطی ہو گیا ہے کیا؟

بات مان لو دادا! بڑے صاحب کا فیض آباد پیچ جانا

ٹیک ہے!

پراپن کیسے جاسکتا ہے!

تم کو جانا ہی ہے دادا! کوئی سی جی گاڑی پھول رہا دھر بھی

تھا اور ایک بیٹا ہے! ابھی گیا کی خاطر جاؤ جلدی کرو!

کیسا بولتا ہے استاد!

مہٹ مت کرو دادا! ابھٹ مت کرو! جیل نے جھپٹا کے کہا۔

اپن ایک دم نہیں جانے گا جیل بھائی! آج پرتو دھٹی سے بولا۔

بڑے صاحب کے ساتھ کوئی ہونا چاہیے دادا!

پھر کسی اور کو لرو!

لاڈلہ بھی جا رہا ہے!

میں نہیں جاؤں گا! میں نے تیزی سے سمتی لیے میں کہا۔

جیل نے اپنی شیش آنکھیں بھ پھر کر کر دیں! چپ! وہ!

میں نہیں جانوں گا! میرے بجائے کسی اور کو بھیج دو!

تو نہیں جانے کا تو پھر کون جانے کا لے! جیل نے بخری

ہوئی آواز میں کہا۔ تم جھپٹا کیوں نہیں ہے!

میں سب سمجھ رہا ہوں!

جا کے جلدی لوٹ! دادا! تم بھی اس کے ساتھ...

نہیں جیل بھائی! پرتے جیل کی بات پوری نہیں

ہوئے دی تان سے جاسی مت بول رہا دھر ہے ابھی کوئی بھی

نہیں ملے گا! سمجھا کوئی بھی نہیں ٹیم جا رہا ہے۔ اپن کے پاس

نیم کی کمی ہے!

پر بہت سوچ گیا ہے۔ ابھی اس کو اور زیادہ مت پریشان کرو۔

پرتے نرے سے کہا اور جامو کی طرف دیکھ کے بولا! کیوں جامو

استاد! اپن جھپٹا بولتا ہے؟

ہاں! جامو بے خیالی سے بولا۔ وہ نہ جانے کہاں کھویا

ہوا تھا۔ تھپا تم بولتے ہو جھپٹا ہے دادا!

ابھی استاد کو فیض آباد جانے دو! پرتے دوبارہ کہا۔

ہاں استاد! جامو دھر سے بولا! تم چلے جاؤ!

جامو کی زبان سے یہ مشورہ سن کے جیل نے آنکھیں پھینچ

لیں، اُس کی سانس تیز تیز چل رہی تھی اور ننھے پھڑکنے لگے

تھے۔ اُس نے اپنا کمر ہوا پیر زور سے زمین پر پٹنا اور کوئی آہ بلند

نہیں کی۔ پیر پیر ہو گیا، جامو کو بھی فوراً احساس ہو گیا کہ اُس نے

پروکھ تانید کر کے جیل کو کہہ بیٹھا ہے۔ کھٹے آتے اور اتنا

کچھ سن کے جیل کے یوں واپس چلے جانے کا سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا تھا۔ جامو اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔ کچھ دیر تک

سب خاموش رہے۔ سارے ابھی تک بدو کے ساتھ دور کھڑا

ہونے کا نل میں آگ نکلا رہا تھا۔ جارا اسٹیشن پر اس طرح زیادہ دیر

ٹھہرے رہنا مناسب نہیں تھا۔ ابھی صرف بدو ہی نظر پڑا تھا

آڈے کے دوسرے آدمی بھی اسٹیشن پر موجود ہوں گے کسی نے وہ

میں دیکھ سکتے تھے۔ جامو میں اور بدو، ہم تینوں میں کسی ایک کا

اباجان کے ساتھ جانا ضروری تھا مگر تینوں میں سے کوئی بھی آواز

نہیں تھا۔ جیل نے کسی اور سے نہیں کہا تھا۔ اُن میں سے شاید

ہی کوئی بھی جیل کے ہمراہ فیض آباد گیا ہو۔ ہم تینوں کے سرا

جیل کسی اور سے کہتا تو وہ بھی انکار کرتا۔

ہر حال میں جلدی کوئی فیصلہ کر لینا چاہیے تھا۔ جتنا وقت

گزر رہا تھا، جیل کی بات جیسے ٹیک ہی لگ رہی تھی کہ اباجان

کو پل گاڑی سے پاسی بھی ڈیڑے فیض آباد کی طرف روانہ

کر دیا جائے۔ میں نے سر جھپٹا، جیل سے کہہ دیں میں ہی چلا جا ہوں

ابھی ہم اسٹیشن پر ہیں! اسٹیشن سے نکلنے کے بعد کسی کو پتہ نہیں ہے

کہ اسے کیا حالات پیش آئیں! کوئی اُن کے ساتھ نہیں کیا تو

پھر اباجان کہاں جائیں گے کھٹے میں اپنے آڈے پر دست

بیٹھا ہوا ہے۔ دوسرے آڈے بھی اُسی کے زیر اثر ہیں گے۔ بدرو

کے جیل پریس ہماری نکاح میں تھی۔ اتفاق سے پریس کے

کسی آدمی نے ہمیں اب تک نہیں دیکھا تھا لیکن چھ بیٹے میں ساک

اور باہان کر پٹے ہی اپنے سے ڈر کر دیا تھا کہ میں اپنے بیچے
گولنے والے شب روز کار کوئی علم نہیں تھا۔ اس وقت جھل کی یہ
استقامت بچے فضل کی جی جی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ
گاڑی سے اترنے کی دیر ہے، بعد دو چنگاریاں لیے کھڑا ہے۔
کھڑا کے ختم ہونے کے بعد وہ ایک بار صحت گوشتی نے پنجونیکا
تھا جھل کی کسی بیٹے میرے ساتھ آؤں گے سے بے خبر میری جڑی
ہندوستان بھی وہی ہندوستان گھوڑا اور تاجہ جب میں نے بیٹی
میں کرکٹ تھی کہ ختم کرنے والے لوگوں کو پہانے کے لیے چھنگا
آتا ہے پڑا دیا تھا تو اس درمیان جھل بھی وہیں آ گیا تھا اور اس
کے ساتھ کانٹے کا جامو فروجی تھے، آؤ چلاؤ۔ ہم واپس آئے
تو کہیں سے کوئی شکایت نہیں تھی جی جی کہ تبت کی طرف ملتے وقت
جھل شہر کے تمام آؤں پر غور کیا تھا اور اُسے یقین ہو چکا کہ اس
کے پیچھے کوئی انکشی سیدی ہم حرکت نہیں کرے گا تبھی اس نے سفر کا
اودھ کیا ہوگا اور تبھی اس نے کہن خاں اور کانٹے پر چھروسا کر
لیا تھا وہ جامو کو میں چھڑو دیتا۔ ایک سلطان محبت کرنا تھا
مگر جھل نے اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا اور سلطان بھی تو جی نہیں تھی
کہ وہ جھل کے خاص آؤں ہے اس کی عدم موجودگی میں کوئی ڈر
کے گا حواس میں کی نہیں رہتی تھی میرا اس کا مطلب نہیں تھا کہ اس
کی نگاہیں جھل کے آؤں پہنچ رہی ہیں، مگر وہی کوئی شخص کی سزا فراموش
گئی تھی پہل بدلتی تھی اسے جھل کے پاس لاکے معافی دلائی تھی جھل
تیار نہیں تھا میں نے سفر کش کی تھی اس لیے اُسے روز کر دیا
تاجہ گوشتی کے دماغ میں خناس سایا ہوا تھا، بازاریں آدیا ہوئی
بار چھڑائی کی اور جامو نے اُسے ہمیشہ کے لیے چپ کر دیا۔
اس کے بعد وہ روز کوئی دوسرا گوشتی نظر نہیں آتا تھا۔ ہمارے
وازا ہوتے وقت تمام آؤں شہک شاک جمل سے تھے۔

وہ کہتے خاں بھی تجھ اس نے پہلے منتر بازار میں اپنا نام لک
رہی اطلاع لاڈو میاں کے آؤں پر نہیں جھجھواتی۔ یہاں تک بھی
کوئی بات نہیں تھی کہتے خاں رات کو علاتے میں داخل ہوئے
وقت ناکوں پر بھیجے ہوئے لاڈو میاں کے آؤں سے بھی کہہ
سکتا تھا کہ وہ کام سننے اندر جبار رہا ہے۔ لاڈو میاں نے شکر کے
دوسرے آؤں کے چند خاص آدمیوں کو اس رسم سے متنا قرار
ہے رکھا تھا مگر کہتے خاں کا شمار اس دوسرے میں بھی نہیں تھا
کہتے خاں کے ساتھ اپنے آؤں کا صرف ایک آدمی تھا۔ یہ وہ
دوں چٹھا اور اُس نے لاڈو میاں کے کسی آدمی سے رابطہ قائم نہیں
کیا تو انہیں بخیر ہوئی اور جاب بھی کہتے خاں ایک بالا خانے پر چڑھنے
کے لیے قدم بڑھای رہا تھا کہ ایک شخص نے اُس کا راستہ روک لیا
کہتے خاں نے وہ تین واروں میں اُسے اپنے سامنے سے جٹ
دیا اور اوپر چلا گیا۔ اُس نے وہ ایک کام سنا، ناچ، بکھا اور وہیں
کے کسی آدمی کے ذریعے اُسے خبر ملی کہ بچے لاڈو میاں اپنے

فانصیل سمیت موجود ہے۔ یہ سن کے گانے والی نے گانے سے نکال کر دیا تھا، لیکن خاں نے اس کے اور اپنے درمیان چاقو رکھ دیا۔ نتیجہً مغل جی رہی اور وہ ناپتی گاتی رہی۔ اُسی رات کے وقت جب کین خاں اٹھا تو بیچے سب سے پہلے لاڈو میاں سے اس کی مڈھ پھڑوٹی۔ لاڈو میاں نے اُسے یاد دلایا کہ میاں کا ایک کسٹور ہے، لیکن خاں نے منس کے جواب دیا، معلوم ہے، چنانچہ اُسی کوئی کسٹور ہے۔ لاڈو میاں نے فیصلہ کرنے میں تاخیر نہیں کی۔ دوسرے ہی لمحے اپنے ایک آدمی کو اشارہ کیا مگر کین خاں نے کسی اعتماد میں ہی یہ غلطہ مول لیا تھا۔ جنرل ٹرے ہوں گے کہ اس نے لاڈو میاں کے آدمی کا ہاتھ ننگہ کر دیا تھا۔ لاڈو میاں کے لیے یہ مفادِ توقع تھا۔ پہلے تو وہ فیوکن نفلوں سے کین خاں کو دیکھتا رہا مگر پھر اُسے اور آدمی کو مارنے کے بجائے اُس نے خود چاقو نبھال لیا اور کین خاں کے مقابل آگیا۔ لیکن خاں اس کے لیے پہلے سے تیار تھا۔ لوگوں کا نسا ہے کہ لاڈو میاں کو زخمی میں بہت کم ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پڑی تھی۔ یا تو ہتھیار اٹھا ہی نہیں تھا۔ اُٹھا لیتا تھا تو چاقو پروری طرح اس کے قابو میں ہوتا تھا۔ اپنی مرضی کا فیصلہ کر کے ہی لاڈو میاں ہتھیار بند کرتا تھا لیکن خاں پر دار کرنے سے پہلے اس نے اُسے متوقع کیا کہ وہ چلا جائے اور آئندہ اسی مغل نہ کرے لیکن خاں نے جواب میں اس پر چاقو تول لیا۔ مغل میں اس وقت شانا جھا جھا گیا تھا۔ قریب قریب کے تمام بالا خانوں پر آج کا ناہند ہو گیا تھا اور وہ گران کے گرد گھومتے ہو گئے تھے۔ کین خاں کو وہ ایک ہی مرتبہ لاڈو میاں کے داڑے سے پھانپڑا ہو کر دیکھتے دیکھتے وہ پہلے سچا چل کے تیزی سے پیٹنے کی طرح لاڈو میاں کے منہ پر گر اور اس کے چاقو والے بازو میں اپنے بازو سے پیچ ڈال دیا۔ لیکن خاں نے ایک لمحہ نہ جانے دیا۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے دوبارہ اچھل کے اس زرد کاجھکا دیا کہ چاقو تو لاڈو میاں کے ہاتھ سے گرا ہی گرا تھا، اس کے کلائی کی پٹری بھی ٹوٹ گئی۔ بہت سے لوگوں نے یہ منظر دیکھا تھا، لیکن خاں نے منٹوں سے زائدہ وقت نہیں لیا تھا۔ لوگوں نے سب دو باتیں دیکھیں لیکن خاں کا اچھا پاک لاڈو میاں سے چھڑا اور لگے چند لمحوں میں لاڈو میاں کا ہاتھ جھٹکا۔ لاڈو میاں کے کسی امداد دہی نے بڑھنے کی کوشش نہیں کی چلتے چلتے کین خاں اس سے کسٹور کا بیج سورج نکلنے سے پہلے وہ بازار کے اوڑے پر ٹھہر نہ آئے۔

اڈے دایس نہیں آیا، وہیں سے کہیں اور چلتا بنا، اکبیتن خاں
اڈے اڈا بیٹھا لے۔ کبتن خاں نے انکار کر دیا اور کہا وہ اپنے ہی
آؤ بیوں میں سے کسی کو کج میں ادلیں آئیہ لاؤ دیماں کی ڈالی ہوئی
رسم کا اعادہ نہ کریں۔ کبتن خاں نے جان بوجھ کے منع کر دیا تھا۔
ایک تودہ اپنا آؤ بی نہیں دیکھ پا جاتا تھا، دوسرے اس طرح لاؤ دیلا
کے ساتھیوں کا آپس میں جھگڑا کر کے اُن کی طاقت نہ زد کر دیتا
جانتا تھا۔ اڈے کی گتہ کی کے لیے ساتھیوں کا آپس میں لڑنا لازم
تھا۔ لاؤ دیماں کے جانے کے بعد کجی آؤ بی بارے گئے ایک کے
بعد ایک کبتن خاں بھٹا سنڈار، بچہ بازار میں لاؤ دیماں کا ایک
چرانا آؤ بی ٹکڑی طود جم گیا۔ ٹھوکرے بعد میں اپنا جان پل کے
ٹکڑا نہ لکھ پاتا تھا۔ وہ ہمیشہ ایک کان میں ہلا پلتا تھا۔ غلاب کا
پھول اُس میں ٹھکا رہتا اور گردن میں مڑتا کا بار چار دست تھا۔
جب بھی کبتن خاں بازار جاتا، ٹکڑا زبالے سے پھول نکال کے فوراً
جیب میں رکھ لیتا۔ اور گردن سے وارڈار کے کبتن خاں کی کلائی
میں باندھ دیتا۔ لاؤ دیماں کے بازار سے جانے کے بعد بیٹنے بھی
آؤ بی اُس کی جگہ آئے، سب کبتن خاں کا اٹنا ہی لمی ٹا کر نئے تھے۔
کبتن نے کبھی کسی سے کوئی مطالبہ نہیں کیا، کوئی حکم نہیں چلایا تھا
دھیان میں کبھی دل نہیں دیا تھا۔ اڈے ہر لاؤ دیماں کے پرانے
ساتھی ہی خابض سے عمر بھر طوط ہی چر جاتا تھا کہ بازار کے اڈے
پر ہل راج کبتن خاں ہی کا ہے۔ بازار میں جب بھی کوئی نئی ٹوک
آتی تھی اُسے لاؤ دیماں کے ساتھیوں کے سامنے ناچ اور گانے کا
ایک دور ضرور کرنا چڑھنا تھا غراب اس تقریب کا اہتمام صرف
کبتن خاں کے لیے ہوتا تھا۔ کبتن خاں کو اور دیکھا ہے تھا، اُس
کے لیے تانیاں بہت تھکا۔ ہمارے ایک باپ بچہ بچان کا واقعہ دیکھا اُس
وقت یہ واقعہ گزرتے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔ کبتن خاں کے بارے میں
اور بھی عجیب اور اونچی باتیں شہد شخص مجب پہل سا تھا۔ ایک
دفہ ایک نواب سے اُس کی کسی بات سے عرض ہو کر اُسے وہی
ہزار روپے کے کبتن خاں رقم لے کے ساپنے اڈے دایس جا
رہا تھا کہ راستے میں ایک جگہ بھی دیکھی۔ بندوں کا مجمع تھا اور
چڈت زیر تعزیر بندوں کے چوڑے پر کھڑا ہندو کی عمارت مکمل
ہونے کے لیے وان ہنگ اور دھاک کبتن خاں نے چپکے سے اپنے
آؤ بی کے ہاتھ ٹوکوں کی گڑیاں اُسے بھجوا دیں اور اس سے قبل کہ
چڈت اُس کا ٹکڑہ ادا کرنا، کبتن خاں فوراً دواں سے کھٹک گیا۔
سب لوگ دیکھتے ہو گئے۔ اُس کی صرف ایک بہن اور ماں ہی زندہ
تھی۔ بن کی شادی ہو گئی تھی۔ ماں سینا پور میں رہتی تھی معلوم نہیں
آخیں غیر بھی ہوئی یا نہیں۔

ادبی ہوا سیرے کتنی خاں ابھی سو کے نہیں اٹھا تھا کہ لاڈو میاں کے آدمی اُس کے گھر کے باہر کھڑے تھے وہ اُسے اپنے اوکے پر لے جانے آئے تھے۔ اتنے تھے کہ لاڈو میاں رات کو

یہی کہ تھا جو عقل نے کتنی غماں کو کھٹکتے کا اپنا خاص آؤا
موزن دیا تھا کتنی غماں نے غمزدہ داری اور غفلت نہیں
برتی ہوگی۔ کئی اور بات ہوئی ہوگی، شملی لانا، آؤے پر جیتنے
لوگ تھے سچی کر گنت جاتا تو مضبوط تھی۔ کاتنے پاک چھپکتے
میں دوسرے کو یہ پس کر دیتا تھا اس سے جا توڑا لیتا چھپتا آیا
آسان نہیں تھا شمر میں بھی جانتے تھے کہ عقل کے آؤس سے
چھڑ بھاڑ کا نتیجہ لموں میں نکل آتا ہے اور کبھی اچھا نہیں نکلتا۔
جلنے ان سب کو کیا ہو گیا تھا۔

آباجان کے ساتھ سامان آٹھانے جوئے نئی بے بین ہو
لے تھے اور آبا جان بھی۔ بلدی بھی ہالے پاس آگیا تھا وہاں ان
کے پاس صرف زور راہ گیا تھا باقی۔ زین کا پتہ تانے سالان کے
ساتھ صرف آبا جان کو فیض آباد بھی دینا بھی کسی حال میں درست
نہیں تھا۔ چور فیض آباد ہی کیوں آبا جان اپنے ٹھکانے پر ہی
کیوں نہ مائیں جہاں فروغ، فریال، نادر، اور اکبر کھڑے آئے
ہیں۔ میں نے ان سے ان کا ٹھکانا نہیں پوچھا تھا مگر وہی ایسی جگہ
ہوگی جہاں انھیں واپس مانا ہوگا۔ ساری محنت تو اس سالان کے
سبب سے تھی جس میں کچھ عرصے ہوئے تھے لیکن بے آبا
جان غرو بھی تنہا سفر کرنا پسند نہ کریں۔ ذرا فیض آباد مشورہ دینا
مناسب تھا۔ لیکن سرور کوئی عقل سے الگ ہونے اور ان کے
ساتھ جلنے پر تیار نہیں تھا تو پھر یہاں انھیں کہاں بغیر آبا جانے
یا اپنے ساتھ ہی رکھا جائے، دوسرے آؤوں کے بابے میں بھی
کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ بدو کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ آخر
ہم کیوں پولیس کو مطلوب ہیں لیکن اب کچھ بھی بعد نہیں تھا۔
پولیس کی نظر ہمارے بعد فوراً انھی مندو توں پر پڑے گی۔ اتنے
بڑے شہر میں انھیں چھپانے اور آبا جان کو کسی محفوظ جگہ ٹھکانے
کا کوئی گوشہ کوئی تنہا خانہ ان کے ہرے علم میں نہیں تھا۔ ہر جگہ
مشکور تھی۔ ایک کانٹیلن کے لگاؤہ بھٹنے اور مندو حق کھلنے کی
دیر ہوئی کہ سارے شہر کی پولیس حرکت میں آجاتی۔ ہاں میں
ہست سے چھرا لیے تھے جن کی چمک سے انھیں چھٹ مائیں
مندو کھٹکتے تو بات کہاں سے کہاں پہنچ سکتی تھی چھڑ ہر کچھ پتہ
بتانے نہ وہ کچھ کھوج پاتے۔ دونوں صورتوں میں سلامیں تھوکر
تھیں۔ آبا جان کے لیے بھی ہمارے لیے بھی۔

میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ میں عقل سے کہہ دیتا ہوں، میں
ہی چلا جاتا ہوں لیکن ارادے سے کا وجہ دیری زبان میں نکل
آبا جان کو بولی میں پہنچا کے میں فوراً لوٹ سکتا تھا۔ ایک ڈیڑھ
دن کا فرق پڑتا۔ دوسرے دن میں پھر کھٹکتے ہیں ہوتا مگر یہ رات

کوئی بے جا معلوم ہوتی تھی۔ میں انھیں چھوڑ کے چلا مائیں کہ
آبا جان اور ان کے ساتھ دنیا کا قیمتی ترین سامان ہے؟ یہ رونا
بائل کا نہیں کہ رو کر دھواں ٹپک ہے بھل جانی، ابھی ان کی
بات سنو تو ایک پیر نے ایک کے دم لیے میں بھل کر غائب
کیا۔ پیر بھی یہی کہہ سوچ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ ہم میں سے کوئی
فیض آباد نہیں جائے گا سب یہیں رہیں گے۔ آبا جان بھی اور
جس طرح ہم دو ایشین پلے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے،
فورا پھر الگ ہو جائے ہیں۔ پیر، زور، مائی اور آبا جان شہر
کے کسی پوئل میں بیٹھ جائے ہیں، بھل اور دوسرے لوگ اور
آؤہر کی شرم گئی لینے کے لیے روانہ ہو جائیں یا میرے آؤے کی
طرف نکل جائیں۔ بھل نے نہ ہاں کی نہ ناں۔ وقت نہیں تھا۔
ہمارے کسی آؤے کے بغیر اسے محمد علی اسٹریٹ پر واقع وسط
درجے کے ایک پوئل کا پتہ بتایا۔ بھل کی خاموشی ہی تائید تھی۔
پیر نے اس سے ہاتھ دھو کر پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی
مارنی کو لے کے آگے بڑھ گیا اور سازوں کے ہجوم میں گم ہو گیا۔
میں ان کے ساتھ نہیں گیا۔ بھل نے مجھے پہلے ہی ان سے
الگ کر دیا تھا۔ پیر مجھے لے جاتا ہی جا رہا تو میں نہ مانا نہ دھر
مینی سامنے کو کھانے کے لیے جاتا تھا۔ ہرا اس کے پاس پہنچا،
چند قدم کا فاصلہ طے کر کے ہم ایشین سے باہر تھے۔

اچھا یہی تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے آبا جان جلد سے جلد
شہر سے اور ہم سے دور ہو جائیں۔ پوئل بھی کوئی مناسب جگہ
نہیں تھی کسی کسی کو بھی شک ہو سکتا تھا مگر ایسی صورت میں پیر
ہی کی تجویز بہتر تھی۔ کھٹکتے میں روکے وہ ہم سے قریب بھی ہے
گا تو وہ بھی کسی وقت اس کی ضرورت پڑی تو وہ برابر موجود ہوگا
وہ ہم سے اور ہم اس سے رابطہ رکھ سکتے تھے۔ پیر پہلے بل کھٹکتے
آیا تھا تو اس کے کم ہی لوگوں نے اس کا چہرہ دیکھا ہو گا۔ سامان
میں چھپنے کی مدت کا فاصلہ تھا مگر وہی نہیں تھا کہ اس کے
نقوش ان کی آنکھوں میں محفوظ ہے۔ ہم ابھی صرف بدو نے پیر
کو مالے ساتھ دیکھا تھا کسی اور کی نظر نہیں پڑی تھی۔ قیام بدو
نے تو نہ دی ہو جس وقت اس نے ہمیں ایشین پر دیکھا تھا
پیر ہمارے ہمراہ نہیں تھا۔ پیر کے ہمارے پاس آئے آئے سائے
آئے دھڑلے ہاچکا تھا اور بدو کو اس وقت کسی اور طرف دیکھنے
کی محنت بھی نہیں ملتی تھی لیکن اگر بدو نے پیر کو دیکھ لیا ہے تو
وہ ہم سے جدا ہو کر یہ خبر عام کر سکتا تھا ہم اسے منع کرتے
تو وہ غراہ غراہ دہم میں پڑ جاتا۔ بدو کیا، آگے کچھ اور ادنی بھی
پیر کو پہچان سکتے تھے۔ پیر، مائی اور زور کے چہرے میں غائب

ادھر بھل کی کھٹکتے ہیں آمد کی خبر پہنچتی، آؤہر اتفاق سے
پیر کو پہچان لیتا یا بدو کے پیٹ کو سہارہ ہوتی تو مانے
نہ ملانے والے اپنی عادت سے باز نہ آتے۔ دونوں کی ایک
کھٹکتے ہیں آمد دونوں کا الگ الگ ہوجانا پیر کا پوئل میں
بائیں جہاں کرنے والوں کو چھٹکانے کے لیے بہت تھاپتہ
ہیں کن آؤوں کے آؤی بھل کے لیے اپنے سینے میں زہر
بائے ہوئے ہیں گے۔ ہر جوار کے آؤے کے لوگ ان میں
نہیں تھے۔ رتنانے انھیں لگایا ہوگا تو انھوں نے زہر
کا ساتھ دیا ہوگا اور سب کو نعر ہوگی کہ بھل کسی دن کھٹکتے
ہیں نہ آجائے۔ سب سے زیادہ ٹھوکر تان کر ہوگی۔ انھوں نے
بے طور پر ضرور طے کیا ہوگا کہ جیسے ہی بھل کھٹکتے آئے
لے کی محنت نہ دی جائے۔ پہلے ہی بے ہیں اسے اس
ماتحت میں سمیت کھٹکتے چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے۔ دوسرے
دن کے دیگر تاننا دنیا کام انجام میں لے سکتا تھا یا ہر
مانے اس نے سوچا ہو کہ ایک بار بھل کے خاص آؤے
بغیر کر لیا جائے۔ بعد میں اور اور دھر کے آؤے خود بخود ساتھ
جائیں گے۔ رتنانے انھیں یقین کی حد تک قریب دیا ہوگا کہ
فل کا دایاں آنا ممکن نہیں ہے اور اگر وہ اسی جاتے گا تو آؤا
ہاں جلنے کے بعد وہ پہلے جیسا بھل نہیں ہوگا۔ رتنانے انھیں
لہانے کے لیے بہت عرصے اختیار کیے ہوں گے۔ طرح طرح
لہا بیاں بناتی ہوں گی۔

مغرور رتنانے اپنے آپ کو کس طرح مطمئن کیا ہوگا؟
ہر گے بھل کی دایاں کا دھر کا ہوگا۔ کیا اس کے ذہن
ایسا کوئی امکان نہیں تھا یا وہ اس کی دایاں کو کوئی اہمیت
میں دیتا تھا۔ وہ بھل کو بھول گیا تھا یا اسے بھل کی ضرورت
نہ لہا جھوٹنے کا گمان ہو چلا تھا۔ رتنانے اتنے سال کھٹکتے
باہر کے اپنے اعتماد کا زور کھانا، اسے پران چلھا مارا
ہاکیلا کھٹکتے نہیں آبا ہوگا۔ رتنانے یقیناً بھل کے آؤے کے
آؤے سے بھل کی گئی تھی کہ بھل کسی بے سفر پر روانہ ہوا
لہا گیا ہے کہ اس کی دایاں مشکور ہے اسے کسی نے بتایا ہوگا
نہ سے پہلے بھل نے اپنے بہت سے لوگ کر اٹھا کر کے
فاکر اسے بارہا ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو اپنے آگے
پل کو نذر دیکھتے ہوں اور جوا مناسب کھٹکتے کے اس کے ساتھ
ماکیں۔ اس نے ان میں سے بارہا آدمی چنے تھے۔ جو رہ گئے
نہ سب بھل کے ہانے آدمی تھے مگر کسی ناک لے ان

کے منہ سے بات نکل گئی ہوا کتنی غماں اور کاتنے ہی سے کوئی
ناراض ہو گیا ہو۔ آدمی کا کیا بھروسہ کوئی چھرا لے تو چھپ ہے
اور ایک تنکا چھہ مانے تو چنچ پڑے۔ کچھ بھی ہو رتنانے غیب
سوج بھگے ہی عقل کے آؤے کی طرف قدم بڑھانے ہوں گے۔
بھل سناٹانے کا سلسلہ آؤے کچھ زیادہ ہی آگیا ہوگا مگر رتنانے
کے لیے یہ خبر کہ بھل کھٹکتے آؤے پہنچا ہے کسی عادت کے کاروبار کو
ہر پیر کا الگ الگ نظریہ تشریح کا سبب بن سکتا تھا۔ پیر اور اس
کے ساتھی دلوں کو مل موجود ہیں۔ ان کے ساتھ وہ بزرگ شخص کو
ہے اور ان مندو توں میں کیا سامان بھرا ہے۔ یہ لوگ اتنے دلوں
ہم کہاں تھے کہاں سے آ رہے ہیں؟ بھل اور پیر کا ایک
وقت کھٹکتے ہیں لہذا نامعنی اتفاق نہیں ہوگا اور ضروری نہیں کہ انھیں
میں آگے اپنے آؤے کے متعلق خبر مل ہی ہو۔ کوئی منصوبہ
بنانے نہ آئے ہوں۔ ہر ضرورت رتنانے کو آدمی ہلانے چھپے ٹھکانے
کی طرح گے ہی ہوں گے۔ قدم قدم پر پیر کی نگرانی بھی کرنے دیں
گے ہو پیر کا پوئل میں بغیر کچھ زیادہ سو مند نظر میں آتا تھا مگر
اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔ پیر سامنے کو آدمی نہیں ہے۔
ممکن ہے رتنانے کو آدمی بے سبب اس سے لگتے ہوں۔ رتنانے
پیر پر بڑی آؤی زخمی ہو گئی وانا ایسا آسان بھی نہیں تھا شاید انھیں
معلوم ہو کر پیر کو روکنا ہے۔ رپ پولیس کا نو پولیس کا بھی کسی انداز
کے بغیر پیر کے گرد حصار ڈالنے کا امکان نہیں تھا۔ کھٹکتے پولیس
میں اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ نہ مینی سے کھٹکتے آئے جلنے
پیر کوئی پابندی قائم نہ پوئل میں بغیر ناجرم ہے۔ ان تمام باتوں
کے سوا پیر خود بھی تو ممکن اعتبار کرے گا اپنے لیے نہیں تو
آبا جان کے لیے۔ اسے اندازہ ہوگا کہ ایک ذرا سی چمک کھٹکتے
بڑے مدلوں سے دو چار کر سکتی ہے۔

دھپ چڑھ دیا تھی اور ایشین کے باہر سب معمول
انسانوں کا سہرا بیدار تھا۔ وہی عمارتیں وہی سواراں وہی لوگ
وہی پتہ پکار غریب انہی انہی ساگ رہا تھا۔ ہم کسی سواری
میں نہیں بیٹھے۔ بھل سگدا انگڑا کے چل رہا تھا۔ اس وقت
سب کے ذہن میں ہی تھا کہ میرے آؤے کی طرف مائیں گے
باہر آگے احساس ہوا کہ میرے کچھ جانے دو مجھے بغیر آؤے کا رنج کا فرق
مقل نہیں ہے۔ ابھی ہم کچھ نہیں سمجھتے تھے کہ یہ سب کیوں
کیے ہو گیا۔ بدو نے صرف چند باتیں بتائی تھیں جن میں اس کے
حواس ہی پڑ سکتے تھے۔ وہی باتیں اتنی اچانک تھیں کہ کچھ
اور ماننے کی سکت نہیں تھی۔ سامنے بدو کا الگ لے گیا
تھا مگر باہر آگے اس نے اپنے ہونٹ بند لکھے نہ کسی نے اس

سے کچھ بچھا۔ پہلے میں سکرن کی کسی جگہ بیٹھ کے اپنے اوسان دوست کرنے چاہئیں تھے۔ بدشوہر مارے ساتھ ہی تھا۔ پلٹوٹنے آئے ایک چادر سے دو تھی میں سے اس نے اچھا کرنا بیاں چھپا دکھا تھا۔ اسٹیشن سے ہم نے گزرنے کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ اپنے ہی آؤے کا ایک آدمی نظر آگیا۔ ملا کر مینیجر کو مینیجر نے جاکر کڑوا کا ادا مانوے آئے آواز دی۔ وہ ہریالا تھا۔ دھما پتلا لہا "ادھیڑ عمر ہریالے نے مڑ کے دیکھا اور اچھل پڑا۔ میں دیکھ کے اس کا بھی وہی حال ہوا جو بدشوہر کا ہوا تھا۔ جیسے ہم بھوت ہیں اور سرنے کے بعد دوبارہ نمودار ہوئے ہیں۔ ہریالا پہلے تو شیشا سار مارا پھر جھل کے پیروں پر بھجک گیا۔ جھل نے اس کی گدی پر جھڑکے کھڑکیا تو ہریالے کا جسم اس کی انگلیوں پر جھل گیا جیسے اس کی جان بکل گئی ہو۔ یہی سیدھی طرح کھڑا رہ جھل نے جھن جھنا آواز میں کہا۔

ہریلے سے بولا نہیں جاسکا۔

سانے ایک بڑیل تھا جو منے ہر لے کر کسی طرف
چلنے کا اشارہ کیا اور اندر بیٹھنے کے بجائے ہم باہر پڑی ہوئی
تپانیں پر مجھ گئے۔ ایک ایک بل کا مٹا دھیر دھیر ہاتھ سے
دل کی سی جانتا ہوگو کہ اڑ کے اڑے پہنچ جائیں اور تپا سے پہلے
کسی اور کو نہ دیکھیں۔ ہر لے کی زبان لڑکھڑاہی تھی۔ مجھ پر تھے
استاد! بہت مجبور تھے۔

- آگے بول سوز کی اولاد؟ جامونے گنج کے کہا۔

• ماں مسم اپنے کان کو دوش نہیں ہے۔ وہ لرزیدہ آواز میں بھلا، ہم تو بخوار ہو گئے۔ ایک دم کچھ بن گئے ہمارا استاد! • تو ابھی زندہ کہیں ہے حرام زانے؟ ہلاک کرنے مقصد سے کیا۔ • سب جگاز میں لگے ہوئے تھے پڑ پڑ...

فضل کی باتیں کرنے سے کیا حاصل تھا، جھلنے یا ہاتھ اٹھانے کا کاروک روک دیا اور ہر لمحہ برائیے نہ جاتا، اُسے سُن کے سبکے چہرے سے غم نہ چھوٹنے لگا۔ برائیے نہ کہنے کے مطابق یہ کوئی ڈیڑھ بیٹے پہلے کی بات تھی، وہ بھی بچے شام کراؤ سے بچا تھا، بہن خاں اُڑے کے دوسرے آدمی کے ساتھ بیچ محسن میں لگی ہوئی جو کہ پوچھا تھا، تو اس کی آنکھیاں جھٹنا لگتی، اور کہتی خاں بہت غرض نظر آتا تھا۔ برائی اُسے سلام کہنے کے ایک طرف بیٹھ گیا، کہتیں خاں نے اُس کی غیریت پوچھی۔ برائیہ تیار ہوا تھا۔ اُس نے پوچھا کہ تادکب آئے ہیں میں کہتیں خاں نے مسئلہ کے جواب دیلہ جلدی آجائیں گے بس آتے ہوں گے۔ جلدی آجائیں گے جھل کے ہائے میں پوچھنے والوں کو وہ یہی

جواب دیا کرتا تھا۔ کھانٹنے والوں موجود نہیں تھے۔ کین خاں نے
 کہہ دیں کیا ہوا ہے۔ یہ میں کہا کہ کھانٹنے سے باہر ہے۔ ہوا
 سبب معمول تھی۔ کین خاں سے کسی کو کوئی شکایت نہیں تھی
 میں کلم ازگم ایک بار ملا کہ مغل مجبی تھی۔ روز شنبہ آٹھ
 ملائے کا پتھر لگاتا، دوسرے تیسرے روز دوسرے آؤں
 ملاؤں کا کھانٹنے کا بھی یہی معمول تھا۔ درمیان میں سالار
 کے لوگوں نے من مانی کرنے کی کوشش کی تھی۔ محمود
 محمد شہزاد ہوا۔ کھانٹنے اور کین خاں نے ہمارے معاملہ رفع و
 دیاد اپنے آؤں کے لوگوں کو کین خاں سے ایک ہی شکا
 تھی کہ وہ مد سے زیادہ دگر سے کام لیتا ہے۔ دوسرے آؤ
 سے آمدنی کا جتنا بھیجیں میں لوگ ملال مول کرنے لگے تھے
 اور دھڑا دھڑا کے ملائے کے لوگ بھی دھندے کی چوڑی کر رہے
 تھے کین خاں بہت ذہین تھے کہتا تھا۔ کھانٹنے ہی ٹھوڑا
 کر کے لاتا تھا۔

ہر ملا تھوڑی دیر بیٹھ کے چلا آیا۔ رات کو وہ اڈے
نہیں تھا۔ اُسے جونا بھی نہیں چاہیے تھا۔ سارے کے سار
لوگ اڈے پر نہیں رہتے تھے۔ ہر ملا اڈے سے متعلق دایم
نہیں تھا۔ جمع ملائے میں شدید عداوت ہو چکا تھا۔ اڈے پہنچ
پر پولیس پہنچے رہی تھی اور جیگر کی بونی تھی۔ ارگرد کی
کی ساری دکانیں بند تھیں۔ قریب قریب نہیں جانے لگا۔ اس
اُس کا دلوں سے فلز ہو چکا تھا۔ جیگر تھا۔ لیکن اُسے لوگوں
زبان پر معلوم ہوا کہ کین فلاں شوالی فلاں، فلاں، بسوا، انڈیا وغیرہ۔
کے بہت سے لوگ مارے گئے ہیں۔ مرنے والے آدمی۔ وہ یہ کہ آن
لاشیں ملائے کے لوگوں کے حوالے کر دی گئیں۔ سب خون
لت پتے تھے۔ اور پولیس نے اڈے کے آدمیوں کو
کے گرفتار کرنا شروع کر دیا تھا۔ انڈیا نے والدین کی تجویز دیکھ
کر ایک دم کا کام شکل ہو گیا تھا۔ ملائے کے ہاسی لاشیں
ہوئے ڈرے تھے۔ شکم ایک لاشیں چسپی رہیں۔ ہر سال
کوچہ لوگوں نے مل کے انہیں قبروں میں چھپا دیا یا جلادیا۔
آزاد چھ سات روز تک کیس چھپا رہا کہ پولیس کا خیال
کی سب اپنے اڈے کے آدمیوں ہی کا کیا حراسہ ہے۔
کے جیگر کے نتیجہ ہے۔ وہ کانٹے کی تلاش میں تھے۔
کھٹے میں موجود ہیں۔ جیسے وہ واپس آئے، انے گرفتار
کیا۔ شاید دوسرے یا تیسرے روز وہ واپس آ گیا تھا۔ سب
میاں اڈے پر کیس چھپے ہوئے تھے۔ انہیں بھی پولیس
کے لگے۔ پندرہ۔ بیس روز تک انڈیا سنان چلا رہا ہے۔

[illegible]

بیشتر لڑاکا کا نیتے پر آپڑا ہے اور دیوں طرح حسرت کے
 بن گرم ہیں۔ کوئی کتا ہے کہ کتبن خاں اور کتا نیتے کے
 بھل اور اس کے ساتھیوں کو کفر میں کسی جگہ ختم کر دیا
 فضل ان کے خمر کے مفرد دلائل کا بائیس کا جھینٹا بھرتے
 بن خاں کرتا ہے ہٹا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کھٹے سے
 دم بومدی کا مذہب پیش کر کے گناہی ثابت کر کے
 راز دیکر بھی سکے۔ کچھ بھل جی کو اصل سبب سمجھتے ہیں کہتے
 یہ سب ایسی کوئی ترکیب ہے اس کے اٹھا ہے پر ہوا ہے
 ہوا ہر جگہ لگا تا کہ اس پر کوئی حرف نہ آئے اور اس طرح اپنے
 سنیہ لوگوں کو اس سے رکھے ہٹا دیا۔ یہ لوگ سر چڑھ گئے
 اور اس کے مشکلیں پیدا کر سکتے تھے۔ کچھ کہتے ہیں کہ فضل
 انہاں سے غوث زہد تھا یا ان کے درمیان ایک عورت کا
 تھا۔ فضل کتبن خاں کی سن کر اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا۔ کچھ
 کہتے ہیں کہ اس کے دوسرے آدمی فضل کے فیصلے سے غار
 کا کس نے گفتگو کے ایک اہلی آدمی کو اس سے پرستار
 دیا تھا۔ یہ سب کہ یہ حق پرانے آدمیوں کا تھا اس نے
 آدمیوں پر اختیار نہیں کیا اور کتا نیتے نے نہیں اٹھی ناخوش
 بنے کتبن خاں کو شاکہ گویا فضل سے مل رہا ہے ہر لڑا
 بلنے لگا کیا کہہ رہا تھا۔ مہر نے بیچ میں دخل نہیں دیا جو وہ
 سنتے تھے۔ میں اہل پر تو جبریتا وقت ضائع کرنا تھا۔ ہر لڑا چرخہ
 کھلا۔ یوں لوگ محب آپس کرتے ہیں عکس کو ان سے
 تھیں بے لودہ چین کرنا بھی میں چاہتے۔ سب ملتے ہیں
 لوگ پر کتا ہے عروہ کھلے ماس کا کام نہیں لے سکتے
 انہی اٹھوں سے کچھ نہیں دیکھا ہے۔ رناتو دتے کے پتہ رو
 بد گلتے میں دکھائی دیا تھا۔ آنے کے بعد وہ مختلف آدمیوں
 کا ہوتا مارا۔ پھر کرنی بیس! ایس دن پہلے وہ اپنے اڑے
 ملائے میں آیا۔ اس سے سہہ محل می سے اڑے کی عمارت
 پر لینے کا مطالبہ کیا۔ معلوم ہوا کہ سیٹھ نے انکار کر دیا تھا
 کہ ایک نہیں سنی اور دعا پالی لیے بغیر میں ملا۔ ہر لڑے کو معلوم
 تھا کہ عمارت فضل کی ملکیت ہے۔ فضل نے امتیاط کے
 کوڑے مول جی کے نام کر دیا تھا اور خود کو اس کا کرنا
 تھا۔ محل جی فضل سے کوئی انگو۔ چلانیوں کر سکتا تھا۔

اڈے پونجھ کے رشتائیں چاروں کو چسپ چسپ لگا
چراغ سے لوگوں کو اٹھا کر خارجہ کیا۔ دوسرے آؤں کے
آؤہوں کی آمد و رفت بڑھ گئی۔ خصوصاً مہاراجہ کے آؤں کے
آؤہوں کی۔ ہر رات علاقے میں غزب و کد نہ لگا۔ اس کے ساتھ دیگر
آؤہ کے آن گنت آؤی تھے۔ اس نے قہقار کے پرانے ساتھ
کے پیش کش کی کہ وہ صبح سابق دھندلا کر تھے اور اڈے
سے اپنی داسہ لگی جاری رکھیں جس نے انکار کر دیا اس لیے
اپنے ہی علاقے میں دھندلا کر ایشل کر دیا گیا۔ کچھ لوگ اٹھا
کر لے لیے کہ شاید کوئی پلٹ کے آجائے۔ بہت دیر بھل ہمارا
سارے ہلا کر جینی پلاؤ وغیرہ میں سے کوئی بھی نہیں ہے لڑا
ہی اٹھانے۔ ہمارا کی کہیں سے کوئی نیز غریبیں مل کر کوئی ادا چارہ
نہیں تھا۔ رات سے داسہ لگی کے بغیر دھندلا کر نامکن نہیں ہا تھا۔
بھل کے پرانے آؤہوں کے پیچھے ایک ایک پر چار چار آؤی
سانے کی طرح لگے رہتے تھے اور اپنے آؤی باہری کہتے رہ
گئے تھے وہ یا تو میل میں تھے یا پاس گئے تھے کہیں روپوش
ہو گئے تھے۔ جو چھوٹے موٹے رہ گئے تھے ان کا کوئی دل و دانت
نہیں تھا پھر بھی لوگ ہر ایسے کے بقول استادیضو اور استاد شہابی
کے پاس گئے اور کہا کہ بھل کے دوست ہیں اور فراموش ٹھیکے
ہیں۔ دونوں نے ایک ہی قسم کا جواب دیا کہ ابھی خاموش رہنا
بترسہ پالیس کے تیر بگڑے ہوئے ہیں۔ لوگ اور بھی کئی جگہ
گئے تھے قیام پور سیکر سے یابی کا منہ دکھنا ہزار لوگوں کو کھاتے اور
اپنے آؤے کے دوسے آؤہوں کے چھوٹے کا اٹھا چارہ
یقین تھا کہ کھاتے ہی آؤے کچھ کرے گا۔ آؤے پالیس نے نیس
چھوڑا ہر ایسا کہ اٹھا کر پالیس نے ہلکے متعدد آؤہوں کا چھلکا
لما تھا اور تھلے پر ان کی صبح و شام حاضری لازمی قرار دے دی
تھی پالیس کے اس روپے سے تنگ آؤے کچھ لوگ دانستہ آؤے
سیدھے ہاتھ ڈال کے بل میں چلے گئے۔

ہر لالہ درتا کے اڑنے سے اپنے تعلق کی ہزار دلیس د
دلوں کا ابدار بار بھر کے ہمارے چہرے دیکھتا تھا۔ وہ کہہ جاتا
تو جیسی پٹو اور لاکھ جوس کے پاس ہی بیٹھے تھے، اسے زور
سے کہتا ہوا کہ: "جھوٹا ہے۔ وہ بیٹھ کے کہتا ہے ہر لالہ
برکھلا کے چہرے لے لے گا۔ وہ بتا رہا تھا، وہ سنا لے
جی شہر کے تمام آدمیوں پر کھلا جیسا تھا کہ اب انھیں جیسا
کی ضرورت نہیں، یہ جتنا وہ اپنے پاس رکھیں، جی اس نے کچھ
پہلے دہری بچائی، اس میں شہر کے کئی استاد شریک ہوئے ہستاد
یہ ضرور استاد شریک نہیں آئے تھے لیکن ان کے اڑنے سے کچھ
فرگ ضرور شامل ہوئے تھے۔ رات بھر دہری ناچ رہی اور بار

ہاں ماقی تھی۔ رتائے ملائے کے مام لوگوں کے لیے کھانے کا
استعمال کروایا تھا۔ تقریباً ساڑھائیے کا لگیا۔ ملائے سے سختی کے چند
تیز بھکاری ہی شریک ہوئے یا وہ لوگ جنھیں زبردستی دیاں لایا گیا
تھا۔ میرا لاکر ہاتھ کا ملائے میں رہنے والے ایک دوسرے سے
جھل کے مشتاق ہو جتے ہیں اور کوئی کسی کو جواب نہیں دے پاتا۔
رتائے شروع شروع میں سختی کی تھی پھر نرمی کرنے لگا۔ ملائے
میں وہ تین چار دن کے وقفے سے گھوم لگتا ہے مگر کسی سے زیادہ
بات نہیں کرتا، مگر زمانہ ہوا چلا جاتا ہے۔ لوگ اس سے بات کرتے
ہوئے گھومتے ہیں۔ ملائے کی دکان میں اب جلد ہی بند ہو جاتی ہیں
رات کو لوگ اپنے گھروں پہنچ رہے ہیں۔ آؤ گے کہ ارد گرد کی
تمام گلیوں کی عورتیں صرف مروت کے وقت باہر نکلتی ہیں مکانوں
کی کھڑکیاں اور فلایٹوں کی بالکونیاں غالی رہتی ہیں۔

ہم سے کہا۔

کہا، کڑیسیں چار سے زیادہ نہیں تھیں، بھل کھڑا رہا۔
 ”ٹھیک ہے سورتی چاہو؟“
 سورتی نے دوبارہ بیٹھنے کو نہیں کہا، میں تمہاری تلاش
 تھی، تمہیں ٹھیک بتا یا گیا۔ میں تمہاری تلاش تھی، سورتی کی آواز
 لپک رہی تھی۔

آئے گا تم ہی نہیں سکو گے۔

”یاد ہے مائی باپ! اپنی بھی ایک بات شاید مرکار کو یاد ہو میں نے بولا تھا، آخری وقت آئے گا تو کن روکے گا پہلا ادا لگتا ہے کہ اب کے آگیا، پرنٹ کھٹ بفل سے ہو کے نکل آیا ہے۔ بھل نے دم لمبے میں کہا۔
”میں آپ سے سخت محکم ہیں۔“

”جہ آپ کے سامنے ہیں مانتھری؟ اسٹیشن سے آگے پہلا بڑا تھا نا ہی پڑتا تھا، سو ہم ادھر ہی آگئے۔“
”ماٹھر نے بھکاری مہری اور کشتیاں سسٹا ہوا تیزی سے بولا۔ تو تم کہتے ہو تم یہاں اس شہر میں نہیں تھے؟“

”ہاں سب! ایسا ہی بولا ہے۔“
”مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ تم یہاں تھے یا نہیں۔“
”آپ ٹھیک بولتے ہو پھر آپ کہا پوچھتے ہو آپ کیلئے نہیں پڑتا، ہر اپنے لیے بہت بڑگیا ہے۔“
”کتنے دنوں سے تم باہر تھے؟“ وہ بول بل کے بولا۔
”آدھے سال سے اور ہر سونے کر بڑگا۔“
”باہر کیا کر رہے تھے؟“

”جہ توں کیا کر سکتے ہیں۔ بھل نے تنک کے کہا۔ سامنے سوال ادھر ہی کر لو گے تو ادھر کے لیے کیا بچے گا۔ باہر کو تو آ رہا ہے تھے۔“

”ماٹھر نے سلمیں بڑگئیں کچھ بولتے بولتے رو گیا کرو بڑا تھا۔ میز کے پیچھے ادھارے دایں بائیں کئی سپاہی شمع کھڑے تھے۔ ماٹھر نے مادیوں طرف ایک اچھتی لکڑی والی اور ایک شہر سوئی سے مرکز سامنے لیے کچھ کھٹ لگا سموتی نور باہر چلا گیا۔ چند لمے ہی میں گورد گئے۔ ملا کو میرے قریب میرا لڑو پڑو کھٹا جاو بھل کے پاس تھا۔ باقی سب پیچھے تھے۔ یک وقت ماٹھر بات لیے ہی بولا۔ میں نے تم سے بولا ہے۔ آپ سے بہت نصیب ہے۔“
”ہوگا، مزلہ ہوگا۔ پرنٹ تو دو دنوں طرف سے لگا ہوا ہے۔“
”پسے بھی نیچے سے بھی نیچے والے ہی تم زور سے نہیں جتے ہو تو اسے آگ ملاتی ہے، بجھا دیتے ہیں آپ کوئی نئے تو نہیں ہو جاتے ہو آپ کو زور کب تک چلے گا۔ نیچے والے سارا دھواں آگ میں گئے۔“
”تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”اپنا لگنا کیا مرکار کی دہائی دیتے ہیں؟“
”استاد بھل! ماٹھر نے آدھی آواز میں کہا۔ بہتر ہے یہی بات کر۔ جو کچھ ہوا ہے، وہ نہایت سنگین ہے۔ ابھی تک ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچے ہیں لیکن سب کا خیال ہے کہ....“

”جہو ریکس بات کی ہے۔ بھل بچ میں بولا۔

”دیشا بھٹالے آئے کی تھی؟ ماٹھر نے کھنی سے کہا۔
”ہلکے سر مارے ساتھ ہیں۔“
”مزل کا فیصلہ ہی ہو جائے گا لیکن اس سے پہلے تمہارے پاس موقع ہے، تمہیں ہر کچھ کنا ہوا کر سکتے ہو۔“

”ایک ہی جگہ جو سب بول دیں گے۔“
”تمہاریاں کا بیان ہی ادھر کا سامنے گا۔“
”آپ کے تنگ لپٹے ہوئے اپنے کمرے کی تھوڑی بہت کوری ہو گئی ہے۔ بیان کا لپٹا کر کرنے میں صرف زبان ہوتی ہے۔“
”تو تم بیان کچھ کتنا نہیں چاہتے؟“

”ایک ہی بار جو بولنا ہوگا، بول دیں گے۔ ادھر بولنے سے کوڑ نہیں ہو جائیں گے۔ آپ حکم کر دو۔“
”ہمارے پاس تمہارے وارنٹ نہیں ہیں۔“
”آپ کی کھنی ہی وارنٹ ہے، وارنٹ بننے میں کچھ ٹائم لگتا ہے۔“

”لیکن اگر تم جاو تو اس کی نوبت نہیں آئے گی۔“
”ماٹھر کی بات سن کے بھل کے ہونٹوں پر جھمی ہوئی پڑا۔ ترختے سی لگی۔ اس کا ہاجھا بھل گیا۔ جب سے بڑی کا بھٹا نکال کے اس نے بڑی سلگانی۔ ذرا پانی پلاؤ والو اس نے قریب کھڑے ہوئے سولالدرے کا ماٹھر کے اشارے پر وہ ایک کے گھاس میں بونی لے آیا۔ بھل نے ایک ہی سانس میں بھلا بھلا ملق میں اٹھ لیا اور بڑی کے دو ایک لمبے کٹ کھینچ کے بولا۔
”ابھی گاڑی سے آتے کچھ سب سے پہلے یہ جھکے گا مال بدو ملا تھا۔
”لٹا تھا، لوٹ جاو پوریس تمہاری نکاش میں ہے۔ جو کچھ بولا بنا، حکم کا جنا ملا۔ یہ بھی ہی بولتا تھا۔ کہ ہم آگے پیچھے کہہ رہے ہیں گئے۔ بہرے ادھر آ رہے ہیں۔ ہم کس ادھر جی جاتے تھے۔
”انسان کے اپنے کمرے پوریس کی تلاش تھی۔“

”تمہارے کتنے کا مطلب ہے؟“ ماٹھر کی آنکھیں سکڑ کے۔
”چوٹی ہو گئیں۔ یہاں آنے سے پہلے تمہیں کچھ ہی معلوم نہیں تھا۔“
”ایسا ہی سمجھو۔“

”یعنی تم اس عرصے میں بالکل بے خبر رہے؟“
”اتنے دنوں بعد پھر آپ کے درشن نہیں ہوتے۔“
”ہو استاد بھل! ماٹھر ایک کے بولا۔ تم ایسی کون سی تھے جہاں نہیں اپنے آدمیوں کی بھی خبر نہ مل سکتی ہو۔ یہاں تو ان کے نہیں تیار کیا ہو۔ ماٹھر کے لیے کا مزلہ چھپا ہوا نہیں تھا۔ اس واقعہ کو ڈیڑھ مہینہ ہو رہا ہے۔ کل لگی کی خبر کا چرچا ہے۔ نہیں

”نے نہیں بتایا کہ تمہارے کچھ چھپتے ہیں کیا ہوا، کیا ہو رہا ہے۔
”میں بھی لوٹ کے خبر نہیں لی؟“
”ڈی اے میں پناہ قوت پر پیر کے ایک ہی بات کی حکمران تھا جس کا بھل کے پاس جواب میں تھا۔ کھڑے کھڑے نا انگلیں دکنے لگی تھیں سب سے ایک زمانے سے یوں ہی ایس۔ میرا دل کہیں دھسا جا رہا تھا۔ میں شاید مدھے آؤں۔
”لحظ جانا جا رہا ہے۔ بعد میں یہاں آنا پڑا تو اتنی گھٹن نہ۔
”ماٹھر کی بھتی نظریں بھل پر مرکوز تھیں۔ ہم کچھ بولیں گے تو تم سمجھو گے۔ بھل نے سانس لے کے کہا۔“
”میں بھلاؤ، استاد بھل! ہم سمجھنا چاہتے ہیں۔“

”اپنے لیے یہ بعد کی بات ہے۔“
”اور پوریس کے لیے پہلی۔“
”رہی کا ایک سر رائیں ہوتا اور کوئی ہوئی ہو تو بہت سے بہت تھیں۔“
”پوریس تمہارے باہر ہونے کی شہادت طلب کرے گی۔“
”ادامہ اپنے پھر ہونے کی پوریس سے نہیں کرے گا۔“

”ماٹھر ہی! اس بات کو مائلے دو۔ بھل نے زہر خند سے کہا۔
”مگر اس بات پر تم گڑا کر کیے جا سکتے ہو اور یہی بات میں آگے جا کے ثابت کرنی پڑے گی۔ ماٹھر دھکتے لیے ہی بولا۔
”اور ہم کیا بول رہے ہیں۔ آگے والوں کو بھی کچھ ثابت کرنا ہے گا۔ آگے والے ایک آٹھ سے دیکھتے، ایک کان سے سنتے۔
”اں کیا! وہ پہلے اپنے ماتھے کا ٹھپا دیکھیں گے، پھر بات کریں۔
”یہ باتیں کر لے رہے ہو۔“

”ہماری بھڑ میں نہیں آ رہا تم کیا کہہ رہے ہو؟“
”کچھ بھنے کے لیے آنکھیں ملنا پڑیں گی ماٹھر ہی! اسان کے۔“
”اے کو ایک ہی رنگ سو جھٹا ہے۔ اپنے کو تم نے سدا سناخوں۔
”مزلہ بھل کے ساتھ دیکھ لے من میں ایک ہی صورت بناتی ہے۔
”ہماری ہی بھل کرے گی مرکار۔ جس کے جہدی ہوئی ہے اس سے بچتے ہو کہ مرکار تھا۔ بھنے پر بھٹا ہی لگتا ہے ماٹھر نے بھل مازا جھٹنے کی تھی تو گراں بھی کو پکڑنا آتا ہے کیا! ہم کو اوپر ٹھاننا نہیں ہوتا۔“

”دیکھو بھل! بگاڑ کرنے سے بگاڑ پڑا ہوگا۔ ماٹھر نے اپنا ابو اٹھنے کی ناکام کوشش کی۔ اس کی بشتانی پر پسینے کے قطرے۔
”اے بھٹے تھے۔ اپنی یہ صورت تمہی نے بنائی ہے تمہی سے مت۔
”کھٹے ہو معاملہ بھٹا نے کوشش مت کر دو، اس طرح کی باتیں کر کے اکیلا جاتا چاہتے ہو۔ میں کتا نہیں تم اپنے لیے ہر کر رہے ہو بڑا بھتہ۔
”تم بڑا تم کس کے سامنے بیٹھے ہو کسی ایسے شخص کے سامنے نہیں

”جو تمہیں نہ جانتا ہو، میں تمہیں اس وقت سے جانتا ہوں جب میں ایک معمولی سپاہی تھا اور کیا کیا، بیان بھی جانتے ہیں کہ بھل....“
”کوئی نہیں جانتا ماٹھر ہی! بھل اس کی بات کاٹ کے بولا۔
”کون نہیں جانتا کہ وہ کون ہے کیا کرتا ہے کہاں رہتا ہے۔
”کتنے دن گھر میں کتنے دن گھر سے باہر کن لوگوں کے ساتھ اس کا آٹھنا بیٹھنا ہے۔ اس کی جب میں ہمیشہ ایک ہتھیار رہتا ہے۔
”اس کے اٹالے پر زندگی اور موت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس کی کوئی کل سیدھی نہیں اس کی نہ دوستی اچھی ہے نہ دشمنی۔ کتنے خال جوسے ہوئے ہیں کیا میں ان سب کو گوناواں جو میرے علم میں ہیں۔
”جو میرے علم میں نہیں ان کی تعداد اور زاوہ ہوگی۔ تمہارا سارا ریکارڈ کاغذ میں محفوظ ہے۔ تالے لپٹے لے کے آئے ہو ہر بار ساتھ لے جاتے ہیں مگر کب تک....“

”ڈی اس پی ماٹھر کی زبان میں جیسے آگ لگی ہوئی تھی۔ اس دوران ایک سو سو دہائیوں آگیا۔ ماٹھر نے رک کے اس کی طرف بے چینی سے دیکھا۔ سو دہائیوں نے اثبات میں گردن ہلائی اور انگریزی میں کچھ کہے جسے میں سن نہیں سکا۔ سو دہائی کو اپنے قریب رکھی گزری۔ پوچھنے کا حکم دے کے ماٹھر بھٹے ہوئے منہ سے بولا۔
”مگر اس کے لیے میں کسی قدر خیر آگیا تھا۔ سنو، ہم نے شہر میں اپنی تمام کوشش کی ہے۔ کوئی کتا نہیں چھوڑا ہے۔ ہم نے متعدد آدمیوں کو پکڑا اور ان سے کچھ اگروانے کچھ جاننے کا بہترین کیا ہے۔
”کہیں سے کوئی سرخ نہیں ملا، کوئی ملے جے ہوئے ہم آگے بڑھ سکتے بہت بڑا بھل ایک ایک اپنے آدمیوں کے ساتھ کہیں چلا جاتا ہے، اپنا ہتھیار بغیر اس کے خاص آدمی نہیں جانتے کہ وہ کس طرف گیا ہے۔ وہ کھنڈ کے ایک ہتھیار کھنڈ کو اپنے آٹھے پر چھوڑ جاتا ہے۔ کتنے خاں کی موت سے تین دن پہلے استاد بھل کا ایک اور خاص آدمی کاتنے یکا یک شہر سے فائب ہو جاتا ہے اور اس کی ہر ممانہ میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ سب کاتنے دہائیوں آگے تو آئیں بائیں خائیں کرتا ہے۔ میں بتانا کہ کہاں گیا تھا۔ وہی کچھ بولتا ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ تم واپس آتے ہو تو تم بھی لاطمی ظاہر کرتے ہو۔ پھر باقی کسان گرے۔ انکھ اس طرف پھٹکے! ہم کو سارے لکڑیوں؟“
”بھل نیم دا آنکھوں سے سننا رہا۔ جواب دو بھل؟ ماٹھر دشت سے بولا۔“

”کیا جواب دیں ماٹھر ہی! آپ سارا کچھ بول دیے ہو۔ اب اپنی زبان کھولنے کو کیا رہا جاتا ہے۔ بھل نے زیر لپی سے کہا۔
”ایسی صورت میں کیا یہ نہ سمجھا جائے کہ تمہیں سب تسلیم ہے؟“

”آپ کی غرضی اس میں ہے تو تسلیم قبول“
 ”تم ایک پولیس اسٹیشن پر بیٹھے ہو استاد قجیل، اداکار
 دتے دار آدمی سے غلط ہو، اچھے بنو، بڑا آدمی سے کلام
 ”جتنی کہیں ملو گورو ڈال دو ہم سب کے ہاتھوں میں“
 ”بڑا خیال ہے تم سے مزید گفتگو کرنا بے کار ہے“
 ”بڑا ایک بات رہ گئی ہے آپ کی مرضی ہو تو پلیز“ قجیل نے
 مزید لے کر کہا اور اپنی ہانگ اٹھا کر ایک جھٹکا دیا مسلسل کھڑے
 رہنے سے اس کی تکلیف اور بڑھ گئی ہوگی۔
 ”تم... تم بیٹھا دو استاد! ٹھکانے بھٹکتے ہوئے آئے شہر ویا۔
 قجیل نے اٹنے ہاتھ سے محبت اس کے مزہ پر ملنا پڑا دیکھ لیا
 بلا کر ملنا پڑا دیکھتے ہوئے تھا، اس کی جھونک میں تین ہی کرسی پر
 گرتے گرتے بچا۔
 ”حاصل یہ ہو قجیل، سوتلی نے ناراضی سے کہا۔
 ماحقر نے انیکٹر سوتلی کی مداخلت پر منہ بنایا اور مزید پتھکی
 نے کے اُسے چپ رہنے کی تلقین کی ”تم کیا کہہ رہے تھے؟“ دوسرے
 ہی لٹے اُس نے قجیل سے پوچھا۔
 ”بولتا تھا، ایک بات رہ گئی ہے آپ کی مرضی ہو تو پلیز۔
 ”ہاں ہاں کو، ماحقر نے تجسس سے کہا۔
 ”اپنے آدمی“ اپنے کو واپس کر دو“
 ماحقر نے کرسی پر بیدھانیں دے رکھا کیا... کیا؟“
 ”ہم آپ سے اپنے آدمی واپس مانگتے ہیں“ قجیل نے ہلکی
 آواز میں کہا۔
 ”تھامے آدمی تھیں واپس کر دیں، ماحقر نے اضطراب سے
 دہرایا ”یہی کہہ رہے ہو تم؟“
 ”آپ نے خشک سنا ہے۔“
 ”تم... تم باطل ہو گئے ہو کیا؟“
 ”کیوں سب! ہم ان کو آپ سے نہیں مانگ سکتے؟“
 ”تم کیا، کیا ایک رہے ہو؟“
 ”خشک ہی ایک رہے ہیں ماحقری! اور ماحقر کی بات
 چھوڑو، ساری دنیا کی چمک وادی کرتے چہرے پر اپنے آدمیوں
 کی رکھوالی نہیں کی گئی، ہم کس کے پاس جائیں اور ان کو آپ سے
 پھر کون واپس مانگے آئے گا۔ ہم جتنے کا حق موت تھی کر رہے
 ہم کر تھیں ہے؟“
 ماحقر کو تک ساکت نظروں سے قجیل کی صورت دیکھتا
 رہا۔ اُس نے فوراً کوئی جواب نہیں دیا پھر جیسے اچانک اُسے
 کچھ خیال آگیا ہوا اُس کے ہونٹوں پر کستنائی سے مسکراہٹ کھل گئی

”خوب استاد قجیل! تمھارا بیٹرا بلا ہے تم نے“
 ”کیوں سرکار! ہم نے زمین کھولی تو بیٹرا ہو گیا ہے“
 ماحقر کے چہرے پر خوشی کی لہریں اُبھر آئیں۔ ”تمھارا
 دماغ میں اگر یہ خفا ہے کہ میں دھیان بٹا کے اور معاملے
 اُٹھا کے تم کچھ میل کر سکو گے تو اسے نکال دو۔ اس طرح تصویر
 شاید کچھ وقت ضرور چل جائے مگر دوسرے کے جوہر ہی نکلے گا
 ان حالات میں بھٹکا چاہیے۔ اچھی طرح کانوں میں ڈال لو، پلیم
 اس تربیتیں کوئی بخشش دینے کو تیار نہیں ہے۔“
 ”میری بات کا جواب دو ماحقری! اپنے آدمی کدھر ہیں؟“
 ”میری جیب میں ہیں۔ ماحقر ہنسنے لگا۔
 ”ہم بولتے ہیں ان کو کہیں واپس کر دو“
 ”ورنہ درندہ کی طرح؟“ ماحقر کی چپٹی آواز گونجی۔
 ”جو ان بڑے کا کریں گے۔“
 ”قجیل! قجیل! فضل کی باتیں ذکر نہ کرو“ ماحقر بھٹکا کے بولا۔
 ”اپنی باتیں فضل گفتی ہیں سب! اچھا رہے آدمی چلا
 گئے، ایک نہیں کئی۔“ بھی سے بولتے ہو گھنٹی مت، بکا، شہر
 کرو، ہم اپنے آدمی اور چھوڑ گئے تھے۔ ایک سے ایک ہلکا
 اُن میں آپ ان کو تھیں جانتے۔ ہم جانتے ہیں وہ کون تھا؟
 کا ہاتھ کتنا بھل تھا اُن کے چہروں میں لونا بھلا تھا، گردن
 بجلی دھڑکی تھی اُن کے دل کی جادو بیت بڑی تھی، سب کا
 اُس میں جاما ناما تھا، اُن کا بدل تھا، تینوں میں موت آتا ہے
 کہ وہ اُس کے آدمی تھے۔ پوچھو وہ جانی تھے بیٹھے تھے
 ہمارے ہاتھ پر تھے ہم سے مشغول کرتے ہو کر تم نے اپنی ہی
 ڈالیں جالیں اپنی ہی بولیاں فوج لیں، آپ بولتے ہو کہ جانا
 پاس تھے، پہلے کا فدا مارا میں بند ہیں اُن میں کس
 کھاسے کہ قبیل نے پیچھے سے کبھی چھوڑا گھونپا ہے، اُن کی طرف
 سے ناک چڑی ہے اُن کو آگے سے جانا ہوتا تو اُن کا سر
 بھی آپ کو نہیں تھا۔ ہلکا پانی مینے پہلے کھٹے سے ملنے کی
 ضرورت نہیں پڑتی تھیں مٹا اپنے ہی آدمیوں کے پیچھے بھاگتا
 ماحقری! تینوں میں سے اپنا کوئی فرائض چھپا لیا تھا اپنی جاگیر پر
 قبضہ کر لیا تھا؟ اُس نے اپنی ماں کے ساتھ حرم کیا تھا تو دین
 نے کیا کیا تھا۔ ہم اُسے اُدھر بیٹھا کے گئے تھے۔ کچھ سوچ بھوکے
 ہی بیٹھا ہو گا۔ اور آپ کے سر کی جگہ اوپر پر آگ آئے ہیں
 تو ہی آپ کو سامنے نظر آتے ہیں۔“
 قجیل کی آواز چھلنی ہوئی تھی، مڑا، ساٹا، کرے ہیں
 ایک اُسی کی آواز گونج رہی تھی اور جیسے برہنہ دواز جو تھی

”دیار اور اس کے ساتھ کھڑے ہوئے سپاہی جھنکے اندر سے اُسی
 ہم کہتے تھے۔ جن کے مانند بے حرکت، انیکٹر سوتلی اور
 مر کے چہروں پر شہنشاہی جھانکی ہوئی تھی۔ قجیل نے ایک لمبے
 کرنا چاہا مگر ہوا پر اُڑنے کے دیوار زمین پر چمکا یا اور کھٹے لگا۔
 بی نہیں ملا۔ بولتے ہو شہر کا کوئی کانا چھان مارا کر نہیں ملا!
 کی دیکھنا نہیں چاہا! اُن سرور کی اور دھن نے انھیں پر جربہ
 ہادی سامنے موٹا ہی مڑا کھانی دیا۔ انھی لوگوں پر کٹا چھٹکا
 جو سامنے پہلے ہی ٹرپ لے رہے تھے۔ کدھر دیکھا، کدھر کر دیکھا؟
 دریا پار کارو سے تو اپنے پاس بھی وردی والوں کا رکنا رہے۔
 قجیل چپ ہو گیا میرے جی میں آئی کہ میں بولوں میں ڈی
 بی بی ماحقر سے ایک سوال کروں لیکن قجیل کی طرف دیکھ کے
 سامنے خاموشی مناسب سمجھی۔ ماحقر کے ہونٹ جیسے ہوئے تھے۔
 دل کے چپ ہو ملنے پر وہ ہنسنے کا سا پڑا کیا تم جیسے ہو کہ ہم
 لہان نماں پلوں پر خود نہیں کیا ہو گا۔ ہم نے کوئی... وہ جین
 ملنے جیسے لہے میں بولا اور اُس کی بات منہ ہی میں دھنکے
 لہ ہا پر سے بیٹیاں بچنے اور گاڑیں لے کر آؤں گے اُن کی گلی
 میں انیکٹر سوتلی کی کٹ کٹا ہو گا۔ پھر ماحقری بولیں پھر
 اُٹاؤ کوہستے ہوئے فوراً ہی باہر چلے گئے۔ سامناں میں گونجی ہوئی
 بیٹھ کر تے اور بولوں کی کٹ کٹ کٹ کی آوازیں ہم سے قریب
 رہی تھیں مگر چہرہ دور رہتی گئیں۔ ماحقر اور سوتلی دیکھ کر
 میں اُسے اس صحن میں ایک دوسرے کو پس دیکھا کیے کسی نے
 یک لفظ دوسرے سے نہیں کہا، نہ قجیل نے سب وہیں کھڑے
 فکر والی کا انتظار کرتے رہے۔ ماحقر نہیں آیا۔ آٹھ دن منٹ
 دنا انیکٹر سوتلی تیز رفتاری سے اندر داخل ہوا اور تروڈ آئینر لے
 بی بولا میرے ساتھ آؤ۔“
 قجیل کی انھوں سے سُرخ آئی لگی لیکن وہ کچھ کے بغیر
 موتی کے پیچھے چلے گئے۔ سامناں میں دبا دما زائر اسٹار
 تھا ہوا تھا اللہ سپاہیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ دوسرے سب
 ناپسٹا نا پہلے پر منتظر کھڑے تھے۔ بیچ کے دو تین کرے چھوڑ کے
 موتی ایک شاہ لگی نڈا رتے میں مڑا گیا اور آگے جا کے ایک بڑا
 لہسے میں آگیا جو ایک ڈال سے شاہ تھا کرے کی محبت اُدھی
 اللہ کی شکل کی تھی۔ وہاں کئی پولیس افسران بیٹھے تھے اُن کی
 نظریں اُدھان جوں سے پڑ جاتا تھا کہ وہ افسران ہیں۔ ڈی
 کی بی ماحقری اُن میں موجود تھا۔ وسط میں ایک چوڑی میز کے
 لاکھوں کی کرسیوں پر وہ سب بیٹھے ہوئے تھے۔ اس طرف کی
 اُن کی خالی تھیں۔ وہ اُن میں ہیں کہ ہے تھے، جیسے ہی ہم اندر

پہنچے، ہادی طرف متوجہ ہو گئے۔ استاد قجیل، بیٹھا جاؤ، سوتلی
 نے بلند آواز سے کہا۔ قجیل نے اس بار کوئی اعتراض نہ کیا۔ بڑا
 اور دھنگا ماحقری سامنے آگئے تھے، انیکٹر سوتلی نے اُن تینوں
 کو باہر چلے جانے کا حکم دیا لیکن قجیل نے انھیں روک لیا۔ ماحقر
 سوتلی کو ایک جانب بیٹھے کو کہہ کے ہم سے غلط ہو اور بتانے
 لگا کہ ہمارے سامنے کون کون افسران موجود ہیں، اُس کے کھٹے
 کے مطابق ان میں دو افسر ہیں دو ڈی اے افسر ہیں، تین انیکٹر اور
 ایک سب انیکٹر تھے، انیکٹر ڈاؤن مال کا تعلق خاص ہمارے علاقے
 سے تھا اور وہی تینوں خاں کے معاملے میں تفتیش پر مامور کیا گیا تھا۔
 سب کی غلطی نظر میں ہم پر بھی ہوئی تھیں سائیں بی لڑنے کے
 سوان میں کسی کی گونجیں جانا تھا۔ رائے اُس زلے میں سب
 انیکٹر تھا سب تین آدمیوں کے قتل کے جرم میں لے پہلی بار
 تھلے لایا گیا تھا۔ اب اس کا ڈیل ڈول خاما بڑھ گیا تھا چہرہ
 بھی جھلی ہو گیا تھا۔ رائے نے شاہ لے نہیں چھوڑا۔
 ”ہیں سنے وردی بھی کہا کہ لوگ بھی موجود ہیں ماحقر شاہ لگی
 سے بولا۔ جو کچھ تم کنا چاہو ان کے سامنے قتل کے کہہ سکتے ہو۔“
 ”اپنے کو ایک بات بار بار بولنا نہیں آتا۔ قجیل نے کڑی
 پر بیٹھے بیٹھے کہا۔ ہم سنے بولا ہے ایک دم قتل کے بولا ہے۔
 آپ ہی ان کو بتاؤ۔“
 ”میں سنے میں نے انھیں بتایا ہے۔ سوتلی کی جھپٹتی ہوئی
 آواز ابھری۔ لیکن اچھا ہے تم براہ راست انھی لوگوں سے پتہ
 کرو جن کا تعلق اس معاملے سے ہے۔“
 ”آپ آگے بڑھو پتہ نہ کو کچھ اور نہیں بولنا۔“
 ”سب کے پیچھے ہٹے افسران بی جوشی نے اُن کی پی
 رائے سے کچھ کہا۔ رائے نے اپنے قریب موجود ماحقر کو متوجہ
 کیا۔ چمنٹ تک وہ اُن میں کا ناچھو سوں کے انداز میں باتیں
 کرتے رہے، جوشی کی بات سن کر ماحقر نے اثبات میں سر ہلایا اور
 بولا۔ استاد قجیل! کیا دوبارہ تھیں یہ جتانے کی ضرورت ہے
 کہ تمھارے سامنے اس وقت پولیس کے اعلامیہ سے وارنٹ
 ہیں۔ صاب دن دیر میں سے یہ اسی کی تفتیش میں مصروف ہیں۔
 ”تو لا جلی کرے سرکار۔“
 ”تم جانتے ہو کہ یہ پولیس کے منتخب لوگ ہیں۔“
 ”یہ بھی لپنے کا اچھی طرح جانتے ہوں گے۔“
 ”تیز سے بات کرو قجیل! انیکٹر ڈاؤن مال نے جھٹلے ہوئے
 لہے میں کہا۔ یہ اتنی نہیں ہے۔“
 ”میدھا ڈو کے لوگ اُدھر آ رہے ڈاؤن! قجیل نے

”مئی سے کہا تم کیا اپنے رشتے والوں سے بات کر رہے ہو؟“
 ”یہ اچھے سے سناؤ اور ذلیل استعمال سے بولا۔“ بی ازا بلیٹل
 لے باس۔۔۔۔۔ اس نے اپنی آواز جھنجھکی۔
 ”اپنے کو زیادہ یاد ہیں داڑھی؟“ بھلنے نے اس کے لیے سے
 اندازہ لگا لیا تھا کہ انپٹر ڈاؤن وال انگریزی میں گالی بک رہا ہے
 یا کہنا چاہتا ہے۔ اچھا ہی ہوا جو ڈاؤن وال نے اپنی آواز کی لگام
 تھام لی ورنہ اس کا جواب میں اسے ضرور دیتا۔
 ”نو۔۔۔۔۔ اس جی جی جی نے ہاتھ کے اشارے سے ماؤ دیال
 کو تنبیہ کی اور انگریزی میں بولا۔ تم کن لوگوں سے مخاطب ہو؟
 ایک ذرا مکمل کرو۔ پھر اس نے ہاتھ سے کہا کہ وہ اپنی بات جاری
 رکھے۔ ہاتھ نے اس سے درخواست کی تھی کہ کسی کو بولتے رہنے
 دیا جائے۔

استاد بھل آتا تھا کہ لیے میں ملائت تھی۔ میں تم سے
 کہہ رہا تھا کہ تم نے ہر پہلو پر غور کیا ہے، یقیناً بات ہمارے لیے
 بھی عجیب کی تھی اور ہے کہ بھلنے نے اس شخص کو کہیں غم کر دیا
 جو چار بیٹے سے اس کے اڈے پر بیٹھا ہوا تھا اور جیساکہ ہمیں
 معلوم ہوا، وہ تمہاری مرضی سے بیٹھا تھا بے شک اچھے یاد نہیں
 پڑتا کہ تمہارے ریکارڈ میں پشت سے پھر لگو ہونے والی کوئی رد واد
 ملے ہو سب تم سے واقف تھے اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ
 بھل اپنے ہی گھر کو کہیں آگ لگا لے گا، اپنا ہی گلا کہیں گھڑ
 لے گا۔“ بھلے ہاتھ پر بہت میرت ہمدی تھی۔ وہ کہہ رہا
 تھا۔ تمہیں کتنی خاں سے بھل تھا۔ ایسی ہی کوئی کہ ہو گئی
 تھی تو تم نے یہ طریقہ ہی آخر میں اختیار کیا، تم سامنے آ کے بھی
 بات کر سکتے تھے کتنی خاں کے متعلق بھی تم نے معلومات حاصل
 کیں۔ پتہ چلا کہ وہ کھٹو کا ایک بڑا استاد تھا اور بھلا ہراس کا
 تم سے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ وہ تمہاری عزت کرتا تھا اور پوچھنے
 پر لوگوں کو تیار کرتا تھا کہ استاد اس آہی ہے ہوں گے بھر کن
 سی ایسی نازک بات تھی جو تمہارے اور کتنی خاں کے بیچ تانتی
 کی بنیاد بن گئی۔ میں بالکل یقین نہیں آتا تھا اور میں۔۔۔۔۔
 ہاتھ جوڑتی کی طرف دیکھ کے تذبذب سے بولا۔ میں اب
 بھی یقین نہیں ہے۔ اس وقت ہمارے پاس اس کے سوا کوئی
 چارہ نہیں تھا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو بچا لیں۔ اس میں ڈیڑھ
 سو کے گھیک آدمی خاں میں لائے گئے۔ دوسرے میں بھی
 یہ سلسلہ جاری رہا اور ابھی تک کسی نرس مدمک سے بھلا را
 یہ خیال کہ پولیس نے نظر بچا کے کام لیا ہے تو یہ تمہاری عقلی
 ہے صرف بدگمانی۔ ہم نے تقریباً سا لے ہی آؤں سے آدمی بچو۔

تھے۔ اس واقعے کے متعلق وہ خود بھی میرت کا اظہار کرتے تھے
 اور ان کی راہوں میں بہت فرق تھا۔ طرح طرح کی باتیں کرتے تھے
 ان کے ساتھ آؤں کے استادوں کو بھی خاں میں بلایا گیا۔
 ”تمہیں یہ سن کے شاید دکھ ہوگا، اپنا بھائی کہ انھوں نے
 تمہارے ہمارے کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہیں کی، ان کا بڑا درد و محنت
 ہاں گنتی کے چند استادوں نے ضرور تمہارے لیے باتیں کیں
 ان میں اکثریت ایسے استادوں کی تھی جو تم سے ہمردی میں
 رکھتے تھے۔ وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں تمہاری طرف اشارہ کر رہے
 تھے اور میں معلوم تھا کہ ان کا یہ رویہ ہے وہ نہیں ہوگا۔ اس کے
 پیچھے بہت سے غصے ہوں گے۔ برسوں پرانے غصے برسوں پرانے
 سبب بھل۔ وہ شہر کے تمام آؤں پر تمہارا راج کیوں کر سٹپے ہر
 گھر پر دولت واؤ کی ناک میں لگے رہتے ہیں گے کہ سب کو تو
 ملتا ہے اس سے اچھا موقع ان کے پاس اور کب آتا کہ تم کہتے
 ہیں موجود نہیں تھے سو ہم نے تمہارے خلاف ان کے بیان
 پر زیادہ دھیان نہیں دیا لیکن انھیں ٹوٹنے اور کرکینے کا کام
 بھی غفلت نہیں برقی، نتیجہ مفرد۔ وہ کسی کا نام نہیں لیتے تھے
 کسی کا بھی تمہارا بھی مکمل کے نہیں۔ ساتھ ساتھ ہم نے ملازمت
 کے ان گنت لوگوں کے بیانات تلم بند کیے۔ میں اعتراض
 کر ان میں تقریباً سبھی نے تمہارے لیے ابھی رائے کا اظہار
 انھوں نے کتنی خاں کو بھی بجا نہیں کہا۔

ہاتھ کا انداز خطاب تھا کہ ساتھ ساتھ عجز و دھما اور صاف
 صاف۔ اس میں کوئی الجھاؤ نہیں تھا۔ اس کی زبان رواں اور
 ماہر پولیس افسروں سے ابھی تھی میری طرح سبھی نے سکون
 سانس لی ہوگی۔ ہاتھ وہی سب کچھ کہہ رہا تھا جو ہم کہتے۔ اگر
 نے بتایا کہ کسی نے اتوار نہیں کیا اور پولیس کو کیا کوئی ثبوت
 نہیں ملا جس کی مدد سے وہ واضح طور پر کسی طرف کا رخ کر سکا
 کوئی نشان نہیں تھا، جن لوگوں کو پکڑا گیا، انھوں نے اس بار
 اپنے آؤں گھڑوں یا کسی اور جگہ اپنے موجود رہنے کی نشاندہی
 دلوائی تھیں۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے آؤں کے لوگوں نے غفلت
 نام لیے جن میں موجود ہمارا کا آؤ امر فرست تھا۔ پولیس کا سب
 زیادہ زور موجود ہمارے آؤں کے آدمیوں پر پڑ رہا لیکن وہ
 سے بھی انھیں کچھ حاصل نہیں ہوا جس رات گورگاؤ کے
 داخل ہوئے تھے، انھیں کسی نے آتے جاتے نہیں دیکھا اس
 گشت کرنے والی پولیس نے بھی نہیں۔ باہر میل دینے والا پتہ
 نانی شخص صبح بھست پڑا تھا۔ دونوں پہلے آؤں کے پوآنے
 لوگوں کے بارے میں بھی پوچھ گچھ کی گئی اور کچھ ایسے آدمیوں

اسلئے آئے جن کا تعلق کھٹے سے نہیں تھا اور جو اس رات
 بے ہوش نہیں دیکھے گئے۔ پولیس کا خیال ہے کہ وہی لوگ
 ان کے گرد وہاں چلے گئے۔ کھٹے کے گرد و نواح میں بھی ان
 تلاش کی گئی لیکن ان جیسے عیسوں کے کسی ایک شخص کی بھی
 ن وہی کسی نے نہیں کی۔ پھر وہ کون تھے؟ ہاتھ بلند آواز میں
 اسے پوچھ رہا تھا۔ کون تھے وہ بھل؟ اگر ہماری جگہ تم ہو تے
 تو پتہ پڑتا؟“

بھل نے کوئی جواب نہیں دیا، ہاتھ کہنے لگا۔ اور پولیس کو
 بتانے میں چار آدمیوں کی کھوج ہی نہیں تھی جو چند روز پہلے
 خاں کی اجازت سے آؤں کے پر آ کے بیٹھ گئے تھے۔ ان کے
 بھی چند آدمی ہوں گے جنھوں نے انھیں وہاں بھیجا تھا۔
 چار آدمیوں کے لیے یہ شکل تھا کہ وہ اپنے آپ کو نقصان
 پہنچا لیں۔ ایک ہی پہلے میں آؤں کے گیارہ چار آؤں آدمیوں
 تم کو ہیں اور انھیں ایک ہل کی صحت ذہنی، اس رات
 سے بھی لوگ ان کی مدد کر رہے ہیں گے اور جس طرح
 اندھیری رات اور سنسان گی میں روپوش ہو کر آئے تھے،
 طرح والیں چلے گئے۔ یکے بعد دیگرے وہ یا تو صبح سویرے
 سے نکلے یا انھیں آؤں کے قریب مقبرہ وقت پر کوئی
 سی آؤں کے لئے گئی۔ بھلا وہ کس وقت آئے کس طرح آئے
 کی تفصیل میں ہمارے سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ کون
 کس کس چھپ گئے؟ بناؤ بھل! وہ کون ہو سکتے ہیں؟“

”آپ جیسا کہ بول رہے ہیں۔ بھل نے تیکے لیے ہیں
 پھر تو وہ ہی ہو سکتے ہیں۔“

”ہاں! وہ تم بھی ہو سکتے ہو تم ہاتھ آؤں کے لئے کے
 لئے کھٹے سے دور کے آدمی شہر میں اور کے بھارت ہو سکتی
 کہ وہ استاد بھل کے لئے ہر اس طرح جانے کی جرات کر سکے
 ذاتی بجاؤ پھر! بھل نے ہماری طرف منہ کر کے تیزی سے
 سی سے تالی نہیں بولی اور ہاتھ نے بھی بھل کی بات سنی ان
 بارہی۔ انپٹر ڈاؤن وال کو کرسی جیسے کاٹ رہی تھی وہ بار
 لیکن بی جوشی اور اس لی رائے کو دیکھتا تھا مگر ان دونوں کی
 لیا ایک ہی جانب مرکز تھیں، ہماری جانب۔

”تمہارے سامنے نہیں کسی صحت کی ضرورت نہیں ہے لیکن بہتر
 تم برب سچ سمجھو۔ حقیقت جھٹلانے کے بجائے اسے تسلیم کرنے
 کیلئے تمہیں یہ سب بتانا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہمارا پولیس
 بے غم نہیں ہے۔ یہ جو اس بچہ تمہارے اور کتنی خاں کے
 فک کے بارے میں شہر میں آؤں رہی ہیں شاید تم بھی جانتے

ہو گے کہ لوگ کیا کہہ سکتے ہیں۔ ان افراد میں کو سہارا بنانے کے
 بجائے ہم نے انھیں شہادتوں ہی پر اپنی نگاہ جمائے کوئی چاہی
 ہے لیکن، کیا یہی نہیں تھا کہ ہم ان کی جانب سے اپنے کان
 بالکل بند کر دیں۔ کیس حقیقت انھی میں نہ تھی، یہی ہر افراد ہیں
 کوئی ایسا خاک کھینچنے نہیں اسکا کہ راستہ تھیں جو کسی حقیقت کے
 لگ بھگ ہر آدمی اندازہ نہیں لگا سکتے کہ ہم نے کتنے خاک کے بنائے
 اور مٹا دیے ہوں گے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے سے انھیں دھور
 اور ہمارے رہنما بھی بھیک تھا۔

اسی لمحے سب انپٹر سائے اٹھ کے دیے پاؤں ہاتھ کے
 پاس آیا اور میز پر اس کے سامنے ایک کاغذ رکھ کے وہاں اپنی
 کرسی پر چلا گیا، داؤ دیال نے اسے بھیجا تھا۔ ہاتھ نے کاغذ پر ایک
 سرسری نظر ڈالی اور سر ہلانے لگا اور مزے کوئی توقف کیے بغیر
 بھل کی طرف سر اٹھا کے بولا۔ کتنی خاں تمہارا دوست تھا، اچھا
 دوست تم کہ اپنے ساتھ کھٹے لائے تھے۔ یہاں کا رنگ کھٹک
 کھٹو سے الگ تھا اس کے لیے نیا اور چرکا لینے والا تھا۔ وہ
 تمہاری مرضی سے آیا تھا مگر کون دن اس نے تم پر چاقو کھول
 لیا اور مطالبہ کیا کہ آؤں سے نکل جاؤ۔ تم نے بھی چاقو کھول لیا
 لیکن تمہارے چاقو نے زندگی میں شاید پہلی بار تم سے دھوکا لیا۔
 آؤں کے ریت کے مطابق تھیں آؤں اور آؤں دینا اور کتنی خاں
 کا حق مان لینا چاہیے تھا، تمہیں یہ بھی قبول نہ ہوگا کہ آؤں
 کے دوسرے آدمیوں کی طرح آؤں کے استاد مان کے وہیں رہو نہ
 کتنی خاں اس پر تیار ہوتا، اس نے تمہارے ساتھ رعایت کی کہ
 تم جلد از جلد کھٹے چھوڑ دو، جن لوگوں کے سامنے چاقو نکلے تھے
 ان سب کے ساتھ آؤں کے باقی آدمیوں کو قابو میں رکھنے
 کے لیے کتنی خاں کو لیا جانا لازم تھا کہ تم نے اپنی مرضی سے
 آؤں چھوڑا ہے کہ نہ کہ تمہارے بعد یہاں آؤں اپنے میر جانے کیلئے
 ان کے ساتھ کی ضرورت تھی، جاں بخشی کے بدلے اور عزت سے
 کھٹے سے نکل جانے کے لیے تمہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔
 تم نے اپنے خاص آدمی کاٹتے سے بھی یہی کہا، دوسرے آدمیوں
 سے بھی سنا ہے تم نے ان سے کہا تھا کہ تم ایک لمبے سفر کو روانہ
 ہو رہے ہو جہاں سے تمہاری داہمی ناٹکن ہو سکتی ہے تم نے
 ایک لمبے سفر کا ڈھنگ رہا تھا مگر تم نے یہ فیصلہ دل سے
 قبول نہیں کیا تھا، تمہارے ساتھ ہمارے والے بھی تمہیں ٹوکتے
 کھٹکاتے رہے ہوں گے تم نے کتنی خاں کو وقت دیا تھا اور تم
 اس سے دوبارہ چاقو کھٹکولنے کا غصہ منل لینا نہیں چاہتے تھے
 جب تم اپنا چاقو کھٹکا بیٹھے تھے تو اسے سے تمہارے ساتھ نکلے

والے دوسرے کیسے کہیں قتل کے آگے آنے کی جرات کر سکتے تھے: "مکین خاں جانتا تھا کہ آگے چلا کھڑے ہی ایک ایسا آدمی ہے جو اس کے لیے پریشانی پیدا کر سکتا ہے۔ اس نے تمہاری زبانی کانٹے کر یہ بھانے کی کوشش کی کہ آگے میں وہ بھی اس کا برابر ہے۔ کانٹے ہی بھٹا رہا کہ استاد واپس آجائیں گے۔ وہ مبین خاں تمام لوگوں سے ہی کٹا رہا کہ ایک دن استاد نوراپس آئے۔ انہیں عمر کا کانٹے کو کتین خاں کے گھس سے کھٹکا ہو گیا تھا یا تمہارے کسی آدمی نے اس سے مل کے تمام حقیقت سے باخبر کر دیا تھا۔ کانٹے نے کتین خاں پر یہ ظہر نہیں کیا کہ وہ سب ممان چکا ہے۔ وہ آدمی جو مین خاں کے پہلے آئے تھے وہ آگے نہیں آئے۔ ہو سکتا ہے کانٹے ہی نے کتین خاں سے ان کی سفاک شکیں کی روپر کانٹے ایک دن غائب ہو گیا اور واپس آیا تو: "..... تاہم ایک گری سانس ہر کہہ تم نے سنا استاد بھل آ؟

"آپ کو اُدھر کئی ہی ہونا چاہیے تھا سب؟

"نورنگی میں زیادہ اچھا رہتا استاد آجیچے سے جا کر نے سرگوشی کی۔

"انکار کر دیا بھل! ہم تمہارا انکار سننے کے لیے تیار ہیں! تاہم کی آواز دواؤ گویا تمہارے پاس شاید کوئی جواب نہیں ہے۔

"گنا ہے یہ اُدھر ہی کہیں پیچھے چھپا بیٹھا تھا استاد!

ماہر بد بابتے ہوتے بولا۔

"مست دادہ جواب لگتا ہے۔ مبین نے بھل کر لڑا۔

"کیا بولیں گے؟

"وہ سب ایسی نظروں سے ہیں دیکھ رہے تھے جیسے ہم کہنے نہ پہنچے ہوئے ہیں۔ میرا خیال تھا کہ یہ سن کے بھل زور زور سے ہمتے لگائے گا یا ماتم کرے گا لیکن کرسی پر اس کا جسم دھیری بنا رہا جیسے اسے پہلے سے معلوم تھا کہ یہ سب سننا پڑے گا مگر کے خاکے میں کوئی محب نہیں تھا حقیقت سے کتنا ہی دور ہو مگر اس میں حقیقت کا رنگ غلط جھلکتا تھا تب ہی باتوں کی ہم ترویج ہی نہیں کر سکتے تھے اس لیے کہ تان لو ایک ہی بات پر اس کے فونٹی کہ چرم کمان روٹھتے تھے۔

بھل کر نور اپنی ہانگ کی کسی کو دکھانی چاہیے تھی۔ آرام کے بغیر نرم اور بھل جانے کا اندیشہ تھا۔ بار بار دیر سے دل میں ہلک آغوشی تھی کہ ایک بار جنت کر کے سب کچھ صاف صاف کہہ دیں۔ بس کریں، وہ ان لوگوں سے باز پرس کیوں کر کرے ہیں، صورت بچے بچو لیں مجھے چھانی سے وہ سب کا ہاتھ سے کیا فائدہ سب کا خون میری گردن پر ہے۔ جنت میں مرنے والے سوسے آدہ

آدمین کا ملن میں کاؤزیر کا، تاشم کا، سلطان کا۔ بیان آؤسے ختم ہونے والے جس لوگوں کا اور نہ جانے کس کا بچے تو ابھی نہیں ہے۔ میں نے نور اتراں میں سے کوئی بھی مرنے والا نہیں آئی اتنی جلدی تھوڑی مر جائیں۔ ان کے دل میں ہستی کی آرزو تھیں اور فتنے نے بھی دیکھا ہی کیا تھا کہ سر شاہی کتنے تیری وجہ سے میری زندگی بڑھ گئی ہے۔ کاش انھیں معلوم ہوتا میں ان کی زندگی کم کرنے کے لیے ان کے پاس آیا ہوں۔ انہیں اسلئے تراشے، اتنی باتیں کرنے اور کچھ کے لگانے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک ہی شخص کو بچو دیا جائے، اسے کہیں نہ مار دیا جائے۔ برو بھل! آپ کس کوں ہو گئے؟ "تاہم نے نیچے لیے کہ: "تمہاری زبان میں کیوں ہو گئی ہے؟ کہہ دو کہ سب جھوٹا ہے۔ اسی تھا کہ آؤزور نوٹے! تاہم سب! بھل غلام آؤزور! "انہوں نے کہا کہ تم ہی کہہ دو گے۔ کون جانے یہ زور کس کوڑے کے ٹوٹے گا۔

"چند انا تانہ میں ہوتا سرکار اگر ن پچانا ہے۔ بھلا بڑی سہلگاتے ہوئے کہہ دیجئے۔ اب تک وہ مسلسل بڑا رہا تھا اور کھاس رہا تھا۔

"تیس دھلت میں ہے فیصلہ آئی کرنا ہے۔ پراں و میں وہ کیا فیصلہ کر سکتی ہے۔ تمہارے آدمی اُدھر اُدھر کی باتیں کیوں لیجانے کے بجائے چپ واد پر تیار بنا ہے ہر چپ ہے۔ نہیں بتانا کہ کہاں گیا تھا؟

"وہ کیوں بتائے گا؟

"کیوں؟ وہ کیوں نہیں بتاتا؟

"جو کارن اپنے ساتھ ہے وہی کچھ اس کے ساتھ ہوگا۔ آؤسے والے اپنا آتہ جاتے گئیں تو کتنے دن چلیں۔

"آؤسے والے چلے اپنے محلے میں چندا ڈال لیں گے۔

"اس کا نام آئے گا تو وہ دیکھ لے گا۔ بھل نے بیلوٹی اس کا نام آئے ہیں۔ یہ وہی ہے۔

"اپنا کھانا سنا نہیں ہے تاہم سب! میں۔

"آپ کو لڑا تھا یہ بعد کی بات ہے۔ آپ زیادہ عفت مت آ۔

"لیکن بھل! اگر تم آئندہ میں یہ اچھن دودھ کوہ نورال تھا اچھی بھلا ہوگا۔ ہلا اچھی۔

"ہلا اچھا چھوڑ دو۔ تان اپنا سوچو۔ آپ کو دکھائی نہ دیتا ہو کہ لڑتے ہیں اس طرف دھیان مت دو۔

"ہم نے ایسا ہی کیا تھا استاد آ۔

"کہہ کر تھا سب! چکر آپ ایسے سر میں نہیں گا۔

آگے جا کے ہم نے بل دیا کہ ہم اُدھر اپنی ماں میں نہا ہے۔ تو آپ کون سی تھانساؤ گے جس پر کھل ڈالو گے؟

"یقیناً میں اپنی سرخ کاؤزیر بھلا ہوگا۔

"پھر پہلے ہی ایسا کر لو۔ ہم بھی کسی آدمی کے بننے ہیں۔

"مگر مگر تم اپنے آپ کو..... ہاتھ کتنے کتنے رو گیا۔

"درمیان میں بیٹھے ہوئے ہیں جس کی بھاری آواز نے ہر خاکوش کو دیا تھا۔ استاد! ہم کہہ دو کہ ہم چکر اور کس طرف بیان دیں؟

"ابھی ہم لوہر کے ہیں جوشی سب! بھل نے نرمی سے کہا۔

"لیکن تمہارے دماغ میں شک کی کوئی وشارعت افروزی ہوگی۔

"ابھی کوئی نہیں ہے سب سادہ سادہ پر ہر بھی ہے اپنے زیادہ دور نہیں ہے۔ بھل نے کہا۔

"تم بھٹتے ہو کہ تم ان تک پہنچ جاؤ گے؟

"نہیں پہنچے تو ماں کا دودھ حرام ہوگا۔

"تمہارے کتنے کا مطلب ہے؟ تمہیں جانے دیا جائے؟

"اب نہیں تو آپ دس دن بعد جانے دو گے۔ ہم تب ہی ہا کے پاس نہیں گے۔ پر شاید زور دیا گیا ہے۔ ان حرام کے دل کو نام مل جائے گا۔

"مگر تو تمہیں انھیں ڈھونڈنے میں لگ سکتی ہے یہ کیونکر کہتے ہو؟ تم کو ابھی کچھ معلوم نہیں ہے۔

"اپنے کہ زیادہ دیر اس نہیں آتی۔

"کتنائے کہیے گا؟

"بہت زیادہ نہیں۔ بھل کی آواز تپ رہی تھی۔

"پرستے دشمن اس سے تم بھی کہہ سکتے ہو جب تم کو کسی کی کسی ٹولی یا کسی خاص وشار پر شک ہو۔

"اپنے پاس آپ کی انھیں نہیں ہیں۔

"لیکن تم کو اُدھر سے جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ اُدھر خون خرابہ کی کھلی چھٹی ہے وہ؟

"ہم اتنے آؤسے کے بچے نہیں ہیں جوشی سب! بھل نے می سے کہا۔ یہ ہم سیدھے اُدھر کو نہیں آتے۔ اپنا کوئی ایک لائی ہوئے میں بند نہیں ہے۔

"مگر اس کی کیا ضمانت ہے کہ تم.....

"بھل اس کی بات کاٹ کے بولا۔ آپ کو ایسا نہیں بولنا۔

"ایسا اتنی فوج چکر کا ہے کہ کبھی کر دکھی ہے۔ ضمانت اپنے لیا دینا ہے۔

"ایسی جوشی کا چوہ کچھ اُدھر بھاری ہو گیا۔ فریاد جاری ہو

یہ اس کی نظروں کے آس پاس بیٹھے ہوئے افروں پر چلنے لگیں اور اپنی جاتی پر اسے ہر گھنٹہ میں اسے کھانے لگا۔

"آئی ڈونٹ شک! وہ انگریزی میں بولا۔ اب بھی کوئی گناہ موجود ہے۔ سب ہمارے جانے پہچانے لوگ ہیں۔ موقع کا احوال کرنے والے واٹچ کے کھابہ ریاکاری جن کی سرشت میں داخل ہے۔ رائے کی آواز اچھٹی ہوئی تھی۔

"یعنی یعنی انھیں روک رکھا جائے؟ جوشی نے مذہب سے کہا۔

"ان حالات میں ہی مناسب نظر آتا ہے۔

"مگر جناب! تاہم بیچ میں بولا۔ میرا خیال ہے کہ میں ایک بار از سر نو زور کرنا چاہیے۔ یہ فیصلہ تو ہم کسی وقت ہی کر سکتے ہیں۔

"تاہم جوشی! اس نے رائے نے اضطرابی انداز میں کہا۔

"کوئی معمولی رعایت بہت مشکل ہو سکتی ہے۔ ان کو کھلا اور چٹا ڈالے بغیر چڑھنے کے ساتھ میں کچھ اور غریب فزوں کیلے بھی تیار رہنا چاہیے۔ کیا انھیں گلی گلی بھونکنے، کانٹے کی عمارت نے دی جانے؟ "وہ مختار سے بولا۔ میں ہر لمحے حقیقت پیش نظر رکھتی ہے کہ یہ کون ہیں۔ کتنے بڑے کتنے بڑے گناہ مجھے سے بھٹائیں گے، اس سے پہلے کہ رائے کی زبان سے کچھ اور نکلتا، میں کھڑا ہو گیا۔ کسی نے خطاب سے نوازے جانے پر سب تو بہت پرانے ہو چکے ہیں۔ میری آواز بھر بھرانے لگی تھی۔ جاسونے پیچھے سے شوکار کے کچے خاکوش لینے کی تلقین کی لیکن میں کھڑا رہا۔

"وہ سب اچھل سے گئے۔ "نور اپنی جوشی اضطراب سے بولا۔

"یہ لاؤ لائے۔ اپنی ڈاؤ ڈیال تے تیزی سے جواب دیا۔

"لاؤ لائے! کیا یہ نواؤ ہے؟

"نہیں جناب! خاصا پرانا آدمی ہے۔

"یہ انگریزی کچھ بھٹتا ہے؟ "جوشی تعجب سے بولا۔

"کیا، کیا یہ وہ تو نہیں ہے جس نے قتل کے جرم میں لمبی سزا کا فیصلہ دیا اور جیل میں اعلانیہ جرم میں ملال کی تھی؟

"وہی ہے جناب!

"اس کے باوجود یہ یہ انھی لوگوں میں ہے۔

"مذکورہ خون لگ گیا ہے جناب آ۔

"ہاں ہاں۔ جوشی نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور مجھ سے انگریزی میں پوچھا: "تھی ہر وہ؟

"میں کوئی بھی نہیں جناب مگر مجھے آپ کا یہ انداز بالکل اچھا نہیں لگتا۔ میں نے ہندوستانی میں جواب دیا۔ آپ اس

لے اور طور طریق کے بغیر بھی کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ ہم آپ کی چار دیواری ہی میں بیٹھے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں ہمارے ذمے اب کون سا صاحب باقی ہے جو آپ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ کیا آپ نے ہم سے ہلکے پھلکے کچھ تمام گناہوں کے واجبات وصول نہیں کیے ہیں۔ آپ ہمیشہ آٹھی کے حوالے سے ہمیں پھپھاتے رہیں گے کوئی اور پیمانہ نہیں ہے آپ کے پاس؟ میرے منہ میں جو آیا میں نے کہہ دیا۔

ان سب کی آنکھیں ایسے فہل ہوتی تھیں جیسے وہ انہی سے سن رہے ہوں۔ نظر جو کی تو نہ تھا مگر ہر جانے کو مقبض نہایت بہت عجیب ہے۔ جوشی بڑبڑاتے ہوئے بولا۔
”مجھے یاد پڑتا ہے یہ فرسٹ کلاس طالب علم تھے۔
”سنسنے ہوئے لیے ہیں کیا کیا ایسا نہیں تھا؟“
”اس سال اس نے ٹاپ کیا تھا۔“

”تھیں دیکھ کے خوشی ہوئی اور... جوشی نے جھپٹتے ہوئے کہا: افسوس ہی... میں نے کوئی تصدیق نہیں کیا تو وہ بولا: تم کو کچھ اور کہنا ہے؟ میں سمجھتا ہوں ہمیں تم سے بات کرنے میں آسانی ہے گی۔ اس نے رائے کی بدلتی ہوئی ایک لفظ بھی نہیں کہا۔
”مجھے کچھ نہیں کہنا سب بھل جاتی تھیں کچھ نہیں۔ میں دہی کچھ دیر لڑاؤں گا اور میں ان کے سامنے کیا بول سکتا ہوں۔ میں نے ترشی سے کہا: لیکن مجھے ایک بات کہنی ہے۔ رائے صاحب نے ایک طرح سے انصاف کر لیا ہے کہ وہ ہم نہیں تھے ورنہ ہمیں چھوڑ دینے سے ان کے ذہن میں یہ اندیشہ پیدا نہ ہوتا جن کا اظہار ابھی انھوں نے کیا ہے۔ دوسرے ایک بات اور ہم نہیں بتا رہے کہ ہم کتنے تھے، کدھر اپنے سر جوڑ لے چکے تھے۔ آگے جا کے جی ہم نے اس معاملے میں زبان بند ہی رکھی تو کیا صرف اس بنیاد پر گیارہ آدمیوں کے خرن کا فیصلہ کر دیا جائے گا؟“

وہ سنتے ہی ان میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔
”بیٹھ جائے؟“ بھل نے بے جھجک دیا۔
لیکن میں نہیں بیٹھا۔ کون آپ کے آگے ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ میری آواز خود بخود تیز ہوئی کئی حالانکہ میں ایسا نہیں جانتا تھا۔ ہمیں مت جانے دیجیے، بالکل مت جانے دیجیے لیکن ایک بات پر بھی طرح خود کر لیجیے کہ آدمی ہمارے گئے ہیں اور ہمیں صرف ہتھیار چلا ناہیں آتا، کچھ اور بھی آتا ہے۔ کچھ بھی جانتے ہیں کہ کیا کچھ ہوتا ہے۔ ایک در کے بعد کون سا در ہے۔ ہمارے پاس اور اسے کی کمی ہے نہ اسے عمل میں لانے کے لیے

ذرائع کی بیل مطلب آپ غائب سمجھ لے رہے ہوں گے ہاں تو بھی ہم بڑی سے بڑی ضمانت آپ کے سامنے پیش کر سکتے ہیں مگر اس کی ضرورت نہیں تھیں چار دن یا دس پندرہ دن کے پھر سے بہت بڑا فرق نہیں پڑے گا۔ میں معلوم ہے کہ اگر جا کے کیا کچھ ہوگا جو مر گئے ہیں وہ واپس نہیں آسکتے مگر ان خون آنا اڑاں نہیں تھا۔ ان کی رگوں کو جواب میں باندھا۔
آپ کو نہیں۔ وہ ہالے آدمی تھے۔ میری آواز بھڑکنے لگی تو آپ بول چاہیں کہیں۔ جیسا کہ چاہیں بیٹا میں۔ غور کیا کریں۔ آپ کو اختیار ہے لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر جی اپنے اختیار سے نا آشنا نہیں ہیں۔ میں نے بہت دیر مگر میری آنکھوں میں بڑی طرح کھولیں ہو رہی تھی۔ میں اپنا دم چپا کے ایک دم بیچ گیا۔ بھل میری کمرے پھکیاں دیتے لگا۔
”کہہ رہی تھی کہ رہا ہے۔“ وہ ناراضی سے بولا۔
دیر تک سکوت رہا۔

”مرے میں ان کی دہی دہی سرگوشیاں بھین بھیناتی رہیں۔ میں نے نہ پھر ان کی کوئی بات سننے کی کوشش کی تھی نہ ان کی طرف دیکھنے کی۔ میں نے اسی لیے اپنا برہمن سر اٹھایا اور ماتھر کی آواز کالوں میں پڑی۔ تم لوگ ذرا باہر بیٹھو۔“
”سے بڑا تھا۔“
اسی وقت انپکٹر سڑتی دیران کا فاصلہ صبر کر کے ہمارے پاس آیا اور اس نے میں باہر چلے جانے کا اشارہ کیا۔ ہم سب اٹھ گئے۔

”جلدی کرنا صاحب، سال ساری دوپہر پالیٹ لی۔“
چلتے چلتے بھل نے ہلٹ کے اونچی آواز میں کہا اندر کرتے سے باہر نکل آیا۔

انپکٹر سوئی نے سانپان میں پڑی ہوئی بیٹیوں کو بچا دیا۔ افسوس پاس، ورنہ نزدیک مسلح سپاہی جے جے کھڑے تھے۔ خانے کا یہ حصہ عام لوگوں کے لیے ممنوع کر دیا گیا۔ سانپان کے اس طرف احاطے میں موجود لوگ اب تک ایک ایک ہیں دیکھنے کے لیے بے چین نظر آتے تھے۔ ہر بالا، دروازہ چنگا، اچھی تک جانے ساتھ تھے۔ میں وہاں چھانکے اور واپس چلا گیا۔ دیر ہوئی کسی نے لوٹ کے ہمیں لی۔
”گنگ تم ہم ایک دوسرے کے بازوؤں سے بازو دھکا دے۔“
”محبوب بلی پر چڑھی تھی۔“
”صبح سے اب تک ایک ایک کھیل میں کیم کے منہ میں نہیں کئی تھی۔“
”صبح کسی آئینہ پر اس ایک ایک چانے سب نے پی تھی اور خیال تھا کہ کھٹکے آؤ گے۔“

یہ نہیں گئے۔
آدھ گھنٹا گزر گیا۔ پھر ایک گھنٹا۔ ہر لمحے سانپان سے بڑے کی طرف جاتے ہوئے راتے ہوئے کسی کی آمد گمان ہوتا تھا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹا گزر جانے کے بعد بھی اندر سے کوئی نہیں نکلا۔ میں ماسک تھا کہ کیا حکم آئے گا میرا سارا جسم پسینے ہانپا رہا تھا۔ نہ جانے میں نے کیا کیا اول فل یک دیا تھا۔
”مجھے چپ ہی رہنا چاہیے تھا۔ میری کسی بات سے ان پر غلط اثر پڑ گیا تو کوئی بھی مجھے معاف نہیں کرے گا مگر باہر نے کے بعد کسی نے ایک لفظ بھی مجھ سے نہیں کہا تھا۔ لیکن ہم نے اپنی آدمی اپنے آپ کو بھی تو تباہ کر گئے۔ انھوں نے میں نے دیا تو پھر معلوم نہیں کتنے دن تک جانیں۔ پیر تک ایک لیں میں تھیرا ہے کہ اور آیا جان... پیر دیکھا ہوتا تو کوئی بات میں تھی۔ اگر انھوں نے واقعی میں نہ جانے دیا اور وقت گیا تو اس مدت میں وہ پیر تک بھی پہنچ سکتے ہیں اور راجا جان تک اور ان کے مال و اسباب تک اور پیر پیر سن کر ہیں روک لیا گیا ہے۔ ہر جیل میں خاموش نہیں بیٹھا ہے وہ خود ہم تک پہنچنے یا ہماری ضمانت کا بند بستی کرنے کی کوشش کرے گا۔ کوئی بعد نہیں کہ وہ سیدھا رتنا کے پاس یا فیصلہ کرنے پہنچ جائے۔ مجھے کچھ طرح یاد تھا اسٹیشن سے صحت ہوتے وقت بھل نے پیر سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اپنے آؤ سے ہر جانے کے بجائے تھانے جا رہا ہے۔ پیر و لے لیے یہ خبر منی ہوگی اور وہ کوئی آٹا بھاتا دم اٹھا سکتا ہے۔
”لوہر کی زبانی پیر نے یہ فرسٹ کلاس کا پولیس جہاز تھانے ل ہے۔ امکان تو نہیں کہ وہ سوچے کچھ بغیر کوئی ارادہ کرے۔“
”کہہ خیال ہوگا کہ اس کی فیصلہ عملی نقل حرکت سے ہر جیل والے اس علاقے کے آدمی جہاں ہر جیل واقع ہے مشکوک ہو گئے تو اس کے لیے اباجان کو بچا یا مشکل ہو جائے گا اور اباجان کے بیان ہونے کا مطلب ہے سب کچھ عیاں ہو جائے گا۔ بچوں اور ان مل جائے گی۔ میرے جہاز پر لیں گے۔ اس دوران رتنا دہی غریب سکتی تھی کہ کہیں کا پیر و او ہر جیل میں تھا۔
ہم نے ان سے کہنے کو کہہ دیا تھا کہ وہ چاہیں تو ہمیں اندر لے آؤ۔
”جی چلو ہمیں چند منوں بعد پھر باہر آ جائے لیکن جی جانے لے کر یہ چند دن ہمارے لیے کتنے جان لیوا اور مذہب ناک لگے گا۔ اباجان کے ساتھ فیض آباد جانے کے لیے میں اور ہزاروں آدمی آدھ نہیں ہوتے تھے تو ہمیں ایک گاڑی سے مل لگے۔ انھیں جیل تک پہنچا کے دوسری گاڑی سے واپس

آ سکتے تھے صرف ایک دن کا بیل پڑتا لیکن کتنی غاں اور اس سے ساتھ مرنے والے ہزاری جگہ ہوتے اور انھیں یوں ہمارے ختم ہر جانے کے خبری ہوئی تو کیا وہ اس ایک دن کی تاثیر گزار کر لیتے۔ وہ تو خانے تک بھی نہ آتے۔ آدمی اور طوفان کی طرح پھلے آتے کاٹھ کر کے اور لال ہاتھوں لال پیروں اور کھلے ماقوفوں کے ساتھ پھر تھانے آتے۔ بھل نے تو رانا بھی اپنے سینے پر جگر لٹا تھا۔
کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد بڑے کر کے کی جانب سے ان کے یوں کی گونج سنائی دی۔ ہر لڑل دھک دھک کرنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے ڈی ایس بی ماتھر انسپکٹر ڈاؤن وال انپکٹر سڑتی ہمارے سامنے تھے۔ ماتھر کی آنکھیں جگ رہی تھیں۔ استاد بھل آدھ کسی قدر بے لڑائی آواز میں بولا: تم جا سکتے ہو۔“

میری رگوں میں ایک بجلی سی جی سب نے ایک دوسرے کی طرف چوک کے دیکھا اور سبھی کے چہروں پر جیسے آگ بجھنے لگی۔ آگے لڑا ماتھر سب آ بھل نے آہستگی سے کہا۔
”آگے کچھ نہیں استوا لیکن تم جانتے ہو گئے۔ ہمیں یہ فیصلہ کرنے میں کتنی دشواری ہوئی ہوگی۔ خیال رکھنا کہ کسی بھی صورت میں پہلے تم پولیس کو مطلع کرو گے اور جیسے جیسے کو نہیں نہیں پہنچاؤ گے۔“
بھل کے ہونٹ بندھے۔

”تھیں صرف اس اقد پر جانے کی اجازت دی جا رہی ہے کہ تم پولیس کی مدد کرو گے۔ یہ میت بھنکا کہ ہم تم سے کہیں دور رہیں گے اور یہ بھی جان لو کہ ابھی تھانے باقی تمام آدمی جیل میں ہیں۔ تمھاری کوئی بھی خلاف قانون حرکت ان کے لیے اور صیبتیں کھڑی کر سکتی ہے۔ تم نے فلاہ ہونے کی کوشش کی یا ذرا سی بھی غلطی کی تو ان سب کا ہرجانہ اٹھی کروا کرنا ہوگا اور تم بھی نہیں بچ سکو گے۔ بہتر یہ ہے کہ احتیاط سے قدم اٹھانا۔ تمھاری بات مان لی جائے کہ کتنی غاں کہ کچھ اور لوگوں نے تم کو کہہ کر اب تھیں بیان دیکھنے کے بعد وہ تم پر ہتھیار پھینکنے کے لیے جے جے ہیں ہوں گے اس لیے جی تھیں مت مل رہے کی ضرورت ہے اس سلسلے میں اگر تھیں متعلق طور پر پاسی وقت بھی پولیس کی رٹنا کی ضرورت پڑے تو پولیس تھادی دے کے لیے تیار رہے گی۔“

”آپ آرام کرو صاحب، اپنی محرم جوڑو اپنے کمر میں دن بیا کیوں کی ضرورت پڑی اُن دن میں ہتھیار بھل نے جیب میں پڑے ہوئے چاقو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: آخری بار اپنا کام فرود دکھائے گا۔ دوسروں کے لیے جی نہیں، یہ اپنے

لیے ہی ہے۔

تم نے سنا کہ ہم نے کیا کیا ہے؟ مقرر تشریح سے بولا۔
سن لیا ہے سرکار۔

سن لیا ہے تو خشک ہے، یہی سن لو کہ اگر تم نے فرزندری طور پر ہمیں سمجھانے اور غیر متعلق لوگوں سے بدلہ لینے کے لیے استعمال کیا تو اس کا نتیجہ کیا بنے گا۔ پولیس کو فی خون خرابہ جگوارا متناہی نہیں کر سکتے۔

پھر پولیس کا کام کیسے چلے گا؟

مقرر نے جیسے سنا ہی نہیں مینا بکے بولا۔ ایک بات اور تم سے کہنی ہے کہ جو معلم ہوا ہے کہ کھائے پالے اڈے مراب رتنا ناٹا ایک آدمی بیٹھا ہے تم جانتے ہو کہ انیش واز دیال جی کا تعلق تھا ہے علاقے سے ہے اور انھوں نے اس کے ہائے میں طرح کی پوچھ گچھ کرنی ہے۔ رتنا نے تمہارا اڈا باقاعدہ طور پر عمارت کے مالک سے لیا ہے اور انیکڑ واز دیال کو ہر طرح مطمئن کیا ہے۔ اڈے پر اس کے قبضہ جانے سے ہمیں بھی اس پر شہم ہوا تھا کہ کیس اس سے تم سے کوئی پرانا بدلہ تو نہیں لیا ہے۔ برسکتا ہے اڈا لیتے وقت اس کے داغ میں یہ بات ہو لیکن اس کے سوا کچھ نہیں۔ جیل بند تھا ہے آدمیوں کی شکایت پوچھنے اس کے ہائے میں ہدی ہکاٹری کی ہے۔ شروع شروع میں بخارے آدمی اس کا نام نہیں لیتے تھے لیکن جب وہ اڈے پر بیٹھا کہ اڈے اس کا نام لینے لگے انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہم نے اس کی نقل حرکت پر کڑی نظر رکھی ہے مگر ہمیں کوئی ایسی بات دکھائی نہیں دی جس سے ہمارا شک آگے بڑھا۔ وہ اتنے کے کوئی بندہ دن بعد کھٹکے آیا تھا اور اس کے بیان کے مطابق یہ اس کے استاد استاد جھل کا پرانا آقا ہے اس لیے میرے پاس نے یہ سب سنا۔ وہ اڈا جانے کے لیے ادھر گیا۔ لیکن یہ تم اپنی پرانی جگہ پر اس کی بیٹھک پزندہ کر اڈے سے جانے کی کوشش کرو۔ وہ خود ہٹ جائے تو کسی کو اعتراض نہ ہوگا لیکن تم نے اس کے ساتھ زور زبردستی کی تو پولیس تماشائی نہیں دیکھتی ہے۔ میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ رتنا وہاں عمارت کے مالک کی اجازت سے بیٹھا ہے۔ واؤ جی نے ہڑساکو لیا ہے تو پھر خشک ہی ہوگا۔ جھل انیکڑ واز دیال کی طرف نظریں جاتے ہوئے بولا۔ آپ کو کچھ اور بلنا ہو تو بلو۔

اور کچھ نہیں۔ مقرر نے نرمی سے کہا۔
پوچھنا ہی رہ گئی ہیں۔

کیا مطلب؟

مطلب یہ کہ اپنے کو جڑواں بننا کے جھجھو۔

دیکھو جھل! مقرر کا لہجہ بگڑ گیا۔ میں نہیں ملان کرنا ہوں۔ اب آپ کے سامنے کیا ہو لیکن مقرر سب کو کوئی دور ہونا تو زبان سالی اینڈی نہیں، اور ہر مذہب جو سچا کہ پولیس یہ گورکھ دھند کیسے چلتا ہے، اپنے کو آج پتہ چلا کہ ادھر آپ بھی تو ہوتے ہو۔

ماؤ ماجا جھل! مقرر اس کا شانہ قہقہہ بھاتے ہوئے بولا۔ وہ جھل کے ساتھ چوتھے کے زینے تک آیا بیٹھا۔ آپ یاد ہو گئے، نیچے اترتے ہوئے جھل نے زیریلی سے کہا۔ مقرر نے ایک لمبے کے لیے انھیں تیج لیں اور اڈا کی آوازیں بولا۔ ماؤ استادا! اپنا جھڑا تھا اسے ساتھ۔ جھل نے اس کے ہاتھ اپنے ماتھوں میں جکڑ لیے۔

شام ہو چکی تھی مگر سورج ابھی چھا نہیں تھا۔ گلی میں مولیٰ مطابق چل پل تھی۔ ساری دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ بچے پروا ملاری کے کھونے بول میں زور زور سے گراموفون بج رہا تھا۔ اسے ملحق دھواں پلان اپنی گلی میں پھینکے اپنے نازہ لوگوں بار اولے اپنی دکان پر گاہکوں میں مصروف تھا۔

جھل جامو، بلاکو، مینی، پلٹو، سولہ سارے میں ادھر بدو چکا کامیبت ہم کل گراہ آدمی تھے۔ ایک بیس سے تم ہی پر اتر گئے اور غریب بغیر گلی میں داخل ہو گئے۔ جھل بیان تک راستے میں کسی جگہ ٹک کے ہم نے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا تھا۔ شاید کسی کو بھی جھک پائیں میں گداری تم سب کو جلد سے جلد علاقے پہنچنے کے لیے کہتی تھی۔ پولیس اڈا سے اتنا کھٹکے سننے کے بعد مجھے کچھ شبہ ہونے لگا تھا کہ وہ بے وہ رتنا نہ ہو، کوئی اور ہی ہو۔ جڑی نہیں کہ جو کہہ رہا تھا اور چنگا جانے رتنا کے ہائے میں بتایا تھا، وہ حرف بہ حرف ٹھیک ہی ہوا۔ اڈے پر قبضہ جانے کی دھم سے وہ سب رتنا کو سب کچھ سمجھ رہے ہیں، لیکن بے رتنا بعد ہی میں آیا۔ اڈا بے آواز دھجھ کے اس کی بہت غراب ہو گئی ہو مقرر نے جھل سے کل کے ٹیکسی ڈرائیور کو کسی اور علاقے پتہ نہیں بتایا۔ سیدھے اڈے ہی چلنے کی پابست کی اور اب خاص اڈے کی گلی میں موجود تھے ٹیکسیوں سے اترتے وقت اتفاق سے کسی کی نظر میں ہم نہیں پڑی لیکن جیسے ہی وہ اڈے کے بڑے گلی میں چڑھیں کہ دکان کے مالک ادھر سے

بھائی نے ہمیں دیکھ لیا۔ استاد! اس کی خشکی ہوئی آواز نے ہائے قدم رک لیے۔ آدم جھانی ہمارے سامنے شدید کھڑا تھا۔ جھل نے اس کا بازو پکڑ کے پوچھا۔ کیسے ہو کھٹا جی؟ ہر وقت پوچھنا پھنڈ والی عورتوں کا جہیم اس کے گرد لگا رہتا تھا اس لیے جھل اسے کھٹا کھٹا تھا۔

آدم جھانی پھل کے جھل کے سینے سے جھٹ گیا اور پھر کہنے لگا۔ آدم جھانی کے نظر پڑنے کی دیر تھی، ہم نے پھل چپ کو کا راستہ طے کیا ہوگا کہ گلی میں ایک شورسا چلے لگا۔ دیکھتے دیکھتے راہ گیروں اور دکان داروں کی ایک بڑی تعداد ہمارے اطراف جمع ہو گئی تھی۔ وہ سب مبہوت نظروں سے ہمیں دیکھتے تھے۔ غالباً ان سب کو یاد کر دیا گیا تھا کہ ہم کبھی واپس نہیں آئیں گے۔ وہ ہمارے قریب آگے ہماری آوازیں سن کر کہ جب تک یقین نہ کرتے تھے، ان کی آکھوں کی حریت دور نہیں ہوتی تھی۔ اس سرے اس سرے تک گلی فاسی لمبی تھی۔ ابھی ہم اس سرے پر تھے کہ دودھ دودھ تک ہماری آمد کی خبر پہنچ چکی تھی اور ہم اپنے ہی علاقے میں تماشائے بن گئے تھے۔ دونوں طرف سے لوگ جھگ جھگ کے اڈا آئے۔ ہمیں دیکھنے ہماری طرف بڑھے چلے آتے تھے اور اوپر جھڑو پائلیوں اور کھڑکیوں میں عورتوں اور بچوں کے چہرے نظر آتے تھے۔ ہمارے لیے جہد قدم آگے بڑھنا دشوار ہو گیا۔ گلی کے پائے کیسے بڑی چینی آنکھوں سے ہائے پاس لگے، جھل کو سلام کرتے نہایت پوچھتے اور ایک ہی سانس میں نہ جانے کیا کیا کہنے لگے۔ کوئی کہیں فاس کا نام لیتا، کوئی دوا کا کوئی شول لال کا سب کا ایک ہی سوال تھا کہ ہم کہاں منہ کالا کرنے چلے گئے تھے۔ اڈے کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ محسوس طرح وہاں تک پہنچنے میں رات ہو جاتی۔ معلوم نہیں جھل نے بچہ پوچھنا کرنے کو کہیں ترجیح دی تھی۔ ٹیکسیاں اڈے کی عمارت تک بھی آسکتی تھیں۔

یکسلا دیر تک نہ کرنا کہ جھل انھیں اپنے قریب آنے کے کائے دودھانا شروع کر دیا۔ ہم جھل کو کبھی دھتک بھنے لگی تھی چنانچہ بھی نے لوگوں کو پیچھے ہٹ جانے کی تاکید کی۔ شروع میں شکل پیش آئی لیکن چر لوگ خود بہ خود پیچھے ہٹنے اور کائے لکے ہوتے گئے۔ وہ کچھ سم سے گئے تھے اور ان کے چہروں سے ظاہر تھا کہ ہمارے روٹنے کی یہ اچانک تبدیلی انھیں اچھی نہیں لگی ہے۔ پھر کوئی قریب نہیں آیا اور خاموشی جی طاری ہو گئی۔ ہمارے لیے راستہ صاف ہو گیا تھا۔ لوگوں کے اتنے قریب آئے کہ جھل کے پیر کا رنگ کھٹک پوچھ لگی ہوئی تیز

قدوں سے لنگڑا لنگڑا کے فاصلہ کم کرنا رہا جب ہم اس کے کنارے کے نزدیک پہنچے قرار دیکھنا چاہا گیا تھا۔ ملا کر وہ سب وہیں موجود تھے۔ ہم سے کچھ فوڑ وہیں گلی میں دروازیں دکانوں اور دکانوں کی نیم مصیبت اور چوتھوں پر پھٹے ہوئے۔ جہد نے بعد اڈے کی محنت ہمارے زور بڑھ گئی۔ جھل نے رتنا کے ایک نظری ساری عمارت کا جائزہ لیا۔ رتنا نے نیارنگ رہنوں کر لیا تھا۔ بڑا دروازہ بہت قد بلند دروازے کے قریب ہوا کہ جھل کی چوکی خالی پڑی تھی البتہ دروازے کے باہر دو دو کوڑوں سے چھٹے کھڑے تھے۔ میں نے انھیں پہلے نہیں دیکھا تھا۔ دونوں کی عمر تیس سال سے کم ہوں گی۔ جیم کے ہلکے اور رنگ کے کالے تھے۔ دونوں ہڈی طرح تان گئے۔

ہمارا اور بلاکو میرے ساتھ تھے۔ انھیں کسی پہلو قرار نہیں تھا۔ ان کے جسم پر کچھ لہجے تھے اور سارا خون میسے اٹھوا میں تڑا تھا۔ میرے ہاتھ میں پر بھی ایک لڑکشی سی طاری تھی۔ غلابے رتنا کے پہلے سے اطلاع مل گئی ہوگی۔ یہ نامکین تھا کہ گلی میں ایسا شور مچا ہوا ہوگا کہ اڈے کے کالوں تک نہ پہنچا ہو سکتے ہیں۔ رتنا کو ہمارے گلی میں داخل ہونے سے پہلے ہی خبر ہو گئی ہوگی۔ وقت ہم پولیس افسروں کے سامنے موجود تھے۔ جے میرت جھل وہاں رتنا کا نام کہیں نہیں لے رہا ہے۔ عاشقہ بھی نہیں ایک بار میں نے ارادہ بھی کیا کہ اسے باو دلائل لیکن بغیر غیل کے کہ جب رتنا کو جھل خدا اس کا ہم کیسے جھل سکتا ہے۔ چلتے چلتے اس بی مقرر ہی نے رتنا کا ذکر کیا تھا اور جھل اس پر بھی اپنی انھیں بھانے بھار دیا۔

رتنا جی سے بولا تھا۔ جھل نے انھیں بھانے بھار دیا۔ رتنا جی سے بولا تھا۔ جھل نے انھیں بھانے بھار دیا۔ رتنا جی سے بولا تھا۔ جھل نے انھیں بھانے بھار دیا۔

رتنا استاد ابھی آرام کرتا ہے۔
ادھر سے ہمارا زور سے جھل نے ہلک بھٹکے میں ہاتھ بلند کر کے ان کے سروں پر مارے۔ ضرب اتنی خدیہ تھی کہ دونوں وہیں بیٹھ گئے اور ابھی جی میں نہیں سکے تھے کہ ہمارا اور جھل نے بال بچہ کے انھیں اوپر اٹھایا اور گردن کو ہلکا سا جھکا دے کے انھیں دائیں بائیں دھکیل دیا۔ جیسی نے بڑھ کے رتنا پر کھڑک کر ماری۔ دروازہ مغل میں تھا۔ چوٹ کھل گیا۔ اندر گلیں اور دروازوں کے باہر گلی ہوئی مقرر جگہ پر پانچ آدمی جا توڑے کھڑے تھے۔ ہمارے چاچو جیسیں ہی میں رہے ہوئے تھے۔ وہ منتظر تھے۔ میں اندر گھس دیکھ کہ وہ ایک دم ہم پر جھپٹنے لگی ہاری

نگاہوں نے انہیں تاک لیا تھا بڑے نہیں کیا ہوا، پس کچھ برسوں ہی نہیں تھا میں نے اپنے قریب موجود صرف جامو کو دیکھا تھا۔ وہ جینا ہوا ایک آدمی پر اچھلا اور اس کی جھوک میں اس نے دو اور آدمیوں کو گرا دیا۔ میں نے بھی کچھ ہی کیا تھا۔ جب مجھے اپنی سادہ بڑھ بھرتی کر وہ پانچوں زمین پر پڑے تھے اور ان کے پاؤں اور ہاتھ گرے ہوئے تھے انہیں وہ بارہ چاقو اٹھانے کی فرصت نہیں ملی۔

ملنے کے دونوں کمر کے دروازے بند تھے مگر دفعہ ایک دروازہ کھلا اور ایک ساتھ کئی آدمی تیزی سے باہر نکلے قتل کے پسے سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ ان میں زنا نہیں ہے لیکن یہ کن سا طریقہ تھا کہ خود آنے کے بجائے اس نے پھر اپنے چند آدمی بھیج دیے تھے۔ کیا اس کے داغ میں یہ تھا کہ قتل آؤں؟ جب آ کے انسان آدمیوں کو دیکھ کے واپس ہوجائے گا یا وہ قتل کا ارادہ آزادا چاہتا تھا یا اس کا خیال یہ تھا کہ اس طرح ہم آؤں تو اس کے مقابل بیٹھیں گے۔ آؤں تو پسینہ لیا میں ہوتا مگر آؤں لیے حامل بھی نہیں کیے جاتے بیٹھنا نہ لے کیا تھا کیا، کیا ہے؟ "ان میں سے ایک دروازہ کھلے ہوئے ہر دم کے ایک شخص نے پھکارتے ہوئے کہا: یہ رشتہ استدلال کا آقا ہے۔"

"اُسی کے دروازے آئے ہیں لے۔ قتل دم لے میں بولا۔ تم کو ہر لڑا نہیں کہ ابھی زنا تھا دے آرام کا نیم ہے۔" "میں گھڑے تھے کوئل، آکھا آرام کر لینا، جامو کی آواز ہو کر رہی تھی۔ ابھی اور اس کی مل کے چھلکا آکر آئے ہیں۔" "چڑی سے مت بھٹ کجوز،" وہ دروازے بولا۔ اندر ہی رہ کے بول:۔

جامو کا سارا جسم اک لے کے لیے لٹک گیا۔ وہ ملا کو مینی اور سارے بیک وقت ان پر جھپٹنے والے تھے کہ قتل کی آواز سن کے ٹک گئے۔

"ہاں، ان کو پسے ہی رکھو قتل، زنا کے آدمیوں میں سے ایک نے زمین پر تھوک کے کتا ابھی اور ہر اس کی بین کے جینا سوا کھڑے ہیں وہ اس کو نہیں بیٹھے؟"

قفل جواب دینے کے بجائے نکلنا ہوا اور ان کے پاس جانے لگا لیکن درمیان ہی میں جامو اس کے آڑے آگیا۔ تم مجھے بٹو سناؤ، وہ بوجھ کے بولا۔ قفل رک گیا جامو نے بولا۔ "ہوئے انداز میں اور ہاتھ نڈو ڈوڑائی اور ایک خبر خبری لے کے مجھے جسم کی گرد بھار ڈاڑھوں کی جانب آہستہ آہستہ دم

بڑھانے لگا۔ وہ اسے غیر جانے کا حکم دیتے رہے مگر جامو اپنی اہلی موتی آنکھیں ان پر مرکوز کیے بڑھتا ہوا اور ان کے مقابل ہی جا کے ٹھہرا۔ بین اطراف سے وہ ان کے نرنے میں تھا۔ میری سانس سینے میں اٹھنے لگی تھی۔ سب کے پاس تپتے تھے میری جبب میں بھی نیکل کسی نے تمنا باہر نہیں نکالا جامو ان کے بیچ میں بیٹھ کے بہت کی طرح جم گیا تھا، اس کی حالت کسی پاگل سا مذہبی تھی جو مرگ کے بچوں کی کھڑا راہ گروں پر پلٹ کے وار کرنے کے لیے تیار ہوا اور اپنے سینک قول دیا ہو، کتنے خاں اور جامو کا بچپن سے تنگ ساتھ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کو بالکل بھائیوں کی طرح سمجھتے تھے جامو کی نظروں میں اسی کا چہرہ سایا ہو گیا اسی جگہ وہ آئے پھوڑ کے گیا تھا۔

انھوں نے چاقو نہیں چلائے کیونکہ جامو ان کی دست برد سے قطعاً قند نہیں تھا اور انھوں نے دیکھا تھا کہ اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ "لوٹ جاؤ، ہم لڑتے ہیں لوٹ جاؤ۔" تمنا زیم کیا۔ یہ آواہ اب رتنا استاد کا ہے۔ ان میں سے ایک آدمی نے ہٹکا کے کہا۔ وہ سب جامو کے گرد چاقو گھما رہے تھے۔ اپنا وقت تو دم کے ساتھ ہے۔ ہلکے آکس زنگے کوئل، دہری ذکر بھیجنا لے کے آجاتا جامو نے اس کے بازو کو تھپکی دی تو سب پک پڑے۔

"ابھی نیچے رستہ کھلا ہے۔ زیادہ اکل مت کرتے چلیے مجھے جسم کا آدمی دھتکارتے ہوئے مجھے میں جامو سے بولا۔" "تھقیٹھا پیچھے لے۔"

جامو نے جڑیاں سے کچھ نہیں کہا۔ جس شخص کے بازو پر تھپکی دینے کے لیے اس نے ہاتھ بڑھایا تھا۔ بیٹھ بڑوں میں اس کی گردن پر ہاتھ ڈال کے اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور صرف اُسی کو نہیں اس نے دوسرے ہاتھ سے اس کے مقابل کھڑے رہنے آدمی کی گردن بھی دو بوجھ لگی تھی۔ ایک ساتھ کئی چاقو قیلے جامو کا بازو بالکل نہیں بھ پائے تھے۔ جامو نے بل بھر کی حالت میں ان کے ساتھیوں کے ٹیڑھے پر اپنی جگہ چپکی بھری تھی کہ وہ بری طرح تڑپنے لگے تھے۔ ان کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی اور ان میں جامو کی پوسے خود کو چھڑانے کے سوا کوئی سکت نہیں تھی۔ جامو نے اپنے دونوں ہاتھوں کی دودھ لکھا ان کی ٹھوکی کے نیچے پرست کر دی تھیں کسی کانٹے کی طرح۔ ان کے چوڑے اگلے جسموں کا سارا زور بھی جامو کے ان کاٹوں سے چھٹکا رہا پائے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ دونوں مکمل طور پر جامو کے قبضے میں تھے اور ان کے اطراف ان کے

ساتھی مجھے پرش دھاس کو بٹھے تھے۔ جامو نے ایک ٹائے میں متعدد پتھر بادلے تھے اور انھیں اپنی آنکھیں کی میخیں میں پرست کیے اور ہاتھ پھر کر اٹھاتا رہا تھا۔ ہر طرف جامو کے پاس ان کی ڈھال موجود تھی۔ جامو کے بجائے چاقو میخ کے جسموں پر گئے۔ تینچند باقی آدمیوں کو نیچے ہونا پڑا۔ اگر وہ آگے آتے تو ان کے چاقوؤں سے انھی کے ساتھیوں کے سر چھلنی ہوتے۔ جامو اپنی جگہ جما ہوا نہیں کھڑا تھا۔ بلکہ بعد اس کے بادلے ہوئے پتھر سے کانٹا کرنا مشکل تھا۔ وہ اپنے ہاتھ آگے نیچے کرنا تو اس کی میخیں میں پکڑے ہوئے دونوں آدمی لازماً اُسی کے ساتھ جھڑوہ چاہتا، گھم جاتے۔

ہر سب قریب ہی کھڑے یہ منفرد دھک لپے تھے جامو سے ذرا بھی چوک ہو جاتی تو چاقو اس کے سر سے دور نہیں تھے۔ دونوں آدمی ڈھال سے ہرے لگے۔ میا کھل کر کھڑے سے کتا تھا کہ دونوں میں اس کا لوٹ پھر ہونا چاہیے جامو نے اس سے زیادہ وقت نہیں لیا تھا۔ قفل بھی ان کے سامنے جا کے یہی کھڑا جوامو نے کیا تھا اور کوئی بھی شخص جس کی آنکھیاں لوہے کی طرح سخت اور چاقو میخی دھار رکھتی ہوں تڑاؤ کی آواز ڈنڈی کے مانند جربست بڑا بوجھ سہا رہتی ہے۔ زیادہ آدمیوں کے درمیان اسی قسم کا کوئی غیر متوقع واقعہ سو مند ہوتا ہے لیکن جامو کو دیر تک اس پر قائم نہیں رہنا تھا، فوراً کوئی نیا رُخ بدلنا چاہیے تھا۔ زیادہ وقت ایک ہی ڈاؤن پڑا رہنے سے مقابل کے لوگوں کو اپنے ہٹاؤ کے علاوہ جوابی حربے اختیار کرنے کا بھی موقع مل جاتا ہے اور جامو کو انھیں یہ موقع نہیں دینا تھا۔ یہ خیال تھا جامو جلد ہی ان دونوں نیم جاں آدمیوں کو ان کے ساتھیوں پر دھکیل دے گا اور اسی اثنا میں دوسرے آدمیوں کو پوسے گا اور خود چاقو سے ان پر وار کرے گا۔ اپنے دوساتھیوں کی جان لپی دیکھ کے ان کے ہاتھ پڑے ہی ٹھک طرح کام نہیں کریں گے۔ وہ جامو کے پسے سے انھیں چھڑانے کے لیے اپنے چاقو زمین پر بھی پھینک سکتے تھے۔ اسی بات کا امکان زیادہ تھا۔ اس طرف ہم بھی ان کے قریب موجود تھے اور ہمارے اتنی دیر غامکش لینے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم ہر صورت میں یوں ہی کھڑے رہیں گے۔ ان کے پیچھے ہوجانے کے باوجود جامو گھم گھم کے انھیں آکسار ہاتھ آکر وہ اس پر وار کرنے کا ہوا راہ گروں اور اپنے ہی ہاتھوں اپنے ساتھیوں کو چاقو گھونپ دیں۔

جامو کے ذہن میں کچھ اور بھی ہر کتا تھا لیکن اُسے

کچھ اور سوچنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اندسے یک بارگی چند آدمیوں کے جاگنے کی آوازیں آئیں۔ جامو نے پھر بھی انھیں نہیں چھوڑا۔ آنے والے کچھ آدمیوں میں سب سے نمایاں جو آدمی تھا، وہی زنا ہو گا۔ مجھے اس کا چوہ کچھ مانا بچپنا عموں ہوتا تھا۔ شاید بھی جیل میں دیکھا ہو مگر اب اس کے ہم اور شکل و صورت میں بہت فرق ہو گیا تھا۔ اس کا جسم پتلے کی نسبت بندھا ہوا تھا۔ درمیان درمیان سا نورا رنگ گل چوہا در مسوں نشانوں کی بھر مار، تنگ پٹیاں، لمبی ناک، چلے تپلے ہونٹ، آنکھیں بڑی نہ چھوڑی، بال سلپتے سے کڑھے ہوئے۔ درمیان میں ایک کڑا ناچا جامو آؤ پر سے واسکرتا گھومدیں لمبوں آکسے رنگ کے بڑے سے گیلنے کی انگلی، کلائی میں سرج ڈھلا۔ اس کی عمر پچیس سال کے لگ جگ ہوئی۔ وہ تیرہ قد میں سے باہر آیا تھا۔ آتے ہی اس کی نظر جامو پر پڑی جو اس کے دواؤں میں کاپنی آنکھیں سے تھلے ہوئے تھا۔ رتنا دروازے کے پاس ہی رک گیا۔ اس کے ساتھ آنے والے آدمی جامو کے پلٹنے کے لیے حمت لگانا ہی چاہتے تھے کہ اس نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں جھڑک دیا اور گھما کے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ اس کے دیسے چل سہے تھے۔ ہر چیز مجھے بدمعاش ڈاڑھوں کی تھی۔ جامو نے دونوں آدمیوں کو اور ہاتھ دھکیل دیا تھا لیکن خود وہیں کھڑا رہا۔ زنا نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ اس کی گھومتی ہوئی نظریں قفل پر آ کے ٹھہری تھیں۔ قفل بھی اسی کو گھور رہا تھا۔ زنا کے سترے ہوئے ہونٹ پھیلنے لگے۔ "جان پڑتا ہے نہیں دیکھت ہیں؟ یکا یک وہ استنراق لپے میں بولا۔

قفل کے لبوں میں جنبش نہیں ہوئی۔

- او ہو ہوتے وہ ایک کے بولا۔ قفل استاد آئے ہیں۔
- ذرا جلدی چھان لیا۔ قفل نے نہاٹ لپے میں کہا۔
- پراس کو اس کو کیا لپے ہیں؟ اس نے زمین پر اوٹھے پڑے اپنے آدمیوں کی طرف نگاہ کرتے ہوئے چلے پن سے لپچھا۔
- بولنا بھی آگیا ہے مجھ کو؟
- اور بھی بہت کچھ آؤ ہے مجھے مری تم؟
- تو بھو دیر کا ہے کہ کرنا ہے؟
- اندر چل کے کچھ مل پانی کر لیں، پیل بیل اور ہار پور۔
- اب تو زرا خون ہی پین گے؟
- بہت کڑا ہے استاد، لگے ہے، نجر ابھی بدن کے تنگ کچھ ڈھلک گیو ہے۔ آتے کسی نے بولنا نہیں کہ رستہ

کاٹ دیوں اور کم کر دیے، یہ کھجلی ہوئے ہے تو اھر کھڑے آدمی تالی بولنے کو نا ہی ہیں، کل کو اپنی بھانسلے کے آؤ اور لولیو کرنا استاد ابھی پہلے اس پر ہتھیار اٹھاؤ تو کوا ہر تھوڑی بات مان لیں گے۔ پہلے استاد کو دیکھ لیں اور استاد کو بروں برسوں مان بخوں کی گھساٹی پر کس کا دل کیے تھے تم لوگ تو خوار و مرعوبی آج اسے گا۔ آؤ بے پر بیٹھے ہیں اپنی ماں وہ گالی دے کے لڑا۔ قبیل کی آنکھیں بھاری ہو گئی تھیں۔ میرا اندازہ ٹھیک نکلا۔ اب اسے کچھ اور میں سننا چاہیے تھا۔ وہ ودم آگے بڑھ گیا۔ رتنا کو ملے ہی احساس ہو گیا کہ وہ فضیل باتیں کر رہا ہے۔ قبیل کو آگے آتے دیکھ کے ایک آن میں اس نے اپنا جسم سیدھا کیا اور اس کے ہاتھ پر چڑھ پڑے۔ گتے مٹا کی سرگندہ وہ چپختے ہوئے بولا۔ کچھ آدمیت گھینوا کی کہ ہم کوئی رتی تڑاؤ سے ہیں، ہم کو کلام معلوم نہ تھا کہ ایک دن ایسا آئے گا، موتیا کو تھارا ہی نہیں دیو تھے وہ دیوان کی طرح اپنا سر ہرا میں پٹھے لگا۔ نہیں مانت ہو تو ٹھیک ہے مٹا ملنے، او خود دیکھ رہو ہے۔ اس نے طاق میں رکھی موتی پر ایک نظر ڈالی اور ہاتھ جوڑے کے نعرہ لگایا ہے جہاں کی کہ اس کے دلوں ہاتھ قبیل کو اپنے ہتھکنے میں کئے کے لیے پھیل گئے۔

اس نے قبیل کے قبیل سے اپنا فاصلہ اور کم کر لیا۔ قبیل کا ماتو قبیل بائیں ہاتھ میں تھا۔ وہ رتنا کی طرح اچھلا اور کڑوا نہیں کچھ آگے جا کے رک گیا۔ رتنا کو بھی ٹھیرنا پڑا مگر اس کے ہاتھ پہلے ہی پٹے میں قبیل کا نشانہ لینے کے لیے بے قرار تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے آتے سامنے کھڑے تھے۔ رتنا کے ہونٹ ہتھپتے ہوئے نچھتے پھولے ہوئے تھے اور اس کی آنکھیں سر سے پاؤں تک قبیل کا اماط کیے ہوئے تھیں۔ وہ ہاتھ جنگ جنگ کے قبیل کو جنبش کرنے پر کاسار دیا تھا۔ جوا ہی جگہ جم سا گیا تھا۔ رتنا کو اس پر حملہ کرنے کے لیے بظاہر کوئی کاروت نہیں تھی مگر قبیل کی اس بے حرکتی نے اسے اور زیادہ حمواد کر دیا تھا اور وہ کچھ تھلائے لگا تھا۔

میں میں سکت مسلط تھا۔ ہر طرف حصار بنائے رتنا کے آدمی جیسے لمے گن لے رہے تھے۔ ان کی گردنیں آگے نکلی ہوئی تھیں آنکھیں جھٹی ہوئی۔ ہم ایک ایک کو نے میں دم رو کے کھڑے تھے۔ بلانا اور اس کے میرے بازوؤں سے چپکے ہوئے تھے۔ جاما اپنا گال کھچ رہا تھا۔ سب کی نظریں ایک ہی طرف لگی ہوئی تھیں۔ بہت دلوں بعد قبیل کسی کے سامنے لڑا ماتو کھولے کھڑا تھا، ہمیں کسی اور بات کی اتنی حرکتیں تھی جتنی

رتنا کی طرف سے تھی۔ اس سے کوئی بھی حرکت بعید نہیں تھی اور دھر قبیل کا پیر سوچا ہوا تھا۔

رتنا کے جسم پر ایک ہیجان طاری تھا۔ قبیل کو ایک جگہ جمے دیکھ کے اس کی حالت کچھ اور اضطرابی ہو گئی تھی۔ وہ پیچھے نہیں ہٹا۔ ابتداً ایک طرف ہو گیا جہاں پہنچے بیٹھے ہی کے مترادف تھا۔ قبیل وہیں کھڑے کھڑے مڑ گیا۔ رتنا نے اسے ایک پھیل دی، کارگر نہیں ہوئی تو وہ دھامیں طرف ہو گیا۔ قبیل کو پھر دھامیں طرف اپنا رخ بدلنے میں دشواری نہیں ہوئی۔ تین چار بار وہ یہ عمل دہرانا رہا اس کا خیال ہو گا کہ قبیل کے لیے اس حالت میں چلنا مشکل ہے چنانچہ وہ اسے مٹنا تھا کسا مڑنا تھا کاسے لیکن قبیل مدھ مدھ چلا جا رہا، ایک پل میں اسی طرف مڑ کر لیتا، اس نے ایک قدم بھی نہیں بڑھایا۔ وہ رتنا سے جو کچھ کنا جاتا تھا مڑنا بھی اسے سمجھ گیا تھا اس لیے وہ اس کے قریب آئے اور ایک جگہ جمے رہنے کے موقع سے فائدہ اٹھانے کے بجائے پہلے اسے تھکا دینے کی نیک دو میں تھارنا کے لیے یہ صورت حال عجیب اور وحشت انگیز تھی کہ کوئی اس طرح جاتا تو اسے کھڑا ہے۔ ایک آنکھیں پل کے نہ سے اور وہ اس کے قریب نہ جا سکے۔ اگر قبیل نے بڑے کر لیا تھا کہ وہ مل ہی اپنے غور پر گھر مٹا ہے گا تو رتنا نے بھی اسی حکموار کی نشان لی تھی۔ رتنا کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو کچھ فوج جاکے اور فاصلہ بڑھا کے قبیل کی طرح ایک جگہ جم جاتا اور جب تک وہ حرکت نہ کرتا، اس وقت تک قبیل کے مٹا رہتا۔ شاید اس طرح قبیل کو بڑھنا ہی پڑا مگر رتنا کو ہر دم یہ احساس ہو گا کہ اس کے سامنے کون ہے اس لیے وہ اس کے قریب آئے اور اس پر جھپٹنے سے پہلو بجا رہا تھا، سدا قبیل کچھ اور ہی سوچے ہوئے ہو کر بھی یہ احساس ہر دم غالب رہتا۔ مشورہ تھا کہ قبیل کو صرف اڑانے کی دیر لگتی ہے۔ اس کے اٹھنے ہوئے ہاتھ ہوا میں اڑتے ہوئے پردوں کے مانند ہوتے ہیں، مٹی کا کوئی پتہ نہیں چلنا کہ وہ اس طرف مڑ جائیں گے، کون سی خانہ پر جا بیٹھیں گے۔

قبیل کے ہاتھ گمے ہوئے نہیں تھے۔ رتنا کی طرح وہ بھی انھیں چھیلائے ہوئے تھا اس کا سر انھیں کا نہ سے متحرک تھے مگر وہ ایک جگہ کھڑا تھا۔ غرضی دیر بعد رتنا کے ذہن میں ہی تبدیلی آئی جس پر اسے پہلے سے عمل کرنا چاہیے تھا۔ میں اس نے اپنا فاصلہ زیادہ کر لیا۔ قبیل چہرہ نہیں ہٹا۔ رتنا کے لیے یہ ناقابل برداشت تھا۔ کچھ دیر تو وہ انتظار کرتا رہا پھر جہاں کا نعرہ لگا کے داڑتا ہوا آگے آیا معلوم ہوتا تھا کہ سیدھے

قبیل کے پیٹ میں جاتا گھونپنے گا لیکن وہ صرف آواز نشا آیا تھا۔ تین چار فٹ کا فاصلہ رہ گیا تو وہ اچانک پلٹ کے بائیں طرف ہو گیا۔ چہروں سے اٹلے قدموں واپس آگیا۔ اس نے جڑی سے آگے اس کا ایک دم پلٹ جانا آسان کام نہیں تھا۔ اس سے اس کے جسم کی تجربی اور زور کا اندازہ لگایا جاسکتا تھا اسے اپنے جسم پر پورا قابو حاصل تھا۔ اس کی بات اس حد تک درست ہی لگتی تھی کہ وہ برسوں خالی نہیں بیٹھا رہا ہے جسم کو رتنا غرضتار رہا ہے۔ یہ سب اس کے کہنے ہی سے کر لیا ہو گا جو شکستہ سے نکالے جانے پر وہ قبیل کے لیے اپنے دل میں بھر کے گیا تھا کہ کوئی بات ضرور ہوگی جو اسے عرصے بعد اس نے شکستہ واپس ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ایک فاصلے پر ٹوٹ کے وہ چند لمے اپنی رانیں درست کر رہا، ہر جزو قد کے انداز میں اس نے دوبارہ قبیل کی جانب دوڑ لگائی مگر اس بار وہ کچھ اور ہی ارادہ کر کے گیا تھا۔ قبیل کے قریب جا کے پہلے تو اس نے حسب سابق اپنی جھوک بنبھال اور دھامیں طرف مڑا۔ وہ واپس ہونے کے بجائے بائیں طرف آجا جاتا تھا کہ قبیل نے دفعہ اپنا چاقو چھینک دیا اور میں اسی لمے ایک قدم آگے بڑھ کے دھامیں ہاتھ کر زور سے جھٹکا رہا۔ میری کھلی آنکھوں کی مینائی شاید ایک لمفے کو مارتی رہی تھی۔ دوسرے لمفے قبیل کا پنجو رتنا کے ماتو والے ہاتھ کا پتھپتا چوڑے ہوئے تھا۔ یہی میں اپنے دیکھتے ہوئے رہتین میں آیا تھا کہ رتنا نے بڑھ کے قبیل کے زخمی پر ہتھوڑی مار دی اور اپنے دوسرے ہاتھ سے اس کی ہتھوڑی پر ضرب لگائی جا ہی قبیل کو اندازہ ہو گا کہ رتنا یہی کچھ کرے گا اس لیے اس نے اس کا دوسرا ہاتھ کھلا اپنے ہاتھ اور دیکھ نہیں سکا کہ قبیل نے اس نشانیں اپنا خالی ہاتھ مر کے اوپر موڑ کے رکھا ہوا ہے۔ اگر اس نے دیکھ لیا تھا تو کچھ نہیں سکا یا اس وقت دیکھا جب وہ ضرب کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا چکا تھا۔ قبیل نے کچھ آگے کھسک کے اس کی ضرب اور یقینی بنادی اور ضرب برداشت کر لی مگر اور رتنا کا ہاتھ اس کی ہتھوڑی تک پہنچا کہ اوہرا دیکھی کھائی کے مانند اس نے اپنے اٹھے ہوئے ہاتھ سے ضرب لگائی۔ قبیل نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ اس وقت وہ اوپر سے اپنی ہتھوڑی تک رتنا کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر ضرب لگائے تو رتنا کا ہاتھ ہتھوڑی سے نیچے گر کے اپنے اوڑھنے کے درمیان معلق فاصلے کے درمیان جھولتا نہ رہ جائے ورنہ ضرب کا نتیجہ کھٹکائی مٹی جیو اسی صورت میں برآمد ہو سکتا تھا کہ رتنا کا ہاتھ کہیں انہم جانے آگے کھسکے کہ یہی وجہ تھی۔ رتنا کا ہاتھ قبیل کی ہتھوڑی

سے بہت کے اس کے سینے پر آ کے کھتا تھا۔ میں رتنا کی کینٹے گوج اٹھا۔ قبیل نے ساتھ ہی اس کے ماتو والے ہاتھ پر پٹھنے سے زور دیا تھا۔ چاقو اب رتنا سے سنھلا نہیں رہ سکتا تھا وہ تو گر گیا ہی تھا، رتنا بھی لڑکھڑکھنے لگا۔ قبیل نے اپنے زخمی پر سے اس کے پیٹ میں ہتھوڑی مار دی جیسے وہ زمین پر چھت کرنا قبیل نے بڑھ کے اس کی ہتھوڑی پر اپنا پیر جھار دیا۔ رتنا میں اٹھنے کی سکت ہی نہیں رہی تھی، اس کا ایک ہاتھ ٹوٹ چکا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے قبیل کا پاؤں پھونکنے کی کوشش کی مگر نیچے اس کی ہتھوڑی دبی ہوئی تھی۔ جتنا وہ زور کرتا، ہتھوڑی پر قبیل کے پیر کا دباؤ آتا ہی رہتا جاتا۔ قبیل نے جھک کے اس کا ماتو اٹھا یا اور میں میں چاروں طرف سرگھما کے دیکھا۔ رتنا کے آدمی اسے گھور رہے تھے۔ رتنا کے دوبارہ زور لگانے اور زمین پر چھت کرنے کے درمیان کا عرصہ اتنا مختصر تھا کہ سب کو اپنی آنکھوں کا دھوکا معلوم ہوتا جو مگر حکمران کے سامنے فرش پر پڑا کر رہا تھا۔

ہم سب اپنے اپنے جاتو نکال لیے تھے مگر جامو کے پائین پر رتنا کے آدمی آگے تھیں بڑھے اور پھر طرف سے گرنے والے چاقوؤں کی جھنکار کوشش پر آئی مٹا۔ انھوں نے اپنے جاتو قبیل کے پیر پر ڈال دیے تھے۔

ہم سب فوراً زمین میں بکھر گئے۔ مولم نے تمہارا نکال لیا تھا لیکن رتنا کے ذہن کو ایک طرف مٹنے اور نکلے انھوں دیکھ کے اس نے تمہارا واپس تیب میں رکھ لیا شاید اسے ان دونوں کو یہ جتنا مقصود تھا کہ چارے پاس کچھ نہیں ہیں۔ میں نے اسے اعتبار دیا۔ اب بے معنی تھی میں اس کا ایک چکر لگا کے جامو لپکنا برا قبیل کے پاس پہنچا۔ تم ابھی مٹ جاؤ۔ وہ جھجھکتی آواز میں مذکر نے لگا کہ رتنا کو اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔

قبیل نے پہلے اس کا کردار دیکھ کر حموان گیا۔ اٹھا کے اوہر بیٹھ گیا میں بیٹھ گئے۔ اس نے خوشی سے کہا۔

موتی کو بھی پھرا دھولے فائدہ استاد؛ دیوی کے سامنے ہی اس کی بلی ہوتے جامو پل کے بولا۔

اسے جلدی چھٹکا اور دلاوے گا۔ اوہر لے جا کے ذرا اس کی خاطر نوکر لے لے۔ آؤ بے کا استاد ہے یہ۔

رتنا بھی یہ سب سن رہا تھا، اس نے کراہتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی کہ قبیل نے اس کے منہ سے پیر ہٹا کے کھلے پیر ہتھوڑی مار دی۔ تنہا انگلیں پھینکے اور جھٹکے لگا۔ اسے اٹھانے ہوئے جامو نے اس کا وہی ہاتھ پیرا جو ٹوٹ چکا تھا۔ رتنا کی چنجیں مکمل

گنیں مگر ہمارے نموکس راتا برا من سے لے گیا۔ اُدھر سے
مینی نہیں کے پیچھے جاگتا۔ بھل ہی نے اُسے ہمارے ساتھ جانے
کا اشارہ کیا ہوگا۔

میں ہمارے ساتھ اندر نہیں گیا تھا۔ رتنا کے گرنے کی
صن میں کچھ دیر کے لیے کھلبلی ہوئی تھی۔ پھر جیسے ہر چیز
خیر تھی۔ ہر سالہ بردہ اور جنگا ایک کونے میں دیکھ بیٹھے تھے۔
رتنا کے آدمیوں کی جانب سے اطمینان کرنے کے بعد میں تو
تو بھل صحن کے وسط میں اسی مگدنا کس کھڑا تھا۔ میں اس کا
ہاتھ تھام کے ہوئی تک کھینچا ہوا لے آیا۔ بیٹھ جاؤ۔ میں نے
اُسے تنگی سے کہا۔

اُس نے بھی بھلی نظروں سے مجھے دیکھا اور میری بات
مان لی۔ پھر میں نے کوشش پر کڑوں بیٹھ کے اُس کا پر اپنے
زائوں پر رکھ لیا۔ سب ٹھیک ہے۔ رے آہ نکلے ہوئے لیے
میں بولا لیکن میں نے اُس سے پوچھے بغیر بیٹی کھول دی۔ پھر
کارنگ مسکری کر اور چپل سے میلہ بکٹ ہو گیا تھا۔ وہی ہوا
جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ پورا پر بھولا ہوا تھا۔ صاف دکھائی دیتا
تھا کہ اندر سے کچھ ہے اور اوپر کچھ بیچ رہا ہے۔ میری کچھ
میں نہیں آیا کہ کڑوں۔ اُسے دیکھ کر میرے ہاتھ ہلن خود بھولنے
لگے تھے۔ بیٹی کھول کے میں نے غلطی کی تھی۔ بھل کر میں اُسے
دیکھنے کا موقع مل گیا اور من میں کھڑے ہوئے دوسرے لوگوں کو
بھی گئی میں اُس کے قریب ملن پہلوان نامی ایک تاجر رہتا
تھا مگر باہر لوگوں کا جھگڑا ملن بھی اُنھی میں شامل ہوگا۔ ایسے
میں اُسے وضو نہ آسان نہیں تھا۔ مجھے اُدھار کا کچھ بچک کے
برابر والے کمرے میں مریم اور دوڑاؤں کا ایک صندوق رکھا رہتا
ہے۔ ممکن ہے اب بھی وہ اُسی جگہ ہو لیکن اب عارضی دواؤں
کا وقت نکل چکا تھا۔ ملن کو توڑنا شکس کو ناچا پیسے تھا ہیں
کسی کو کڑا کے اور اُسے بھل کے پاس چھوڑ کے باہر مد کے
پاس جانے کو سوچ ہی رہا تھا کہ میں شہر اُڑا اور شیلاں بیٹے
گئیں۔ ابھی میں کچھ نہیں پایا تھا کہ چند سپاہی انڈیا واؤ دیاں اور
پریس کا ایک اور دفتر لفریا گیا تھے۔ ہوئے اندر داخل ہوئے۔
واؤ دیاں اور دوسرے اندر دواؤں کے ہاتھوں میں بیٹھے تھے۔
تھا اور دواؤں کے کھلے ہوئے تھے۔ گلی میں لوگوں کی بیڑ تھی۔ پولیس کی آمد
کسی وقت بھی متوقع تھی لیکن مجھے یہ دیکھ کے جیلاں ہوئی کہ ہلاک
ہوئی اُن کے ساتھ تھا۔ ابھی چند منٹ پہلے میں نے اُسے یہیں
دیکھا تھا۔ واؤ دیاں گھبرا ہوا آیا تھا اور رہتا تھا۔ میں چاروں طرف
بھینچا چڑھا کر دیکھ رہا تھا۔ واؤ واؤ جی آؤ بڑی دیر

دی۔ بھل نے اُسے کوشش کرنے ہوئے کہا۔ میں نے
اُسے اُسے نہیں دیا۔

یہ کیا ہوتا ہے؟ وہ بوکھلائے ہوئے لیے میں بولا۔
"ابھی ادھر اپنے پاس رساں سے بیٹھو۔"
"رتنا کدھر ہے؟" واؤ دیاں کی نظریں ہر طرف مٹلا رہی تھیں۔
ادھر بھینک میں ملی کے لیے تیار ہے۔
"اپنے اُدھر صاب بلو کدھر ہیں؟" بھل نے اُس کی بات
کا جواب نہیں دیا۔

"وہ بھی آئے ہیں گے لیکن لیکن بھل یہ سب کیا ہے؟"
"اس کو ہی دکھانے کے لیے آپ کو بلوایا تھا تھا
ہوا رستے میں مل گئے سب بھیک ہے سب اُنہیں کو اندر بھیجی
میں ڈال کر۔ جاری بہت لگتا ہے۔"
واؤ دیاں خود ہی دیکھ رہا تھا کہ کتنے کی ضرورت نہیں ہے
اُس نے اُسے ہر ستر میں اُس لیا۔ اُس کے سامنے افسر بھی۔
"مگر یہ اندر کون بیٹھ رہا ہے؟" واؤ دیاں دشت سے
بولا۔ بھینک سے بار بار رتنا کی بیٹیں اُٹھ رہی تھیں۔ ہمارے
ہاتھ نہیں رُکے ہوں گے۔

"واؤ بھئی نسیم؟ پچانتے؟ اور کون ہوگا واؤ جی؟"
"بھینک بھینک اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔"
"اپنے گیارہ ہاتھوں کو بکھری کرنے کی اجازت پھر آپ ہی
نے دی ہوگی۔ ابھی دھڑکھو اُدھر صاب کو آجائے دو۔"
"بھینک کا دروازہ کھلاؤ۔ وہ صلیکے لیے میں بولا۔
"دروازے پر تالا نہیں پڑا ہے۔ پر اندر جانے کی کیا ضرورت
ہے اور یہ سلطانے حاضر ہیں۔ بھل رتنا کے آدمیوں کی طرف
نہ اُٹھا کے بولا۔ پہلے اُنھی کو دیکھ کر۔ دو چار کام کے مل جائیں
گے۔ دلیسے بھی اُسے کو اُٹھانی گریے دکھائی دے رہے ہیں۔

انڈیا واؤ دیاں نے بھل کی بات آدمی بھی آدمی نہیں
مریٹ بھینک کی طرف دوڑا۔ بھینک کا دروازہ بند تھا مگر اندر
سے کدوئیں میں لگی ہوئی تھی ساتھ ہی سپاہی بھی اندر دوڑ پڑے
اور اُنھوں نے ہمارے اوپر مینی کچھ دے باہر دھکیل دیا لیکن رتنا
کی جینیں بند نہیں ہوئیں۔ بھل بھی پھر پکڑی پر بیٹھا نہیں رہا،
کسی تاخیر کے بغیر میرے زائوں سے اُس نے اپنا ہاتھ کھینچا اور
تیز قدم سے لنگھتا ہوا بھینک کی طرف جانے لگا۔ ابھی وہ
اندر نہیں گیا تھا کہ واؤ ایس بی اُدھر اس کی جوشی اور ایک موٹر
افسر کی سپاہیوں کے ساتھ پڑ پڑاے ہوئے صحن میں داخل ہوئے۔
بھل رگ گیا۔ آپ ہی کا اُدھار تھا اُدھر صاب بھل نے اُس

کے قریب ہلکے زیر لبی سے کہا۔

"شاہد مجھ سے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہو گئی ہے
استاد بھل! اُدھر رتنا کی جوشی آواز میں بولا۔ اس کا چہرہ بھی لال
ہو رہا تھا۔

"آپ ہی کے بولوں کا خیال تھا سرکار! ورنہ اُس بے بیگ
کی ادھر کدھر بھی نہیں ملتی۔ ہاں اپنے ہاتھوں میں زندگی بھر نہیں
ہوتی رہے گی۔"

"ماٹھر بھلکس پٹ پٹانے لگا۔ مجھے یقین تھا مجھے یقین تھا
کہ تم نہیں جھوٹے ہو گے۔ وہ ہر کس میں بولا۔

"آپ نہیں ہوتے تو شاہد بھل بھی جانتے۔"
"مگر تم یہاں یہ سب....؟" واؤ ایس بی اُدھر صاب
بیٹے لیے میں بولا اور کچھ کے بغیر بھل کا منہ کھینچ لگا۔

کوئی جواب دینے کے بجائے بھل بھینک کی طرف مڑ گیا۔
اُدھر اور جوشی اُس کے ساتھ اندر چلے گئے۔ انڈیا واؤ دیاں
دواں پہلے سے موجود تھا۔ بھل کے سر اُنہیں میں سے کوئی بھی اندر
نہیں گیا ہمارا اور جوشی کو سپاہیوں نے پکڑ رکھا تھا وہ اُن سے
اپنے آپ کو پھرانے کی بے کار کوشش کر رہے تھے۔ اندر سے
رتنا کے بلکے کی آوازیں اجاگ اور تیز ہو گئیں۔ دیر تک وہ باہر
نہیں نکلے بھل کے چہرے آپ پتی نہیں تھی۔

جس وقت سپاہی رتنا کو تھامے باہر لائے اُس سے چپلا
بھی نہیں جا رہا تھا۔ ہمارے اُسے اُدھر مڑا کر دیکھا۔ مڑا کر ناک
سے خون بہ رہا تھا۔ ہمارے شاہد اس کی کنبیاں میں سے گزری تھیں
وہ بھی زخمی تھیں۔ اُس کی گردن دھلکی دھلکی جاتی تھی۔ پڑوں
کی انگلیاں کھلی ہوئی نظراتی تھیں مگر میان چاک تھا اور چھٹی
ہوئی واسکوٹ کدے پر بھول رہی تھی۔

"تم سب بھی جانے ساتھ چلو گے۔ ایس بی جوشی نے باہر آ
کے حکم دیا۔

"بھل نے ترٹا کے تندرظوں سے جوشی کو دیکھا۔ پھر اُدھر
کریں درمیان میں ہونا چاہتا تھا کہ ہم سب کو لے چلو، بھل کر
میں رہنے دو لیکن جب بھل ہی کے ہرٹ پھر پھڑکے ونگے
تو میں بھی خاکشس رہا۔

سپاہیوں کی تعداد کم تھی اور رتنا کے آدمیوں میں میت جاری
زیادہ۔ اُنھوں نے پہلے رتنا کے آدمیوں کو بڑکا تے ہوئے باہر نکالا۔
جب سے پولیس آئے پر آتی تھی اُن کی نظریں ادھر ادھر بھینک
رہی نہیں لیکن اُن میں سے کسی نے جانے کا بھی ارادہ کیا
ہو لیکن اتنے لوگوں کی موجودی میں اس کا کوئی امکان نہیں تھا۔

ہاتھ سارے شمول کے ساتھ ہر سالہ بردہ اور جنگا مسلسل اُن پر
نظر رکھے ہوئے تھے اور پھر پولیس بھی موجود تھی۔

گلی میں اب بھی لوگوں کے گھٹھ گئے ہوئے تھے۔ باہر وہ
جانے والے سپاہی میٹاں بجا بھل کے اور اُنھیں کے زور پر
اُنھیں عمارت سے دُور رکھے ہوئے تھے۔ آگے پیچھے پولیس
کی کسی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ اُنہیں اُدھار لہو اور اُنہیں اُن کے آگے
تھے۔ رتنا باہر نکلا تو پولیس کو ایک دوسرے پر ٹوٹتے ہوئے
لوگوں کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ سر پر پوچھنے لگی جیسے بیڑ میں
کسی کو سب نظر آجائے۔ اس کے پیچھے ہم تھے۔ رتنا اور بھل
کو علیحدہ ایک جگہ میں بٹھا دیا گیا۔ پھر ایک بڑی بند گاڑی
میں وہ بیٹھ بٹھ گئے۔ میں اور ہلا کو گاڑی سے پیچھے تھے کہ
اجاگ ایک کنکری پر سے سینے پر آگے لگی۔ میری نظر بھیک اُسی
ممت گئی جدرے کنکری آتی تھی۔ دواں مجھے لوگوں کے بیچ میں
بند دکان کے ایک چوڑے پر پیر واداکھڑا ہوا نظریا میری بیچ
نکلتے نکلتے رہ گئی۔ پڑنے آجھ کے اُٹالے سے مجھے تسلی دی اور
اپنا چہرہ لوگوں کے پیچھے چھپا لیا۔ اُسی وقت سپاہیوں نے جاری
پیچھے ہاتھ مار کے ہمیں گاڑی پر پڑھنے کا حکم دیا اور لوگ
بھڑکے۔ پیچھے کوئی بات نہ رہا تو وہ کونے میں بند ہو گئے۔ اُنھوں نے
کھڑے ہو گئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا اور گاڑی ایک جھلکے سے آگے
بڑھ گئی۔ گاڑی کے اوپر ہی تھے میں لوہے کی حالیان ملی ہوئی
تھیں، میں نے اُن سے جھاک کے دودھ پڑ پڑا۔ میں نے اُن سے
لیکن اُس کا چہرہ مجھے پھر نظر نہیں آیا۔

علائے کا تھا ناؤ اور نہیں تھا۔ گاڑیوں کی رفتار سڑک پر
لوگوں کی بیڑ ہونے کی وجہ سے کم ہوئی۔ کسٹ رہی گلی
کی ساری دکانیں بند ہو گئی تھیں۔ چند منٹ بعد جب گاڑی
دروازہ کھلا تو ہم تھانے کے احاطے میں تھے۔ سپاہی بند ہوئے
اور گنیں لیے ہر جانب پھیلے ہوئے تھے۔

سب کا ایک کمرے میں کر دیا گیا۔ وہ حالات تو نہیں تھے
لیکن آنے کے بعد وہاں سے باہر نکلے پر پابندی عائد تھی۔
پر سپاہی پڑاے رہے تھے۔ رتنا کے آدمیوں کو کسی دوسرے کمرے
میں رکھا گیا ہوگا مگر میں سیلن کی باند پھیلی ہوئی تھی اور ایک
چھوٹی میز دو کرسیوں اور دواؤں کے ساتھ لوہے کی مٹھلی میں
کے ہوا چھ نہیں تھا۔ درمیان میں چھت سے لٹکا ہوا کمرہ روشن ہو
ایک بلب ٹنڈا رہا تھا۔ کوشش نہ تھا میرے جوت جوت میں
ہر رہا تھا سب دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے فرش پر بکھڑے
گئے۔ پہلے ہی سب کے کپڑے گدے تھے اور گدے ہونے

سے کافر قیڑا تھا۔ مینی سب سے زیادہ تھکا ہوا لگا باخدا۔ ناگین ٹیکڑے کے لیٹ گیا۔ لاکو اس کا ناگین دبانے لگا۔ رات کا ابتدا ہی تھا تھا۔ میں دواں آئے ہوئے گھٹنے جھڑ سے زیادہ ہرگیا کرتی۔ میں پوچھنے نہیں آیا، نہ بھل لڑنا۔ بھڑوں نے بیٹنا دشوار کو باخدا پلٹا بند میں گالیاں بک رہا تھا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تو گھٹوں میں مرفیہ چب بیٹھ گیا۔

اڈے پر پاس کہے میں لانے سے پہلے انھوں نے ہماری تلاشی ہی نہیں کی تھی۔ تلاشی لیتے تو پیچھے دیکھ کے ان کی آنکھیں ضرور غور ہوتیں۔ رات دیر سے دیر سے بڑھ رہی تھی کسی کے پاس کھڑی نہیں تھی لیکن بھیگیوں کے شور اور ہلڑتے ہوئے بڑوں کی گرج بڑھ جانے سے وقت کا اندازہ ہوتا تھا سب کی آنکھیں دروازے پر لگی ہوئی تھیں۔ کئی گھنٹے گزر گئے ہوں گے۔ بھل دلیں نہیں آیا۔ سپاہیوں نے ہم سے کھانے کو بھی نہیں پوچھا تھا۔ شرم نے ان سے پانی منگو لیا تھا۔ صبح سے اب تک ہم نے صرف پانی پیا تھا۔ بھل کے نہ آنے کی وجہ سے سچی بے چین تھے معلوم نہیں انھوں نے اسے ہم سے علم و کیوں کر دیا تھا اب کوئی بات پوچھنے کو کہہ تھی۔ اس کے روتے کو کوئی مقصد ضرور ہوگا۔ رنا تھا نے اسے متھوگا ہوگا یا پرکھتا ہے ہم سے چوک ہو رہی ہو، رتنا کے سوا کسی اور طرف ہمارا دھیان ہی نہیں ہوتا تھا، ایسی حالت میں کوئی بھی اعتراض کر لیا مگر میرے ہی تنا کے حواس درست ہوئے ہوں گے اسے اپنے کے ہونے کی اہمیت کا اندازہ ہوا ہوگا مگر ایک رتنا ہی اکیلا نہیں تھا، اس کے ساتھی بھی اس کے شریک تھے اور میاں گھل نے انسپکٹر داؤ دیال کو اشارہ کیا تھا کہ سلطان گراہوں کی موجودگی میں رات کو تنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اتنے بہت سے آدمیوں میں دو ایک آدمیوں کو زبردگی یعنی زیادہ عزیز ہوگی۔ ہم میں سے کوئی ناخبر اور خوشی کے ساتھ بھٹک میں نہیں گیا تھا مگر جب وہ دلیں رتنا کو لے کے آئے تھے تو ان کے چوں پر چھانے ہوئے منظر اب سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کچھ سمجھ کے کچھ ہان کے آئے ہیں۔ کوئی ایسی بات جو ان کی توقع کے خلاف تھی۔ پھر تھانے لے ملے کے لیے جوش کا حکم سن کے بھل کے متوجہ ہونے کا بھی یہی سبب ہوگا کہ یہ بھل کے لیے نا قابل غم تھا۔ وہ اسے تھانے لے کے آگے ادراپ آئے دے ہوئے تھے۔ کچھ کام نہیں پاسکتا تھا کہ کہہ تک بیان رہنا پڑے۔ ہماری رات سارا دن اور نہ جانے کتنے دن سب کے ہم ٹرٹی پر اینڈے ہوئے ٹوٹھڑے سے پڑے تھے، ایک دوسرے پر ڈھنسنے ہوئے جیسے اب ان

میں کچھ باقی نہ رہا ہو سب ہار گئے ہیں۔ وہ زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے لیکن مجھے برے لے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ بھی کراپنے دل میں برا بھلا کہتے ہوں گے۔ کہتے ہوں گے کہ اس کا سایہ ہی نہیں ہے۔ ہر روز مزاروں کی گنتی کم ہوجاتی ہے اسے موت کیوں نہیں آجاتی کیتن خاں کا خیال کر کے جامو کے سینے میں دھول بھر مارتا ہوگا۔ شول لالا سارٹے ساتھ ہی جوان ہوئے تھے۔ ہر بات زبان ہی سے نہیں کہی جاتی، آنکھیں کیتی ہیں چوکا ہے۔ ان کی جھپٹی نظریں مجھے اپنے چہرے اپنے سارے جسم پر عموماً ہوتی تھیں اور مجھے خود ان کے سامنے نکالیں اٹھاتے ڈرا لگتا تھا۔

آجی رات کا وقت ہوگا، بلا کو نے مجھے جھجھوڑا لٹا لے سن رہا ہے؟

میں نے ہڑوڑا کے آئے دیکھا۔ تھانے میں ایک ایک کسی کے چھینے چلانے کی آوازیں اٹھنے لگی تھیں۔ کرنی بری طرح آہ بکا کر رہا تھا، آوازیں قریب کی نہیں تھیں۔ سب چوک اٹھے۔ ایک خیال میرے دل میں سرودی کی لہر طرح اٹھا اور میں نے زرا اسے جھٹک دیا۔ کوئی جانی پہچانی آواز نہیں تھی۔ پھر وہ صدائیں بڑھتی گئیں۔ مینی بھی اٹھ کے بیٹھ گیا۔ ٹوٹھڑے دروازے کے پاس جا کے سپاہیوں سے پوچھا۔ کس کی منہ آتی ہے؟ تیرے بھائی بند ہی ہوں گے۔ اے وہ قمارت ہے۔ ٹوٹھڑے کا دل پوچھنا ہے کار تھا۔ سپاہیوں کو کیا معلوم ہوگا۔ وہ ٹوک سے ہیں کھڑے پورے لہے تھے۔ مولاک مڑا اور ہمیں۔ ایک کے بعد ایک بدلتی ہوئی آواز۔ یہ آوازیں بہت دیر تک تھانے کے دریاہ میں سنسنائی رہیں۔ کبھی تڑم کبھی تیز۔ پھر ایک دم گری خاموشی طاری ہوگئی۔ کوئی آواز گھٹنے بند نہیں اپنے کمرے کے باہر جا میں سنا دیں۔ وہ ہماری ہی طرف آئے تھے۔ سب کھڑے ہو گئے۔ ان میں بھل کی چاپ الٹ سے پہچانی جاسکتی تھی۔ میرے گھٹنے لگا۔ چند ہی لمحوں میں انسپکٹر داؤ دیال کے ساتھ بھل کمرے میں داخل ہو میری نظر سب سے پہلے اس کے پیرونگی اور میری گردن خود بخود جامو کے شانے پر ڈھک گئی۔ جامو نے مجھ سے چھٹا لیا۔ بھل کے میں سفید ٹی بندھی ہوئی تھی۔

داؤ دیال دروازے ہی سے لوٹ گیا۔ بھل فرش پر بیٹھ گیا۔ سب اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ بات آکر دو لے۔ یہ جھگڑی بری نہیں ہے۔ کچھ کھایا یا پانی نہیں ہوگا؟

• جھوک ہی سالی نہیں ہے استاد! مارنے منہ نہ بکے۔

• سو برا بننے میں زیادہ ٹائم نہیں ہے۔ تھوڑی دیر پر دو ڈال لو۔ بھل نے جاہی پلٹے ہوئے کہا۔

• نیند میں بیٹ رہی ہے استاد! دلا کو دے لیے

میں بولا اور بھل کے گھٹنے لگا۔ تم بولو، کیسی رہی؟

• سو برا لڑنے سے لے۔ بھل ناگین پھلکا کر خروش پر لیٹ گیا۔ سارٹے اس کا سراپے زانو پر رکھ کے آہستہ آہستہ دبانے لگا۔

صبح ہونے میں ابھی بہت دیر تھی۔ سبھی کر دیں ملنے لپے بھل کر بھی نیند نہیں آتی تھی۔ دروازے پر کھڑے ہوئے پورے داؤ دیال بیچ پر بیٹھ گئے تھے۔ بھل نے کچھ نہیں بتایا تھا اور جاننے کی ہمت ہی نہیں تھی۔ پیرو، زوار، مانی اور اباجان بھی ادھر بٹل میں جاگ لپے ہوں گے۔ اباجان نے پیرو سے ضرور پوچھنا چاہا ہوگا کہ سب کیا ہوا ہے۔ نہ جانے پیرو نے انھیں کیا جواب دیا ہوگا۔ کیا ہوگا بڑے صاحب! آپ کیوں ٹھکر کرتے ہیں ابھی بہت سے لوگ زندہ ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سوچ آتے آتے کیس رک گیا ہے یا رستہ ہی بھول گیا ہے۔ رات کچھ نہیں ہی جا رہی تھی اسی مان میں ہیں میں ہم سب سے کام کرتی تھیں خدا نے ہر چیز کی ایک مدد مقرر کی ہے، خدا کے سوا کسی کر بھی دوام نہیں ہے۔ شاہ اندھیر کی مدد بھی تمام ہوگئی تھی۔ رات کی جاو رکھنے پھٹتے آخر بھٹ گئی۔ اتنی جان کی باتیں اس وقت کہی جا رہی تھیں اتنی ہی تھیں کبھی نہیں۔ میں ان سے طرح طرح کے سوال کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے جب ان سے کوئی جواب نہ ملتا تو وہ ڈانٹ کر کہتے ہیں ایسا ہی ہے تو بہت سختی ہے، بال کی کھال نکالتا ہے۔ وہ ہمیں تو میں ان سے پوچھتا، اتنی، بہت سی مددیں تو کبھی ہم نہیں ہوتیں۔ بہت سے اندھیرے تو کبھی ہمیں نہیں دیتے۔ رات ہوتی ہے دن نکلتا ہے مگر اندھیرا نہیں جاتا، بہت سے اندھیرے سوچ کر رشتی بھی دو نہیں کر سکتی، نہ اندھیرا جاتا ہے، نہ موت آتی ہے۔

صبح بھی پوری طرح نورانی نہیں ہوئی تھی کسی سپاہی نے دروازے سے آواز لگائی۔ استاد! بھل اختیار ہو جاؤ۔

بھل نے سارٹے کے زانو سے سر اٹھایا اور انھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا کسی کی آنکھ میں نہیں لگی تھی جو اٹھنے میں وقت لگا، بھل کے گھٹنے پر سب ایک لٹ کھڑے ہو گئے دروازے پر کھڑے ہیں سپاہی ایک طرف بہت گئے اور ایک سپاہی میں

تھانے کے مقبی تھے میں لے آیا۔ دواں کھلے ہوئے نلوں سے شرشر پانی بہ رہا تھا۔ بھل جامو سارٹے اور میرے سر اسی نے اپنے سر نلوں کے نیچے کر دیے۔ منہ ہاتھ دھو کے ہم دلیں کسی کمرے میں آئے تو میرے کمرے کا نشانہ لگا ہوا تھا۔ کچھ لیاں سلاسل، کتھن اور چلے۔ ایک سپاہی کلاسوں میں چائے اڈا لڑا ہوا منہ کوسب کچھ اجنبی سا لگ رہا تھا۔ ہر ایک نے دو دو گلاس چائے پی اور کچھ نہ کچھ ضرور کھایا پھر بھی بیٹھوں میں بچا رہ گیا۔ ناشتہ کرتے کرتے کمرے میں خاصا آجیالا ہو چکا تھا مگر ہم اس وقت تک وہیں لپے جب تک دوسری پارسیا ہی نہ آئے کہ میں باہر آنے کو نہیں لگا اور دو کوئی دس منٹ بعد ہی آگیا تھا۔

دواں میں ہمارے پیچھے ہی ایک جانب سے انسپکٹر داؤ دیال آگیا اور اس کے ساتھ ایک دوسرا فٹ سرب انسپکٹر سورتی۔ دونوں کے چہرے کھٹے کھٹے تھے۔ لباس بے شکن تھا اور داڑھیاں مڑی ہوئی تھیں مگر بھاری ہوئے اور ماتھے کی شکنیں بھلی کھا رہی تھیں کہ وہ رات بھر جاگنے لپے ہیں۔ میں دھک کے دفوں کے بڑوں پر مسکرا کر سبیل میں گئی۔ دواں کے سامنے وہی گاڑی کھڑی تھی جو گشتہ رات میں آئے تھی۔ داؤ دیال ڈانٹ کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ گیا۔ سب انسپکٹر سورتی اور دوسرے سپاہی گاڑی کے پچھلے بندھے میں ہمارے ساتھ بیٹھے۔ آدھ پون گھنٹے کی مسافت کے بعد گاڑی جس عمارت میں جا کے ٹھہری وہ میری اچھی طرح دیکھی جاتی رہی تھی جس میں وقت میرا قدم رجا رہی تھا۔ مجھے زور ہی بل سے ہاں لایا جاتا تھا۔ بھل آہستگی سے پیچھے آگیا، پھر اس نے جامو کو بٹایا اور مارنے کو بھی۔ مجھے یاد آگئی کہ نہیں۔ باقی سب کو وہیں بیٹھے رہنے کی ہدایت کر کے وہ چلا گیا۔ سپاہیوں میں بھی صرف دو سپاہی ہماری عمارت کو رو گئے تھے، دھوپ خوب چڑھ آئی تھی اور پکری میں لوگوں کا جہم بڑھ گیا تھا۔ گاڑی کھلی ہوئی تھی اور ہم آتے جاتے لوگوں کو بڑی دیکھ سکتے تھے۔ وہی لوگ اسی طرح کے لوگ۔ جھنگڑیاں لگے منہ پھانے مر جھکانے لوگ۔ عمارت میں اتنی ہی بیٹھتی تھیں تو سال پہلے ہوتی تھی۔ پیسے کل کی بات بڑھیسے کل رات ہی کہ انھیں سے جدا ہوئی ہو۔ مجھے لینے آنے لگا۔ بھل کوئی دو گھنٹے بعد لڑا۔

گاڑی کا دروازہ پھر بند کر دیا گیا اور کچھ دیر بعد جب اسے دوبارہ کھولا گیا تو ہماری آنکھیں پھنکھنکھیں۔ گاڑی آؤٹے کے باہر کھڑی تھی سب کے حواس لنگ تھے۔ چند لمحوں تک تو سب پر مسکتا سا طاری رہا، پھر سب ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

پلو ہر ہر ہر کے لئے لگا ادا اس نے سہی کی تھیں بھگدوں۔
 انکڑاؤ دال بھی گاڑی سے آ رہا تھا اور ایک طرف تھا، کھا، کا
 بازو تھا سے کھ کد رہا تھا اس کی آنکھیں جھللا رہی تھیں گل میں
 دیکھتے دیکھتے لوگ بھر جمع ہوئے گئے آؤں کے کسی ملک محل
 جی نے آکے مالا کھلا۔ ساری عمارت ویلن پڑی تھی برے
 دروازے سے کرے تک کے کھلے تھے میں سامنے فرش پر
 زنا کے آدمیوں کا کل کا خون جما ہوا تھا۔ سامنے کروں کے دروازے
 کھل دیے گئے تھے گل کے لوگ عمارت میں گھس آئے اور بھر
 توان کا ایک نانا سا بندہ گلیا جرجی آتا، کچھ نہ کچھ لے کے فوڈ
 پہنچا بھولوں اور مٹھانی کے دو فوں کا انبار رک گیا۔

ہم سب ایک دوسرے کے چرے دیکھ رہے تھے۔ جنہاں
 صحن کے وسط میں پڑی ہوئی چوکی پر آکے بیٹھ گیا تھا اڑتے
 کی آس کے من میں دلی ہوئی تھی۔ گھٹیا مضیاع اس کے لیے
 تازہ تھوہر کے لایا تھا سب ایک خواب سا معلوم ہوتا تھا۔
 آنے والوں کو بھی اس خبر پر تعجب نہیں آیا ہوگا کہ بھل آؤں کے پر
 واپس آگیا ہے اس لیے وہ خود اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھتے کہے
 تھے۔ کوئی اس کے ہاتھ پکڑتا، کوئی پر جھپٹتا، کوئی سلام کرتا، خیریت
 پوچھتا، زنا کی شکایت کرتا، کوئی رنے لگتا اور کین خاں کا ذکر
 چھیڑتا۔ اس دولان پر لایا اور بدو اس پر مل سے ہمارا سامان
 لے آئے تھے جہاں کل صبح ایشیوں سے نکلے کے بعد ہم نے
 اُسے چھوڑ دیا تھا مگر کسی نے پرشہ نہیں بدلے۔ سہ پہر بھل
 کو ایک لمحے کی فرصت نہیں ملی اور سہ پہر کو ہی گلی میں ایک باہر
 شورا ملا۔ ہم سب باہر کی طرف بھاگے۔ وہ سب آ رہے تھے
 وہ سب۔ سب سے آگے کاٹتے تھا برابر میں نصیب میاں
 کھوا۔ گو، لیل، ہر چلن اور ان کے پیچھے وہ سب۔ گلی میں فوڈ
 دوزخ بھی اُنھی کے منظر آتے تھے سب کی داڑھیاں بڑھی
 ہوئی، بال بکھرے ہوئے، آنکھیں ویلن اور جہنم پر وحشت
 برس رہی تھی۔ کاٹنے سے جیسے ہی دیکھا، دیوانگی سے میری
 طرف جھپٹا ہوا لپکا، ادھر سے میں بڑھا۔ اُس نے مجھے اپنے
 بازوؤں میں جھینچ لیا اور میری گردن سے سر روک لیا۔ وہ بار
 بار میرا سر دیکھتا اور مجھے جھک لیتا، میرے گالوں کو بیا کر کرتا۔
 کبھی میری ٹھوڑی چومتا، کبھی پیشانی۔ جبر میرے سینے پر اس کا
 مڑھک گیا، وہ سلنے لگا۔

میں اُسے سنبھالنا چاہتا تھا مگر میرا جسم غوریزہ ریزہ ہو
 گیا تھا۔ اُسے دلا دیتے۔ میری زبان کاٹنے لگا اور آنکھوں
 سے آنسو چھوٹ پڑے۔

انجبا ہی ہر اک جاسوئے جھٹ بیچ میں آکے اُسے برے
 بازوؤں سے پیچھا لیا اور نصیب میاں میرے سینے سے لپٹ
 گئے۔ بھر کھو، لیل، ہر چلن اکبر کھوا، چن، کسی کو کچھ پرش
 ہی نہ رہا۔ مٹھ اس وقت آیا جب بھل کی جہادی آواز کوئی۔
 اندر چلوئے۔

بھل کو دروازے پر کھڑا دیکھ کے سب میں چھوڑ کے
 دروازہ وار اسی کی جانب دوڑ پڑے اور انھوں نے اس کے گرد
 گھیر ڈال دیا۔ اندر چلو۔ بھل نے آنکھیں میچ کے کما۔
 اندر آکے وہ باطل پاگل ہو گئے تھے۔ بار بار گلے ملنے
 کوئی دوڑ کے اس کے پاس جاتا، کوئی اس کے پاس کسی ایک
 جگہ کوئی کھتا ہی نہ تھا اور کسی کے پاس کھنے کے لیے شاید کچھ
 نہیں تھا کوئی زبان کھولنے کی کوشش کرتا تو آواز ساتھ نہ
 دیتی۔ بس وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے پھر چھپٹ کے اپنی
 آنکھوں میں بھر لیتے۔ جاری واپسی کی آنکھیں کوئی امید ہی نہ رہی
 ہوگی یا انھوں نے بہت شدت سے انتظار کیا تھا سب ٹوٹے
 پھوٹے، بکھرے ہوئے سے تھے، گھٹا تھا، ڈوڑھہ سینے سے
 وہ اپنی آنکھوں اپنے سینے پر جبر کرتے رہے ہیں آنکھیں آؤں
 پر موجود ملائے کے لوگوں کا بھی خیال نہیں آیا۔ بھل بھر کھائے
 بیٹھا تھا اور وہ اس کی گردن میں اس کے ہاتھوں اس کے پیروں
 پر سر رکھے بچوں کی طرح بلک رہے تھے۔ کاٹنے دیکھ بھل
 کے زانوؤں پر سر رکھے سکساں بھرتا رہا بھل نے اس سے ایک
 لفظ نہیں کہا تھا مگر کاٹنے کی آنکھوں کی جھڑی نہیں گئی۔ دھر
 جاسو میچ کے قریب نصیب میاں سے چٹا ہوا جیکبوں سے
 روکا تھا۔ نصیب میاں نے جانے اس سے کیا کیا کہہ رہے تھے۔
 اب تک کسی نے دھیان نہیں دیا تھا مگر لیل کو خیال آ
 ہی گیا میرے پاس آکے وہ بے قراری سے پوچھنے لگا یہ دیر
 کدھر ہے؟ میں اُسے کیا بول رہا تھا میری خاموشی پر اس کا
 منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ میں نے اُسے نہیں بتایا کہ صرف وزیر ہی
 نہیں سلطان اور میں میں بھی.... لیکن لیل نے پھر کسی کے
 باسے میں پوچھا ہی نہیں۔ اس کا منہ بھڑکنے لگا تھا میں نے اُسے
 اپنے سینے میں دلوچ لیا۔

اُسے پر پہلے ہی خامے لوگ موجود تھے۔ اُن کے آنے
 سے صحن بھر گیا۔ باہر سے لوگوں کی آمدات تک جاری رہی
 سیٹھ مول جی اور گل کے دوسرے لوگوں نے سب کیلے رات
 کے کھانے کا انتظام کیا تھا۔ کتنی خاں ادا اس کے ساتھ جانے
 والوں کی موت کے کھانے کا اُدھارا ان پر واجب تھا کسی کا

جی کھانے کو جاتا ہی نہیں تھا لیکن سب نے امداد کر کے فوڈ
 پر پہنچے ہوئے دسترخوان پر ہمیں بٹھا دیا۔

رات گئے ملائے کے بھی لوگ واپس چلے گئے مگر اُتے
 کے وہ سالے آدمی جن کے گھر موجود تھے، اپنے گھروں کر نہیں گئے
 مارے بھل کر اُدھر پر والے کمرے میں لے گیا سب اور اُدھر
 مختلف کمروں میں پڑ گئے یا صحن ہی میں وہاں بھلا کے لیٹ
 لپکے کاتے، ہامو لایا اور مینی کے ساتھ میں بھی اوپر ہی منزل
 کے ایک کمرے میں چلا گیا۔ زین کر جب میں لسن کے جنگل
 سے چھڑکے اُتے پر لایا تھا تو وہ میں تھیری تھی سب قسم
 سے تھے اور ایک دوسرے سے کچھ پوچھتے رہتے بھگ رہے
 تھے نصیب میاں بھی کچھ دیر بعد اوپر آگئے اور ہمیں چپ
 دیکھ کے تسلیاں دینے لگے اور وہ خود ہی سب کچھ بتانے لگے
 پھر لیل بھی چپ نہ رہ سکا اور کاٹنے کی زبان بھی آگ اُٹھنے
 لگی۔ ساری رات یہی گزری گئی اور آسمان پر کبھی تارے نکل
 آتے کبھی دلیاں جھامچیں۔ صبح کے قریب ہلکی ہلکی برسی
 گرنے لگی مگر سب چارباہیوں پر پڑے رہے۔ اُن کے چہرے
 پہلے ہی بھیگے ہوئے تھے، رات بھر بھیگتے رہے تھے۔ کسی کو
 ایک بل کے لیے نیند نہیں آتی تھی۔

میں سمجھ رہا تھا، جیسے ہی پروردہ کھانے سے ہماری
 اُتے واپسی کی اطلاع ملے گی وہ سیدھا اُتے کا رخ کرے گا
 لیکن وہ رات تک نہیں آیا یہ ممکن نہیں تھا کہ اُسے خبر ہوئی
 ہو۔ کل کھانے جانے کے لیے ہم گاڑی میں بیٹھ رہے تھے تو
 وہ موجود تھا۔ گویا وہ سارے دن ملائے ہی میں منڈا لانا رہا
 تھا چونکہ اُسے تعین ہوگا کہ ایشیوں سے نکلنے کے بعد کس اور جانے
 کے بلے ہلے قدم سیدھے اُتے کی طرف بڑھیں گے لیکن
 ہم آگے گئے ہی نہیں، وہیں ایشیوں سے قریب پڑنے والے
 پہلے پڑے تھے ان کے چار دیواری میں داخل ہو گئے لیکن بے
 وہ ملائے کے کھانے کے اطراف بھٹکتا رہا ہم ہم وہاں رہنے
 تو اُسے دکھائی دیتے مگر کرات کو اس نے اپنی آنکھوں سے
 ہمیں پریس کی گاڑیوں میں بیٹھتے دیکھا تھا اور اُسے خوب
 اندازہ ہوگا کہ ہم اپنے ملائے ہی کے کھانے میں جا سکتے ہیں
 چنانچہ اس نے کسی بھی ذریعے سے سن گئی لینے کی کوشش فوڈ
 کی ہوگی کھانے کے قریب کسی ہوٹل میں بیٹھ کے کسی سپاہی
 سے رابطہ قائم کر کے ہم صرف ایک رات وہاں رہے تھے صبح
 ہونے ہی پھر ہی چلے گئے تھے۔ رات کو کھانے کے گرد اس کا
 چکر لگا ناشوک ہوتا اور اُسے کچھ پتہ بھی نہ چلتا لیکن ہم دوبر

کو تو اُتے واپس آگئے تھے۔ ہمیں کھانے جاتے ہوئے دیکھنے
 کے بعد کدوہ واپس ہو کر ہوٹل کے کمرے میں بند ہو گیا؟
 اُس کے خیال میں کھانے سے ہمارا ایک ترکیزا شکل تھا اور اس
 کا اُدھر اُدھر کے لوگوں سے ہمارے بارے میں پوچھنا نقصان دہ
 ثابت ہو سکتا تھا یقیناً ایسا نہیں ہوگا۔ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہیں بیٹھ
 سکتا تھا۔ اُسے سب معلوم ہو گیا ہوگا۔ جاننے کے باوجود وہ نہیں آیا۔
 اُسے کچھ اطمینان ہو گیا ہوگا یا وہ بھل کی جانب سے بلائے کا منظر
 تھا اُتے پر ہماری واپسی اور رتنا کے اندر جانے کے بعد وہ
 زیادہ غمغور ہو گئے تھے۔

مجھے بار بار خیال آتا تھا اگر ہم سیدھے اُتے پر چلے آتے
 تو شاید سب کچھ بدلا ہوا ہوتا۔ ہم ایک دن بعد اس طرح اُتے
 پر موجود نہ ہوتے، کہاں ہوتے؟ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔
 بے شک پھر سینے پر اتنا بوجھ نہ ہوتا، رتنا اور اس کے آدمیوں کو
 لاشوں میں تبدیل کرنے کے بعد ہی ہم اُتے سے نکلے اور اس
 کے بعد جو کچھ ہوتا کچھ پیتے لیکن اس کے بعد کیا ہوتا، بیٹنے لوگ
 یہاں موجود تھے، اُن میں سے چکر کڑی بھی باہر نہ آتا۔ کاٹنے،
 نصیب میاں لایا اور دوسرے سب لوگوں کے چہرے پھر کس
 اور ہی دیکھنے نصیب ہوتے۔ رتنا کو ختم کرنے اور اُتے پر بیٹھ
 جانے کے بعد پولیس کر جانے پاس بیٹھنے میں دیر نہ لگتی چاہے
 ہم رتنا اور اس کے آدمیوں کو زندہ زین میں دفن کر دیتے اور
 اُن کی ہڈیوں کی راکھ پر بھی کسی کی نظر نہ پڑنے دیتے لیکن پولیس
 ہالے ہی پاس اُن کا پتہ لہجھنے آتی۔ ہم تصور ہی کر سکتے تھے کہ
 پھر کیا کچھ ہو سکتا تھا۔ بدو کی باتیں سننے کے بعد سب کی آنکھوں
 میں خون کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بھل جب اپنا کھانے کی چار دیواری
 میں جانے لگا تھا تو سب کو اپنے بھاؤ اور پولیس افسروں کے
 سامنے اتنی دیر تک اُس کی فضول باتیں سن کے سبھی کے جسم کھلا
 رہے تھے۔ اُس وقت کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا سب کے
 دل میں ایک ہی بے کلی تھی کہ وہ کسی طرح جلد از جلد اُتے پر
 پہنچ جائیں۔

انہی دن ہی ہمارے پر کس میں پڑی ہوئی تھی بدو اور
 ہر بارے میں کچھ کہا تھا کہ اُس کی تصدیق پولیس کے ہوا کسی اور سے
 نہیں ہو سکتی تھی۔ یوں ہی بدو کے بقول پولیس کو ہماری تلاش
 تھی تو ہمیں اس سے چھپنا بھی نہیں چاہیے تھا ورنہ بدو نے مشورہ
 دیا تھا کہ ہم ایشیوں ہی سے لوٹ جائیں۔ پولیس ہی سے ہمیں
 اپنی تلاش کی اہل وجہ معلوم ہو سکتی تھی۔ ہم اُتے کی طرف جارہے
 تھے لیکن ہو سکتا تھا کہ ہم بھی وہاں تک نہ پہنچ پاتے راستے

ہی میں ہمارے آگے رکاوٹیں کھڑی کر دی جائیں اور پھر پولیس کا طور پر نہ بولتے ان کے طور کا اندازہ ہمیں ابتدا ہی میں ہو گیا تھا۔ اُس وقت جب تھانے میں ہمارے آنے سے کھلبلی مچ گئی تھی۔ اُن کا رویہ اس سے قطعاً مختلف ہوتا اگر وہ ہمیں خود کھینچ کے لیتے اور ہماری تلاشی لے کے نیچے اور ہتھیار برآمد کرتے، وہ ہم سے پوچھتے کہ ہم اتنے دلوں کماں کیسے ہیں ہم وہی جرات دیتے جو ہم نے دی تھی۔ ہم انھیں کہیں نہ بتاتے کہ ہندوستان میں تھے ہی نہیں لیکن شاید وہ اس طرح نہ سمجھ پاتے جس طرح انھوں نے اب سمجھا کر بچا تھا۔

زنائیں اندر نہیں گیا؟ زننا میں تو پھر اور کون تھا؟ کتنے خاں نے اتنے مختصر عرصے میں اتنے بڑے دشمن کیسے پیدا کر لیے۔ میں ترا نا بھی پتہ نہیں تھا کہ ہمارے وارنٹ نکلے ہوئے ہیں یا نہیں۔ انھوں نے وارنٹ غالباً اس لیے جاری نہیں کیے تھے کہ ہم کسی طرح نکلنے والے آجائیں۔ تھانے سے نکل کے جیسے ہم ملاتے ہیں داخل ہوتے تھے ویسے بھی نہ جاتے۔ ڈاڑھے پر رتنا کے سامنے ہم یوں اپنے ہاتھ رکھ کئے پرتاؤ ہوئے۔ ہماری آنکھیں بکتی رہتیں اور ہمارے پاؤں اندر سے سیدھے پڑتے پولیس بھی آتے ہوئے تھے اس میں اتنی دیر نہ لگتی اور پھل رتنا کو اتنا نفرت و تباہ وہ آڈے کی عمارت کے بجائے علی کے پتھر پر آڑتا۔ ہم اپنے ہی گھر جوں کی طرح داخل ہوتے۔ انھوں نے ہماری عدم موجودی میں ہمارے بارے میں جو ذہن میں بٹھالیا تھا، وہ ہماری اپنی ہی وجہ سے تھا کہ ہم موجود نہیں تھے۔ انھوں نے دوسرے شہروں کی پولیس سے بھی ہمارے متعلق نصیحتا کوئی رابطہ رکھا جوگا اور ہر جگہ سے انھیں نفی میں جواب ملا جوگا۔ دو تین دن حوالات میں رکھ کے میں جیل جینے کی اجازت حاصل کر لیا۔ ان کے لیے مشکل نہیں تھا اور چہ نہیں؟ وہاں سے ہماری واپسی کب ہوتی۔ آڈے سے پہلے کے بعد آڈے پر ہماری موجودگی کے دوران وہ ہم تک پہنچتے تو پھر واپسی انھیں کی مرضی پر منحصر ہوتی اور اس بات پر کہ ہم نے رتنا کے ساتھ کتنی رعایت کی ہے یا کوئی رعایت نہیں کی یا دھر شہر کے آڈے کے استاذ پولیس کے کانوں میں روز نیا شورش پھونکے ہمارے دن بڑھلتے رہتے۔

آڈے پر اُس رات ایک نصیب میاں ہی تھے جو جھگڑ گئے تھے۔ اُن کا کتا تھا کہ سب کچھ اچانک چڑا مہمل کے مطابق رات گئے عمارت کے دروازے بند کر دیے گئے تھے ساند پندرہ آوی تھے، تین وہ جنھیں چاروں سے کتنے خاں نے اُس وقت تک رہنے کی اجازت دے دی تھی جب تک وہ اپنا کوئی انتظام نہ

کر لیں۔ تینوں نکلتے ہیں نوراد تھے۔ انھوں نے بتایا تھا کہ وہ دلی سے آئے ہیں اور پولیس اُن کا پھینکا کر رہی ہے۔ اُس رات میں اچانک غائب ہو گئے نصیب میاں یا کسی اور کے ذہن میں دُور دور تک گمان نہ تھا کہ وہ رتنا کے آدی ہو سکتے ہیں۔ پوچھ گچھ کے وقت وہ کسی کی طرف اشارہ نہیں کر سکے مگر پندرہ دن بعد انھیں جب رتنا کے آڈے پر پھینچنے کی خبر ملی تو اُن کے ساتھ بھی نہ شور مچایا۔ اُن کے پھیلے بیانات مختلف تھے پھر بھی پولیس نے رتنا کے سلسلے میں ہر طرح کی تفتیش کی جو کیسیک رتنا نے ہرگز نہ کر سکا تھا۔ کوئی روزن کھلا ہوا نہیں تھا۔

کانٹے کتا تھا کہ جیسے ہی وہ نکلتے واپس آیا، آڈے تک نہیں پہنچے وہ لگا۔ راستے ہی میں روک لیا گیا۔ وہ بتا سکتا تھا کہ وہ فیض آباد اور بمبئی گیا ہوا تھا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ پولیس جوں کی گھبراہٹیں کی سربل پہنچے، وہ بات کسی وقت بھی بتا سکتا تھا جب کوئی چارہ نہ ہوتا گاڑی سے اُترنے کے بعد اس کے لیے بھی سب کچھ عجیب اور نا قابل فہم تھا۔ وہ سیدھا آڈے کی طرف چارہ دیا تھا لیکن اُسے جیل پہنچا دیا گیا۔ وہاں آڈے کے دوسرے ساتھی بھی موجود تھے، کانٹے نے اُن کی باتوں اور پولیس کے رویے سے اندازہ لگا لیا تھا کہ ابھی جیل سے باہر نکلنا اُس کے اور دوسروں کے لیے مفید نہیں ہے گا۔ شاید اس دوران جیل میں آہائے یا پولیس خود داخل لوگوں تک پہنچ جائے۔ آڈے نکلتے ہیں چلنے والی برائیں یکسر بدل، مٹی محسوس ہوتی تھیں۔ پولیس نے اُس پر بیدار سنا۔ پوچھ گچھ کا کوئی الباط طریقہ نہیں روک گیا تھا جو ردا د رکھا گیا ہو۔ کانٹے انکار کرتا رہا اور دانستہ چپ رہا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اُس کا دماغ ہی ٹھیک کام نہیں کرتا تھا آڈے کے لٹنے لوگوں کے پیچ میں بھی وہ خود کو تنہا تنہا محسوس کرتا تھا جو مناسب سے مناسب بات اُس کے سر میں آسکتی تھی وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اُس پر کار بند رہا اس عرصے میں فیض آباد سے مجرّم بمبئی سے ماچھی چھپاؤ سسٹم سے آڈے کو مٹی اُس کی خبر لینے آئے پولیس اُن کے پیچھے چل گئی۔ کانٹے نے یہ کہہ کر انھیں لڑاؤ کا استاذ واپس اب آئی ہے۔ ہوں گے اور وہ انھیں کسی وقت بھی بلا سکتا ہے۔ جیل میں اُس کے ساتھی ہرے اُس پر زور دیتے تھے ایک مرتبہ انھوں نے جیل سے فرار ہونے کا خاکہ بھی بنایا۔ کانٹے نے انھیں منع کر دیا اور ایک بار رتنا کی طرف سے ایک آدمی نے اُسے پیش کش کی کہ وہ جیل سے چھوٹ کے اپنے پرانے آڈے ہی پر واپس آئے۔ رتنا اُسے اپنا منتظر ہے گا۔ دکانے کھلایا تھا کہ آڈے رتنا جیل کا آڈا خالی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ کانٹے نے جواب میں رتنا

کی طرف سے بھیجے جانے والے آدمی کو ہاتھ پھیلانے کو کہا۔ سب اُس نے ہاتھ پھیلا کر کھانے سے اُس کی تعظیم پر تحویل دیا اور بالا جا کے اسے رتنا کے منہ پر مل دینا۔

کانٹے بتا رہا تھا کہ اُس نے ڈیڑھ مہینے کا عرصہ جیل میں نہیں بیٹھا کیسے جتنی میں گزارا ہے۔ بار بار اُس کے جی میں آتا تھا کہ وہ واقعے کے دوران اپنی عدم موجودگی کا ثبوت فراہم کر کے بیان سے نکل جائے گا۔ کانٹے کو بھی احساس ہو گا کہ رتنا نے کسی برتنے پر یہ جرات کی ہوگی۔ اپنے اور دوسروں کے مل پر، مبادا اُس سے کوئی نعرہ شرس مرزد ہو جائے اس لیے کانٹے خود کو تھامے رہا۔ وہ بمبئی سے پرو دار کے آدمیوں فیض آباد سے مجرّد کے ساتھیوں، کھڑے کتنے خاں کے دوستوں اور سسٹم سے استاد موتی کے شاگردوں کو نکلتے بلکا کے آڈے کا نزع کر سکتا تھا مگر اُسے اچھا نہیں لگتا تھا کہ اُس کے کندھوں پر بند دیکھ کر رکھ کے چلائی جائیں۔ وہ خود ہی وہاں جانا چاہتا تھا اور کسی مناسب موقع کا منتظر تھا۔ اُسے جیل کا بھی انتظار تھا۔

جیل جیسا کہ اکثر کیا کرتا تھا کہ ہتھیار اٹھانے سے پہلے فیصلہ نہ کر لیا۔ ہتھیار سب رکھ کے چلاؤ۔ خبر ہے جیل کی طرف دُور ہاتھ نہ دیکھتے۔ فیصلہ سے تھی نہ ہتھیار سب رکھنے سے بھاگ پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ پیر ویاں اباجان کو لے کر فیض آباد چلے جاتے تو وقت کی تنگی کا اتنا احساس نہ ہوتا۔ جتنی دیر ہمیں تھا نے میں تھی، اتنی دیر میں رتنا کو فرار اور مارنے کے باسے میں یہ غمزدگی میں پانی ہوگی کہ وہ جوں کی پھیر سے ہوتے ہیں۔ بدلنے اگر پرورد کو ہم سے باتیں کرتے اسٹیشن پر دیکھ لیا تھا تو بد و ہمارے ساتھ ہی تھا۔ نام ہی کو ہم رتنا کے پاس پہنچ گئے تھے شام کو ہم اُس کے پاس پہنچ پاتے، تھانے میں ہمیں پھر اور وقت لگ جاتا، ایک رات اور ایک دن یا کئی دن کو شاید رتنا نکلتے ہیں پرورد کی موجودی سے بے غمزدگی رہتا اور وہ جاننے کے بعد آئے چارہ اٹھا کے پرو کے سامنے پہنچ جانے کی ضرورت نہیں تھی، پولیس کو اشارہ کر دینا کافی تھا۔ پرو کے پاس رتنا کی بے خبری جتنا ہی وقت تھا۔ پرو تک پولیس کے پہنچ جانے کا مطلب اباجان تک پہنچنا تھا جن کے پاس ماہو کے پتھر مندرتوں میں لٹکے ہوئے تھے۔ اُن کی ایک جھلک سے صرف اباجان اور پرو کے سامنے کے دروازے بند ہو جاتے، ہماری باقی زندگیوں کا فیصلہ بھی ہو جاتا۔ جتنے کم سے کم وقت میں ہم تھانے سے نکل جاتے، اتنا ہی ہمارے لیے بہتر تھا۔ آڈے والا ہر گز کھتی ہوئی تلوار کے مانند تھا جو کسی وقت بھی ہماری گردن پر گر جاتا۔

گوہر کو کسی دُور کسی تلوار سے کم نہیں تھا۔ وہ کسی کے خود تک پہنچنے سے پہلے ہی اُس کی آہٹ سونچ لیتا لیکن میں اپنے طور پر آئے انھیں میں ڈالنے کا خطوط مل نہیں لینا چاہیے تھا۔ بھاگ لیے بس ہی ایک بہتر صورت تھی کہ ہم دوبارہ تھانے واپس آئیں تو رتنا اور اُس کے ساتھی بھی ہمارے ہمراہ ہوں۔

سب میرے ہی آٹھ گئے اور اندھا دھوکے پر بے بل کے، ناشتہ کیے بغیر آڈے سے نکل گئے۔ ملائے کے بہت سے لوگ بھی ہمارے ساتھ ہو گئے تھے۔ پہلے ہم ششان گھاٹ گئے۔ اتنے دلوں میں لا لا بسوا، منہ ہرا کر کے اُن لاکھ بھی ہر اکاں سے کہاں لے گئی ہوگی۔ جتنی دیر مندر کے پنڈت جی پچھڑھتے رہے ہم چپ کھڑے تھے۔ وہاں سے ہم جراتان گئے جن لوگوں نے کتنے خاں ٹھلے، فیض آباد، دلی، فیصلہ بندے اور سادو کو دفن کیا تھا، انھی نے اُن کی قبروں کی نشان دہی کی۔ گلی میں بے دالے قاضی صاحب نے تلاوت کی۔ جامو کے پرش وحول جاتے تھے وہ کتنے خاں کی قبر سے چٹ کے چھوٹ چھوٹ کے رتنا۔ جیل نے بے مشکل تمام آڈے وہاں سے اٹھایا۔ واپس میں راستے بھر حلو گنگا بٹھا رہا۔

آڈے پر آئے جیل نے کئی آدمیوں کو شہر کے مختلف اڈوں کی طرف جانے کی ہدایت کی اور کہا، اُستادوں سے ہمارے جوں کی آج رات ہم اُکرا کر جانا چاہتا آڈے پر پہنچ جائے۔ جیل نے اور کئی دوسری بات نہیں کی تھی بھے سب جیل از وقت معلوم ہوتا تھا۔ آڈے کے آدمی اُس کا پیغام پہنچا کے سہرے تک ٹوٹ آئے تھے۔ نام ہی سے اُستادوں کی آمد شروع ہو گئی اور رات بونے تک جن کو جیل نے کھلایا تھا شاید ہی اُن میں سے کوئی باقی رہ گیا ہو۔ کوئی اُستاد نہ آسکا تھا تو اُس نے نرم پیچ دی تھی مارا جس نے نرم نہیں بھیجی تھی اُس نے خود آڈے جیل سے ملت لپک لی تھی۔ جیل نے اُن سے اپنے پیچھے ہونے والے واقعات کے باسے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ خود ہی طرح طرح کی باتیں کرتے تھے، جیل چپ چاپ سننا رہا۔

مگر اُستاد فرستادن سے لوٹ کے جیل دن بھر بیٹھا ہی رہا تھا محض چلنے سے اُس کا زخم اور بگڑ گیا۔ دن میں دوبارہ دن پہلوان نے نرم پچ کی تھی اور اُسے مشورہ دیا تھا کہ ایک جگہ بیٹھا ہے یا بستر آراہم کرے۔ دوپہر کو آڈے تیز ہمارا لگا تھا لیکن وہ بیٹھک میں آنے والے اُستادوں اور دوسرے لوگوں سے ملنا رہا اور خط پھونکنا، دو ملوں بھی کر دیا تھا۔ پرو زور اور مانی میں سے کوئی بھی آڈے پر نہیں آیا۔ جیل مجھے نکلتے ہیں اُن

کے سرخانے بیچھ کے اس کا ماتھا چھڑنے لگے۔ انھوں نے اس کی نبض بھی دیکھی۔ بھلے نے گردن ان کے ہاتھوں پر ڈال دی اور آبجانبان نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں پھینچ لیا۔

شاید ان کے آنے ہی کی وجہ سے گاڑی پلیٹ فلام پر رینگنے لگی۔ انھوں نے سامان موٹ کیوں اور حیرتی تخیل میں بھر لیا تھا۔ دو ایک ٹین کے بجائے بھی تھے سب کے کپڑے مٹا تھے اچلے تھے۔ سامان کا کاغذ بنا ہوا تھا۔ مگر وہ بلی کوئی نہ کرتا۔ پاجامہ اوپر سے بندھی پینے پینے تھے اور چوٹی اٹھلا آجیلا، بیکھر بیکھر تھا، بہت میں ہم نے میں جھکتو کر دیکھا تھا، وہ اس سے قطعی مختلف تھا لیکن وہ بہت ڈبلے اور کڑوا دکھ لہے تھے۔ بلی گئی ماسکتی تھیں۔ راستے میں موت و وحشت چکر ایک بڑا دان ایشین پر وہ ملافل مرائے پر بچھٹ چیک کرنے آئے تھے اور ملین ہور کے چلے گئے مگر جب تک گاڑی یقین آباد تک نہیں پہنچ جاتی تھی ہلکے ملین ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بچھا بچھڑا سامنے تھا۔ گاڑی کسی جگہ حیرتی تو لپیس کے آنے کا دھڑکا لگا رہتا۔ کوئی ایک معمولی سا بی ٹیپ میں ایک ایک آکے ہمارے سامان پر اٹکی اٹھا سکتا تھا، وہ تلاشی کا مٹا لپکرتا اور انکار کیے کیا جاتا۔ انکار میں زور بھی ہو سکتا ہے جب ایسا سامان ساتھ نہ ہو جو ہم بچھانے ہوئے تھے۔ مل تھلے ہاتھی، مگر کپڑے فلاموں کی فوج، باندیان زرد لکڑا لمبرسات، موت خان، بھی کچان منڈتوں میں بندھا تھا جس کی نظر پڑتا، ہنسی ہوتا، داغ چھٹ جاتا، فرسٹ کلاس کے مسافروں کے سامان کی اس طرح تلاشی نہیں لی جاتی لیکن یہ کوئی قانون نہیں تھا، کسی کسی جگہ بھی ٹیک ہو سکتا تھا۔ گاڑی کی رفتار ابتدا میں تیز تھی، بعد میں سست پڑ گئی۔

ایک ایشین پولیٹ ہوتی تو لیٹ ہوتی تھی۔ اس سبیل سے آگے میں آبجانبان کی ہر تھ پر جا کے بیٹھ گیا تھا۔ میں نے آزاد کیا کہ فوج فریال فار ہسادا کبر کے ہائے میں ان سے لپھیں مگر آبجانبان ہی کے خیال سے لپھنے کی بہت تھیں پڑتی تھی، کوئی ہنسی دہی بات ہوتی تو سر سے کریم نے پران کے نرم تازہ ہر مائیں گے۔ جیسے بھی خیال آتا تھا، وہ اپنے دل میں کہیں یہ نہ سوچتا ہے، ہوں کہ زوال میں میرے ذہن پر چھوٹ گئی تھی۔ تاہم میں نے لب نہیں کھولے آج نہیں توکل کل نہیں تویر میں انھیں بتانا، ہی تھا مجھے نہیں تو جہاں گیر کویری طرح جہاں گیر کران سے لپھتے ہوئے کوئی جھک نہیں ہوگی کیونکہ اس کے سامنے تھی گھر سے توکل مچو اس نے اُسے مغل میں ہار سگھا رکھے جیسے نہیں دیکھا تھا۔ یقین آباد قریب آتے آتے گاڑی لیٹ ہونے کے سبب دودھ ہوتا تھا گاڑی

کورات میں کسی وقت پہنچنا تھا لیکن وہ ساری رات گزار کر کہیں میں باجے فیض آباد کے علاقے میں داخل ہوئی میں دودھانے دست تھا۔ سیشن آنے کا انتظار کر رہا تھا، زریں خانم، منیار منیر علی، زمر، جاں گیر سب کے چہرے بار بار سامنے آجائے تھے میری نگاہوں میں سننا ہٹ سی ہوئے گنتی تھی، ماری جو میرے پیلوں میں دودھانے پر آکے کھڑا ہو گیا تھا۔

بھل کر پھر اٹھنا پڑا۔ ایشین پر مسافروں کا میللا لگا ہوا تھا۔ ہم نے کچھ دیر صبر پھینچنے کا انتظار کیا، تب باہر نکلے۔ بھگت چکر نے ایک سرسری نظر ہمارے مٹھوں پر ڈالی، وہ سامان پر ایک پل کو اس کی آنکھوں میں تھی سی ابھری مگر وہ کہ دوسرے مسافروں کی طرف دیکھنے لگا، قیوں نے میں فر تاگل تک پہنچا دیا۔ تانے کے بھگت بھل کے پرے لپے کیلئے ہوتے لیکن کوئی اور سواری ہی نہیں تھی۔ ایشین سے کچھ دور، چنگی پڑتی تھی۔ تانکا آگے عمل جاتا مگر ٹیک کے بیچ میں ایک ڈبلے چلے پستہ قد آدمی نے ہاتھ اٹھا کے اُسے روکنے کا دیا۔ کچھ نہیں ہے میرے سرکار، کوچان نے گھوٹے کی ہائیں بھیا ہونے نہیں کر لگا۔

چنگی والے نے اس کی بات نہیں سنی اور بائیلان پڑے ہوئے کچھ کے منہ بنا تھے ہونے بولا۔ کیا ہے؟

میرے جوابات میں بھلنے لگے۔ کوچنی آواز میں کہا۔ اُس نے تلاشی سے مٹھ کی طرف سر اٹھا کے دکھایا۔ بلیں چھپ چھپ کر رہ گئیں۔ ٹیک ٹیک بناؤ۔ وہ کھسکے بولا۔ ٹیک ہی بولا ہے۔ اور مٹھ میں میرے جوابات سے کہ کیا دام ہوتے ہیں۔ بھلنے نے نرمی سے کہا۔ روڈ کاٹ۔

سامان کھول کے دکھاؤ۔

منامت کر لو کہ تھانہ۔ پرونے درشتی سے کہا۔ اپن کر ہے۔ اُس نے دس روپے کا نوٹ نکال کے اس کے حوالے روڈ کاٹ کے رکھا۔ واپس میں اپن اوھر سے لے لیں گے۔ سامان دکھا کے دام لگیں گے۔ چنگی والا مانگے کا پتہ تھا کہ بولا جیسے تانگا روک لے گا۔

کوچان نے چنگی والے کو اٹھ مار کے اشارہ کیا، اُس نے ہٹے کھڑے چنگی پر بیٹھے بیٹھے خشتی کر دوں گے بچے کھل کے بندہ بنایا اور دونوں کے سیدھے آیا، چلتے چلتے وہ سلام بن بھولا۔ تلاشی مت ہونا جناب!۔

تانے والے نے یکایک اٹھا کے گھوٹے پر زور سے مارا۔ سرٹ شہر چلنے والی ٹرک پر دوڑنے لگا۔

ہمارے پاس چنگی کی رسید تھی لیکن آگے کسی موٹر پر کسی نے میں نہیں روکا۔ صرف مٹھانی اور دودھ کی آکاؤ کا کال ہوتی تھیں۔ ٹرک پر ویسے سناٹا چھایا ہوا تھا۔ بازار سے لے کر چلی تک جانے والا راستہ مختصر تھا۔ میرے دل میں سائیں سی ہو رہی تھی۔ چوٹی تریب آر ہی تھی۔ آبجانبان کو دیکھ کے ابرک کیا حالت ہوگی اور زریں بھل کر دیکھ کے کیا لے گی۔

نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ ہی دیر میں چوٹی ہمارے سامنے تھی۔

آگے ایک بھگت پھینچنے لگا۔ میرے بولنے سے پہلے ہنے آوٹی آواز میں کوچان سے کہا۔ اُس نے بائیں مٹھ میں اٹکا چھو لے کھانا ہوا ٹیکہ کیا۔ سب سے پہلے میں نیچے اتار چوٹی ایک بند تھا۔ بڑھا چوٹی اور شیر لوہاں موجود نہیں تھا۔ پیر و بھل کر مسالنے کے بیچے آمارا۔ آبجانبان زوردار ماری نظریں ٹھا کے چوٹی دیکھ رہے تھے، باہر سے ساری عمارت کا رنگ تھا اور وہ کچھ سیوٹھے تھلے سے شاہ تھی۔ میں جھاک کے دروازہ بااد میں نے زور سے گندا کھٹ کھٹا شروع کر دیا۔

کون ہے؟ اندر سے شیر کی لڑکھائی آواز گونجی۔ ساتھ ہائیں جھاک کی کھٹ کی کھٹ دی۔ مجھے سامنے دیکھ کے وہ آنکھیں ملنے اور لکھلائے ہوئے لیے میں چیخا بولا ڈلے میں!۔

کے کواڑ دھڑھڑانے لگا۔ کوچان پر د، ماری اور زوردار جلدی جلدی سامان اٹھا لائے۔ شیر کو زوردار جلدی کے ضرورت نہیں پڑی کسی نے تہستہ سے دروازہ کھولا اور جھپٹے ہوئے ٹھن سے پوچھا۔ کیا بات ہے شیر اچھا چاہا؟۔ میں نے آواز پچان لی۔ وہ زریں تھی۔

دیکھو کون آیا ہے۔ شیر نے گھرائی ماری آواز میں کہا۔ زریں نے کچھ اور نہیں پوچھا، ایک جھٹکے سے دروازہ کھل دیا میری آنکھیں دھندلا گئیں۔ زریں کے سر پر ایک جھکا سا ہوا۔ پہلے تو وہ فاسی مٹھ کی پھر کسی بھی ماری ہرنی کی طرح، بلی کی طرح کو ندی پر تیز کے کچھ مٹھیں پھلاں کے چھل کیسے سے آگے بھل نہی کے سر پر اپنا سر کھٹے آنکھیں پیسے لکھیں ہم چپ کھڑا ہوا، زریں بڑی طرح سکے گی تھی۔ آنا۔ بھل بوجھل لیے میں بولا۔ آگیا مری دی، اب کے کوچن بولے گی۔

جی کوئی مل گیا نہیں۔ بولے گی تو میں جان مان گا۔ بھلنے نے اس کی ٹھوڑی اٹھا کے چہرے سامنے کیا اور اس کی بیٹھانی ہونے لگا۔ اُس کی کھٹکی ہوئی آنکھوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ زریں سرتا ہوا زردی تھی، اُسے بھی دھیان میں رہا تھا کہ کچھ ایسی لگ رہی کھڑے ہیں۔ سب ہم اسی کی طرف دیکھ رہے تھے میری سانس تیز تیز چل رہی تھی۔ پیر سے مرعہ کھالیا۔ سنبھل دی۔ بھلنے نے اپنے بازوؤں کا عصا کھول کے آبجانبان کی طرف اشارہ کیا۔ اوھر دیکھو۔

پچان تو کن ہیں؟۔ چوچو کہ جانا ہی مانگتا ہے؟۔

زریں کی بھگت بلیں پٹ پٹانے لگیں۔ اُسے زور اپنے دھپتے کا پوکش آیا۔ بھلنے نے اپنی آئین سے اس کی آنکھیں پوچھ دی تھیں۔ زریں کا چہرہ آگ کی طرح دھک دھک رہا تھا۔ اُس نے لرزے ہونٹوں سے گردن کم کر کے سٹ پٹانے ہوئے انداز میں آبجانبان کو سلام کیا۔

ابھی بھلا لے بابا! دیکھ لڑختی میسی ہے نہیں۔

فنی کے نام پر آبجانبان چوچے، زریں بھی۔ اُس نے حواس بنگلی سے پہلے میری طرف دیکھا، پھر آبجانبان کی طرف اور انھیں دو بار سلام کیا۔ آبجانبان نے آگے بڑھ کے اپنے کانپے ہاتھ اُس کے سر پر رکھ دیے اور کچھ بولے نہیں کہ بھلنے نے فنی کا نام کہیں لیا ہے وہ گنگ سے ہر گھٹے تھے۔

اُس کی نظر اُن پر نہیں جا سکی اور اُس کے سامان دکان میں بھی نہ ہوگا کہ ابھان بیاں آسکتے ہیں وہ امریکی پٹی کا شروع ہی سے تھا۔ اب اور لمبا ہو گیا تھا۔ بالسن کی طرح اوپر اٹھا مارا تھا۔ بھلنے اُس کے کولھے چڑھ کے اُسے اوپر اچھال دیا یہ کیسا بے شرم شیخیہ؟ وہ اپنا سر اس کے پیٹ سے رگڑتے ہوئے بولا۔ پتلے ٹھکی ٹوٹے تھے۔

بابا! ہم آپ سے بہت ناراض ہیں۔ وہ پل کے بولا۔ ایک خط بھی نہیں لکھا۔ ایک سطر بھی۔

انگلیاں ہی جام پر گئی تھیں لے۔ آپ دودھ کر کے گئے تھے کسی سے دلفظ نہیں کھرا سکتے تھے؟ پھر مینے میں پانچ منٹ بھی آپ کو نہیں ملے۔ معاف کر کے شہزادے! غلطی ہو گئی۔

جہاں گیر اُس کے گلے میں بائیں ڈال کے بھول گیا۔ بابا! اور آپ کا انتظار ہوتا تھا۔ زری باجی صبح وشام شیر مایا سے لے پوچھتی تھیں، ڈاکا گور کیا؟ آپ ایسے کہاں چلے گئے تھے؟ کتنی دور؟ وہاں سے خط بھی نہیں آ سکتا تھا کیا؟ وہ ایک ہی سانس میں نہ جانے کیا کیا کتا رہا اور بھیل سر ہلا مارا۔

ذرا دیر کھول دیکھ تو تیرے لیے کیا لایا ہوا۔ کیا ہے؟ جہاں گیر نے مانی سے بولا۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ آپ ادھر باہر جانی آگئے۔ یہی بہت ہے۔ دل میں عجیب عجیب ہل آتے تھے سبھی دماغ میں کرتے تھے۔

ادھر تو دیکھو کچھ پیچھ کون کھڑا ہے۔

دن؟ جہاں گیر نے غفا پلٹ کے دیکھا۔ اباجان اُس کی باتیں سن رہے تھے اور اُن کی آنکھوں سے زار و تظار آنسو جاری تھے۔ جہاں گیر انھیں دیکھ کے بہت رو گیا۔ اباجان نے اپنے ہاتھ چھلکائے تھے۔ وہ کسی محرزہ معمول کی طرح اُن کے بازوؤں میں چپک گیا، پھر مینے ہوتا چھوٹ پڑے۔ اباجان گرج گرج کے رو یا کہ سبھی کی آنکھیں جلنے لگیں۔ اندر سے مزید ملی، خانم زہرہ ملز جو میاں ارشد اوزن بیاں سہی آگئے تھے۔ میاں اور بڑی ہو گئی تھی۔ مجھے دیکھا تو دیوانی سی ہو گئی۔ اُسے دیکھ کر میرا دل بہت جاتا تھا، پانچوں میں کتنی ہی بار مجھے اُس کا خیال آیا تھا اور کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میاں میرے ساتھ ساتھ ہی چل رہی ہے۔ شکر شہناشی کہتے تھے کہ آدمی بھی کہیں اکیلا نہیں جاتا، اُس کے ہم سفر بہت سے لوگ ہوتے ہیں جنھیں وہ چھو نہیں سکتا۔ پر مینے دیکھا رہتا، جن سے اُن کی زبان رہتا ہے۔ میاں کی پرچا میں بھی بیسے میرے ساتھ ہی کتنی تھی ادھ مجھے ایک ہی

بات شاقی رہتی تھی کہ میں وہ چلی میں آ کے پھنپاتی نہ ہو کر اُن سے ناراض نہ ہو گیا ہوں۔ چپکے رو دتی نہ ہو۔

اُس کا رنگ اور کھل گیا تھا۔ شامی شامی، ایسی بلبل پڑی لگے ہی تھی جیسے میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔ میرے پاس قدی ہوئی آئی اور قریب آ کے ایک لمبے کوسم کے ترک گئی۔ ابر بھائی! وہ سسکاری بھرتے ہوئے بولی۔ دوسرے ہی لمحے اُنیا میں نے اُسے کھینچ کے اپنے پیلوں میں سمیٹ لیا۔ میں اُسے سمیٹتا تھا تو شاید وہ اپنے پیروں پر ٹھکی رہتی، مرنے ایک بلانس نے منہ اٹھا کے مجھے مسورتی نظر دے دیکھا اور اپنا چومیرے شانے میں چھپا کے بھینکنے لگی۔ میں اُسے روکنا چاہتا تھا کہ دوسری طرف سے منہ ساڑی میں لمبوس خانم میرے پل میں آ کے کھڑی ہو گئی تھی۔ وہی رنگ وہی پھیل مینے آنکھوں میں سوئی لڑتے ہوئے خانم کی عمر بڑھتے ہوئے وقت کے ساتھ کچھ گھٹ رہی تھی۔ چہرے پر نور ہا بھلا ہوا تھا۔ میں نے ہر دم کے اُس کے کندھے پر اپنا ماتھا کھادیا۔ خانم کی نرم دانا کی لمبی انگلیاں جن سے ہوتا تھا، ہمایا کرتی تھی۔ میری گردن پر منہ لانے لگیں۔ اُس کے پیچھے زہرہ سہی کھڑی تھی۔ میری مل پھٹنے پر میری ہاتھ بڑھے وہ دونوں پیچھے ہٹ گئیں۔

چھانک اور عمارت کے درمیان کھلے کتا وہ ختمے پر ہوا اٹکا دیا گیا تھا، اصلے اٹھ عمارت کی دیواروں کے ساتھ والی کیداروں میں رنگ پرے بچے بچول کھلے ہوئے تھے۔ اندر چلی میں اب کوئی موجود نہیں رہا ہو گا کتا ملازم بھی وہیں آگئے تھے۔ دیر تک کسی کو مائے کھڑے رہنے کا احساس نہیں ہوا، کوئی کبھی میری طرف بڑھتا، کبھی بھل کی طرف جہاں گیر کو اباجان کی آغوش میں مسلسل سسکتے دیکھ کے بیرونے آستان سے الگ کر کے اپنی جانی سے چٹا لیا تھا۔ خانم کے ٹوکے پر بھلنے اندر جانے کے لیے قدم بڑھائے تو ٹھکرائے لگا۔ ایک بار پھر سبھی اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ زری نے نظر بھر کے دیکھا اور اُن نے ہنستے ہوئے کچھ کہیں دی۔ ذرا چوٹ لگ گئی تھی۔ وہ جلد ہی زری کے کندھے کا سہارا لیے بد بلا ہوا گئے۔ پھر دروازے کے پتلے بڑے کر کے کارنگ جی بلا ہوا۔

فرش پر قالین، دیواروں کے ساتھ آرام کر سبیاں بچتے ہیں۔ ایک چھوٹا خانوس لٹکا ہوا، سامنے کی دیوار کے ذریعہ ایک بڑا تخت، پچھا ہوا تھا۔ بھل وہیں مائے بچھ گیا۔ اُسے پتہ ہی نہ تھا کہ وہیں گے کہ زری نے ایک بچہ اُن کے بھل کے آگے رکھ دیا، میاں ایک ملازم کے ساتھ چلا

ہمایا لیاں رکھ گئی۔ ہم نے ناشتہ نہیں کیا تھا۔ چولی میں بھی اب ابھی سو کے اٹھے ہوں گے۔ زریں نیساں زہرہ خانم لڑے جو میاں بھی جھاگے جھاگے چلے گئے۔ زریں کے اٹنا۔ بھل نے ہم سب کو رہانے اور کپڑے بدلنے کا شروع دیا۔ زری اور زہرا ابھی اپنے تھے۔ سب کے کپڑے بدلے ہوئے تھے اور ی کے پاس دخلے ہوئے کپڑے تھے بھی نہیں بھل کے لئے ہوئے تھے۔ میری ملی اباجان کو بھی ایک طرف لے گئے۔ دل کے جب سب مایاں مردانے میں آئے تو بھی نہ پڑے۔ لے ہوئے تھے جیسے انھیں معلوم تھا کہ ہمارے ساتھ اور لوگ ہی ہوں گے۔ زریں نے میرے اور بھل کے لیے کپڑے ہی کے لئے رکھے ہوں گے، پیر اور زہرا کو بھل کے چوڑے چھیک آئے ہوں گے اور مادی کو میرے کپڑے اباجان پتلے ہی کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ٹکڑوں اور پاجاموں میں چھوٹے سے ساڑ کا اتنا فرق محسوس نہیں ہوتا، مادی کو میں نے پہلی بار لباس میں دیکھا تھا۔ مل کے کپڑے پہنے کرتے اور چھٹی ٹہری لے پاجامے میں وہ مجھ سے ساگ رہا تھا، بانگاسا، خود کو بار دیکھتا تھا۔ وہیں تخت پر ایک لمبا دسترخوان بچھا دیا گیا۔ اپنی میں دے جانے انھیں نے کیا کیا تیار کر لیا تھا۔ تھیر پر گئے، آلو ترکاری پوریان ملو، جھنڈ، ٹرٹس، بسکٹ اور چائے۔ وہ سامان تھا سب چیزیں دسترخوان پر پھین دی گئیں۔ زری نے اپنی نیساں وغیرہ کو بھی ہمارے ساتھ بیٹھ جانے کو کہا۔ اباجان کو کچھ نہیں تھا۔ پیر، زہرا اور مادی نے انھوں نے پڑھ پتلے نہیں کیا تھا کیونکہ وہ بھل کے ساتھ آئے تھے اس لیے میں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی ہوگی۔ زہرہ جی نبلی چادر رکھ ڈالے وہیں موجود تھی، نبلی چادر میں اُس کے چہرے کا رنگے میاں رنگ دمک رہا تھا، مزید ملی اور ارشد بھی پتلے سے نظر آتے تھے ارشد باکل تن درست معلوم ہوتا تھا، مجھے ہی تھا کہ فیض آباد کی آب و ہوا اور ماحول سے مزید ملی لگتا تو لگتے ہیں گے خانم زریں نیساں جہاں گیر کی کوئی بات کے لیے ناگوار غماظ ہو سکتی تھی۔ پناہ گھر بار یاد آتا ہو گلاب بھنے سے گھٹا تھا جیسے وہ برسوں سے وہیں رہے ہوں، اسی لمبی میں مرلے میں سب سے اونچی آواز اُنھی کی تھی، سب میں باداجان کہتے تھے، خانم بھی۔

بھل کی ہدایت پر تقریباً سارے بچے لائبریری کے نیچے ہوئے تھے۔ یہاں میں دیکھ لیے گئے۔ اباجان نے انھیں کھل دیا وہ دیکھنے کا بے شرمی ظاہر نہیں کیا۔ اُن پر تو جیسے سکوت ما

جھا گیا تھا۔ بھل کے سب کو کھینچے گئے اور کسی کے غماظ ہونے پر ہر کوئی مچلتا، نہ جانے کیا سوچا ہے۔ مگر چہرے کوئی نہ ملے۔ پتہ نہیں ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ بھل نے نام لے لے کے پیر، زہرا، مادی کو کُن سب سے ملوایا تھا۔ زریں بھل سے کچھ کہنے کے لیے سامنے آئی تو وہ پیر سے کہنے لگا۔ باجی گیتا ہے دادا۔ اپنی جہاں ہے بھل جانی، پیر نے دونوں ہاتھوں سے زریں کا چہرہ تعام لیا اور کچھ بانڈھ کے اُسے دیکھا ہوا بھلڑی ہوئی آواز میں بولا۔ لڑن بھل جانی کا غماظ ہے، اپنی گیتا بھی ایک دم تیرے مالک ہے، باکل ایسا ہی گویا جیسا۔

کہاں میں ہے؟ زریں نے زریاں پر چل دیا۔ ابھی اُن کی کاہل بکلائے گا یا تم کو ہی اُرد لے جانے گا، کہیں بھل جانی کی گیتاں کو کچھ کے کتا خوش ہوئے گا۔ راج کداری کا راجہ ہی ملالو، رانی کو بھی۔

مل میں بائیں بلا لیجئے۔ زریں بچک کے بولی۔ ادا راکے تو بھر وہ واپس جانے کو نہیں لبریں گی۔ بھل بچے، پیر وہاں سے ساتھ ہی رہیں گی۔ اسے بھل جانی، پیر نہیں کے بولا۔ اس کا دل بھی

تھا ہے جیسا ہے۔ اس کا دل کسی نے نہیں دیکھا اور! اپنا دل سے نیچے ہے۔ بھل نے سانس بھر کے کہا۔ بغیر ہتھیار کے کوئی ہے۔ رگ باگ جیسا بولتا ہے، اپنے کو لایا ہی لگتا ہے، اوپر والے نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔

زریں شرک کے جھاگ گئی۔

دو پیر ہونے سے پہلے جاسو کا چٹا بھائی اور فیض آباد کے اٹھے کا استاد مجبور ہو گئے۔ انھوں نے مرلے میں داخل ہوا اور بھل کے گلے لگ کے بن کر بنے لگا۔ وہ اکیلا نہیں آیا تھا اٹھے کے اندر بھی لگ لگ اس کے ساتھ تھے۔ جو رو کھلتے ہیں مرنے والی ہر بات کا علم تھا، کانتے نے بتایا تھا کہ وہ بھل میں اُس سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ گولڈ نے اُسے لڑا دیا۔ بھل مزید میں وہی جگہ کتن خاں اور مجرہ میں کسی عدوت پر جھگڑا ہو رہا تھا۔ دونوں بھل کو اپنی اپنی کمانی سنالے تھے۔ معرودوں ایک دوسرے پر ملان چڑھتے تھے۔ جاسو نے کتن خاں سے کہا تھا کہ وہ گاہے گاہے کھنڈے کے فیض آباد کے اٹھے کو دیکھتا ہے۔ اور مجرہ کو لائی یہی سہی حرکتوں سے باز نہ لگے۔ ابھی مجرہ نے کتن خاں ہی کے پاس میں سنا تھا، اُسے معلوم نہیں تھا کہ ہم اُس کے ساتھ پلے ٹھہرے ہوئے سن میں اب کواپس نہیں لاسکے

ہیں۔ غجل کسی کسی لمے آئے۔ بتانا ہی تھا۔ اس کے آنے پر مزید ملی اباجان کو دوسرے کمرے میں لے گئے تھے کچھ دیر بعد بھی وہاں سے اٹھ گیا۔ مجھ سے جڑو کی لال انھیں دیکھی نہیں جاتی تھیں۔ جڑو کو آئے وہ نہیں ہوتی تھی کہ زریں نے شہر سے کہے کہ آئے اندر بلوایا۔ ادا جلد سے جلد کسی ڈاکٹر کو لے آنے کو کہا۔ چلے بھی ایک بار جو میرے لیے فیض آباد کے ایک مشہور ڈاکٹر کو بلا دیا۔ زریں ہی نے آگے پر کھلایا ہوگا کہ ہم رگڑ جڑو میں ہیں۔ زریں کی بات جڑو کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی، وہ فوراً باہر چلا گیا اور آدھ گھنٹہ کے اندر واپس آیا تو ڈاکٹر اس کے ساتھ تھا۔

زریں نے غجل کا ہلک و دب مرلے میں لگوا دیا تھا اور اسے اٹھنے سے بالکل منع کر دیا تھا۔ غجل نے مجھ وہاں سے جنبش نہیں کی، ضرورت ہی اٹھا ہوتا تھا، میں زریں کے کہنے پر دو چہر کا کھانا جڑو نے ہم کو رگڑ کے ساتھ ہی کھا یا پھر آٹے کے تمام لوگوں کو لے کے چلا گیا۔ پڑو، زرد، مارنی اور اباجان کے لیے الگ الگ کون کا انتظام کیا گیا تھا لیکن وہ نہیں ایک ہی کمرے میں آگئے۔ مینار اباجان کے ساتھ سلنے کی طرح لگے بیٹھے تھے، جہاں گرجی اٹھی کے ساتھ تھا۔ شام کو جڑو پڑو اور زرد کو آٹے پر لے گیا۔ مارنی میری دوسرے وہیں رہ گیا تھا اور جیٹھی جیٹھی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھتے گناختہ رات کو کچل کو چھڑا کر گیا۔ زریں نے اسے گم ہو دھ کے ایک کٹورے اور دو دانوں کے بول کچھ کھانے کو نہیں دیا اور رات گئے تک سر جانے بھی اس کا نہ رہا تھی۔

میں دن تک وقت کا کچھ پتہ ہی نہیں چلا، کوئی صورت بھی نہیں تھی مگر ایک دو سر کو دیکھنے اور باتیں کرنے ہی سے کسی کو فرصت نہیں ملتی تھی۔ اباجان بھی جیسے سادی دنیا سے بے خبر ہو گئے تھے۔ دوسری صبح وہ مینار مل کے ساتھ زمین پر پڑے گئے۔ رات کو نہ تو مینار مل انھیں اندر لے گئے۔ میں نے اندر جا کے دیکھا تو ایک طرف ستران کے چیل میں بیٹھی تھی۔ دوسری طرف نیساں دو دنوں کی زبانیں چمک رہی تھی۔ وہ بھی نیساں کی بات سننے کی بھی سادگی کی بھی جہاں گرجی میں بولنے لگا۔ زہرا اور خاتم بھی وہیں موجود تھیں۔ مینار مل کے قہقہے گرج رہے تھے۔ مجھے اندر ہوا کہ اباجان کا نقشہ تیرہ ہے، نیساں اور مل کوئی گناہی نہ تھیں لیکن اباجان ان کے درمیان بچے بنے بیٹھے تھے، میرا اندازہ تھا کہ وہ جڑو میں دو ایک پر غصے کے گم ہوا واپس جانے کے لیے اصرار کریں گے، فزع، فریاد، غام اور اورا کر کے پاس چار دن

تک انھوں نے ان کا ذکر ہی نہیں کیا اور نہ کہیں جانے کا کوئی اشارہ کیا۔ کئی مرتبہ میں نے جہاں گرجی کو ان سے چکے چکے باتیں کرتے دیکھی تھیں۔ جہاں گرجی نے ان سے ضرور پوچھا ہوگا۔ میں جہاں گرجی سے معلوم کر سکتا تھا لیکن نہ جانے کون سی بات مجھے رکھتی تھی۔ اس دوران اباجان کو زریں خاتم مینار مل اور میرے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو گیا ہوگا، وہ جہاں گرجی اور مینار مل اس میں صرف موم کی باتیں تو نہیں کرتے رہتے ہوں گے۔ اباجان کے چہرے کے طویل سفر کے آثار دلچسپ تھے اور ان کے ہونٹوں پر جوشی دیکھی سکرابٹ رہنے لگی تھی۔ چار دن تک انھوں نے تہہ خانے کا سامان بھی نہیں ٹھالا تھا۔

پڑو، زرد اور مارنی کو کبھی تباہ دالہ کی جلدی نہیں تھی، وہ بیکسر ملے بیٹھے تھے۔ ارشد زیادہ تر انھی کے ساتھ رہتا تھا۔ نیساں ستر، جوتیاں، زہرا، خاتم، جڑو وقت ان کے ارد گرد رہتی تھیں۔ پانچ پر وہ جڑو اور آٹے کے آدمیوں میں گھرے رہتے تھے۔ زریں تو منتقل غجل کے گناک سے بندھ گئی تھی مگر لا انکلا غجل کی طبیعت نسبتاً بہتر تھی۔ زخم سکڑنا شروع ہو گیا تھا، بخار بھی چھڑ گیا تھا۔

جڑو میں ایک آدمی سی بی ہوتی تھی۔ جسے دیکھو جگا جگا کا چہرہ ہے۔ نیساں زہرا پادری خانے میں کھانا پکا رہی ہیں۔ سدر مینار کا رہی ہے۔ خاتم ملازموں سے صفائی کر رہی ہیں۔ بستروں کی چادریں بدلوا رہی ہیں۔ صحن میں چھڑ کا ڈروا رہی ہیں۔ کبھی ضرورت آ رہے ہیں بھی چائے، صبح و شام انواع و اقسام کے کھانے کپ لے رہی ہیں۔ پکانے کے دوران حسب عمل تیاں چسکتی رہتی تھی، باہر جانی، براہی کیسی ہے! اٹلے لٹے کیسے ہیں؟ جس چیز کے بلے ہیں وہ پوچھتی تھی، اس کا مطلب تھا کہ اس نے پکانی ہے۔ میں اسے چرانے کے لیے کہہ دیتا، بہت بے مزہ ہے۔ وہ میرے سامنے سے جھٹ پلیٹ اٹھا لیتی اور صورت کسی ہوجاتی۔ جب تک میں اس کے ہاتھ سے پلیٹ واپس نہ لے لیتا، اس کے گالوں کی سرخی واپس نہ آتی۔ آتے ہی مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ جہاں گرجی نے اچھے فروس سے میٹرک کر لیا ہے اور فرسٹ ایئر کی تیاری کو دیا ہے، ارشد بھی ایم لے کر دہا ہے۔ وہ جہاں گرجی، نیساں، ستر، جوتیاں کو روزانہ کئی گھنٹے پڑھاتا اور مینار مل کے ساتھ زریں پر نکل جاتا، اس کے علاوہ دو اور۔ یوڑ بھی انھیں پڑھانے آتے تھے، نیساں نے مجھے بتایا کہ ان ب آئے زیادہ نہیں ڈالتی ہیں، وہ بھی کبھی کبھی میں بندھنے کے ساتھ نکالتی ہیں۔ دوسرے مینار مل کا لڑکا تو مینار مل

ملی گڑھ سے آجاتا ہے۔ وہ دو تین دن سے زیادہ نہیں رہتا مگر اس کے آجانے سے بہت رون ہوجاتی ہے۔ زریں بہن کتابیں پڑھتی رہتی ہے یا وہ اور خاتم مل کے گھر جاتی رہتی ہیں۔ کبھی زریں خاتم سے فراموش کر کے سنا سناتی ہے مگر ان دونوں کے سوا کوئی نہیں ہوتا۔ نیساں کہتی تھی کہ زریں باجی ہر وقت کھوٹی کھوٹی سی رہتی ہیں، بعض اوقات تو اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلتیں۔ رات کو یہ تک باغ میں کیلی بھی رہتی ہیں لیکن جب بھی باوا (مینار مل) یا خاتم ان کے پاس جا کے طبیعت پوچھتے ہیں گھبراہٹ میں جیسے جڑو پکڑ لی گئی ہو، باوا جب بھی باہر جاتا ہے تو وہ دروازے تک انھیں نصیحت کرنے آتی ہیں اور جب وہ کوٹھنے میں تو پہلے انھی کو پوچھتے ہیں۔

اتنے دن ہو گئے تھے، زریں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی، اس رات میں کمرے میں آ کے لٹا ہی تھا کہ زریں کی خوشبو مجھے دروازے پر محسوس ہوئی، خوشبو بھی چاب کی طرح ہوتی ہے۔ کوئی آہٹ نہیں ہوتی تھی، وہ بے پاؤں دروازے پر آتی تھی لیکن مجھے محسوس ہو گیا تھا کہ کوئی آیا ہے اور یہ وہی ہو سکتی ہے۔ میں ایک آنکھ کے میچہ کیا۔ آؤ، وہاں کیوں کھڑی ہو؟ اندر جاؤ، میں نے مضطرب لیے میں کہا۔

وہ جھکتی کھنٹی اندر آئی، لمبے بال کھلے ہوئے تھے اور دوپٹے سے لٹیں جھانک رہی تھیں۔ ہر دوپٹا اس کے سرخ و سفید رنگ پر کھلتا تھا۔ میں اسے کن انھیں ہی سے دیکھتا رہا تھا، اب اس کا سر پادری کی کھلی آنکھوں کے سامنے تھا۔ آؤ پادری کا سر اس کی کاغذ لباس تھا۔ اس میں اس کا کھلتا ہوا قد ادا مل آتا تھا۔ مرن چوڑیاں کلاٹیں میں تھیں یا کلاٹوں میں بالے۔ مجھے ایسا لگا جیسے میں کسی نئی زریں کو دیکھ رہا ہوں۔ بیٹھا جاؤ، میں نے بھری ہوئی آواز میں کہا۔ اس سے کہنے کو کوئی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ وہ سر جھکائے بیٹھ گئی تھی، اچھا ہوا جس نے سر جھکا لیا تھا۔ مجھے اسے دیکھنے کا خوب موقع مل گیا۔ اباجان کو بچھا؟ میں نے یوں ہی پوچھ لیا، مجھے کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ بالکل تھا ہے ہی اباجان ہیں؟ وہ مسکرا کے بولی۔

کیا مطلب؟ میں نے نیچھے لیے میں کہا۔ میرا مطلب ہے تھا ہے جیسے وہ تیزی سے بولی، ان کا پرہ، ناک نقشہ تم سے اور جہاں گرجی سے کتنا ملتا ہے؟ وہی لمبی ناک دیکھا تو گری جیوں باجی تو بہت ہی ملتا ہے۔ انھیں انھیں ہلکے ساتھ دیکھ کے تعجب اور بہت ہوا ہوگا۔ میں نے وہ اعتماد سے بولی۔ مجھے یقین تھا ایک دن وہ

ضرور دل جانیں گے۔
 - تمھاری بات ہوئی؟ میں نے اہستہ سے پوچھا۔
 - ہر وقت ہی ہوتی ہے؟
 - کیا بات کرتے ہیں؟
 - بہت خوش ہیں، بہت ہی خوش۔
 - میرے پاس ہیں کچھ کہتے ہیں؟ میں نے مذہب سے پوچھا۔
 - پوچھتے رہتے ہیں۔
 - کیا پوچھتے رہتے ہیں؟
 - تم سامنے نہیں جڑو تو انھیں گھبراہٹ سی ہونے لگتی ہے۔
 - مجھ میں نے ہنگامی بھری اور چپ ہو گیا۔
 - تم تو ایسے معلوم کر رہے ہو جیسے تمھاری ان سے کوئی بات ہی نہیں ہوتی تم انھیں دیکھتے ہی جیسے نہیں ہو۔
 - سچ پوچھو تو ایسا ہی ہے، اتنے دنوں سے وہ ساتھ ہیں اور میری ان سے کبھی ایک آدھ جملے سے زیادہ بات نہیں ہوتی۔ میری مجھ میں نہیں آتا، ان سے کیا کہوں ان کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوگا۔
 - تمھیں ان کا خیال رکھنا چاہیے؟
 - مجھ سے ان کے سامنے بولا ہی نہیں جاتا۔
 - وہ تم سے بہت سی باتیں کرنے کے آرزو مند ہوں گے۔
 - ہو سکتا ہے لیکن زریں اچھے..... مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔ وہ کھل کھلا کہہ نہیں پڑی کمرے میں جیسے تارے جھنڈا گئے۔
 - میں نے بالکل سچ کہا ہوں۔ میں نے جلدی سے کہا۔
 - تمھیں تو شاید بھی سے ڈر لگتا ہے۔ وہ دھیمے لیے میں بولی۔
 - ہاں زریں، میری آواز ڈوب گئی۔ شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔
 - یا شاید اپنے آپ سے ہی اتنی باتیں کر لیتے ہو کہ پھر کسی اور سے کچھ کہنے سننے کو دل نہیں کرتا ہوگا۔
 - میں اس کی صورت دیکھنے لگا اور میری جاکہ لانا منہ کھسوت لوں آتے بیٹھے میں سوچ رہا تھا، اب کے زریں سے ڈھیر سی باتیں کروں گا۔ اس سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ زریں اپنے دل میں سمجھتی ہوگی کہ میں اس پر تنقید نہیں کرتا یا اسے دُور سمجھتا ہوں۔ ہر بار فیض آباد آتے وقت میں ایسا ہی سوچتا تھا اور ہر بار میری زبان پر فالج سا گر جاتا تھا۔ زریں، تم، دُعا، یہ کیا سوچتی ہوگی، میں جانتا ہوں اچھی طرح جانتا ہوں میں نے دُعا ہی انلائی میں کہا۔
 - تم کہیں باتیں کر رہے ہو؟ وہ سر سیک سے بولی۔
 - میں ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں، میں تمھیں کیا بتاؤں نہیں۔

میں سمجھتی ہوں۔ اس نے مجھ کو کہنے نہیں دیا۔
 کیا سمجھتی ہو؟
 مایوسی گناہ ہے ایک ان ضروریات کے لئے وہ وقتوں سے
 بولی ہے تم اپنا بیکہ سکوڑو
 شاید بھی نہ آئے میں نے شکستہ لمبے میں کہا۔
 اللہ ملاں نے چاہا تو ضرور آئے گا
 کوئی اس کے سوا کہ بھی کیا سکتا ہے
 اباجان کے بل جانے کے بعد ایسی باتیں کرنی چاہیے
 شاید میں بہت تنگ کیا ہوں زریں! میں نے زندگی
 بولی آواز میں کہا۔ اب میرا دل کچھ اور چاہتا ہے
 کیا چاہتا ہے؟
 میرا دل کو چاہتا ہے مجھے سکھائیے دو
 تم نے میری باتیں شروع کر دیں۔ وہ بے چینی سے بولی۔
 میں سب کو سب کو دیکھتا ہوں تم سمجھتی ہو مجھے اس کا
 احساس نہیں ہے۔ میری وجہ سے کتنے لوگ پریشان رہتے ہیں نہ
 تک جاتے ہیں
 نہ بناؤ سب کو ایک دن ہے جس کا وقت آگے لائے
 کون دے گا خوش قسمت میں وہ لوگ جس کے لیے نہ
 تک جاتے ہیں
 جو چاہے کہ لو اور آدمی خود کو کس طرح تسلیم کرے
 تم بھی تو درمیان کے لیے خود کو داؤ پر لگا دیتے ہو دوسرے
 بھی تو تمہیں تنگ کرتے ہیں وہ نہیں سوچتے ہوں کہ تمہیں
 تو شاید تمہیں کچھ نہ مل جائے، تمہارا بوجھ کم ہو جائے
 زریں! میری آواز ملتی میں نہیں سمجھتی۔
 سبھی تھکے۔ لمبے دماغیں کرتے ہیں۔ وہ دنگا گئے ہوئے
 لمبے میں بولی۔
 لیکن میں تو کسی کے لیے کچھ بھی نہیں کرتا، میں نے تمہارا
 لیے کیا کیا ہے۔ میری بھانپنے کے لیے بہت کچھ کرتے ہو چاہتا ہے۔
 میری چاہتا ہے کہ کم ہر وقت عموماً ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ
 تم میرا کس طرح دیکھتی ہو میں نے اپنا خیال ہے۔ زریں!
 تم مجھے بہت یاد آتی نہیں کاش! کاش! میں ہمیشہ تمہارے پاس
 رہتا اور تمہارے سامنے ہر ایک شخص جو آئے نہ تہا میں تمہارے
 لیے... میں نہ جانے کیا کیا کر گیا تھا۔ کسی کی لہجہ آہستہ
 کے میری زبان ٹھہر گئی اس کے ہرٹھ تھہرا رہے تھے۔
 میں ہلکے آٹھ کے بے اعتنا دار کے پاس پہنچ
 گدا گدا میں نے اس کے شانے تمام کے آٹھ لیا، زریں کو

چکر مارا گیا تھا میرے ہاتھ بھی لپکپکاتے گئے تھے۔ میں نے نہ
 جلدی سے پھر کرسی پر بٹھا دیا اس کا سینہ دھڑکا ہوا تھا۔
 فرش پر اس کے پیروں کے نزدیک بیٹھ کے ہانپنے لگا اور
 نہیں بچے کیا ہوا میرا سر اس کے پیروں پر جھک گیا۔ میں اس کے
 پیروں پر اپنا سر رکھ کے وہ بچا ہوتا تھا کہ اس نے پاس کھینچ
 لیے اور کرسی سے اٹھ کے خود بھی میرے مقابل فرش پر بیٹھ
 گئی اور گفتگو میں مزہ چھپا کے سنے لگی۔ میں بچا ہونے لگا
 دہلیز پر اسرار سے بے جان سا ہو گیا تھا۔ بے شمار لمبے گزرتے ہوئے
 گئے۔ زریں کو دیکھنے کوئی بھی اس طرف آسکتا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا
 تھا صدمہ۔ زریں! خدا کے لیے تم روتے ہو میں نے بدلت کہا۔
 تمہیں رونا بہت ضرور ہے۔ میں تو تمہیں بتانا چاہتا تھا
 کہ تم... تم کیسے... کیسے مجھے...
 کچھ تم کو مجھے معلوم ہے وہ کوئی بڑی آواز میں بولی۔
 میں نے سر جاپا کر موت ایک بار اور جان کا گھر میں
 آج ان کا
 نہ مانے چاہا تو تمہیں پھر جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے
 گدا گدا اگر خدا نخواستہ تم میں ہی رہا اس آگے تو میں نہ
 دوبارہ جانے کو کہوں گی۔ کیا اس سے بڑا کوئی اور قصہ ہو سکتا ہے
 زریں! تم کو کتنی... میرے ہرٹھ تھہر گئے۔
 کیا میں غلط کر رہی ہوں؟ وہ دھڑکی سے بولی۔
 تم تنگ کتنی ہو کر زمین بہت بڑی ہے۔
 آدمی کا حوصلہ زمین سے بڑا ہوتا ہے کاش میں بھی تمہارا
 ساتھ چلتی۔
 ضرور ملے جاتا، تمہیں اندازہ نہیں کہ کساں کساں جانا پڑتا
 ہے۔ گلیوں میں بازاروں میں کہے کہے گلی گلی میں کہیں کہیں
 دروازے بھی اس دروازے سے صبح میں آوازوں سے منزل۔
 مجھے اندازہ ہے لیکن جلدی جلدی گھر لوٹاں آسکتے ہوتے
 ہر بار یہ خیال آتا ہے کہ میرا کما آگئے ہیں تو اور
 آگے دیکھ لیں اسی میں وقت گزر جائے کہ کوئی نتیجہ نہیں نکلتا
 وہ اپنی کوئی کھنکھاتی آواز میں مجھے لگتا ہے جی رہ
 میری خاموشی پر اس نے موضوع بدل دیا اور غامض سیانہ زہر
 زہر کی بات کر نہ لی۔ اس طرح بھی اس نے مجھے سے اپنی بات
 نہیں کی تھی۔ میرے میں جیسے کوئی پتھر پھنسا رہی تھی۔ مجھے
 سب سب سالک رہا تھا وہ مایوس میں بھی دھن کے مان
 سمجھتی تھی اور اس کی لپکیں پڑ پڑ چھپک رہی تھیں۔ غصہ
 نے دوبارہ توجہ چھوٹا آہستہ میں اب باقی ہوں۔

کچھ پر اور بیٹھو۔
 بابا کی کا وقت ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر کا کتا ہے شیک
 چھ کھٹے بعد انہیں گلیاں دیتے رہنا چاہیے، تو اس میں فرق
 نہیں آتا چاہیے۔
 میں تمہیں پہنچا آتا ہوں۔
 اب تم اگر کہہ رات بہت ہو گئی ہے۔
 رات تمہارے لیے نہیں ہوئی؟
 مجھے دن میں کون سا کام ہوتا ہے۔
 اور میں تو یہاں دن بھر چھوڑا چلا مار رہا ہوں۔
 اس نے مسکراتی، جھلکاتی آنکھوں سے مجھے دیکھا اور
 رات میں چک جاتے بولی۔ وہ دھڑکی لپکتا
 والاں میں چاندنی چمک رہی تھی اور خشک ہوا چل
 رہی تھی۔ مرنے والے ایک دیر سے ساتھ چلتی رہی۔ سامنے کرے
 بند تھے۔ میں نے سر جاپا کر موت ایک بار اور جان کا گھر میں
 مجھے بہت سی باتیں یاد آ رہی ہیں اور اندہ بھی نہیں آ رہی۔ جھل
 کے کر کے دروازے پر اس نے ہلکی سی تھپکی دی اور لٹ کے
 مجھے سرگوشی میں شب بیز کتنی بولی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔
 صبح ناشتے کے بعد سب جھل کے پاس چوکی پر بیٹھے
 تھے۔ جھل نے اپنا پر کھول رکھا تھا اور دبا دبا کے دیکھ رہا تھا
 مڑھ گیا تھا۔ اتفاق سے اس وقت مرنے میں پیرو، زور
 رہی اباجان اور میرے سوا کوئی نہیں تھا۔ چار دن کی چھٹی کے
 دروازہ جہاں کہہ کر پڑھانے کے لیے لائبریری میں چلا گیا تھا پیرو علی
 کی تھوڑی دیر پہلے کسی کام سے آٹھ کے اندر چلے گئے تھے۔ جھل
 اباجان سے کہا۔ آپ آپ چلے جاؤ بابا! وہ اپنا پڑھو بیٹھے
 اباجان اور دیکھ کر سب تنگ ہے۔ بیٹھا جانے دیتی تو میں بھی
 پ کے ساتھ ہو جاتا پیرو اور دادا ساتھ ہے۔
 میرے کان کھڑے ہو گئے۔
 اپن کا دل سے جھٹکتے کوئی نہیں رہتا۔ پرنے آدمی کہا۔
 "بہنیں سے نکلے بیٹے دن ہو گئے دادا، وہ بہنوں ماہی بھی
 دکھ گیا ہوگا، گیتا اندھا رہی بھی دروازہ دیکھتی ہوں گی۔
 ایسا تو آپ بھی سوچا ہے۔ جھل بھائی!۔
 پھر آجانا۔
 تنگ ہے مبیات رہتا ہے۔
 لیکن مجھے مجھے بھی آپ لوگوں سے کچھ کتا تھا۔ اباجان
 سنے ہوئے بولے۔
 بولو بابا! پیرو نے اضطراب سے کہا۔

م مناسب لفظ میں مل رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا، اس
 طرح کتا چاہیے۔
 اباجان کی زبان ابک رہی تھی۔ یہاں وہ سب لوگ ماہر
 وغیرہ بھی موجود نہیں ہیں لیکن بہرحال آپ تو یہیں ہیں، خدا کے
 لیے کچھ اور مت سمجھے۔ میری درخواست ہے کہ...
 بولو بابا! ایسی کیا بات ہے۔ جھل نے تڑپے بولا۔
 میری خواہش ہے کہ ان... اباجان کتنے کتنے پھر لگ
 گئے۔ میری خوشی اسی میں ہوگی اگر آپ۔ چند لمحوں کے توقف
 سے وہ دھڑکی آواز میں بولے۔ اگر ان پتھروں میں بھی شریک ہوں۔
 بس بس بڑے صاحب! جھل کا تو قدر مرانے میں کرنا
 لگا۔ دادا! سنے بڑا بابا بولتے ہیں۔
 "سنا ہے جھل بھائی!"
 اباجان کے چہرے پر سرخ ہو چکی تھی۔ آپ نے انکار کیا تو
 میرے لیے بھی یہ پتھر ہیں گے۔ یہ بہت ہیں، شہوت تک ملیں
 گے اور ختم نہیں ہوں گے۔ میں انہیں رکھ کے کیا کروں گا میں
 اکیلا انہیں اتنی بڑی تعداد میں لاہی نہیں لگا سکتا، یہ سب آپ...
 "لے دے دو بابا! جھل نے بیٹھے ہوئے کہا۔ اباجان کو دیت
 "انکار کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی۔
 "نہیں آئے گی بابا! نہیں آئے گی۔
 "آخر آپ کو غصہ کیوں ہے؟
 اباجان کو بس بابا! جھل نے تنگ کے کہا اور جاتو نکال
 کے بلا لے اپنے کو اس کے لٹ پر گئی ہے۔ یہی اباجان ہے۔
 اباجان متذبذب نظروں سے جھل کا چہرہ دیکھنے لگے۔
 "ہم تو دروازہ آپ کو دیکھنے گیا تھا بابا! گیتا کی تمہارے لڑاپنے
 من میں کوئی جکڑ نہ ہو۔
 "مجھے علم ہے لیکن کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ ہم بھی اس میں
 شریک ہوں کیونکہ سب اس میں برابر کے شریک رہے ہیں۔
 شاید وہیں میں نے آپ سے کتا کہا کہ مجھے ان سے زیادہ اپنے
 بڑے ہونے کو دیکھنے کی جستجو تھی عموماً جستجو کسی سبب سے
 تھی سب تنگ سب سے بڑا سبب یہی سب کچھ تھا لیکن یقین
 کیجئے میرے دل میں اتنا کچھ نہیں تھا، میری استطاعت تھی
 کہ میں اتنا کچھ لاسکوں۔ یہ دنیا کے کبیش قیمت زوردار ہیں مجھے
 تھوڑی بہت قدر ہے میری اس صمیمیت کا اعزاز کرنا
 میرے لیے بھی مشکل ہے، اس سے ہم نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں
 اور اسے استعمال کرنے کا، میں جہاں تک سمجھتا ہوں میں جہاں
 حق پہنچتا ہے جس چیز کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں اس

ہو گیا کہ اس کی باتیں توجہ سے نہیں سن پائیں اس کا جوہر بھنے لگا وہ رنگ کے نمٹاتی انھوں سے مجھے سمجھنے لگی۔ وہ پریشان ہی ہو گئی تھی میری طبیعت بڑھ چکی تھی۔ میں نے اس کی چٹائی کر لیا دیا، اس کے ہاتھ جوڑے اور اس سے پہلے کہ اس کو کب تک تنہا کی انھیں چھٹکتے گلیں میں منہ پھیر کے چلا آیا اور اپنے کمرے میں آئے جس نے دروازہ بند کر لیا۔ مجھے اپنا جسم خالی خالی سا لگا رہا تھا۔ کھکھلا، راکھ کا ڈھیر، ساری رات میں دروازے پر روکشی کے لرزے سائے دیکھتا رہا۔ کسی نے دروازے پر دھک دی تو پہلی دھک پر میں نے آٹھ کے دروازہ کھول دیا میں سمجھا شاید زریں ہو کر مردہ جہاں گیا تھا اور یہ بتانے آیا تھا کہ اب مجھے تیار ہو جانا چاہیے۔ میں نے چونک کر اُسے دیکھا، بالکل جیلوں میں رہا تھا کہ صبح میں یہاں سے روانہ ہو جانا ہے۔

میں ایک ساڑھے چار بجے ہوئی سے نکل گئے تھے رات کو شاید کوئی نہیں سوا بتا میں نے ملٹی آرشد جیل گئے جو دروازے کے دوسرے کون ہیں اسٹیشن تک رخصت کرنے آئے تھے گاڑی وقت پر روانہ ہوئی۔ میں ایک ڈبا خالی لے گیا تھا۔ نکل کی بات پر بیرونے محنت فرسٹ کلاس ہی کے لیے تھے۔ نشستیں بہت آرام دہ تھیں۔ کچھ دیر تک وہ سب باتیں کرتے لیے پھر ہر پھول پر پلٹ گئے کھٹو اسٹیشن کو گیا اور بندہ آیا تو مجھے سمت کا اندازہ ہوا، کھٹو سے زیادہ راست ہمیں جمانے کے بجائے ہم دلی کی طرف جا رہے تھے گویا دلی سے پھر ہمیں بمبئی جانے والی گاڑی میں بیٹھا تھا۔ اسٹیشن پر اسٹیشن گزرتے رہے بریلی اسٹیشن پر مانی نے مٹھیاں کھول دیں سب یہ دیکھ کے ہنسنے لگے کہ زریں نے اتنا بہت سا کھانا ساتھ کر لیا ہے۔ میں بھی دستر خوان پر بیٹھ گیا اور آخر تک ان کا ساتھ دیتا رہا بریلی اسٹیشن تھا۔ بریلی سے مراد آباد صرف اداں میل کی دوری پر واقع ہے۔ وہاں میں رام پور کا شہر آئے گا، پھر مراد آباد۔ مراد آباد کی طرف سے گزرنے کے خیال سے میرے ذہن میں چیرنٹیل سی رہ گئے تھیں۔ اتنے دن گزر گئے تھے۔ میل میرے پیر میں کولہ کے ہم پیر سے فیض آباد چلے آئے تھے، اس کے بعد تبت کی طرف روانہ ہو گئے۔ مولوی صاحب کہیں اس عرصے میں اپنے شروا دیں نہ آئے ہوں انھیں میں عافیت دلی پر تو آؤ انھوں نے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا ہو گاڑی بریلی سے چل چکی تھی جیسے جیسے مراد آباد قریب آتا جا رہا تھا، میرا دل بڑبڑاتا رہا تھا۔ ایک نظر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے کہتا فرق ہے گا۔ یاد سے زیادہ چند گھنٹوں

کا مگر میں اباجان سے کس طرح کہہ سکتا تھا کہ ایک پسر کے لیے مراد آباد تک جا بیٹھے ہیں بھی میں شام کو دلی پہنچ کے رات کے ۹ بجے تک بمبئی کی گاڑی کا انتظار کرتا تھا اور صبح کو نہیں شام کو ہم بمبئی پہنچیں تو کس سا کھانا ہو جانا گا، بعد میں پھر کمرہ اس طرف آنا ہمیں سوچنا پڑا کہ ان سے کس طرح کہیں وہ گریہ کرنے لگیں گے۔ گاڑی تیز رفتار سی سے مراد آباد کی سمت بڑھ رہی تھی میری بے چینی بھی بڑھتی جا رہی تھی، کھانے کے بعد اباجان نے سامنے کی بھر پور لٹ کے انھیں موندیں تو مجھے ایک خیال آیا۔ میں نے پیر کو جھنجھوڑا دوا، امیری ایک بات مالدیہ میں نے اس سے سرگشتی میں التجائی۔

۔ ہل جانی آؤ تعجب سے بولا۔ کوئی گھبراہٹ؟
۔ گھبراہٹ کیا نہیں مراد اباجان سے کوئی باز کر کے کچھ دیر کے لیے مراد آباد کی گاڑی جاؤ تو تمہارا بڑا احسان ہوگا، انھیں بت جانا کہ میں نے کہا ہے۔ مجھے وہاں میں تھوڑی دیر لگے گی شام کو مراد آباد سے ایک گاڑی پانچ بجے کے قریب دلی جاتی ہے، اس سے بھی بمبئی کی گاڑی کا میل بنتا ہے۔ سفر میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ دوا! اباجان کو کسی طرح سمجھا دو۔
پیر نے ایک دولے کے لیے سوچا اور عجیب سی نظروں سے میری صورت دیکھنے سے سر ملانے لگا۔ وہ اباجان کے پاس جانے کے لیے آٹھ گیارہ توں زین بدل کے کھڑی سے بٹھائے گا۔ معلوم نہیں پیر نے اباجان سے کیا کیا۔ مجھے بھی پتہ چلا جب اس نے اوپر کی ریتھوں پر لیٹے مجھے مارنی اور زور سے پیچھے آ کے سامنے سینے کر لیا۔

رام پور اسٹیشن سے مراد آباد کا فاصلہ صرف سو گھنٹہ تھا۔ آدھے گھنٹے میں گاڑی پہنچ جاتی تھی مگر یہ آدھا گھنٹہ جیسے چیل گیا تھا۔ کٹ گھر کے اسٹیشن سے پہلے رام پور کے بل پر گاڑی غیر گئی۔ وہاں باقی زیادہ تھا۔ جب تک بل صاف نہیں ہو گیا، گاڑی کھڑی رہی پھر گھسٹ گھسٹ کے چلنے لگی۔ میں اکیلا ہوتا تو کٹ گھر پر ہی اتر جاتا۔ یہاں سے مولوی صاحب کا غرض فیض گنج زیادہ قریب تھا۔ ناگادوں منٹ میں مجھے ان کے ملے پنچا دیتا، میری مالاکے دانے سینے میں جھبہ رہے تھے وہ میرا دواں دواں کان پر رہا تھا۔ کیا مجھ کو زریں کی بات سچ ہی ہو جانا۔

دس منٹ کی تاخیر سے گاڑی مراد آباد کے اسٹیشن میں پھل ہوئی اسٹیشن کے سامنے ہی اسلام آباد مسافر خانہ تھا۔ میں وہاں پہلے ہی جا چکا تھا۔ ہمارے پاس سامان زیادہ نہیں تھا۔ ایک ہی

لی نے اُسے مسافر خانے تک پہنچا دیا۔ مسافر خانے کے منتظر کو سب موقوفی جی کہتے تھے۔ رجسٹر پر انھوں نے ہمارے ناموں کا درج کیا، پیر، دوا اور دانی کے نام ہم نے مل دیے، خواہ مخواہ وہ بڑھتے، اوپر کی منزل کے ایک درجن اور صاف تھرے کرے۔ اباجان زور اور دانی کو نظروں سے نہیں آیا۔ پیر فوراً مسافر خانے سے نکل آئے اور آگے بڑھنے کے غرض فیض گنج جا کے ہی رے کے مولوی صاحب کے مکان کی کچی میں پہنچے ہیں ہیں دو چار منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ میں نے دھڑکتے ہاتھوں سے دروازہ کھٹکھا، اندر سے کسی لوہ کی آواز آئی، میرا دل دھک دھک رہا تھا۔ کیا مولوی غرض فیض صاحب یہاں رہتے ہیں؟ میں نے لگائی آواز میں پوچھا۔

۔ دوسرے ہی لمحے میرا دل ڈوبنے لگا۔ مولوی غرض فیض صاحب! اس نے گاڑی کی آڑ میں کھڑے ہو کر تہذیب سے برائیاب وہ یہاں نہیں رہتے، ہم نے یہ مکان ان سے لے لیا ہے۔

۔ آپ نے خرید لیا ہے؟
۔ ڈیڑھ جینے سے زیادہ نہیں ہوا۔
۔ کیا وہ یہاں آئے تھے؟
۔ جی ہاں انھی سے ہم نے لیا ہے۔
۔ آپ کے گھر میں اس وقت کوئی مرد نہیں ہے؟
۔ جی ہاں سولہ ہے۔
۔ کب تک آٹھ جاہیں گے؟
۔ آپ اباجی کی دکان پر چلے جائیے، منڈی چوک میں ان بلا غرض خانے کی دکان ہے۔

۔ کس نام سے؟
۔ وہ جھجک کے بولی۔ حافظ صاحب کی؟ کان کسی سے پوچھ بیٹے گا۔
۔ آپ کا بہت شکریہ۔

۔ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟
۔ ہم پوریسی ہیں مولوی غرض فیض صاحب کے واقف کار۔ منڈی چوک میں دو درجین تھا۔ حافظ صاحب کی دکان ان کے رہنے میں تھی دیر نہیں لگی۔ دکان پر ایک بسترہ شخص ابو خد جھوٹی شخصیت دواچی سرنی رنگ سرتی بیدی کی ٹوپی۔ لی صاحب کا نام اس کے وہ گھبرا گیا۔ یہ سنا ہے آپ ہی ان کا مکان خریدا ہے؟
۔ جی ہاں ابھی حال میں خریدا ہے۔ تو کسی قدر تیزی سے بولا۔

۔ تو کیا وہ یہاں آئے تھے؟
۔ ان کے بغیر سو دیکھے ہو سکتا تھا۔
۔ کب آئے تھے؟
۔ میں نے تیزی سے پوچھا۔
۔ یہی کوئی ڈیڑھ جینے پہلے کی بات ہے۔
۔ پھر وہ کہاں چلے گئے؟
۔ میں نہیں کہہ سکتا، وہ ایک عرصے بعد مراد آباد آئے تھے۔ صرف دو دن کے لیے مسافر خانے میں بیٹھے تھے۔ پرتلا سے آگے ان کی کچھ دیر تھی اور یہ مکان، دونوں کا سردار کے والد چلے گئے۔
۔ زریں کن صاحب نے خریدی؟
۔ میں واقف نہیں ہوں۔ وہ اچھے کے بولے۔ البتہ مجھے اتنا علم ہے کہ انھوں نے زمین بھی بیچی ہے۔
۔ کیا انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ کہاں سے آئے ہیں کہاں رہتے ہیں؟ ظاہر ہے آپ نے پوچھا تو ہوگا؟
۔ حیدر آباد میں کہیں قیام آتا ہے تھے۔
۔ حیدر آباد میں؟ وہاں ان کی ایک بہن بھی رہتی تھیں کیا وہ کوئی پتہ دے گئے ہیں؟
۔ کانڈر انھوں نے مراد آباد کی کا پتہ لکھوا یا تھا۔
۔ کیا ان کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟
۔ ہر سکتا ہے۔ میں نے عرض کیا، وہ مسافر خانے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کوئی نوے سال میں وہ مراد آباد واپس آئے تھے۔ اس عرصے میں دنیا بدل گئی تھی۔
۔ لیکن میں کچھ اور پوچھ رہا ہوں۔
۔ جو آپ پوچھ رہے ہیں اسی کا جواب دے رہا ہوں۔
۔ وہ یہاں اور لوگوں سے بھی ملے ہوں گے، یہ ان کا قہر ہے کیا آپ مجھے چند ایسے لوگوں کے نام نہیں بتا سکتے ہیں جن سے وہ ملے ہوں؟ ممکن ہے انھیں انھوں نے اپنا پتہ بتایا ہو کچھ ہم بہت دود سے آئے ہیں۔ میں مولوی صاحب سے ایک ضروری کام ہے۔ آپ جاری کوئی مدد کر سکتے ہیں تو مسافر خانہ کے کمرے میں۔ خدا آپ کو اس کا اجر دے گا۔
۔ عزیزم اے مجھ کو کہہ دو، میں نے بتا دیا۔ مجھے مکان سے غرض تھی کچھ اور ماننے کو مجھے کی ضرورت نہیں تھی۔ ابھی ہی انھیں کیا حکم ہے؟ آپ چاہیں تو میں کچھ نام بتاؤں گا۔ میں ان لوگوں سے مل لیں مگر میرا خیال ہے آپ کانگانی ہو گی۔ مولوی صاحب بہت جلدی میں آئے تھے جلد سے جلد سودا کرنے کی غرض تھی۔ آئے اور چلے گئے۔
۔ اس کے بتانے پر ہم دوبارہ فیض گنج گئے اور وہاں دو

تین آدمیوں سے ملے مولوی صاحب کی آن سے ملاقات ہوئی تھی اور انھیں اتنا ہی معلوم تھا، جتنا باساحی حافظ صاحب کو۔ مولوی صاحب بہت مجبوری ہی کی حالت میں یہاں آئے ہوں گے اور انھوں نے زیادہ لوگوں سے ملنا گوارا نہیں کیا ہوگا۔ اچانک میرے ذہن میں آیا کہ مولوی صاحب نے مسافر خانے میں مسافروں کی آمد و رفت کے رجسٹر اپنا پتہ مزد کھوا ہوا ہوگا۔ میں اور بیروکیں اور جانے کے بجائے مانگے میں بیٹھ کے فوراً مسافر خانے واپس پہنچے۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی لیکن منتہی صوفی ہی ہمیں رجسٹر دکھانے سے کترانے لگے۔ میں نے بہت التجائی کی تو کہنے لگے: آپ مدلل صاحب سے مل بیٹھیے وہ کہہ دیتے ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔

مدلل صاحب کا دفتر مسافر خانے کے وسط میں واقع تھا۔ وہ لمبے قد، گندیں رنگ، کٹا ہوا پٹائی کے ایک نرم شخص تھے جو چالیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔ سفید بے داغ شروانی اور تڑکی لڑی میں لبوس تھے، میں نے ان سے درخواست کی اور بتایا کہ مجھے مولوی صاحب کے پتے کے شدید ضرورت ہے۔ آپ کا برا کرم ہوگا۔

انھوں نے صوفی ہی کو اندر بلا لیا اور مجھے رجسٹر دکھانے کو کہہ دیا۔ وہ مینے پلے کے مسافروں کی فہرست دیکھ کے اس کی تصدیق ہو گئی کہ مولوی صاحب مسافر خانے میں ٹہرے تھے اور ان کے ساتھ ایک برقع پوش خاتون بھی تھیں۔ میں نے کہا: کیا ان کی بیگم بھی ان کے ساتھ تھیں؟

”رجسٹر تو یہی بتا رہا ہے جناب! صوفی ہی منہ بنا کے لو لے گیا۔ آپ نے انھیں دیکھا تھا؟“

”میاں!“ وہ ناراضی سے بولے ہم یہاں آپ کے خیال میں دوسروں کی عورتوں کو کتنے رہتے ہیں؟ یہاں شہر نا ٹھہرتے ہیں۔“

رجسٹر پر لکھے ہوئے لفظ میرے سامنے تھے۔ انھیں دیکھتے دیکھتے میری آنکھیں چھرا گئی تھیں۔ اگلے خانوں میں مولوی صاحب کا پتہ درج تھا۔

”آپ پتہ دیکھ رہے تھے؟ مدلل صاحب نے مجھے ٹوکا۔ ان کی آواز مجھے کہیں قدر سے آتی محسوس ہوئی۔ اسی لمحے صوفی ہی نے میرے سامنے سے رجسٹر اٹھا لیا۔ پھر وہاں پہنچے سے مجھے کسی رائی راجا! صاحب کیا میں نے سنی ہوئی آنکھوں سے مدلل صاحب کی طرف

دیکھا۔ وہ مجھے گھور رہے تھے میں نے نہیں سنا تھا کہ انھوں نے مجھ سے کیا کہا ہے۔

”انھی صاحب کا پتہ آپ کو درکار تھا؟ مدلل صاحب تذبذب سے بولے۔

”ہاں! میں نے سر جھکا کے دوقتی آواز میں کہا۔

”آپ کو کچھ اور پوچھنا ہے؟“

”نہیں کچھ اور نہیں۔ میں جلدی سے کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”دو بج چاسول مسافر آتے جاتے ہیں لیکن مولوی صاحب آنا مجھے یاد ہے۔ کچھ لیں بھی کہ ایک زمانے میں ان کا تعلق جو اسی شہر سے تھا۔ یہ ان دنوں مسافر خانے کی نئی عمارت کی تعمیر کے سلسلے میں مصروف ہوں اس لیے ایک ہی بار ان سے ملا ہوا۔ ہو کہ وہ بھی سرسری مولوی صاحب بھی کچھ جلدی میں تھے، دو تین ہی روز پہلے ہوں گے۔ مدلل صاحب جیسے اپنے آپ سے کہہ رہے تھے ان کی آواز بھی تھی۔ مجھے کچھ بتائیے؟“ وہ ہنسنے کے بولے شاید میں آپ کے کسی کام آسکوں۔

”ان اس کی کھوج میں ہے۔ پیر نے تیری سے کہہ دیا کہ کچھ اور لو لے آ کر لیا گیا مطلب ہے کہ آپ؟“

”میں مدلل صاحب پر بڑی بات کا شک کے بولے۔ وہاں عرصہ ہوا، یہ شہر چھوڑ کے جا چکے ہیں۔ پہلے بھی وہ گھومتے ہیں تھے بڑے کھے آدمی ہیں۔ ایسے لوگ مٹا خنائی پسند ہوتے ہیں میں مجھے سے خالص بڑے ہیں۔ میں نے عموں کو لیا تھا کہ وہ لے لے رہے والے شخص ہیں سلام دعا مزاج پرسی ہی تک بات ہوتا مسافر خانے کی نئی عمارت کا نقشہ دیکھ کے بہت خوش ہوئے۔ کتنے لگے سالے شمالی ہند میں یہ اپنی نوعیت کا واحد مسافر خانہ میں نے کہا۔ میں دعا کیجیے کہ کام کسی طرح تکمیل پا جائے مگر کتب کے متعلق پوچھا جو مسافر خانے کی تعمیر میں پیش پیش ہیں۔ کرا صاحب ایک مشاعرے میں امروہہ گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو مولوی صاحب جا چکے تھے۔ میں نے ان سے مولوی صاحب کی کیا توالت نہ ہونے کا افسوس کرنے لگے۔ صورت یہ ہے کہ جناب یہاں از خود کوئی دفتر میں آجاتا ہے تو ملاقات ہوجاتی ہے وہ اپنی جانب سے مسافروں کے معاملات میں غیر ضروری طور پر نہیں ہوتے۔“ چمکے رک کے مدلل صاحب بولے۔ انھوں نے کہا کہ بالے میں مجھے کچھ اور معلوم نہیں ہے۔ کوئی اور مدد ہو تو فرمائیں؟“

”آپ کا شکریہ صاحب! آپ نے میرے سیرٹ کے انداز میں سلا کرتے ہوئے کہا۔ آپ کی مہربانی۔“

میں مدلل صاحب کو سلام کیے بغیر باہر چلا آیا۔ میرے

ڈنگ لگا رہے تھے اور مجھے پتہ سے آ رہے تھے۔ برو میرے ساتھ نہیں آتا تھا۔ پتہ نہیں وہ مدلل صاحب سے اور کیا باتیں کر رہا تھا، خواہ غراہ وہ کسی تنگ میں پڑ جاتے۔ مولوی صاحب کے بالے میں انھیں اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں تھا، معلوم ہوتا تو چھپاتے نہیں۔ جو طبیعت کے کٹھے، بات چھپانے والے آدمی نظر نہیں آتے تھے۔ میں مسافر خانے سے باہر اسٹیشن روڈ پر آکھڑا ہو گیا میری سانس پھولی ہوئی تھی اور سارے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ پھیلتا رہا تھا۔ سامنے ہی اسٹیشن تھا جہاں مسافروں کی بھیڑ لگی تھی۔ تاکنے والوں کے شور میں براؤ زرب گئی تھی شاید ابھی کوئی گاڑی آتی تھی۔ ممکن ہے آئے والی گاڑی میں آگے جا رہی ہو یا ایک میرے ذہن میں آیا، میں اس گاڑی سے نکل سکتا ہوں۔ اباجان! زوردار مارنی مسافر خانے کی اوپری منزل کے ایک کمرے میں موجود تھے۔ اس کے پہلے کہ ان میں سے کسی کی نظر مجھ پر پڑے۔ مجھے جلد سے جلد بیان سے دور ہوجانا چاہیے، اور یہاں سے گوا تو مجھے انھی کے ساتھ جانا پڑے گا مگر اباجان کے خیال سے میں خیر باد اس طرح میرے چلے جانے پر وہ بہت پریشان ہو جائیں گے۔ نہ جانے کیا کیا سوچیں اور تنہی ویرانہ انتظار کرتے رہیں حالانکہ برو فوراً مجھے جانے کا کہہ کر میں کس طرف جا سکتا ہوں مگر وہ اباجان کو کس طرح مطمئن کر سکے گا۔ بہتر ہے کہ ایک رتہ لکھ کر کسی آدمی کے ہاتھ آتا جان کے کمرے میں بھیج دوں کہ وہ میرا انتظار نہ کریں۔ میں چند روز بعد ان سے سببی آملوں گا۔ ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ پیچھے سے پیر آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کے مجھے واپس اندر لے گیا۔ میں اس سے کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

چند منٹ بعد ہم سب سامان کے ساتھ مسافر خانے سے نکل آئے اور تین قدموں سے اسٹیشن کی طرف بڑھنے لگے۔ شام کے چار بجے تھے۔ گاڑی تیار تھی، میں ایک دو منٹ کی تاخیر ہوجاتی تو چھوٹ جاتی۔ دو مسافروں کے سوا سارا ڈاکا خالی پڑا تھا۔ کچھ دور تک تو گاڑی رنگ رنگ کے چلتی رہی پھر اس نے رفتار بچھڑا دی۔

مدلل آباد سے جید آباد جانے کے لیے یہی ایک سیدھا راستہ تھا۔ اگر اس آن سے جدا بھی ہوتا تو مجھے اسی طرف دلی سے گزرنے کے آگے بڑھنا پڑتا۔ یہاں نہیں تو دلی اسٹیشن پر میں ان کی نظروں سے اوجھل ہو سکتا تھا۔

مسافر خانے کے دروازے پر لکھے ہوئے لفظ میری آنکھوں میں گھم لپے تھے۔ ہر جگہ وہی لفظ لکھے ہوئے نظر آتے تھے۔ حیات نگر کا علاقہ جید آباد میں پھیل رہا میں پہلے بھی اس علاقے سے گزرتے تھے، ہر سکنے والے اس مکان کے ارد گرد بھی گئے ہوں۔ اب مولوی صاحب نے اپنا قیام لکھوا لیا تھا۔ ہم نے علاقے کی تمام سبکیا

دوسروں میں اور جہاں جہاں ممکن تھا، جا کے پوچھا لیا مگر مولوی صاحب وہاں کہیں ہوتے تو کوئی بتاتا۔ وہ ان دنوں حیدر آباد سے سکھوں میل دودھ میل میں بسے ہوئے تھے۔ بیلیر کے بعد میں دوبارہ جید آباد جانے کا موقع نہیں ملا۔ میں نے طے کیا تھا کہ سب سے پہلے وہاں جاؤں گا۔ حیدر آباد میں صاحب علم لوگوں کی بڑی قدر ہوتی ہے۔ بیلیر سے مولوی صاحب سارا گھر چھوڑ کے چلے تھے۔ انھیں کسی ایسی جگہ جانا چاہیے تھا جہاں ان کے چند سنا سا موجود ہوں۔ جن حالات میں انھیں بیلیر سے دور ہونا پڑا تھا، خصوصاً ایسی صورت میں جب ایک نوجوان لڑکی بھی ان کے ساتھ تھی انھیں در بدر مالے لکے پھرنے کے بجائے کسی ایسے ٹھکانے کا رنج کرنا چاہیے تھا جہاں ہاتھ چھیلانے بغیر کوئی سہارا مل جانے کی توقع ہو۔ عارضی طور پر سی۔ چلنے وقت ان کے پاس پیسے بھی کم تھے صرف اتنے جو رتہ خاں نے بیلیر سے فرا کر لے کر لئے تھے۔ انھیں دینے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ عرصہ ہوا، حیدر آباد میں ان کی کھڑی بن باہی گئی ہے۔ میں اس کا گھر تلاش نہیں کر سکتا تھا لیکن مولوی صاحب کراچی میں کا پتہ معلوم ہوگا، اس کے شہر کے رشتے دار، میان بھجان والے وہاں موجود ہوں گے۔ بیلیر سے آنے کے بعد جیل نے اچانک تہمت جانے کا ارادہ کر لیا۔ وہ نہ میں ایک مرتبہ جید آباد ضرور جانا۔

رجسٹر میں مولوی صاحب نے اپنے ساتھ سفر کرنے والی لوگوں کو اپنی بیگم کی حیثیت سے درج کر لیا تھا۔ ظاہر ہے سزاوادیوں وہ اس سے اپنا کوئی اور رشتہ نہیں بنا سکتے تھے۔ یہاں سب جانتے تھے کہ انھوں نے شادی نہیں کی ہے۔ کو رادو وہ اپنی بیٹی نہیں بنا سکتے تھے۔ بیلیر سے عورت و عافت کے ساتھ نکلنے کے بعد وہ معلوم نہیں اور کہاں کہاں سر چھپاتے پھرتے ہیں۔ انھیں کوئی ایسی اندیشہ ہوگا اسی لیے وہ انعامہ کو در جانے کے بعد اب بھی کو رادو افتا نہیں کرتے تھے۔ نینا گزشتہ برس میں انھیں کو رادو نکاش میں گھومنے والے ماہگ قبیلے کے لوگوں سے کوئی واسطہ پڑا ہوگا۔ مجھے وہ اتنی احتیاطیاب رہتے تھے۔ اب انھیں بیلیر کے رانا متاب کے آدمیوں سے بھی خدشہ ہوگا کہ وہ انھیں دوبارہ نہ تلاش کر لیں۔ میرا دل نہیں مانتا تھا مگر ایک اور بات بھی ہو سکتی تھی جس سے مولوی صاحب خوف زدہ ہوں۔ جید آباد انھیں یہ خیال ہو کہ میں کہیں ان سے اپنی امانت واپس لینے نہ آجائوں، لیکن یہ میری ہی وجہ سے ایسا ہو تو خود اہستہ قاعدہ قانون انھیں بھی معلوم ہو گا کہ مجھے قتل کی سزا میں کم سن کی وجہ سے رعایت مل سکتی ہے یا پھر انھیں میرے مقدمے کے فیصلے کا علم ہو گیا تھا۔ انھیں پورا

یقین ہوگا کہ سات سال بعد میل سے باہر کرنے کے بعد میں اسی کو نکال کر دوں گا کہیں اور نہیں جانوں گا، جیل کے سات سال میں ایک ایک دن، ایک ایک لمحہ گن گن کے ہی کاٹوں گا، ایک ہی آئینہ مجھے وہاں زندہ رکھے گی کہ باہر کرنی میرا منتظر ہے، جیل کا دروازہ کھلنے کی دیر ہوگی کہ میری آنکھیں پھر قریب قریب اُسے دیکھنے کے لیے بجکتی چھریں گی، آنکھیں خوب اندازہ ہوگا کہ رفت کی جھل چکے ہیں اس کی تصویر مٹا نہیں گئی۔

میری خبر لیگھان آن کے لیے مشکل نہیں تھا، جیل کے سوا میرا تو کوئی اور ٹھکانا نہیں تھا، میرے بہت آسان تھا، وہ مجھے خط لکھ سکتے تھے، مجھ سے آگے مل سکتے تھے، خود نہیں ترانا کوئی پتہ آتا، پیسے ملنے کے بعد ان کے دل میں اس رسم و راہ سے اگر کوئی دوسرہ تھا کہ اس طرح جیل کے حکام کو میرے حوالے جانے کا موقع مل جائے گا اور جیل ان کے اوکو کو اس سکون میں کوئی رخصت نہ کر سکتا ہے تو وہ کوئی اور تدبیر اختیار کر سکتے تھے، شروع میں میں تو نہیں جا سکتا تھا، بعد وہ اپنے نام اور پتے کے بغیر لکھی اور لکھی میری دست کا دوسری خط لکھ سکتے تھے، میرے لیے تو ایک اشارہ بہت ہوتا۔

جیل میں ان کا خط نہ آنے اور میری تحریر لینے کی میں نے اپنے طور پر بہت سی ناوٹیں کر رکھی تھیں، میرا خیال تھا کہ مولوی صاحب نے یہ خاموشی جان بوجھ کے اختیار کی ہوئی ہے۔ میں نے انھیں اپنے اوکو کو اسے بالے میں تقریباً بھیجے کچھ بتا دیا تھا وہ سمجھتے ہیں گے کہ جس رات وہ ایک کمالے (مٹی کی کڑی) میں ہم پر حملہ کیا اور کرار کر رہے ہیں، چین لے جانے کی کوشش کی تھی وہ جاگت قہقہے کے لگ آیاں گے، جیسے ہوئے آدھی بھی ہو سکتے ہیں۔ اس رات وہ ناکام ہو گئے، میں جیل چلا گیا لیکن مولوی صاحب کے خیال میں جیل میں بھی وہ میری طرف سے پوری طرح چمکتا رہا، گے انھیں سراپا بچونے کی فکر ہوگی مولوی صاحب بھی اسی روز کھانے سے چلے گئے ہیں گے اور انھیں نے خط لکھ لیں نہیں لکھا کہ میں ان کے آبائی شہر سے واقف ہی تھا، یہ میرے اوٹوں کے درمیان کی بات تھی، کبھی میرے کو اس کا علم نہیں تھا، میں بھی تھا کہ مولوی صاحب نے خط مقدم کے لیے مجھ سے کوئی رابطہ قائم نہیں کیا ہے، میں سوچ کر کہ رہا ہوں پر میں یہ حال مراد آباد ہی آؤں گا اور مراد آباد میرے شہر میں انھیں ڈھونڈنا میرے لیے دشوار نہیں ہوگا۔ اس دوران کو کرانے بھی انھیں اپنے بارے میں بہت کچھ بتایا ہوگا چنانچہ جاگت قہقہے کے گوروں کے سلسلے میں وہ اور حساس ہو گئے ہیں گے، انھیں تدم قدم پران کی خبر سے غوطہ ہوگا۔ جیل سے نجات پانے کے بعد میں نے سیدھے

مراد آبادی کا رخ کیا تھا۔ مولوی صاحب میرے لیے وہاں کوئی خبر نہیں دے گئے تھے، وہ میرے مراد آباد گئے ہی نہیں گئے، کچھ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس رات کے بعد ان دونوں کو کیا آقا، پیش آئی، پہل بار بیلیر میں منیر علی کا گھر ملنے ہی پر ان کے پاس میں ٹھیک پتہ چل سکا اور پہل بار مجھے اچھے ایسا گمان ہوا کہ انھیں میرا اندیشہ بھی ہو سکتا ہے۔

مجھ سے میرے سامنے سے کو راکو دور رکھنے کے لیے انھوں نے یہ سب کچھ کیا ہوگا۔ وہ ایک منرا یافتہ آدمی کو کوکر کے لیے مناسب نہیں سمجھتے ہیں گے، ان کا ایسا سوجنا بھی ایک طرح سے برحق تھا۔ میرا ان سے رشتہ ہی کون سا تھا، دونوں کی ملاقات تھی، رشتہ ان کا کوکر سے تھا جو اتنے دنوں تک ان کے ساتھ رہی ہیں ان کا کون بڑا تھا، جیل میں انکو لگ بدل جاتے ہیں، انھیں کیا پتہ تھا کہ میں نے وہاں تعلیم بھی جاری رکھی ہے، میں ہر گز اس کے لیے دعا میں کرتا تھا، اس کا پھر میرے سامنے رہتا تھا، اس حال تھا کہ اس نے میرے بغیر بہت دکھ اٹھائے ہیں، میں اور جیل میں ہیں تو وہ بھی زندگی جیل کے مانند کاٹ رہی ہوگی، مجھے تو سنا تھا کہ باندھا تھا وہ تو سنا تھا کہ بغیر تھ ہوگی، اس لیے مجھے جیل سے اس کے لیے ایک مکمل آدمی ایک متن بن کے نکال چاہیے، راتوں کو جاگ کے اس لیے بڑھتا رہتا تھا، اسی کی وجہ سے میں نے جیل میں رہنے کے بعد نوٹاپ کیا تھا، اسی کی وجہ سے میں نے جیل سے ہنر سیکھے تھے، مجھے تجرہ ہو گیا تھا کہ زندگی گزارنے کیلئے آدمی کو ہر اعتبار سے متعدد اور مسلح رہنا چاہیے سب کچھ مجھے خود کرنا ہے، انا گھر بنانا ہے، میں اس کا پاس بان میں میری چھادر میں اس کے وہ گزارا ہوا سب کچھ بھول جانے لگا، جیل میں بھی ہوگا، وہ تو میرے لیے وہی خوب دیکھتا تھا جو میں خود دیکھتا تھا، وہ ایک بڑا دل کا بنانا تھا، میرا مولوی صاحب کو میری فکر ہوئی تو انھیں یہ سب معلوم ہوتا، ان کے ذہن میں اس کی ایک ہی بات ہوگی کہ جیل چلا گیا، میں تین آدمیوں کے قتل کے جرم میں سو میرے بدن کو زہر نوادر ہو گیا ہوگا، میرا جرح وہاں ہو گیا ہوگا، ان کے خیال میں جا کے ہر شخص کا چہرہ رنگ وہب بدل جاتا ہوگا۔

وہ انھیں اتنی، میری ہوگی ہوگی کہ اسے جبراً کرنے کا تصور ان کے لیے عذاب ہوگا۔ وہ اس کے لیے کسی ایسے شخص کی تلاش میں ہیں جو ان کی سادگی کے ساتھ لے کر کوکر کو ان کی آنکھوں سے نہ جانے۔ ایسا ایک شخص انھیں بیلیر میں ملتا تھا، ارشد، منیر، عتیقا منیر علی کے خاندان کو وہ اچھی طرح پرکھ چکے تھے۔ ارشد!

تعلیم یافتہ لڑکا تھا، انھوں نے اسے بھی مسترد کر دیا، میری علی کے بر قول رانا مناب نے انھیں بہت بڑی، دولت کی پیش کش کی تھی، وہ اس کی دولت کو کبھی خاطر میں نہیں لائے، اس عرصے میں نہ جانے کتنے گوروں کتنے خاندانوں نے ان سے کوکر کے لیے درخواست کی ہوگی، مولوی صاحب نے کہیں باہمی نہیں بھری تھی، کیا انھیں اس حقیقت کا احساس نہیں تھا کہ ایک ایک دن کوکر کو ان سے فدا ہو جانا ہے، لڑکا کو ایک گھر سے خوش مست، وہ کوکر کو ہرانا بڑا ہے، میں سامنے نہیں تھا اور میں ہر طرف بھی نہیں تھا، وہ کوکر کے لیے کسی شخص کی تلاش میں نہیں تھے؟ انھیں کس دن اور کس شخص کا انتظار تھا؟ کون آنے والا تھا؟ شاید کوئی بھی نہیں۔ ذیل مذکور اور میں انھیں ایک ٹھکانا قریب موہرم میں توقع ہوگی کہ کسی دن کوکر خود تک جانے گی اور چہرہ جو چاہیں گے، اس کے لیے فیصلہ کر لیں گے، انھوں نے جتنے لوگوں کو مسترد کیا ہوگا، بشیر کوکر کے سبب سے کیا ہوگا، انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ تے نہ کوکر کا ارادہ اور فروزاں کر دیا ہے، میں اس کے پاس نہیں تھا لیکن میری سائیں اس کے سینے میں بسی ہوئی ہیں، میری پچھائیاں ہر لمحے حساس ہیں، یہ رتی بھی ہے، وہ مولوی صاحب کے ساتھ رہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ نہیں ہے، اس کی اپنی الگ ایک دنیا ہے۔

بعد میں نہ رہنے اس کی تصدیق کر دی تھی۔ ہر چند کہ میں تصدیق کی ضرورت نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ وہی ہوگی، اس کا تعذر تھا گیا ہوگا، اس کا رنگ کچھ گیا ہوگا، شکل مصورت میں وہ پہلے سے بہت مل گئی ہوگی لیکن وہ ہوگی وہی جہاں جس رات وہ مجھ سے جدا ہوئی تھی، وہی ہی نہ رہنے کا تھا کہ وہ ہر وقت کچھ سوتی رہتی ہے، کوئی کھوئی رہتی ہے، نہ اسے لباس کا شوق ہے نہ زینور کا کوئی آگے خود اسے لپچہ چھانے تو شیک کے آگے تو شکایت نہیں کرتی، انھیں تنہا بھی دلواریں بھی رہتی ہے، اتنا عرصہ مولوی صاحب کے جاننے کے لیے کا تھا کہ اس کی منزل تو ایک ہی ہے، اُسے ایک ہی شخص کا انتظار ہے، وہ جس کی منزل وہی اس کا خواب ہے، وہی اس کی رنج ہے، وہ اس کے لیے زور جوار رکھنے کوں یا اسے دلواریں میں بند، تہہ خالی میں مجس کروں۔ یہاں ڈال دیں، باساری دنیائی خوشی میل اس کے قدموں میں بکھر رہی، اس کی خوشی تو ایک ہی شخص میں نہاں ہے، نو برس گزر چکے تھے۔ مولوی صاحب کو اور کہتے ہیں کہ انتظار تھا، نو برس کیا، نو صد سال ہو گیا، بہت جا میں وہ تو وہی ہے کہ مولوی صاحب نہیں جانتے تھے کہ کبھی بھی دو آدمیوں سے ایک آدمی کی تکمیل ہوتی ہے۔ وہ دو آدمی جو بغیر ایک الگ نظر آتے ہیں، لیکن ایک ہوتے ہیں۔ مولوی

صاحب کا خیال ہوگا کہ وقت دنیا بدل دیتا ہے، وقت ایک دن اسے بھی متغیر کر دے گا، انھوں نے اس سے جانے کیا کیا کیا ہوگا، کس مرگیا ہوں، کس شخصوں نے ایسا نہیں کیا ہوگا، کوکر کو اس نے تسلیم نہیں کیا ہوگا، اس کا دل بھی ایک آئینہ ہے، وہی جس سے کھتا ہوگا، جیسے پیر دل کتا ہے۔ مولوی صاحب نے بیٹے کے لیے اسے طرح طرح کے اسرے دیے ہیں گے لیکن وہ ایک ہی اسرے پر زندہ تھی اپنے اسرے پر۔

زیر نوحے بہت بعد میں ملی تھی، نہ ہر سے ملنے سے پہلے ہی میں اس کے بالے یہ سب کچھ جانتا تھا، میرے یقین ہی میری زندگی تھا، مولوی صاحب اسے دور دور لے چکے تھے، رہیں سات سمت نہ پالے جا میں۔ ایک دن انھیں میری یاد ضرور آئے گی، ایک دن وہ خود ڈھال ہو جائیں گے، وہ کوکر پر ایک سب سے بڑی مہربانی ضرور کریں گے جسے اب تک وہ نہیں سمجھتے تھے اور سمجھتے تھے تو اپنے آپ سے خد کہہ رہے تھے۔ بے شک انھیں کراہت عزیز برکتی تھی، ان کا بھی زندگی میں کوئی پناہ نہیں تھا۔ ایک کور ملی تھی اور کوکر کو ان تھی وہ جو مرے سر پر ایک نور تھی، اس کا چہرہ چمکتا رہتا تھا، ان کی دگر کوئی بھی ہوتا تو اسے اتنی عزیز رکھتا، اب آج ان ہی تھے جنھوں نے اس کی قدر نہیں کی، جب وہ گھر آئی تھی تو میں نے بے ساختہ کہا تھا، بالکل گویا ہے، جی چاہتا ہے طاق میں حملہ لکھ دوں اور اس دیکھتی رہیں، اتنی کبھی وہ اتنی اچھی لگی تھی کہ انھوں نے بڑی طرح اس کی بلا میں انھیں چشمہ بدوز، خدا نظر ہے، بدلے۔ یہ کہتے کہتے ان کی زبان میں نکلتی تھی، اب آج ان کے ذرا تحمل کر لیتے تو دیکھتے، وہ قہقہے سے زائد ان کی خدمت کرتی، انھیں اپنے بیٹوں بیٹیوں سے زائد وہ باری ہوئی، اب آج ان کے اس کی طرف نگاہ ہر کے دیکھا ہی نہیں، اتنا بھی نہ سوچا کہ وہ ان کی بنیاد میں آئی ہے، اس کا کوئی نہیں ہے، وہ بے سہارا لڑکی ان کے گھر کو اپنا گھر سمجھ کے راتوں رات بڈھ گیا ہے، بھاگتی ہوئی آئی ہے، اس نے کچھ سمجھا ہوگا، کبھی اس طرف کا رخ کیا، ایسے کوں کسی کے گھر آتا ہے، اب آج ان کو اس کا نہیں تو کم از کم میری پاس رکھنا چاہیے تھا، میں بھی اسی گھر کا ایک فرد تھا، بس کسی کو اپنی مرضی سے اپنے گھر میں رکھنے کا حق نہیں تھا؟ اب آج ان کو اس کا رہنا مناسب نہیں سمجھتے تھے تو کیوں اور بیچ دیتے۔ زمین اتنی تنگ نہیں تھی۔ وہ جانتے تو اس کے لیے ایک گھر بنا سکتے تھے۔ وہ خالی ہاتھ نہیں آئی تھی اپنے ساتھ دولت بھی لائی تھی، جیسے جوا ہر سے بھری ہوئی، اس کے لیے جوا آج ان میں نہیں کر کے، وہ مولوی صاحب ایک اپنی آدمی نہ کیا۔

مولوی صاحب ایک بار میری ٹوہ لے کے تو دیکھتے کہ میری

گروں کتنی جھکی ہوئی ہے مجھ سے ان کے سامنے نگاہیں بھی نہیں اٹھانی جا سکیں گی میں نے ان کا سکہ زمین چھین لیا تھا انھوں نے اس کے لیے کتنی پریشانی اٹھائی تھیں ساری زندگی اس پریشان کردی تھی زلے نے جس کی گھاہوں سے اُسے بچائے رکھے ہوئے تھے میرے پاس ان کے احسانات کا کوئی بل نہیں تھا۔ مولوی صاحب نہ ہوتے تو آج وہ کہاں ہوتی انھیں سپہوں کی کوئی ہنگی پرکھتی تھی کہ وہ مراد آباد میں اپنی آبائی زمین اور مکان بیچنے آئے تھے اس مکان اور زمین سے انھیں کیا ملا ہوگا چند بار رپے کا کام بھی وہ ایسا دیا نہیں کر سکتے تھے، ہر وقت انھیں دھڑکا لگا رہتا ہوگا۔ رانا متاب کے واقعے کے بعد وہ اُسے ایک لٹھے کے لیے تنہا چھوڑنا نہیں چاہتے ہیں گے لیکن گھر ملانے کے لیے انھیں گھر سے باہر نکلتا پڑتا ہوگا۔ جبکہ بھی جسم ملائے بغیر نہیں ملتی۔ میان میری جیب میں خزانے کی کئی رکھی تھی، کرشنا جی کی ساری دولت جمل کی تولیہ بنیک میں پڑی تھی۔ میں نے صرف تین سال کے ساتھ سزار پڑنے کی رقم خرچ کی تھی شہ پارے کے لیے دی جانے والی رقم کرمن بیک کے نصیب میں ہی رہی تھی کانتے نے مجھے بھروسہ دلا دینے کی ایک راپیں کو دیا تھا اور گلنے کے بنک میں جمع کیے جانے والے رپے میں سے ایک پانی بھی خرچ نہیں کی تھی۔ کرشنا جی نے یہ سب میرے لیے کیا تھا میرے سوا کوئی اس کا مالک تھا انہیں تھا ان کی رزق بھی اس بات سے خوش ہوئی کہ وہ رپے میں نے خود پر خرچ کیے ہیں میرے ہی سکہ لیے انھوں نے ایسا کیا تھا جس وقت انھوں نے وصیت لکھوائی تھی ان کی مال زمرہ فیس لیکن اپنی ماں کے نام انھوں نے کچھ نہیں لکھوایا اس لیے کہ وہ ان کے لیے اپنی جگہ ایک اور بیٹا چھوڑ کے جا رہے تھے انھیں یقین ہوگا کہ ان کے بعد میں ان کی ماں کی خدمت میں کوئی ورثہ نہیں کروں گا۔ کرشنا جی کی طرح ان کی ماں نے بھی مجھے اس کا موقع نہیں دیا۔ وہ مجھ پر اتنا بار بوجھ لاد کے چلے گئے تھے۔ پڑتیں کہیں، جب انھیں معلوم تھا کہ مجھے پیسے خرچ کرنا نہیں آتا اور بہت سی چیزیں پسوں سے خریدی بھی نہیں جا سکتیں میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں ان روپوں کو کیا کروں۔ بڑی میں رکھی ہوئی چیک بک مجھے بہت بوجھ لگتی تھی مولوی صاحب ہوتے تو میں یہ سب ان کے حوالے کر دیتا۔ کرا کی امانت رکھنے کے معاملے کے طور پر نہیں اس کا تو معادہ ہی نہیں ہو سکتا اس کے لیے تو کرشنا جی کی دولت کیا، تافان کا خزانہ بھی بیچ ہے پس جیسے کرشنا جی کا بھی چاہتا کہ وہ چلتے وقت میرے نام یہ سب کرا میں ہیرا بھی ہی چاہتا تھا کرشنا جی

نے مجھے اپنی جان بچانے کا معادہ نہیں دیا تھا۔ وہ مجھے اپنا عزیز اپنا بھائی سمجھتے تھے میں بھی مولوی صاحب کو اپنے آبا جی ان کرشنا جی اور چٹل کی طرح سمجھتا تھا۔ ایک بار وہ شکر کے جھگڑے، آزمائش ہی میں ہی کرکھ سے دُور دُور کے تو انھیں مجھ سے اتنی بالوری نہ ہوتی میں ان کا دست بازو ہی بننا چھڑا انھیں سر چھیلنے کے لیے جی بستی کو پھرنے کے لیے خفا نہ بچا نہ پڑی۔ وہ دیکھتے تو کسی کے کتنے لگ انھیں بلوں پر بچنا تھے ہیں۔ کوئی اور نہ ہوتا تو میں اکیلا بہت تھا میں انھیں کوئی کام نہ کرنے دیتا میرے بازوؤں میں منوں بوجھ اٹھانے کی طاقت ہے۔ کچھ اور نہیں تو میں مزدوری ہی کر سکتا ہوں، میرے ہاتھ پر کسی کی وجہ سے بندھے ہوئے ہیں مجھ سے کوئی کام ہی نہیں ہوتا ورنہ میں کیا نہیں کر سکتا کرشنا جی کی دولت ایک اتفاق ہے۔ میں نے اس کی طلب کی تھی نہ مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بغیر بھی میں کچھ کرنے کی ضرورت بہت اہمیت ضرور رکھتا ہوں، میرے ہاتھ کتنے مٹے تو نہیں ہیں۔

شاہد مولوی صاحب کو یہی گمان ہو گیا تھا کہ میں کرکھ کو ان سے جدا کر دوں گا میں ایسا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجھے اتنا محظوظ ہے جس سے اور تنگ دل کیوں سمجھتے تھے۔ وہ مجھ پر ہی نہیں کرکھ کو پھر میرے کہہ تھے کیا اتنے دنوں تک وہ نہیں جان سکے تھے کہ کرکھ اپنی بھی نہیں ہے۔ وہ اس کے لیے بہترین لباس فدا میں فرام کر سکتے ہیں مگر کیا وہ اس کے ہونٹوں کے لیے لکڑی کاٹ اور اس کی آنکھوں کے لیے چمک بھی تیار کر سکتے ہیں انھیں کرکھ کا اس قدر خیال ہے تو ایک سامنے کی بات ان کی فطرت میں کیوں نہیں آ رہی ہے میری صورت میری ہیبت کرکھ کے لیے کوئی منیبت نہیں رکھتی میں اچھا ہوں بازو، میرے چہرے پر سیاہی ملی ہوئی ہے یا سفیدی میں جل سے جانور کیوں کے نکلا ہوں یا آدمی۔ میں مہیا بھی ہوں وہ مجھے اپنی قسمت سمجھ کے قبول کر لے گی اور یہی حال میرا ہے، اگر مجھ سے یہ معلوم ہوگا کہ وقت نے کرکھ کی شکل بگاڑ دی ہے وہ سب کچھ بھول گئی ہے مولوی صاحب نے اُن کا ہاتھ ارشد کے ہاتھ میں دے دیا ہے باوجود رانا متاب کے عمل میں حکومت کرتی ہے تو میں یہ سب اپنی قسمت کا لکھا مجھ کے قبول کر لیتا۔ وہ جہاں ہوتی، یہی ہوتی میرے لیے تو یہی تھی۔ اس کا میرا کوئی مول تول کرکھ تہ نہیں تھا کہ اگر میں ہے تو اس کا جواب لیں ہوگا، میری آنکھوں سے بنائی جلی جائے گی تو وہ مجھے اپنا سمجھ کے ستر کر دے گی، وہ میری دسترس سے دُور ہوجائے گی تو اس کی تصویر میرے سینے میں دھندلی پڑ جائے گی۔

میری سفیدی پر اس کی سفیدی کا انحصار نہیں تھا مولوی صاحب کو زندگی میں کرکھ کی طرح کوئی شخص نہیں ملا تھا تو یہ میری بات کی غلطی نہیں تھی۔ اب تو سب کچھ ان کے سامنے تھا۔ کون انھیں جاکے بتا تا کہ ایک دن میں ایک برس نہیں اب نو برس سے اوپر ہو چکے ہیں۔ جیل میں تو مجبوری تھی لیکن جیل سے باہر ایک ایک بل مجھے ڈسٹا رہا ہے۔ میں نے انھیں گلی گلی ڈھونڈا ہے کمان کمان میں کیا ہوں، میرے پردوں میں چھانے تک بگڑے ہوئے انھیں اس کی پرچھا میں ہی نہ دیکھ سکیں۔ کون ان سے جاکے کتنا کر میری رگوں میں ہر وقت کھول ہوتی رہتی ہے، جی اٹا اٹا رہتا ہے سوچتا ہے ہوں ہو کچھ جاتا ہے میں اپنے آپ کو بہت سمجھتا ہوں لیکن دوسرے ہی لئے سب بھول جاتا ہوں یہی میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو خوب طراپے ماروں اپنا جسم کھینچے میں کس لوں کسی کنوں میں چھلا لگ لگا دوں یا ریل کے پیچھے آ جاؤں مجھے موت بھی نہیں آتی۔ کتنے لوگ میری وجہ سے پریشان رہتے ہیں اور مجھ سے کسی سے بدھے منہ بات بھی نہیں ہوتی۔ وہ سب بہت اچھے ہیں جو مجھے نہ جانے کیا سمجھ کے معاف کر دیتے ہیں۔ تین میری خاطر کتنی رہتی ہے۔ نیناں میرے لیے جب دیکھو، ہلے پریشانی رکھتی رہتی ہے، بھولیں کرکھ ایک خط بھی نہ لکھ سکا مولوی صاحب کچھ اور نہیں تو مجھے ایک جیجی زیر رہی بیچ دیتے، ایک بار میرے سامنے آ کے پھر اگھوپ دیتے۔ کون میری طرف سے جاکے ان کے آگے ہاتھ جوڑے کہ وہ میری خطا میں معاف کر لیں۔ خدایا اپنے ذہن کو معاف کر دیتا ہے۔ گاڑی پر دفعتاً میری دلی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

میں کھڑکی پر سر نکاتے سے دُور دُور بچتا تھا۔ مجھے پتہ ہی نہ تھا کہ کتنے شیش آئے اور گزر گئے ہیں میرے سر میں بھی کوئی ریل سی چل رہی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر بعد کسی نے میری پشت پر تھپکی دی میں بڑبڑا گیا۔ مارٹی ہاتھ میں چائے کا گلاس لیے سامنے کھڑا تھا اور آبا جان سمیت اُن سب کی نگاہیں بھی پریشان لاری نہیں ڈرتے ہیں روشنی بہت کم ہو گئی تھی۔ گاڑی کسی اسٹیشن پر ٹھہری ہوئی تھی پلیٹ فارم پر اُترتا ہوا شہر ڈرتے میں گرج رہا تھا میں سمجھا، دلی آگئی ہے میں نے سٹ پٹا ہے ہوتے لیے میں مارٹی سے پوچھا وہ پلیٹ چمکانے لگا۔

دلی آگئی دُور ہے راجا ستاؤ اس نے چائے کا گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔ ابھی اید گڑھ کیشن پڑتا ہے مجھے مارٹی کی بات کا یقین نہیں آتا لیکن دلی آجاتی تو وہ سب اُترنے کی جلدی کرتے۔ گر ماراد آباد سے دلی کا دُور فاصلہ

ابھی باقی تھا میں نے مارٹی کے ہاتھ سے چائے کا گلاس لے لیا۔ منع کرتا تو وہ فضل میں صبر کر کے لگا۔ میرے مقابل کی نشست پر دُور سے ٹپک لگائے آبا جان نیم دراز تھے۔ پورا ان کے پاس بیٹھا تھا۔ زلہ دراز سے پھر کھڑا تھا ماراد آباد سے چلنے والے دونوں مسافر اب ڈرتے ہیں مجبوری نہیں تھے۔ میں نے چائے ختم نہیں کی تھی کہ چہرہ آٹھ کے میرے پاس آ گیا اور میری گود میں بازو ڈال کے مجھے چوتھے لگا میں کسمکے رہ گیا۔ ابھی کیا سوچتا ہے لاڈ لے جانی؟ چہرہ مجھ کے گدگداتے ہوئے سرگوشی میں بولا۔

میں سر جھکائے خاموش رہا۔
 "اپنے کو تینوں بولے گا؟" وہ شکایتی لہجے میں بولا۔
 میرے دل میں آبا پھر سے کھڑے کھول اچھا ہے اسے بتلانا چاہیے کہ میں دلی سے اُن کے ساتھ جانے کے بجائے حیدر آباد جانے والی گاڑی میں بیٹھ جاؤں گا۔ حیدر آباد سے میری زیادہ دُور نہیں ہے۔ اُن کے پیچھے کے دوپٹے زلہ بعد میں خود وہاں پہنچ جائے گا۔ چہرہ کہہ دیتے ہیں کوئی حرج نہیں ہے۔ وہ آبا جان سے کوئی ہی غدار کر دے گا لیکن وہ ان سے اید کرکھ کرکھ ہے۔ فیض آباد میں ماراد آباد کوئی ارادہ نہیں تھا۔ آبا جان میرے اچھا کہ راستہ بدل دیتے اور ساتھ چھوڑ دے جاتے بہت حیران ہوں گے۔ وہ چہرے سے طرح طرح کے سوال کر لیں گے۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ خاموش ہوجاتے مگر اب وہ بہت شش و پنج میں پڑ جائیں گے۔ لڑکچہ کہیں گے نہیں تو ان کے دل میں بے شمار دُور سے پیدا ہوں گے۔ یہ بہت عجیب بات ہے، نورمال بعد جانی ہمنوں کو دیکھنے کی صورت پیدا ہوتی ہے اور میں جا رہا ہوں۔ آبا جان کو خود بھی فرح، فریال، فارہہ اور ابکی متاثر دیکھنے کے بہت بے چینی ہوگی۔ نورمال سے وہ جس دن کی آرزو کر رہے تھے، وہ دن قریب ہی تھا۔ اب وہ دن آنے میں بے غلام کوئی رکاوٹ نہیں تھی، جہاں گرجی، غفل میں کیا تھا۔ اتنی اور فنی نہیں بہت یاد آ رہی ہیں گی۔ آبا جان جاں گیر کبھی فیض آباد سے ساتھ لے جانا چاہتے تھے۔ جھلنے روک دیا۔ ہر حال میں ساتھ تھا۔ فرح، فریال، فارہہ اور ابکی کے لیے میں چرکا ہوں گا۔ مجھے اچھا کہ اپنے سامنے دیکھ کے اُن کی حیرت اور ستر کا ٹھکانا نہیں ہوگا۔ آبا جان مجھے اُن کے سامنے لے جانے کے پلے پسلیاں بھجوائیں گے کہ پھانو، پیکروں ہے۔ کچھ یاد آتا ہے کہ کہیں دیکھا ہے شاید فرح پھان لے یا بھی، جہاں گرجی نہیں تھے میں پھان پالا تھا۔ آبا جان کی اس وقت ایک ہی تمنا ہوگی کہ جلد سے جلد میری بیٹی بیچ کے مجھے اُن کے سامنے کھڑا کر دیں۔ یہ منظر دیکھنے کے لیے اُن کی آنکھیں ترس رہی ہوں گی۔ درمیان میں سر جھک جانے سے

انہیں بے مداخلت ہوگی۔ پیرو انہیں مطمئن کرنے کی ہرگز کوئی
 کوشش نہ کی کہ لیکن ظاہر ہے وہ اتنی آسانی سے مطمئن نہیں ہوں گے۔
 کاش میں خود ان سے کہہ سکتا کہ صرف دو دن کے لیے مجھے اجازت
 دے دیجیے میری انہیں بھی ان سب کے چہرے دیکھنے کے لیے
 بے تاب ہیں شاید انہیں اس سے زیادہ فیض آباد میں دیکھنے کے لیے
 تھے اور یہی جاننے کے آثار نظر نہیں آتے تھے تو سب سے زیادہ
 بے گلی گھی کر ہو رہی تھی۔ بی بی میں مولوی اکرام کے فلیٹ پر میں کئی
 بار جا چکا تھا کہ شہناجی نے سالہ ہندوستان کے تھانوں میں کشتی
 خطر دانہ کھینے تھے۔ انہی خطوط کے نتیجے میں اباجان کا سرخ ل
 دکھا تھا۔ اباجان نے مجھے نہیں ڈھونڈا مگر میں نے بھل کر شہناجی
 نے اس کی نظر لگانے انہیں ڈھونڈا تھا۔ سلطان، سولہ جینی، بلٹو،
 وزیر، مشن میاں، پیرو، زور، مارٹی، بالاکو، سبھی اس میں شامل تھے۔
 کتنے خاں کا سنتے اور بہت سے گرگ، میو، غور کیا بلانے کو رہے۔
 ہم اباجان ہی کی وجہ سے تبت گئے تھے۔ یہاں بھی جہاں جہاں
 میں اور فیل جاتے تھے، مولوی صاحب کے ساتھ انہیں بھی پوچھتے
 تھے۔ بی بی میں جو بریل کے پاس جہاں وہ کر کے لائے ہوئے تھے
 جواہر پتھتے تھے میں نے اور کشتی شہناجی نے ان سے آن کا پتہ مل
 کرنے کے لیے کیا کیا جن کی تھے۔ ممکن ہے اباجان کو بھلنے کے لیے
 بتایا ہو مگر میں نے کوئی دُر کوئی گھر نہیں چھوڑا تھا۔ فیض آباد میں مجھے
 اگر ذرا سی جھنگ مل جاتی کہ فرخ، فریال، وزیر، بی بی میں مولوی اکرام
 کے فلیٹ میں ہیں تو میں شاید کسی سے کہہ بیٹھتا تھا۔ اباجان میں
 اتنی دیر نہ ٹھہرتا تھے اپنی انہی بارہ مصفت فرخ اور جیوری انہوں
 جھولے بالوں والی فریال کو گھر لگانے کے لیے اباجان سے زیادہ حیرت تھی۔
 مجھے پہلے انہی کے پاس جانا چاہیے تھا۔ یقیناً میں دو دن
 بعد بھی بی بی سے حیدر آباد جا سکتا ہوں لیکن دو دن کیا، مجھ سے تو
 ایک لمحہ بھی نہیں گزرا اور اجازت۔ ایسی صورت میں میں انہیں کیا دیکھ
 سکوں گا اور ان سے کیا بات کر سکوں گا۔ مجھے ہر لمحے حیدر آباد کا
 خیال ہے گا۔ اتنے عرصے بعد تو مولوی صاحب کا کوئی نشان ملا تھا۔
 ان کا کوئی جھوسا نہیں کر کے وہ اپنا گھر چھوڑنے کا ارادہ کر لیں کسی
 اور طرف نکل جائیں۔ جہاں تک میرے امکان میں ہے مجھے
 کسی تاخیر کے بغیر سفر اٹھانے کے بہتر پروانہ چاہیے ہے۔
 چاہیے۔ مجھے ایک طرف سے تسلی ہو گئی تھی کہ فرخ فریال وزیر
 مولوی اکرام کے ساتھ ایک گھر میں محفوظ ہیں۔ اباجان ان کا انتظام
 کر کے یہ تبت کے سفر کو مکمل تھے اور اب اباجان انہی کے پاس
 واپس جا رہے تھے۔ پیرو، زور، مارٹی بھی ان کے ساتھ تھے۔ ایک
 میرے نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مجھے ان سب سے بچھڑنے

ہوئے جہاں اتنے برس گزر گئے ہیں وہاں دو دن اور سی جب
 تک میں وہاں پہنچ نہ پاؤں۔ بہتر ہے اباجان ان سے میرا تذکرہ ہی
 نہ کریں۔ اور حیدر آباد میں وہ بہت اہلی ہوگی۔ فرخ، فریال کو میرا
 انتظار نہیں ہے۔ انہیں میرے لیے میں کوئی علم ہی نہیں لیکن وہ تو
 اپنی آہٹ پر بھی چونک جاتی ہوگی۔ فرخ، فریال ایک دوسرے کے
 ساتھ ہیں اس کا وہاں کوئی بھی ہم زبان نہیں سمجھ سکتے۔ زور
 کتنی تھی کہ وہ کسی کو اپنا حال نہیں بتاتی کسی سے کوئی شکایت نہیں
 کرتی۔ مولوی صاحب کی دیوار کے سامنے کے باوجود وہ بے سایہ
 تھی، برقی ہرل اس کی اس بندھتی ٹوٹ جاتی ہوگی۔ اباجان کو
 نہیں معلوم کہ وہ کون ہے۔ میں انہیں کیا بتاؤں کہ وہ یہ لوگ ہے
 جسے انہوں نے اپنے گھر میں پناہ دینے میں مل جھگڑائی تھی اور
 جس کے لیے میں گھر سے چلا آیا تھا۔ اس کے لیے میں نے پورے
 سات سال جیل میں کاٹے تھے۔ اباجان کی وہ کوئی نہیں ہوتی
 تھی لیکن میرے لیے سبھی کچھ تھی۔ اباجان نے اب تک نہیں سمجھا تھا
 تو انہیں اب سمجھ لینا چاہیے کہ میں اس کے بغیر شاید کچھ بھی نہیں
 ہوں۔ وہ مجھ سے دوسرے، مجھ سے الگ نہیں۔ میں اس کا کوئی روپ
 مہل یادہ میرا دوسرا روپ ہے۔
 پیرو میرے پاس ہی بیٹھا تھا لیکن میں اس سے حیدر آباد
 جانے کے متعلق اپنے اپنے ارادے کا ذکر کرتے کرتے رہ جاتا تھا۔ سامنے
 اباجان کی نظر بھی پوچھی ہوئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے انہیں میرے
 بالے میں کچھ شبہ ہو گیا ہے یا میرا وہ تھا۔ وہ انہیں کھولے
 کسی سوچ میں گم تھے اور ایک دم چونک کے میری طرف دیکھنے
 لگے تھے۔ میں ان کے سامنے پیرو سے کوئی بات کرنا اور بعد میں
 پیرو ان سے میرے حیدر آباد جانے کا کوئی جواز پیش کرنا تو وہ
 فرما سمجھ جاتے کہ پیرو کو میں نے مجبور کیا ہے۔ پیرو کا کوئی کام نہیں
 میرا ہی کام ہے۔ میں نے انتظار کیا کہ اباجان کی توجہ کسی دوسری
 جانب مبذول ہو تو میں پیرو کو بتاؤں۔ ہاؤز اسٹیشن بھی آگے گزر
 گیا۔ ہاؤز آگے کا مطلب تھا کہ دلی صرف تیس میل دُور رہی
 ہے۔ ڈیڑے میں ہم رشتی کے قفقہ روشن ہو گئے تھے اور کھڑکی سے
 باہر بچہ نظر آنا مشکل ہو گیا تھا۔ گروہ نکیشہ کا پل عبور کرنے کے بعد
 گاڑی کی رفتار کسی دیر نہ گزشتہ چڑھی تھی۔ غازی آباد بھی آگیا۔
 اباجان نے ایک پل کے لیے ٹھہر کر دیکھا تھا۔ اور گاڑی دلی کی
 حدود میں داخل ہو گئی۔ اب ایک ہی صورت تھی، اگر پیرو سے کوئی
 بات کرنے کا موقع نہیں ملتا تو زور اور مارٹی کو سمجھا کے میں دلی
 اسٹیشن ہی پر کہیں گم ہو جاتا، دلی اسٹیشن بہت بڑا ہے، میں
 دلی جہم میں کل مل سکتا ہوں۔ میری جیب میں ایک دو روپے

ہی پڑے تھے لیکن روپوں کے بغیر مجھے اپنا سفر کسی دیکسی
 طرح جاری رکھنا تھا۔
 دلی اسٹیشن پر میرے قدم ایک سے لپے تھے۔ دلی ٹرین لٹ
 فلام پگڑی آگے ٹھیری تھی۔ رات کے ساڑھے آٹھ بجے تھے۔
 مارا اسٹیشن روٹیشن سے جگہ گارہا تھا اور ہر طرف گاڑیوں کی ماروا
 قلیوں کا شور مچ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ رات دس بجے کے
 قریب حیدر آباد کے لیے گاڑی جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے اس دوران
 وقت تبدیل ہو گیا ہو تاہم میں ناگ پور تک جانے والی کسی گاڑی
 میں بیٹھ سکتا تھا یا ایسی کسی گاڑی میں جو اورنگ آباد تک جائے۔
 ایسی ایک گاڑی جو بال اور منار سے گزرتی ہوئی بی بی تک جاتی
 تھی اور منار سے مجھے اورنگ آباد اور حیدر آباد کے لیے دوسری
 گاڑی مل سکتی تھیں۔ اباجان چند قدم آگے بڑھ گئے تھے۔ مارٹی اور
 زور غرق سامان کے ساتھ ان کے ہمراہ تھے۔ میں کچھ دیر تک ان کے
 پیچھے پیچھے پیرو کے ساتھ ملتا رہا۔ جب وہ کچھ اور آگے گئے تو
 میں نے پیرو کا ہاتھ پکڑ کے آہنگی سے کہا۔ دادا! بس۔ ایک
 بات کرنی ہے۔
 پیرو ایک ٹانہ کے لیے رُک گیا اور میری طرف متوجہ
 نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ ابن جاننا ہے تو ابھی کون سی بات
 بولنا چاہتا ہے۔
 ”تم کیا جانتے ہو؟ میں نے مضطرب لہجے میں کہا۔
 ”تم ایسا کہہ کر مجھے نہیں جانے گا راجا!“
 ”دادا!“ میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔
 ”وہ مجھے سینے سے چمکتے ہوئے بولا۔ ابن جاننا ہے۔“
 ”دادا! میرا وہ جانا ضروری ہے۔ میری آواز بھڑکنی۔
 ”وہ سر ہلانے لگا۔ ابن بھی مجھے ساتھ چلے گا۔“
 ”نہیں دادا! تم اباجان کے ساتھ جاؤ۔ میں تم سے دُور
 کرتا ہوں جلدی واپس آ جاؤں گا، دیر بالکل نہیں کروں گا۔ تم اباجان
 سے کوئی بنا نہ کرو۔ میری طرف سے مت کہنا۔“
 ”ابن نے بڑے صاحب سے بول دیا ہے۔“
 ”تم نے تم نے ان سے بات کر لی ہے؟“
 ”دلی سے پہلے ہی اس کو بولنا تھا۔“
 ”تم نے ان سے کیا کہا؟“
 ”ہل جا راجا! وہ تک کے بولا۔ ابن نے بولا۔ ابھی تم زور
 اور مارٹی کے ساتھ بیٹھا ہو بی بی جانو۔ ابن ٹرٹ کے آگے ہے۔“
 ”مجھ وہ کیا بولے؟ میں نے ہلکا سے ہنسنے لگا۔
 ”خود زور اور پیرو چپ رہا پھر بولا۔ ٹھیک ہے۔ ابن بھی بھڑا

ساتھ چلے گا۔“
 ”نہیں، نہیں۔“
 ”ابن نے منع کر دیا۔ پروہ بولا، ابھی سب ساتھ ساتھ ہی بی بی
 چلے گا۔ دلی میں دن سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دلی میں دن بعد اپن
 لگ بی بی پہنچ سکتا ہے۔“
 ”مگر تم نے ان سے کس طرح کہا تھا؟“
 ”وہی جواب دیا تھا ہے۔“
 ”میرا تو نہیں بتایا تھا؟“
 ”اس نے مجھے آگے کی طرف دھکا دیا۔ اباجان زور اور
 مارٹی آگے مسافروں میں گم ہو گئے تھے۔ ابھی خود بہت چلتا
 ہے۔ وہ اپنے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔
 ”دادا! دادا! میں نے اسے دیکھنے کی کوشش کی۔ میری
 بات سنو۔“
 ”گاڑی کا ٹیم نکلا پڑتا ہے راجا!“
 ”پہلے میری ایک بات سن لو۔“
 ”وہ بھڑکا۔ ابھی سب ٹھیک ہے راجا!“
 ”دادا! ان سے کہو وہ چلے جائیں۔ ان کا ہالے ساتھ جانا
 مناسب نہیں ہے۔ میں نے عاجزی سے کہا۔
 ”ابن اس سے ایسا نہیں بول سکتا۔“
 ”انہیں وہاں نہیں جانا چاہیے۔ اتنے بہت سے لوگوں کے
 چلنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ میں کتنا ہوں تم بھی مت جاؤ۔
 خواہ غمخوار تم سب پریشان ہو گے تم سمجھتے کیوں نہیں؟“
 ”ابن سب بھڑکتا ہے۔ وہ ناراضی سے بولا۔
 ”میں کوئی غلط بات نہیں کہہ رہا ہوں۔ میرا راز سب کا
 دلیا جانا بالکل لامحل ہے۔ تم بھی تنگ ہو گے۔ مجھ پر بھی بوجھ
 ہے گا کیا پھر... پھر ایسا کہ صرف تھی اور ان سب کو بی بی
 کی گاڑی میں بٹھا دو۔“
 ”وہ لگ نہیں مانے گا راجا! ابن نے بول کے دیکھا ہے۔“
 ”لیکن تم، تم، تم...“
 ”ابھی آؤ اور جا کے دیکھو گا۔ پہلے ایڈر سے نکلو۔“
 ”ٹھیک ہے پھر میں بھی بی بی چلتا ہوں۔“
 ”پیرو میری بات سننی انہی کرتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ اباجان
 زور اور مارٹی ہالے سے انتظار میں آگے جا کے رُک گئے تھے۔ ہم
 ان کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ حیدر آباد جانے والی گاڑی راز
 ہونے میں کچھ ہی دیر باقی ہے۔ میں نے ان کے پیچھے پیچھے ہو کر
 دلی سے جہاں جانا چاہا لیکن پیرو میرے ساتھ ساتھ ہی رہا۔

پر کے زور اور مارٹی۔ برتھ پر آ کے میں نے جیسے ہی انھیں بوئیں
کی کرکشن کی، میرا دل ڈوبنے لگا جیسے میں کہیں گرنے لگا ہوں،
میں نے پھر آنکھیں بند ہی نہیں کیں۔

رات کے سنائے میں گاڑی کا شور بڑھ گیا تھا۔ آواز بہت
تیز تھی۔ ڈبے میں ہلکی روشنی کا بلب روشن کر دیا گیا تھا۔ پیر، زور
اور مارٹی جلد ہی بے سدھ ہو گئے۔ گاڑی چلے ہوئے دیر ہو گئی
تھی، اوپر میری طبیعت بہت گھبرانے لگی تو میں نے نیچے اترنے

کا ارادہ کیا مگر سب کی نیندیں بے عمل پڑنے کے خیال سے وہیں پڑا
رہا۔ مجھے جس سانسوس ہو رہا تھا۔ نیچے ایک عورت بھی موجود تھی۔
میرا اترنا بے بھی مناسب نہیں تھا۔ ظاہر ہے میں اباجان ہی کی بچہ
پر حمل کے بچہ سکتا تھا۔ اپنی دو برتھوں پر نوجوان اور لڑکی آرا کر رہے
تھے۔ اسی دوران کسی لمحے میں نے کوٹ بدلی تو میری نظریں ابھی
اُس لڑکی پر گئیں جو نیچے میری برتھ کے عین مقابل لیٹی تھی۔ وہ بھی
جاگ رہی تھی۔ ہم روشنی کے باوجود میں اُس کا سانولا چرواچی طرح
دیکھ سکتا تھا۔ اسے فوراً احساس ہو گیا کہ کوئی اُس کی جانب دیکھ رہا
ہے۔ ایک ٹانجے کے لیے اُس کے سائے بدن میں ایک لمبی
کوندی۔ وہ چادر اوڑھے ہوئے تھی، اُس نے اپنا منہ چشم زدن
میں دوسری طرف پھیر لیا۔ مجھے چھری گمان ہوا جو اسے پہلے بار دیکھ کے
ہوا تھا۔ میں نے یقیناً اسے پہلے کیس دیکھا تھا۔ کمال اور کب؟ یہ کچھ
پاؤنڈس آ رہا تھا۔ میں نے ذہن پر بہت زور دیا۔ ایک بار نہیں کسی
بار میں نے اُسے دیکھا تھا۔ پھر کیا یک لمحے یاد آیا۔ ہونہ ہو یہ سونیا
ہے سونیا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ جیل میں میں نے انہماکات جیتے
م شروع کیے تھے اور الف لے میں اول آیا تھا تو جیلر صاحب اتنے
خوش ہوئے کہ مجھے جوبی بچوں سے ملانے اپنے گھر لے گئے۔
اُن کے گھر والے مجھے دیکھ کے سسمے ہوئے تھے۔ جیلر صاحب نے
انھیں بتایا یہ ہے وہ قیدی لاؤلا۔ نام اس کا خیر غاں ہے مگر جیل
میں سب اسے لاؤلا کہتے ہیں۔ بعد میں اُن کے گھر کا نام
آنے جانے لگا تھا، جیلر صاحب میری تعلیم میں خاصی دلچسپی لیتے
تھے۔ ہر امتحان میں اول آنے پر وہ انعام میں مجھے کتابوں کا
تحفہ دیا کرتے تھے۔ وہ جیلر صاحب کی لڑکی سونیا تھی۔

نے جیب سے روپے کمال کے مارٹی اور زور کو روپے ادا نہیں
پلیٹ نام پر کھڑے ہوئے ٹی ٹی سے ٹکٹ کی تبدیلی کے متعلق
معلومات کرنے کی ہدایت کی۔ اُن کے واپس آنے سے پہلے ہم
فرسٹ کلاس کے ایک ڈبے میں بیٹھ گئے تھے۔ میں نے باہر
ڈوبوں پر لگی ہوئی تختیوں میں حیدر آباد کا نام دیکھ لیا تھا۔ اب کہنے
سننے سے کچھ حاصل نہیں تھا۔ غور ڈی دیر میں گاڑی بھی چل پڑی۔
میرے جسم پر بدعشتہ سا طاری تھا۔

آج کی رات کل کا پران دل کل کی ساری رات بچہ کیس
دوسرے دن دوپہر کو یہ سفر ختم ہونا تھا۔ درمیان میں گاڑی لیٹ
ہو جانے تو نا اہی ہو سکتی تھی رات بھی۔ ریل گاڑی کے سوا اور
کوئی تیز تر ذریعہ نہیں تھا۔ دلی اسٹیشن کے دودھ ہوتے ہی انھوں
نے فرش پر جا کر بچہ کے کھانا لگا دیا۔ انھوں نے مجھ سے کہا تو میں
بھی اُن کے ساتھ فرش پر آ گیا۔ صبح فیض آباد سے چلتے ہوئے ریل
نے اتنا بہت سا کھانا ساتھ کر دیا تھا کہ دوپہر کو کھانے کے باوجود
باقی رو گیا تھا۔ شاید میری طرح کسی کو بھوک نہیں لگ رہی تھی اباجان
نے چنے چنے لیے ہوں گے کہ ہاتھ کھینچ لیا۔ میں اُن سب کے خیال
سے بیٹھا دل نالوے صلیق میں ایک رہے تھے۔ نیساں نے میٹھے چاول
بطور خاص میرے لیے پکاے تھے۔ مجھ سے وہ بھی نہیں کھائے گئے۔
انھوں نے جیسے ہی کھانا سمیٹا، میں اوپر کی برتھ پر جا کے لیٹ گیا۔
اباجان میری برتھ کے عین نیچے تھے اس لیے نہ وہ مجھے دیکھ سکتے
تھے نہ میں انھیں۔ ڈبے میں چھ مسافروں کی گنگنائش تھی۔ دو پہلے
سے موجود تھے۔ ایک خوش پوش جہت مند سالو لے رنگ اور
بھرے ہوئے چہرے کا نوجوان۔ دوسری اُس کے ساتھ سونے مہی
رنگت، لکڑی چہرے کی ایک لڑکی۔ اُس نے کاسنی ساڑی پہن رکھی
تھی۔ کانٹن میں سفید آؤریسے لٹک رہے تھے، گلے میں ہار، ہاتھوں
میں چڑیاں۔ وہ نوجوان کی بری ہو سکتی تھی یا بہن بھی۔ ڈبے میں نفل
ہوئے وقت میں نے اسے ایک نظر ہی دیکھا تھا اور نہ جانے
کیوں مجھے شبہ ہوا تھا جیسے میں نے اسے پہلے بھی کیس دیکھا ہے۔
بعد میں مجھے اُس کا چہرہ نظر نہیں آیا۔ وہ ہم سب کی طرف پیٹھ
کر کے اور ساڑی کا پلو متر پہ ڈال کے کونے میں بیٹھی رہی۔ ہم بائیں
آدھیں کو ڈبے میں دیکھ کے نوجوان نے ذبے لفظوں میں اعتراض کیا
لیکن پر دے اُسے سمجھا کہ ایک مزید آدمی کی موجودی سے اُسے
کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ وہ چپ تو ہو گیا مگر دیر تک اُس کے چہرہ
کھنچاؤ رہا۔ ڈبے میں برقیں بھی صرف چھ تھیں۔ تین اوپر تین نیچے
کی برتھوں پر نوجوان اُس کے ساتھ والی لڑکی اور اباجان تھے۔ اوپر
ایک پر میں دوسری پہ پیر، تیسری پہ ایک دوسرے کے سر کی طرف



اصول چسپ تریبے دامناضے کے
بقیہ واقعات تیسرے حصے
میں ملاحظہ فرمائیں